تاریخ المسعودی
شہرۂ آفاق عربی کتاب
مروج الذہب و معادن الجواہر
کا اردو ترجمہ
امام المورخین ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی
نفیس اکیڈمی
اردو بازار۔ کراچی

تاریخ المسعودی

مروج الذہب و معادن الجواہر

حصّہ دوم

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی بزرگ شخصیت اور نامور مورخ

امام المورخین ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی

کی شہرۂ آفاق تالیف

کا اردو ترجمہ

مترجم

پروفیسر کوکب شادانی

(بی اے آنرز (علیگ)، ایم اے ایم او ایل (پنجاب)

ناشر

نفیس اکیڈمی

اسٹریچن روڈ۔ کراچی ۱

فہرست موضوعات

حصّہ دوم

موضوع	صفحہ
عرض ناشر	۷
پیش لفظ	۹
باب ۱	
نسل صقالبہ، ان کے حکمران اور مختلف قبائل	۱۱
باب ۲	
افرنگ وجلالقہ، ان کے حکمرانوں اور ہمسایہ اقوام کا ذکر	۱۳
باب ۳	
قوم نوکبرد اور اس کے مساکن	۱۷
باب ۴	
قوم عاد اور اس کے حکمران	۱۹
باب ۵	
قوم ثمود، اس کے حکمران اور اس کے نبی حضرت صالح علیہ السّلام۔	۲۱
باب ۶	
مکہ، اس کا احوال اور بناءِ کعبۃ اللہ	۲۳
باب ۷	
اخبارِ عالم، خطہ ہائے ارضی کے خصوصی اوصاف اور نوعِ انسانی کا میلانِ توطن	۳۵
باب ۸	
لوگوں کا یمن، عراق، شام اور حجاز کی وجہ تسمیہ میں اختلاف	۴۳
باب ۹	
اہل یمن کے انساب اور اس بارے میں مختلف اقوال۔	۴۵
باب ۱۰	
ملوکِ یمن اور ان کی مدتِ حکومت	۴۹
باب ۱۱	
بنی نصر کے ملوک حیرہ وغیرہ۔	۶۱
باب ۱۲	
شام کے یمنی وغسانی حکمران	۷۲
باب ۱۳	۷۶

بوادی عرب وغیرہ، بدوؤں کے وہاں قیام کے اسباب، عرب کا جملہ احوال اور تمام ضمنی اذکار۔ ۷۶

باب ۱۴

عربوں کی دیانت، زمانہ جاہلیت میں ان کی آراء، مختلف ممالک میں ان کا پھیلاؤ، اصحابِ فیل اور عبد المطلب اور اس باب سے متعلق دیگر ذیلی و ضمنی واقعات ۸۵

باب ۱۵

زمانۂ جاہلیت میں انفاس و الہام و صَفَر اور ظاہر و باطن کے بارے میں عربوں کے خیالات۔ ۱۰۳

باب ۱۶

غیلان و تغول کے بارے میں زمانہ جاہلیت کے عقائد اور ان کی متعلقہ باتیں۔ ۱۰۵

باب ۱۷

ہاتفانِ غیبی اور جنّات کے متعلق اقوالِ عرب ۱۰۸

باب ۱۸

قیافہ، زجر و عیافہ اور سانح و بارح میں عربوں کے خیالات۔ ۱۱۲

باب ۱۹

کہانت اور نفسِ ناطقہ کی وحدانیت کے بارے میں لوگوں کے مشاہدات۔ ۱۱۵

باب ۲۰

ذکر کاہناں، سیل عرم اور قوم ازد کی مختلف شہروں کی طرف بھاگ دوڑ ۱۱۹

باب ۲۱

عرب و عجم کے مہینے اور ان میں اتفاق و اختلاف۔ ۱۲۵

باب ۲۲

سُریانی مہینے، عربی مہینوں سے ان کی مماثلت اور موسموں کی پہچان۔ ۱۲۸

باب ۲۳

اہل فارس کے مہینے ۱۳۳

باب ۲۴

ایام اہل فارس کی وجہ تسمیہ ۱۳۴

باب ۲۵

عربوں کے مہینے، دن اور ان کے نام ۱۳۵

باب ۲۶

عربوں کی راتوں کا قمری حساب۔ ۱۳۹

باب ۲۷

شمس و قمر کے بارے میں حکماء کے اقوال ۱۴۳

باب ۲۸

دنیا کے چار گوشے، ان کے خواص آب و ہوا اور سلطان الکواکب سورج کے ان پر اثرات۔ ۱۴۸

باب ۲۹

متبرک عبادت گاہیں، مقدس ہیکل، شمس و قمر اور تیوں کی پرستش گاہیں کواکب اور دیگر عجائب عالم۔ ۱۶۲

باب ۳۰

یونانیوں کے نزدیک لائق تعظیم عبادت گاہیں ۱۶۹

باب ۳۱

قدیم رومیوں کی مقدس عبادت گاہیں ۱۷۱

باب ۳۲

صقالبہ کی عبادت گاہیں ۱۷۲

باب ۳۳

صابئہ کے مقدس بُت خانے اور ان کی متعلقہ باتیں۔ ۱۷۴

باب ۳۴

سورج اور چاند وغیرہ کے نام پر تعبیر کردہ مقدس عبادت گاہیں۔ ۱۷۹

باب ۳۵

تخلیق کائنات سے ولادت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک زمانی احوال۔ ۱۹۱

باب ۳۶

ولادت باسعادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا نسب اور اس بات سے متعلق دوسری باتیں۔ ۱۹۷

باب ۳۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے آپؐ کی ہجرت تک واقعات کا سلسلہ۔ ۲۰۷

باب ۳۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے وفات تک کے مکمل حالات۔ ۲۱۰

باب ۳۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے وفات تک وقوع پذیر اہم امور۔ ۲۱۷

باب ۴۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا شدہ کلام جس کی مثال دنیائے علم و حکمت پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ۲۲۵

باب ۴۱

ذکر خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۲۳۱

باب ۴۲

ذکرِ خلافت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ۲۴۰

باب ۴۳

ذکر خلافت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ۲۶۷

باب ۴۴

ذکر خلافت امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔ ۲۸۷

باب ۴۵

جنگ نہروان اور مقتل محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و اُشتر نخعی وغیرہ۔ ۳۳۹

باب ۴۶

ذکر مقتل امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ ۳۴۷

باب ۴۷

ذکر خلافت حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما۔ ۳۶۲

اشاریہ حصۂ اول - دوم ۳۷۲

عرضِ ناشر

دُنیا کے نامور سیّاح، علوم کائنات کے ماہر، علم تاریخ و جغرافیہ میں کامل الفن، شہرۂ آفاق مؤرخ ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی متوفی ۳۴۶ھ ہجری کے علمی و تحقیقی کارناموں اور ایک عظیم مؤرخ کی حیثیت سے اس کی آفاق گیر شہرت پر اس کے عظیم ترین گراں قدر کارنامے "مروّج الذہب و معادن الجواہر" کی جلد اوّل کے اُردو ترجمے میں معروضات ناشر" کے تحت ہم اجمالاً روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اُردو میں مذکورہ بالا کتاب کے ترجمے کی اہمیت پر بھی اظہارِ خیال کر چکے ہیں اور اب قارئینِ کرام کی خدمت میں جلد دوم پیش کرتے ہوئے حیرت آمیز مسرت محسوس کر رہے ہیں، حیرت اس لیے کہ اس قبیل کی ضخیم علمی کتابوں کی موجودہ کساد بازاری کے زمانے میں بھی ہمارے ترقی پذیر ملک میں ان کے شائقین کی کمی نہیں ہے اور مسرت اس لیے کہ ہمیں روایت پسند بلکہ رجعت پسند سمجھنے کے بجائے علمی و قومی خدمت کے سلسلے میں ہماری اس جراُت رندانہ کو لاتعداد خواتین و حضرات نے نہ صرف بہ نگاہِ تحسین دیکھا ہے بلکہ اس سلسلے میں ہمیں بے شمار توصیفی خطوط بھی موصول ہوئے ہیں، جن کے لیے ہم اپنے علم دوست قارئین کرام کے شکر گزار ہیں اور اپنے پروردگار کا بھی لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ اس کے فضل و کرم سے ہمارے خوابہائے شیریں کی تعبیریں بھی ابھی تک خوش گوار نکلتی آ رہی ہیں۔

"مروّج الذہب" جلد دوم کا زیرِ نظر اُردو ترجمہ بھی مخدومی جناب پروفیسر کوکب شادانی کے کرشمہ سازِ قلم کا مرہونِ منّت ہے، اس کی اشاعت میں جو کسی قدر تاخیر و تعویق ہوئی ہے اس کا خاص سبب فاضل مترجم کی علالت تھی جس کی بنا پر موصوف کو اپنے معالج کے مشورے پر چند ماہ مسلسل مری اور اسلام آباد میں قیام کرنا پڑا، ہم نے اپنے کرم فرماؤں اور موصوف کے بے شمار مدّاحوں کے اس ترجمے کی بعجلت اشاعت کے اصرار پر مبنی موصول ہونے والے مسلسل خطوط انہیں

ارسال کر دیے تھے جس کا حسبِ اُمید خوشگوار اثر ہوا کہ موصوف نے مکمل طور پہ صحت یاب نہ ہونے کے باوصف یہ ترجمہ مکمل کرکے ہمیں بھجوا دیا اور ہم نے بھی کاغذ کی موجودہ ہوشربا گرانی اور دیگر بھاری اخراجات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنی دیرینہ روایات کا بھرم رکھنے کے لیے اس ترجمے کو ممکنہ عجلت سے شائع کر دیا ہے۔ تیسری اور چوتھی جلد کے تراجم بھی انشاء اللہ جلد شائع کیے جائیں گے۔

وَمَا تَوفِيقِي إِلَّا بِاللهِ

اُمید ہے ہماری اس ناچیز علمی و قومی خدمت کو بھی حسبِ سابق بہ نگاہِ استحسان دیکھا جائے گا۔

طارق اقبال گاھندری

المسعودی

پیش لفظ

(ترجمہ جلد دوم)

آئندہ صفحات میں تیسری، چوتھی صدی ہجری کے نامور مسلم مؤرخ "امام المؤرخین" المسعودی کی عالمی تاریخ و جغرافیہ پر گراں قدر شہرہ آفاق تالیف "مُروُجُ الذہب" و معاون الجواہر" جلد دوم کا اُردو ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔ جیسا کہ اہل علم واقف ہیں اور المسعودی کی اس نادر تالیف کے ترجمہ جلد اوّل کے پیش لفظ میں عرض کیا جاچکا ہے۔ ہمارے اس نامور عربی مسلم مؤرخ اور جغرافیہ داں نے ابوالمؤرخین ابن خلدون کی طرح مغرب کے بڑے بڑے سربرآوردہ محققین کو تاریخ نویسی کا نہ صرف پہلی بار ڈھنگ سکھایا بلکہ ایک طویل عرصے کی دشوار ترین عالمی سیاحت اور جانکاہ علمی و تحقیقی کاوش کے بعد تخلیق کائنات سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے قریباً نصف اوّل تک علم تاریخ و جغرافیہ پر اپنی مذکورہ بالا تالیف کی چار جلدوں میں اس قدر فکر انگیز مواد فراہم کر دیا کہ کم و بیش سارے یورپ میں علم تاریخ کے فنی ماہرین بھی عش عش کر اُٹھے اور وہاں کے انصاف پسند اہل علم آج تک اس عظیم مسلم مؤرخ کو خراج تحسین ادا کرتے رہتے ہیں کیونکہ عصر حاضر کے ترقی یافتہ سائنسی دور میں بھی علوم کائنات پر ایسا نادر و نایاب مستند تحقیقی ذخیرہ کہیں مشکل ہی سے دستیاب ہوسکتا ہے۔ "مُروُجُ الذہب" کے انگریزی نسخے، فرانسیسی نسخے اور بیروت (لبنان) میں اس کے تازہ ترین عربی نسخے پر تحقیقی کام کا ذکر جلد اوّل کے پیش لفظ میں کیا جاچکا ہے۔

علوم کائنات اور عالمی تاریخ و جغرافیہ پر اپنے زمانے کی حد تک المسعودی کو جس قدر عبور حاصل تھا اور اسے پیش کرنے میں مؤلف موصوف نے جس قدر جگر کاری اور محنت شاقہ سے کام لیا ہے اس کا اندازہ اہل فکر و نظر کو "مُروُج الذہب و معادن الجواہر" کی چاروں جلدوں کے بالاستیعاب

مطالعے سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مؤلف موصوف کو عربی زبان و ادب میں جو کمال حاصل تھا اس کا اندازہ بھی عربی زبان و ادب کے وسیع و تمام تر مطالعے ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔ "مُرُوجُ الذہب" کے عظیم و نامور مؤلف نے شاہانِ عالم کے پُر رونق درباروں کی آراستگی و پیراستگی کی جس منفرد اُسلوب میں عکاسی کی ہے اس کا جواب ادبیاتِ عالم میں کہیں مشکل ہی سے مل سکے گا۔ ایسے ادبی اسلوب کی طرحگی اور نادر کاری کو کسی دُوسری زبان میں ہو بہو و ہو بہو منتقل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے خصوصًا عربی زبان کی ایسی عبارتوں کا ترجمہ کرنا جن کا ایک ایک لفظ بلحاظ بلاغت آج بھی دُنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے متعدد تحریری صفحات پر بھاری ہوتا ہے اور وہ بھی قریب قریب اسی ادبی شگفتگی کے ساتھ جس قدر دشوار ہے یہاں اس کا ذکر اہلِ نظر کے آفتابِ فراست کو چراغ دکھانے کا مصداق ہوگا، البتہ یہ عرض کرنا غالبًا بے محل نہ ہوگا کہ ناچیز راقم الحروف نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ قارئین کرام کو "مُرُوجُ الذہب" جلد اوّل کے اُردو ترجمے کی طرح جس کے سلسلے میں اُنہوں نے راقم الحروف کو محترم چوہدری اقبال سلیم گاھندری صاحب مرحوم کے لائق فرزند عزیز القدر چوہدری طارق اقبال گاھندری صاحب مالک و مدیر منتظم نفیس اکیڈیمی کراچی کے توسط سے بے شمار توصیفی خطوط ارسال فرمائے ہیں (جن کے لیے میں ان کا تہ دل سے شکر گزار ہوں) مذکورہ بالا گراں قدر تالیف جلد دوم کے زیرِ نظر اُردو ترجمے کے بارے میں بھی یہ شکایت نہ رہے کہ "گیسوئے اُردو ابھی منّت پذیر شانہ ہے ؛ شمع یہ سودائی دلسوزیِ پروانہ ہے"

"مُرُوجُ الذہب" کے لائق مؤلف المسعودی نے اپنی گراں قدر تالیف کی اس دوسری جلد کے چند مخصوص آخری ابواب ("خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ" سے خلافت حضرت حسن رضی اللہ عنہ تک) جس انتہائی احتیاط اور دیانتِ تاریخ نگاری کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے قلمبند کیے ہیں ان کے ترجمے میں بھی اُسی قدر احتیاط اور دیانت ترجمہ کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے اگرچہ مؤلف موصوف کے قلمبند کردہ ان ابواب میں کچھ تلخ و افسوس ناک مگر مستند اور ٹھوس تاریخی حقائق کا ترجمہ کرتے وقت ناچیز راقم الحروف کو جگہ جگہ دانتوں پسینہ آگیا ہے۔

اُمید ہے کہ "مُرُوجُ الذہب" جلد اوّل کے اردو ترجمے کی طرح اس جلد دوم کے ترجمے کو بھی علمی و ادبی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا، وما توفیقی الا باللہ۔

احقر العباد

کوکب شادانی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب (۱)

نسل صقالبہ، ان کے مساکن و حکمران اور مختلف قبائل

صقالبہ صقالبہ ماذ[1] بن یافث بن نوح کی نسل سے ہیں اور ان کے جملہ قبائل کا تعلق اسی نسل سے ہے جملہ اہل علم اور مؤرخین اس پہ متفق ہیں۔ ان کے قدیم مساکن جوڈی[2] میں تھے جہاں سے وہ مغرب کی طرف منتقل ہوئے۔ ان کے مختلف قبیلے تھے جن میں باہمی لڑائیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ ان کے حکمران بھی تھے۔ ان میں سے کچھ دین مسیحی پر تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جن کا کسی مذہب سے تعلق نہ تھا۔ وہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی طرح کسی مذہب یا شریعت سے واقف تک نہ تھے۔ انہیں قبائل میں حکمران بھی تھے جن کا تعلق از منۂ وسطیٰ سے تھا۔ ان کا ایک حکمران باجک[3] کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے قبیلے کا نام "ولینانا" تھا۔ صقالبہ کی جملہ نسلوں کا شیرازہ اسی قبیلے سے متعلق تھا۔ اور دوسرے تمام قبائل کے حکمران اسی کے مطیع تھے۔ پھر اس قبیلے سے ایک دوسرا قبیلہ نکلا جس کا نام اصطبرانہ پڑا۔ اس قبیلے کا موجودہ حکمران صقلائج ہے اور اس کا قبیلہ دلاونہ کہلاتا ہے۔ ان کا ایک علاقہ دانج علاف ہے جہاں قبیلہ ناجیبن رہتا ہے، ان کا حکمران عزانہ ہے۔ یہ قبیلہ اس نسل کے جملہ قبیلوں میں شجاعت اور شہسواری کے لحاظ سے سب پہ فوقیت رکھتا ہے۔ ان کا ایک قبیلہ منابن[4] ہے جس کا حکمران تزبیر ہے۔ ان کا ایک قبیلہ سرتین بھی ہے۔ صقالبہ کا یہ قبیلہ مہیب

---

[1] بعض نسخوں میں ماذ کی جگہ باذ لکھا ہے (مرتب)
[2] بعض نسخوں میں جوڈی کی جگہ جرا لکھا ہے (مرتب)
[3] 〃 〃 〃 ماجک کی جگہ ماجل لکھا ہے (〃)
[4] 〃 〃 〃 منابن 〃 〃 مابین 〃 〃 (〃)

ترین ہونے کی وجہ سے اکثر مؤرخین نے اس کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے اور دُوسرے بہت سے قبائل اس کی اطاعت پر مجبور ہیں۔ مذکورہ بالا قبائل کے علاوہ ان کا ایک قبیلہ صاصین ، ایک جروانیق ، ایک خشانین اور ایک براتجابین بھی ہے۔ ان سب قبائل کے الگ الگ حکمران ہیں۔ قبیلہ سرتین کے لوگ اپنے حکمرانوں کی میتوں کو جلاتے ہیں بلکہ ان کے جانوروں اور جملہ املاک کو بھی نذرِ آتش کر دیتے ہیں۔ اس قبیلے کے دوسرے مُردے بھی جلائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ قبیلہ ہندوستان کے ہندوؤں کی اسی رسم کی تقلید کرتا ہے جیسا کہ ہم جبل قبخ و خزر کے ذکر میں جہاں صقالبہ کے علاوہ روسی بھی آباد ہیں بیان کر چکے ہیں۔ یہ لوگ مغرب کی سرحدیں عبور کر کے مشرقی علاقوں میں آ گئے ہیں۔ اسی لیے مشرقی علاقوں کی متعدد روایات ان میں رواج پا گئی ہیں۔

ملوکِ صقالبہ

صقالبہ کا پہلا حکمران "ملک الدیز" کہلاتا ہے۔ اس کے بہت سے گنجان شہر اور بلند و بالا عمارتیں ہیں۔ اس کے پاس ایک بڑا لشکر بھی ہے جس کے سپاہیوں کی تعداد بے شمار ہے۔ یہ لوگ اکثر روم ، افرنگ ، نوکبرد اور دوسری قوموں سے محاربات میں مصروف رہتے ہیں۔ ان میں جو لوگ ترکی سے آکر آباد ہوئے ہیں وہ شکل و صورت اور شجاعت میں ان سب سے ممتاز ہیں۔

قبائلِ صقالبہ

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں صقالبہ کے بہت سے قبیلے ہیں۔ ان کا ذکر ہم نے جبل قبخ و خزر کے ساتھ جلد اوّل میں بھی کیا ہے۔ ان کا قدیم ترین قبیلہ ماجک ہے جس کا تعلق علاقۂ ولینانا سے ہے۔ یہی سب سے بڑا قبیلہ ہے جس کی قدامت پر سب کو اتفاق ہے۔

جب قبائلِ صقالبہ میں اختلافات پیدا ہوئے تو ان کا نظام بھی درہم برہم ہو گیا۔ ان سب کا تفصیلی ذکر ہم اپنی کتاب اخبار الزمان میں کر چکے ہیں جو قدیم اقوام کے حالات پر مشتمل ہے۔

باب (۲)

افرنگ و جلالقہ، ان کے حکمرانوں اور ہمسایہ اقوام کا ذکر

افرنگ و صقالبہ اور لوکبرد، اشبان، یاجوج و ماجوج، ترک، خزر، برجان اور للان و جلالقہ کا جو ذکر ہم علاقہ جدی کے تحت کر چکے ہیں اس سے مؤرخین کے کسی گروہ کو کوئی اختلاف نہیں ہے علاقہ جدی شمال میں ہے اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں کے قدیم قبائل یافث بن نوح کی نسل سے ہیں جو حضرت نوح (علیہ السلام) کا چھوٹا بیٹا تھا۔ ان قبائل میں فرنگی سب سے زیادہ تُند خو اور سخت گیر واقع ہوئے ہیں اور بڑے باہیبت لوگ ہیں اور ان میں سے اکثر جنگجو ہیں۔ ان کے ملک کا وسیع علاقہ متمدن، منظم، قوانین کا پابند اور اپنے حکمرانوں کا متبع ہے۔ جلالقہ فرنگیوں میں سے بھی زیادہ شہ زور اور جنگ جو ہیں وہ افرنگ سے ہمیشہ متحارب رہتے ہیں۔ افرنگ کی زبان ایک ہے۔ ان کے ملک میں حزب اختلاف جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ ان کا موجودہ دار الحکومت بویرہ ہے۔ ویسے ان کے شہروں کی تعداد ان قصور و محلات اور قلعوں کے علاوہ جو ان سے الگ مقامات پر تعمیر کیے گئے ہیں پچاس ہے۔

مساکن افرنگ ظہور اسلام سے قبل فرنگیوں کے مساکن سمندری جزیرے روڈس میں تھے اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہ جزیرہ اسکندریہ کے سامنے تھا۔ یہ جزیرہ اب یعنی ہمارے زمانے میں روم کی جہاز سازی کی صنعت گاہ ہے۔ اس کے آگے جزیرۂ اقریطش آتا ہے جسے ظہور اسلام کے بعد مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا۔ اسی طرح افریقی ممالک اور جزیرہ صقلیہ بھی پہلے فرنگیوں ہی کا تھا۔ ہم اس جزیرے اور جزیرۂ برکان کا پہلے ذکر کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ کبھی اس جزیرے میں بے سر کے اجسام شعلوں کی طرح سطح آتشی سے

بلند ہوکر آسمان کی طرف پرواز کر جاتے تھے اور رات کے وقت ہوا میں تیرتے پھرتے تھے پھر دن میں سمندر میں آپڑتے تھے اور مچھلیوں کی طرح اہل صقلیہ کے لیے خوراک کا کام دیتے تھے۔ اسی جزیرے میں فرفوریس حکیم کی قبر ہے جو یونان کا پہلا منطق دان تھا۔ پہلی جلد میں ہم نے زمین سے برآمد ہونے والی دوسری اغذیات کا ذکر کیا ہے جو اس جزیرے کے باشندوں کی خوراک ہے جیسا کہ ہم وادی برہوت کے بارے میں ذکر کر چکے ہیں جو بلاد حضرموت اور شحیر میں ہے۔ اس کے علاوہ ہم بحرِ چین کے بلاد زابج اور بلاد داسک کے باشندوں کی اشیائے خوردنی کا بھی ذکر کر چکے ہیں (یہ مقامات بلادِ فارس و اہواز کے درمیان بلادِ فارس کے شہر ارجان کے قریب ہیں۔ جس جزیرے کی آگ کا ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں وہ دس میل دُور سے نظر آجاتی ہے۔ اب یہ جزیرہ اسلامی جزیرہ ہے جہاں لوگ زمین سے اُگی ہوئی چیزیں بطور خوراک استعمال کرتے ہیں۔ یہاں زمین سے گندھک اور دوسرے جمادات نکلتے ہیں ان کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان گرم چشموں کا ذکر بھی ہم بلاد ماسبدان کے تحت کر چکے ہیں جو ارضِ اربوجان اور شیروان میں ہیں اور عجائبات عالم میں شمار ہوتے ہیں۔

ہم اس سے قبل یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہاں کے سمندروں سے خوراک کے علاوہ یہاں کی مخلوق اور کیا کیا فوائد حاصل کرتی ہے۔

ملوک افرنگ

۳۳۶ھ ہجری میں مصر کے شہر فسطاط میں ہم نے وہ کتاب دیکھی جو نصرانی اسقف عرباز نے ۳۲۸ھ ہجری میں حکم بن عبدالرحمن بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن ابن حکم بن ہشام بن عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان بن حکم جو اپنے باپ عبدالرحمن صاحب اندلس کا ولی عہد تھا تحفتہً بھیجی تھی اور اسے لکھا تھا کہ "فرنگیوں کا پہلا حکمران قلودیہ تھا جو خود تو مجوسی تھا لیکن اس کی بیوی جس کا نام غرطلہ تھا نصرانی تھی۔ قلودیہ کے بعد اس کا بیٹا لذریق اس کا جانشین ہوا۔ لذریق کے بعد اس کا بیٹا دقشرت فرنگیوں کا حکمران ہوا۔ اس کے بعد سلسلہ بسلہ یکے بعد دیگرے دقشرت کا بیٹا لذریق، پھر قرطال ابن دقشرت اور اس کے بعد اس کا بیٹا قارلہ، پھر اس کا بیٹا بتین، پھر اس کے بعد قارلہ بن بتین حکمران ہوئے۔ قارلہ بن بتین حکم صاحب اندلس کے زمانے میں فرنگیوں کا حکمران تھا۔ اس کی حکومت چھ سال تک رہی، پھر اس کی اولاد میں اختلافات پیدا ہوگئے جس کی وجہ سے فرنگیوں کی حکومت کمزور ہوتی چلی گئی۔ بہرحال لذریق بن صادقہ کی حکومت دس سال چھ ماہ رہی۔ لذریق بن صادقہ وہی تھا جس نے طرطوشہ کی طرف بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا قارلہ بن لذریق حکمران

ہوا تھا جس نے محمد بن عبدالرحمٰن بن حکم بن ہشام بن عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرلیا تھا۔ محمد کو اس زمانے میں "امام" کہا جاتا تھا۔ قادلہ بن لزدیق کی حکومت ۳۹ سال ۶ ماہ رہی، اس کے بعد اس کا بیٹا لزدیق فرنگیوں کا حکمران ہوا، اس کی حکومت چھ سال رہی لیکن اس کے بعد فرنگیوں کا ایک مذہبی قائد نوسہ نے اس پر چڑھائی کی اور فرنگیوں کا حکمران بن گیا اور اس نے آٹھ سال حکومت کی۔ اس نے مجوسیوں کو اس شرط پر سات سال تک اپنے ملک میں قیام کی اجازت دی تھی کہ وہ چھ سو رطل سونا اور چھ سو رطل چاندی سالانہ اسے ادا کریں۔ نوسہ کے بعد قادلہ بن تقویرہ[1] نے چار سال حکومت کی۔ اس کے بعد قادلہ آخر کی حکومت ہوئی جس نے ۱۳ سال ۳ ماہ حکومت کی۔ اس کے بعد لزدیق بن قادلہ کی حکومت ہوئی جو ہمارے زمانے میں ۳۳۲ھ ہجری تک قائم ہے۔ یہ وہ سب باتیں ہیں جو اب تک ہمارے علم میں آئی ہیں۔

عبدالرحمٰن و جلالقہ

اُندلس کے فرنگیوں میں سب سے بڑھ کر جنگجو قوم جلالقہ ہی تھی۔ اس وقت عبدالرحمٰن صاحب اُندلس کا وزیر بنی اُمیہ کی نسل سے ایک شخص احمد بن اسحٰق تھا۔ اس نے چونکہ عبدالرحمٰن کے خلاف جلالقہ سے مل کر بغاوت کی تھی اس لیے عبدالرحمٰن نے احکام شریعت کے مطابق اسے قتل کرا دیا تھا۔ احمد بن اسحٰق کا ایک بھائی اُندلس کے قریب شہر شنتریں میں رہتا تھا۔ اس نے جب اپنے بھائی کے قتل کا حال سُنا تو وہ بھی جلالقہ کو ملا کر عبدالرحمٰن کے مقابلے کی تیاری کرنے لگا۔ عبدالرحمٰن نے جب یہ سُنا تو وہ ایک لاکھ سپاہ پر مشتمل ایک عظیم لشکر لے کر قلعہ شنتریں کی طرف بڑھا اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ لیکن اس قلعے کے گرد کافی چوڑی خندق تھی اور وہاں ان مسلمانوں کے علاوہ جو اُمیہ کے ساتھ تھے جلالقہ بھی تھے جن کی بہادری جنگجویانہ خصائل کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ کچھ عرصہ قلعہ شنتریں کے محاصرے کے بعد عبدالرحمٰن نے قلعہ کے گرد خندق کو عبور کرنے کی پے در پے سعئی کوشش کی جس میں اس کے لشکر کے پچاس ہزار آدمی کام آگئے۔ اس کے علاوہ عبدالرحمٰن کے لشکر کے پاس جو ساز و سامان تھا اسے خود عبدالرحمٰن کا ذاتی بیش قیمت سامان دیکھ کر اہل حرص و ہوس کا

---

[1] بعض نسخوں میں قادلہ بن بغربیہ لکھا ہے (مرتب)

تسکار ہوگئے اور انہوں نے قلعہ سے باہر آکر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہا جس کے نتیجے میں انہیں شکست ہوئی اور انہوں نے عبدالرحمٰن سے صلح کی درخواست کی جو اُمیہ کی طرف سے تھی۔ جلالقہ کے حکمران اذمیر نے بھی اس سے معافی مانگی اور صلح کا خواہاں ہوا۔ جس پر عبدالرحمٰن نے انہیں معاف کر دیا بلکہ انہیں زر و مال سے بھی نوازا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے جنگ کے وہ قواعد اختیار کیے جو جلالقہ میں چلے آرہے تھے اور ان میں ایسی مہارت حاصل کی کہ خود جلالقہ حیران رہ گئے[۲]۔ تاہم جلالقہ اب تک یعنی ۳۳۲ھ ہجری تک اپنے مقبوضات کے مالک ہیں اور ان کا حکمران بھی وہی اذمیر ہے جو عبدالرحمٰن کے مقابل آیا تھا۔ اذمیر سے قبل فرنگیوں کے مقبوضات کا حکمران اردون تھا۔ اور اس سے پہلے اذلوشن تھا۔ اندلس کے ان اطراف کے عوام اور حکمران تا حال دینِ مسیحی پر ہیں۔

باب (۳)

قوم نوکبرد اور اس کے حکمران

ان کے انساب و مساکن

قوم نوکبرد کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ یہ یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کے ممالک مغرب سے متصل ہیں۔ ان کا مرکزی مقام بھی جدی ہے۔ ویسے ان کے بے شمار جزیرے ہیں جہاں ان کے قوی الہیکل اور بہادر جنگجو آباد ہیں ان سب کا ایک ہی حکمران ہے جس کی اطاعت پر سب کے سب ہر وقت کمر بستہ رہتے ہیں۔ اس حکمران کا نام ”اونکبس“ ہے۔ ان کے ملک کا دار الحکومت ایک بڑے شہر میں ہے جس کا نام ”ھی لبیت“ ہے۔ اس شہر کے دونوں طرف ایک عظیم نہر نکالی گئی ہے۔ اس نہر کی خوبی یہ ہے کہ اس کی تہہ میں قدرتی طور پر گندھک رہتی ہے جس کی وجہ سے اس کا پانی شفاف اور جراثیم سے پاک ہے۔ اسی لیے یہ نہر عجائبات عالم میں شمار ہوتی ہے۔ اس نہر کا نام ”سابیط“ ہے۔ قوم نوکبرد کے قرب و جوار میں اندلسی مسلمان آباد ہیں۔ ان لوگوں کی چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے مسلمانوں نے ان کے اکثر بڑے بڑے شہروں پر قبضہ کر لیا ہے۔ ان شہروں میں شہر باری، شہر طارینو اور شہر شبرامہ وغیرہ شامل ہیں۔ قوم نوکبرد نے ان شہروں کو واپس لینے کے لیے متعدد لڑائیاں لڑیں لیکن مسلمانوں کے مقابلے میں ہر بار شکست کھائی۔ یہ ذکر ۳۳۲ھ ہجری تک کا ہے۔

ہم اس سے پہلے فرنگیوں، صنقالبہ اور جلالقہ و نوکبرد کا ذکر کر چکے ہیں اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ اندلس کے حکمرانوں سے ان کی کتنی اور کہاں کہاں لڑائیاں ہوئیں۔ ان دنوں اندلس میں جو حکمران ہے اس کے نسب اور احوال و اخبار کے بارے میں ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ حکومت عباسیہ کے دورِ اوّل میں جو شخص پہلی بار اندلس آیا وہ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام تھا۔ وہ کس طرح

اندلس پہنچا اور وہاں اسے کیا حالات پیش آئے اور پھر کس طرح اس نے اندلس کی حکومت حاصل کی اس کا حال متعدد کتب تواریخ میں آچکا ہے اور ہم بھی اس کا ذکر اس سے قبل تفصیل سے کر چکے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اندلس کا دار الحکومت قرطبہ ہے جس کی بلند بالا عمارات محلّات و باغات اور قصر خلافت کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے۔ قرطبہ کے علاوہ بھی اندلس کے کئی اور بڑے بڑے شہر ہیں جن کی شان و شوکت دیکھ کر لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ قرب و جوار کے جملہ حکمران جن میں فرنگی، صقالبی، جلالقی اور نوکبردی وغیرہ سبھی شامل ہیں اب صاحب اندلس کے مطیع و منقاد ہیں۔ آج کل جب امیر اُندلس کی سواری نکلتی ہے تو اس کے جلو میں کم سے کم ایک لاکھ فوجی سواروں کا لشکر ہوتا ہے۔ امیر اُندلس کے اس کرّ و فر اور شان و شوکت کے علاوہ اس کے پاس زر و سیم اور جواہرات کی کثرت ناقابل بیان ہے۔

باب (۴)

قوم عاد اور اس کے حکمران

عاد اوّل اخبار عالم میں ثقہ ترین اصحاب کے مطابق حضرت نوح (علیہ السلام) کے بعد قوم عاد میں پہلا شخص جس کے نام سے ساری قوم مشہور ہوئی عاد اوّل یوثر تھا اور سارے عرب پر اس کا غلبہ تھا۔ عاد اوّل اور اس کی ہلاکت قرآن سے ثابت ہے اس لیے اس اس سلسلے میں کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن میں اس کے حد درجہ ظالم اور جابر ہونے کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس کے ظالم و جابر ہونے اور بدکرداری کا ذکر اللہ تعالے نے اپنے پیغمبر حضرت ہود (علیہ السلام) کی زبانی کیا ہے۔ جب قوم نوحؑ کے کفار کو اللہ تعالے نے ہلاک کر دیا تو اس کے بعد قوم عاد سطح ارضی پر چھا گئی اور یہ سب حکم الٰہی سے ہوا۔ یہ لوگ اُونچے درختوں کے برابر طویل القامت اور قوی الجثہ بھی تھے۔ ان کی ہیئت کذائی کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔

نسب عاد عاد عظیم الخلقت ہونے کے علاوہ بڑا جابر شخص تھا۔ وہ نسبی اعتبار سے عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کہلاتا ہے۔ یہ عاد اوّل چاند کی پرستش کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عاد کی اولاد چار ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ جو عاد کی ایک ہزار بیویوں سے تھی۔ اس کا ملک بلاد یمن کے متصل تھا جو بلاد احقاف اور بلاد صحاری پر مشتمل تھا۔ یہ مقامات جیسا کہ ہم اس کتاب کی جلد اوّل میں بیان کر چکے ہیں عمان سے لے کر حضر موت تک پھیلے ہوئے تھے۔

جب عاد کا انتقال ہوا اس وقت وہ ادھیڑ عمر کا تھا۔ اس کے بعد حکومت اس کی اولاد

میں اولاد در اولاد منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ حکومت دسویں شخص غمر تک پہنچی۔ اس کے زمانے میں حکومت کو استقلال و استحکام حاصل ہوا۔ وہ حسنِ اخلاق اور مہمان نوازی کی وجہ سے عوام میں بہت مقبول تھا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ایک ہزار دو سو سال تھی۔

غمر کے بعد اس کا لڑکا شدید بن عاد حکمران ہوا۔ اس نے پانچ سو تیس سال حکومت کی۔ کچھ مؤرخین نے کم و بیش بھی بتائی ہے۔

شدید بن عاد کے بعد اس کا بھائی شداد بن عاد بادشاہ ہوا۔ اس کی حکومت ۹۰۰ سو سال رہی جو کم و بیش جملہ اکناف عالم پر محیط تھی۔ اسی نے "ارم ذات العماد" تعمیر کیا تھا جس کے کوائف ہم اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ تاہم لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ وہ کہاں اور کس جگہ واقع تھا۔ البتہ اس کے وجود کی دلیل قرآن میں موجود ہے۔ شداد بن عاد عادِ ثانی تھا۔ جس کا ذکر قرآن میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے: (الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد) اس عاد یعنی شدّاد کی حکومت میں ظلم و جبر اپنی انتہا کو پہنچ گئے تھے شدّاد بن عاد ساری دنیا میں گھوما پھرا۔ بلادِ ہند میں اظہارِ قوت اور شوکت و حشمت کی انتہا کر دی۔ غرض دنیا میں مشرق سے مغرب تک اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے متعدد لڑائیاں بھی لڑیں۔ یہاں ہم نے اس کا ذکر بخوف طوالت اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم نے قوم عاد اور اس کے نبی حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر، اس قوم کے عادات و خصائل اور چہروں مہروں کی تفصیل اپنی پہلی کتابوں اخبار الزمان، کتاب الاوسط اور کتاب الزلف وغیرہ میں تفصیل سے پیش کیا ہے۔ اس قوم میں تفریق انساب اور اُن کے تنزل کے اسباب پر اس کتاب میں آگے چل کر روشنی ڈالیں گے۔ یہاں اتنا سمجھ لیا جائے کہ اُندلس کے ساتھ سب قوموں سے زیادہ اس قوم نے سختی کی تھی اور جبر و ظلم میں یہی قوم سب سے آگے تھی۔ اس کے بعد اسی کے آس پاس ایک اور قوم اُبھری جو وشکش کہلائی اور جس کا ہم اپنی پچھلی کتابوں میں ذکر کر چکے ہیں۔

باب (۵)

قوم ثمود، اس کے حکمران اور اس کے نبی حضرت صالحؑ

مساکن ثمود

ہم نے اس سے قبل قوم ثمود اور اس کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کا قدرے ذکر کیا ہے۔ ملک ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح شام و حجاز کے درمیان بحر حبشی کے کنارے واقع تھا۔ ان کا ایک شہر فج ناقہ میں اور ان کے مکانات پہاڑوں کی گھاٹیوں میں اب تک ملتے ہیں۔ ان کی کچھ رسوم اور آثار بھی تا حال باقی ہیں۔ ان کی رسوم قریب قریب وہی ہیں جب وہ شام سے وادی قریٰ میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے مکانات اور دوسری جگہیں اب بھی ویسی ہی ہیں یعنی اس طرح کی ہیں جیسی ہماری ہیں۔ ان کے چہرے مہرے اور قد و قامت قوم عاد کے علی الرغم ہم سے زیادہ قریب ہیں، ان کے اکثر مکانات اب ارض شجیر میں ہیں۔ ان میں یہ تبدیلیاں تبدیل مقام کی وجہ سے آئی ہیں، ان کا پہلا حکمران جس نے کم و بیش دوسو سال حکومت کی عابر بن ارم بن ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح تھا۔ اس کے بعد "جندع بن عمرو" بن زبیل بن ارم بن سام بن نوح بادشاہ ہوا جس نے اپنی ہلاکت کے وقت تک ۲۹۰ سال حکومت کی۔ اسی جندع نے حضرت صالح علیہ السلام کے حکم سے پہلے حکمران کو ۴۰ سال قبل ہلاک کیا تھا۔ قوم ثمود میں سب سے زیادہ عرصہ اسی جندع نے حکومت کی ویسے قوم ثمود کی حکومت کا مجموعی عرصہ ۳۲۷ سال ہوتا ہے۔

قوم ثمود ہی میں حضرت صالح علیہ السلام نے توحید خداوندی کی تبلیغ کی تھی۔ یہ قوم اونٹوں والی قوم کہلاتی تھی۔ انہی کے ایک سردار نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا تھا کہ اگر وہ سچے نبی ہیں۔ تو اپنے رب سے کہیں کہ سامنے کی چٹان سے ایک اونٹنی پیدا کر دے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے خدا سے دعا کی۔ چٹان کی شکل بالکل ایسی ہو گئی، جیسی کسی حاملہ عورت کی دردِ زہ

کے وقت ہو جاتی ہے۔ پھر اس سے بحکم خدا ایک اُونٹنی ظاہر ہو گئی۔ اس کے بعد اس اُونٹنی کے لیے چارے اور دانہ پانی کی تلاش ہوئی۔ خدا نے اس کے لیے ایک چشمہ پیدا کر دیا لیکن اس سے کوئی دُوسرا اس کی باری کے دن پانی نہیں لے سکتا تھا۔ قوم ثمود حضرت صالحؑ کے بہت سے معجزات دیکھ چکی تھی۔ لیکن بار بار انہیں معجزات دکھانے پر مجبور کرتی رہتی تھی۔

اس اونٹنی کے واقعہ کے بعد ان میں پانی پر جھگڑا چلا۔ اتفاق سے قوم ثمود میں دو حسین ترین عورتیں تھیں۔ ایک کا نام غنیزہ بنت غنم اور دُوسری کا صدوف بنت مجیا تھا۔ ان دونوں پر دو مرد قدار بن سالف اور مصدع بن مفرج عاشق تھے۔ مفسد عورتوں کی مکاریاں تو مشہور ہی ہیں چنانچہ ان دونوں نے مذکورہ بالا دونوں مردوں سے کہا کہ وہ اُونٹنی کے باری کے دن جب کسی کو چشمے سے پانی لینے کی اجازت نہیں ہے پانی لا کر دکھا دیں اور یہ شرط رکھی کہ اگر وہ اپنے قول کے پکے نکلے تو وہ ان کی زوجیت میں آجائیں گی۔ ان دونوں نے پانی کے حصول کے لیے تلوار اور خنجر استعمال کیے اور اونٹنی کو ذبح کر دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے یہ دیکھا تو فرمایا کہ تم پر خدا کا عذاب آنے والا ہے۔ قوم ثمود کے ایک سردار نے پوچھا "عذاب کب آئے گا؟" یہ گویا تمسخر تھا۔ آپ نے فرمایا "جمعرات کو" اس نے کہا: "جمعرات تو آج ہے۔" آپ نے فرمایا ہفتہ کے دنوں کا صحیح حساب لگایا جائے تو جمعرات کل ہو گی۔ چنانچہ دوسرے دن ان پر قہر خداوندی نازل ہو گیا۔ حضرت صالح (علیہ السلام) سے عذاب کے بارے میں پوچھنے والا جندع بن عمرو ہی تھا اور وہ بھی جندع ہی تھا جس نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا تھا کہ وہ پہاڑی چٹان سے اُونٹنی پیدا کر کے اپنی نبوّت کا ثبوت دیں۔ جب عذاب آیا تو قوم ثمود ہلاک ہو گئی۔ حضرت صالح (علیہ السلام) اپنے کچھ متبعین کے ہمراہ ارضِ فلسطین کی طرف ہجرت فرما گئے۔

قوم ثمود اور اس پر عذابِ الٰہی کے بارے میں مؤرخین کے علاوہ عرب شاعروں نے بہت کچھ کہا ہے۔ انہیں میں حباب بن عمر ہیں جو حضرت صالح پر ایمان لانے کے بعد آپ کے ہمراہ فلسطین چلے گئے تھے۔

ہم اس کتاب میں آگے چل کر اس کا ذکر ان اذکار کے ساتھ کریں گے جب قومیں منتشر ہو کر بابل کی طرف پھیلتی چلی گئیں اور مختلف قبائل میں تقسیم ہو گئیں۔ ان کی نسلیں اور زبانیں بھی بدل گئیں جس کا تفصیلی ذکر ہم نے اپنی پچھلی کتاب اخبار الزمان میں کیا ہے۔

باب (۶)

مکّہ، اس کا احوال اور بناء کعبۃ اللہ

مکّے میں حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کا مسکن

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کو مکّے میں ٹھہرایا تو دونوں میاں بیوی نے اپنے خالق سے دُعا کی۔ اس واقعے کو اللہ تعالےٰ نے قرآن میں یوں بیان فرمایا ہے کہ "اس نے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے (اپنے بیٹے کو) ایک بے آب وگیاہ وادی میں ٹھہرایا" جہاں آج کل خانہ کعبہ ہے وہاں اس وقت ایک سُرخ رنگ کا ٹیلہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ سے کہا کہ وہ اس ٹیلے کے دامن میں کوئی ایسی جگہ بنا لیں جو چھت کا کام دے سکے اور وہ وہاں قیام کر سکیں۔ پھر جیسا کہ حضرت ہاجرہ کی زبانی بیان کیا گیا ہے' وہاں ایک چٹان شق ہوئی اور ماں بیٹے دونوں کے لیے خدا نے اپنی قدرت سے ایک چشمہ (زمزم) پیدا کر دیا۔ بیت اللہ کی بنیاد کو کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ شحر اور یمن کے علاقوں میں قحط پڑ گیا اور قبائل عمالیق وجرہم جو قومِ عاد کے باقی ماندہ لوگوں پر مشتمل تھے ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔

عمالیق پہلے خوراک، پانی اور جانوروں کے چارے کے لیے تہامہ کی طرف گئے۔ اس وقت ان کا سرگروہ سمیع الدرع بن ہوبر بن لاوی بن قیطور بن کرکر بن حیدان تھا۔ لیکن جب بہ ہزار جدوجہد کہیں پانی اور سبزہ نظر نہ آیا تو بنو کرکر نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً سمیع الدرع بن ہوبر کو بھی رُک جانا پڑا۔ پھر بھی کچھ لوگ پانی کی تلاش میں آگے بڑھے کیونکہ اس وقت تک ان کے پانی کا ذخیرہ بالکل ختم ہو چکا تھا۔ ان لوگوں کو کچھ دُور جا کر ایک پرندہ نظر

آیا جو کبھی زمین پر اُترتا اور پھر اُوپر اُڑ جاتا۔ اُنہوں نے غور سے دیکھا تو انہیں وہ سُرخ ٹیلہ اور اس کے سامنے وہ سائبان نظر آیا جس کے سائے میں حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ رہائش پذیر تھیں۔

ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ قریب کی ایک چٹان سے چشمہ جاری ہے لیکن اس کے چہار جانب پتھر رکھ دیے گئے ہیں تاکہ اس کا پانی چشمے سے باہر نکل کر ادھر اُدھر نہ بہے۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ جو قافلے سے آگے بڑھ آئے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سائبان کے سامنے جا کر حضرت ہاجرہ کو سلام کیا اور چشمے سے پانی لینے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ہاجرہ نے انہیں پانی لینے کی بخوشی اجازت دے کر پوچھا: "کیا تمہارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں؟ کیا تم تنہا سفر کر رہے ہو یا تمہارے اہل و عیال بھی ساتھ ہیں؟" ان لوگوں نے اپنی کیفیت سُنا کر حضرت ہاجرہ سے اس پہاڑی کے قریب مستقل قیام کی اجازت چاہی تو حضرت ہاجرہ نے انہیں اس کی بھی بخوشی اجازت دے دی۔ اس طرح وہ بے آب و گیاہ وادی آباد ہوئی۔ وہ چشمہ آج تک موجود ہے لیکن اب اس کی شکل ایک کنوئیں جیسی ہے جسے چاہِ زمزم کہتے ہیں اور اس کا سُوتا آج تک خشک نہیں ہوا۔ یہیں حضرت اسماعیل کی اولاد بڑھی جس میں خدا کے آخری پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوئے اور یہیں سے نورِ نبوّت تمام دُنیا میں پھیلا۔ جن لوگوں کا اوپر ذکر کیا گیا انہوں نے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے گفتگو کی تھی تو آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی زبان کے برعکس ان سے عربی میں گفتگو کی تھی۔

ہم نے اس کتاب کے علاوہ دُوسرے مورخین کی طرح اپنی دوسری کتابوں میں بھی بنو قحطان اور بنو نزار کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے جداء بنت سعد عملاقی سے شادی کی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کی اپنے بیٹے اسماعیلؑ سے ملاقات

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؓ سے رخصت ہو کر گئے تو عرصہ بعد اپنی پہلی منکوحہ بیوی حضرت سارہؓ سے اجازت لے کر ان دونوں کو دیکھنے دوبارہ مکے آئے تو وہ گھر تو تھا جس میں وہ ان دونوں کو چھوڑ گئے تھے لیکن حضرت ہاجرہؓ وہاں تھیں نہ اسماعیل علیہ السلام۔ وہ دونوں اس وقت شکار اور کچھ کھانے کا کچھ دوسرا سامان تلاش کرنے اس وقت کہیں گئے ہوئے تھے مگر حضرت اسماعیلؑ

کی بیوی جداء بنت سعد عملاقی گھر میں موجود تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا:۔ کیا تمہارے سوا اس گھر میں کوئی نہیں ہے؟"

جداء نے مختصر جواب دیا:" جی نہیں۔"

آپ نے پھر پوچھا:۔" اس گھر کا مالک کہاں ہے؟"

جداء نے پھر پہلے کی طرح مختصر سا جواب دیا:" وہ بھی یہاں نہیں ہے۔"

یہ سُن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:۔" میں نے اسماعیل علیہ السلام اور اس کی والدہ سے (رصاف) کہہ دیا تھا کہ اس گھر میں ان کے سوا کوئی اور نہیں رہے گا۔" اتنا کہہ کر آپ شام کی طرف روانہ ہوگئے۔

جب حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ گھر لوٹے تو جداء سے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دریافت کیا:" ہمارے پیچھے یہاں کوئی آیا تو نہیں تھا؟"

جداء نے جواب دیا:" ہاں ایک بوڑھا شخص آیا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے وہ گفتگو بھی حضرت اسماعیل کو سُنائی جو اس کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ہوئی تھی۔

جداء کی زبان سے یہ واقعہ سُن کر حضرت اسماعیل (علیہ السلام) بولے:۔" غضب ہوگیا وہ تو میرے محترم والد بزرگوار "خلیل اللہ" تھے۔ ان کی گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں اس گھر سے علیحدہ کر کے تمہارے میکے بھیج دوں۔ یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوا۔"

قبیلۂ جرہم کی مکّے میں قیام کی خواہش

جب مکّہ آباد ہو رہا تھا تو عمالیق کی طرح بنوجرہم بھی قحط سالی کا شکار تھے۔ اُنھوں نے بنو کر کر کے مکے میں مستقل قیام کے بارے میں سُنا تو ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ مکّے میں قیام کے خواہش مند ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں سرزمین مکہ کی زرخیزی پانی کی افراط اور سبزے کی کثرت کا علم ہوچکا تھا۔ جب انھیں اجازت مل گئی تو وہ اپنے متقدمین اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے ساتھ مل کر ہنسی خوشی وہاں رہنے لگے۔ جب وہ مکے میں وارد ہوئے تھے تو اس وقت ان کا سرگروہ حارث بن مضاض بن عمرو بن سعد بن رقیب ابن ہبنی بن نُبَت بن جرہم تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ عمالیق بنی کر کر میں سے تھے لیکن اکثریت اس پہ متفق ہے کہ وہ بنی جرہم میں سے تھے یا بنوجرہم خود عمالیق میں سے تھے، حضرت اسماعیل نے دوسری شادی سامہ بنت مہلہل بن سعد بن عوف بن ہبنی ابن نُبَت سے کی تھی۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ حضرت اسماعیل سے ملنے کے لیے جانے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے کہا کہ وہ انہیں اپنے ہمراہ کیوں نہیں لائے تھے یا وہ خود اپنے باپ سے ملنے کیوں نہیں آتے۔ کچھ دوسرے لوگوں نے بھی ازراہ تمسخر کہا کہ بیٹا اپنے باپ سے ملنے براق پر آتا یا آتان پر یا کسی معمولی جانور پر؟ بہرحال جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ مکے پہنچے تو انہوں نے حضرت اسماعیل کے گھر پہنچ کر ان کی جرہمی بیوی کو سلام کیا تو اس نے بھی انہیں بڑے ادب سے سلام کیا اور عرض کیا کہ گھر کے اندر تشریف لے آیئے لیکن انہوں نے گھر میں داخل ہونے سے انکار کرتے ہوئے پوچھا کہ اسماعیل اور ان کی والدہ ہاجرہؓ کہاں ہیں؟ اس نے بتایا کہ وہ دونوں کھیت پر گئے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "میں سمجھا تھا کہ ہاجرہ کا انتقال ہوچکا ہوگا۔ کیونکہ میرے اندازے کے مطابق ان کی عمر اب ۹۰ سال ہوچکی ہے۔ سامہ بنت مہلہل نے اپنے خسر حضرت ابراہیمؑ کو بڑے اصرار اور خوشامد کے بعد گھوڑے سے اُتارا اور گھر میں لے جاکر ایک پتھر پر بٹھایا اور قدموں میں ایک یمنی نمدہ بچھایا جو اس وقت گھر میں موجود تھا۔ پھر آپ کے سر میں تیل ڈال کر کنگھی کی اور برابر آپ کی خدمت میں لگی رہی۔ جب آپ نے پتھر سے اُٹھ کر کبھی دائیں جانب سے بائیں جانب اور کبھی بائیں جانب سے دائیں جانب اس کا چکر لگایا تو وہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے اسی طرح اس پتھر کا طواف کرتی رہی۔ اس کے بعد جب اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کی شہادت دی۔ وہی پتھر اب مقام ابراہیم کہلاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سامہ سے کہا تھا کہ "جب اسماعیل آجائیں تو ان سے میرے سلام کے بعد کہنا کہ گھر کی حفاظت کا خیال رکھا کریں، ویسے تم بھی ماشاءاللہ اس گھر کی عمدہ محافظ ہو۔" اتنا کہہ کر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے، سامہ کو دُعائیں دیں اور شام کی طرف روانہ ہوگئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نام کی وجہ تسمیہ

کہتے ہیں جب حضرت ہاجرہؓ اپنی مالکہ حضرت سارہ اُم اسحٰق سے رخصت ہوئی تھیں تو انہوں نے اللہ تعالےٰ سے اپنے لیے بھی ایک بیٹے کی دُعا کی تھی۔ ان کی یہ دُعا اللہ تعالیٰ نے سُن لی تھی اسی لیے ان کے بیٹے کا نام اسماعیل ہوا۔

وفات کے وقت حضرت اسماعیل کی عمر ۱۳۷ سال تھی۔ آپ کو مسجد حرام میں اس جگہ کے قریب دفن کیا گیا جہاں اب حجر اسود ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کی اولاد

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے جن کے نام یہ ہیں:۔ نابت[1]، قیدار، ادبیل، مبسم، مشمع، دوما، دوام، متنا، حدّاد، تیما، یطور اور نافش۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بس یہی بارہ بیٹے ہوئے جو سب کے سب دین ابراہیمی یعنی دینِ اسلام پر تھے۔

تعمیر بیت اللہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکّے میں جب بھی آئے ہوں لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں تعمیر بیت اللہ کا حکم دیا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر اس وقت تیس سال تھی۔ وہ اپنے باپ کے کہنے کے مطابق مختلف پہاڑیوں سے پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں بیت اللہ کی دیواروں میں چہار جانب نصب کرتے جاتے تھے۔ اس طرح لمبائی میں خانہ کعبہ تیس گز چوڑائی میں بائیس گز اور اونچائی میں اس کی چاروں دیواریں سات سات گز ہوئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا ایک دروازہ بھی رکھا لیکن اس پر چھت نہیں ڈالی۔ اس کھُلی چھت والے ممتاز مقام کی زیارت حاجیوں کے لیے آج بھی متبرک اور ضروری ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تعمیر کعبہ کے بارے میں مسلمانوں کو قرآن میں حسب ذیل آیہ کریمہ کے ذریعہ مطلع فرمایا:۔

"واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسماعیل۔"

اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کو حج کے لیے بُلانے کا حکم بھی دیا۔

خانہ کعبہ کی تولیت

اپنی وفات تک حضرت اسماعیلؑ خانہ کعبہ میں مقیم رہے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے بُنت بن اسماعیل نے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ پھر قبیلہ جرہم کے لوگ اولاد اسماعیلؑ پر غلبہ حاصل کر کے وہاں رہنے لگے۔ کعبے کا پہلا متولّی حارث بن مضاض تھا۔ اس کا خاندان اب تک موضع قُعیقعان میں مقیم چلا آتا ہے۔ اس کے بعد جو لوگ تجارت کی غرض سے مکّے آئے انہوں نے اس کے دسویں حصّے پر قبضہ کر لیا۔ یہ لوگ مکّے کے بالائی علاقے میں رہتے

---

[1] اس نام کے بارے میں کثرت سے اختلافات ہیں۔ کسی مؤرخ نے اسے قیذار بتایا ہے کسی نے ادبل، کسی نے میسم، کسی نے مسمع، کسی نے دوما، کسی نے دوام، کسی نے مثنّی، کسی نے حداد، کسی نے تیم، کسی نے بطور، کسی نے نابسر اور اسی وجہ سے "مُروجُ الذہب" کے مختلف نسخوں میں یہ مختلف نام پائے جاتے ہیں (مرتّب)

ہیں۔ اس کے بعد بھی لوگ تجارت ہی کی غرض سے آئے اور اُنہوں نے مکّے کے دوسرے دسویں حصّے
میں سکونت اختیار کی لیکن یہ لوگ اب تک مکے کے اسی نشیبی علاقے میں مقیم ہیں۔ یہ لوگ عمالیق ہیں۔
ان کا سردار سمیدع بن ہوبر بن لاوی بن قیطور بن کرکر بن جید تھا۔ یہ لوگ مکے کے منصلات سے اچانک
مکے آ گئے تھے، اس لیے ان میں اور پہلے سے مقیم لوگوں میں لڑائیاں بھی ہوئیں۔ جرہم کے سردار
حارث بن مضاض نے ان بعد میں آنے والوں اور ان کے سرداروں نقفع اور ماّح و دّرق وغیرہ
کو مکّے سے نکال دیا اور اپنی جائے قیام کو جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا قیقعان رکھا مگو سمیدع
نے جو عمالیق کا سردار تھا انہیں وہاں رہنے نہیں دیا اور حیلوں حوالوں سے انہیں وہاں سے نکال
کر اس جگہ کا نام اجیاد رکھ دیا لیکن بنی جرہم ان کے خلاف متحد ہو کر اُٹھے اور انہیں وہاں سے
بھگا کر اس جگہ کا نام فاضحا رکھا لیکن اجیاد اور فاضحا نام کے محلّے مکہ میں اب تک چلے آتے
ہیں۔ عمالیق نے اپنے حصّے میں اصطلاحات مقرر کیں اور بکریوں کو ذبح کرنے اور انہیں پکانے
لگے۔ اس لیے پھر ان کی جائے سکونت کا نام طابخ پڑ گیا۔ جو اب تک چلا آتا ہے۔ خانہ کعبہ
کی تولیت بھی رفتہ رفتہ انہیں کے حصّے میں آ گئی۔ پھر وہ قبیلہ جرہم کی طرف منتقل ہوئی اور تین سو
سال تک انہیں کے پاس رہی۔ ان کا آخری حکمران حارث بن مضاض اصغر بن عمرو بن حارث بن مضاض
اکبر تھا۔ بنی جرہم نے خانہ کعبہ کی تعمیرات میں اضافہ کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس
کی دیواریں جہاں تک اُٹھائی تھیں انہیں بلند بھی کیا۔ آخر کار بنی جرہم میں برائیاں پیدا ہو گئیں۔
حتیٰ کہ ان کے ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ حریم کعبہ میں کارِ بد کیا تو خدا نے انہیں
سنگسار کر دیا۔ اس مرد کا نام اِساف اور عورت کا نائلہ تھا۔ خدا نے انہیں پتھر کی شکل میں
تبدیل کر دیا تھا جو اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ بنی جرہم کی برائیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے
انہیں نکسیر اور پھوڑے پھنسیوں جیسی بیماریوں کی آمد و رفت میں مبتلا کر دیا اور ان کی ایک کثیر
تعداد انہیں بیماریوں میں مبتلا رہ کر ہلاک ہو گئی۔ دوسری طرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کی
اولاد میں اضافہ ہوتا رہا حتےٰ کہ انھیں اپنے ماموؤں پر غلبہ حاصل ہو گیا تو انہوں نے بنو جرہم
کو مکے سے نکال باہر کیا اور جہینہ میں آباد ہو گئے جہاں رات کے اوقات میں سیلابوں نے
اس بستی کو بار بار اجاڑا۔ اس واقعے کو اُمیہ بن ابی صلت نے ایک شعر میں بھی بیان کیا ہے۔

اس بچی کھچی آبادی کا نام اِضم پڑ گیا تھا۔

کچھ عرصہ بعد خانہ کعبہ کی تولیت ایاد بن نزار بن معد کی طرف منتقل ہوئی۔ جس کی وجہ سے مضر

اور ایاد کی اولاد کے درمیان لڑائیاں بھی ہوئیں لیکن آخر کار جب مضر ایاد پر مکمل طور پر غالب آ گئے تو مخزالذ مکّے سے عراق چلے گئے۔ ہم آگے چل کر مکّے کے تفصیلی حالات اور قبائل نزار وخزاعہ کے کوائف بیان کریں گے۔ ویسے یہاں اتنا سمجھ لیا جائے کہ ملوک جرہم کے اوّلین اشخاص مکّے میں سو سال تک حکمران رہے۔ ان کا سلسلہ جرہم بن قحطان سے مضاض بن عمر بن سعد بن مرقیب بن ہَنِبْت تک رہا۔ اس کے بعد عمرو بن مضاض کا سلسلہ اگلے سو سال تک رہا۔ اس کے بعد مضاض کے بیٹے عمرو بن مضاض اور اس کی اولاد کا سلسلہ ۱۲۰ سال چلا۔ اس کے بعد حارث بن عمرو کی اولاد دو سو سال تک مکّے میں حکمران رہی۔ اس کے بعد مضاض بن عمرو اصغر بن حارث بن عمر بن مضاض بن عمرو بن سعد بن مرقیب بن ہبنی بن نَبِت بن جرہم بن قحطان کا دور دورہ رہا۔ جنہوں نے چالیس سال تک حکومت کی۔ اس کے بعد اصل عربی النسل لوگ عاد وثمود اور عبید وطسم اور جدیس وعمالیق نیز وبار وجرہم رفتہ رفتہ ختم ہوتے چلے گئے اور صحیح النسب عربوں میں صرف قبائل عدنان وقحطان کے کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے جن میں ادھر ادھر کے بدّو شامل ہوتے چلے گئے۔ اس لیے ان کے انساب و آثار کی شناخت مشکل ہو گئی۔

عمالیق نے چونکہ اللہ سے منہ موڑ کر دنیا میں فساد پھیلایا تو اس نے ان پر دُنیا کے دوسرے لوگوں کو مسلّط کر دیا جیسا کہ ہم رومیوں، ان کے انساب اور عمالیق کے ساتھ جو ان کا نسبی تعلق تھا اس سلسلے میں پہلے بیان کر چکے ہیں مثلاً عیصو بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام۔ لیکن علمائے عرب کو اس نسبی تعلق سے اختلاف ہے۔

طسم اور جدیس

جہاں تک قبائل طسم اور جدیس کا تعلق ہے وہ قریباً ستر سال تک مکّے میں اقتدار کے خواب دیکھتے رہے لیکن سارے عرصے میں انہیں محتسب اور ریاست کا اعلیٰ عہدے دار ہونے کے مابین ہی قوت حاصل ہوسکی۔ طلب حکومت کے اس سلسلے میں عربوں نے ان کے متعلق بہت سی کہاوتیں زبان میں داخل کیں اور عرب شاعروں نے بھی ان کے اس جوڑ توڑ کے بارے میں بہت سے دلچسپ اشعار کہے ہیں۔

اصحاب الرّس

قبیلہ رس اور ان کے ساتھیوں کا کسی قدر ذکر ہم اپنی پچھلی کتابوں میں کر چکے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے انھیں مکہ والوں پر حکمران بنایا تھا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ ہی پر جھوٹی تہمتیں لگانا شروع کر دیں۔ قبیلہ رس قوم حنظلہ بن صفوان علبسی میں سے تھا۔ دوسرے مصنّفین نے ان کے بارے میں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا ہے جو

ہم اس سے قبل اپنی دوسری کتابوں میں لکھ چکے یا اس کتاب میں مختصراً لکھا ہے۔ ان کا ذکر توریت میں بھی آیا ہے۔ یہ لوگ سام بن نوح کی نسل سے تھے یعنی بنی ارم بن سام کی اولاد میں جو عوص بن ارم کی اولاد تھے اور یہ نسل عابر بن ارم اور اس کے بیٹے ماش بن ارم سے تعلق رکھتی تھی۔

نبیط

نبیط کا نسبی سلسلہ یہ ہے:۔
عوص کا بیٹا عاد بن عوص، عابر کا بیٹا ثمود بن عابر، پھر ماش بن ارم، پھر نبیط بن ماش۔ اس طرح نبیط کا نسبی سلسلہ نبیط بن ماش پر ختم ہوتا ہے۔

عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح اور اس کا بیٹا احقاف گئے سے حضرموت میں جا بسے اور ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح اور اس کے بیٹے اکناف نے حجاز ہی میں رہائش اختیار کی لیکن جدلیس بن عابر بلاد جوّ کی طرف چلا گیا۔ یہ جگہ یمامہ اور حجاز کے درمیان واقع ہے اور آج تک یعنی ۳۳۲ ہجری تک اسی نام سے مشہور چلی آتی ہے یہ مقام انتظامی طور پر اخیضر علوی کے ہاتھ میں ہے۔ اخیضر علوی حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے اور علاقہ بحرین کی حکومت ابھی تک اسی کے قبضے میں ہے۔

طسم ابن لود بن سام بن نوح اور اس کا بیٹا بنی جدلیس کے ہمراہ مکے سے یمامہ منتقل ہو گئے تھے مگر عملیق بن لود ابن سام بن نوح حجاز ہی میں مقیم رہے۔ اس سے قبل ہم اپنی پچھلی کتاب میں بیان کر چکے ہیں کہ عیلام کی اولاد اہواز و فارس چلی گئی تھی۔ یہ عیلام بن سام بن نوح کا ذکر ہے۔ جو نبیط بن ماش بن ارم بن سام بن نوح جو بابل کی طرف منتقل ہوئے تھے اُنہوں نے عراق پر تسلط حاصل کر لیا تھا۔ یہ وہی نبط ہیں جن کا ہم ملوکِ بابل کے تحت پہلے ذکر کر چکے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے درحقیقت دنیا کی ساری زمین آباد کی اور شہر پہ شہر بسا کر انہیں رونق بخشی لیکن چونکہ دنیا میں سب سے زیادہ فساد و شر پرور لوگ تھے اس لیے یہ عزت وافتخار ان کے ہاتھ سے نکل گئے اور ان میں سے اس وقت جو باقی ہیں وہ عراق وغیرہ میں ذلت و مسکنت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

قبائلی دعوے

متکلمین کی ایک جماعت نے جن میں ضرار بن عمرو اور ثمامہ ابن اشرس اور عمرو بن بحر جاحظ شامل ہیں یہ کہا ہے کہ عربوں میں سب سے بہتر قبیلہ قبیلہ نبط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قبیلے میں اللہ تعالےٰ نے رسول عربی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا اور بحیثیت نبی مبعوث کیا۔ دنیاوی شرف یقیناً اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کچھ

لوگوں نے اس کے خلاف آواز بھی اُٹھائی اور تردید شعوب پر کمربستہ ہوئے لیکن پھر جب اعمال صالح پر نظر ڈالی تو انہیں کو اس میں بھی بہترین پایا۔ اللہ تعالےٰ نے اس قبیلے کو جو شرف بخشا وہ بھی اسی وجہ سے ہے، خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ان اللّٰہ اصطفیٰ آدم و نوحًا و آل ابراھیم و آل عمران علی العالمین، ذریۃ بعضھا من بعض، و اللّٰہ سمیع علیمٌ۔
بہرحال اس بحث کو اعمال صالح پہ انجام پذیر سمجھنا چاہیے کہ خود اللہ جل شانہ' کا ارشاد بھی یہی ہے۔

پرستش اصنام کی ابتدا

جب عمرو بن عامر مارب سے نکلے تو انھیں پہلے بنو ربیعہ سے واسطہ پڑا پھر وہ تہامہ چلے گئے۔ بنو ربیعہ اسی واسطے یا مزاحمت کی بناء پر "خزاعہ" کہلائے۔

جب نزار کے بیٹوں ایاد اور مضر میں باہمی نزاع کے بعد جنگ تک نوبت پہنچی تو اسی زمانے میں ایاد کو حجرِ اسود مل گیا اور اس نے اسے حریم کعبہ ہی میں کسی جگہ دفن کر دیا لیکن بنو خزاعہ کی ایک عورت کو اس کا پتہ چل گیا اور اس نے اپنے قبیلے کو اس کی نشاندہی کر دی۔ اس پر دونوں قبیلوں میں جھگڑا ہوا۔ وجہ مخاصمت یہ تھی کہ اوّل الذکر نے حجرِ اسود کو پوشیدہ کیوں رکھا۔ پھر اس فعل کو معاف کر دیا گیا اور خزاعہ ہی کو خانہ کعبہ کی تولیت سونپ دی گئی۔ اور عمرو بن لحی اس قبیلے میں بیت اللہ کا پہلا متولّی قرار پایا۔ لحی کا اصلی نام حارثہ بن عامر تھا۔ وہ دین ابراہیمی کے برعکس عمل پیرا ہوا اور اسے بدل کر اسی نے خانہ کعبہ میں اصنام پرستی کی بنیاد رکھی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور زیر نظر کتاب میں آگے چل کر تفصیل سے اس کا ذکر کریں گے۔ ہوا یہ کہ حارثہ بن عامر جب شام کی طرف گیا تو اس نے وہاں لوگوں کو اصنام پرستی کرتے دیکھا۔ ان لوگوں نے اسے ایک بُت بھی دیا جسے اس نے وہاں سے لا کر خانہ کعبہ میں نصب کر دیا اور اس طرح مکے میں بُت پرستی کی ابتدا ہوئی۔ اس خصوصیت کی وجہ سے بنو خزاعہ کو کچھ قوت بھی حاصل ہوئی لیکن پھر بھی عامۃ الناس اس فعل کی وجہ سے اسے بُرا سمجھتے رہے حالانکہ اس نے انہیں ظلم و تشدد سے دبانے کی کوشش بھی کی۔ اس سلسلے میں بنو جرہم کے ایک شاعر نے جو دین براہیمی پر ایمان رکھتا تھا بنو خزاعہ کی ہجو بھی کی۔

"اے عمرو اہل مکہ پر ظلم مت کر کہ خانہ کعبہ جائے امن ہے اور یہاں کسی پر تشدد کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔" الخ

بہر حال عمرو بن لحی نے کعبے کے گرد و پیش بہت سے بُت نصب کر دیے اور اسی نے اہل عرب پر غلبہ حاصل کر کے انہیں اصنام پرستی پر مجبور کر دیا۔ پھر بھی کچھ لوگ دین ابراہیمی پر چلتے رہے شحنہ[1] بن خلف نے اس سلسلے میں کچھ اشعار بھی کہے ہیں۔

عمرو بن لحی کی عمر تین سو پینتالیس سال ہوئی۔

خزاعہ اور مضر میں تولیت کعبہ کا اختتام

خزاعہ اور مضر کی تین نسلوں تک کعبے کی تولیت انہیں میں رہی۔ انہوں نے بُت پرستوں میں اضافہ کیا۔ تاہم منیٰ میں قربانی کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد ابی سیّارہ چالیس سال تک منیٰ (سے مزدلفہ تک کے علاقے پر قابض رہے) اس کے بعد ظہور اسلام اور غلبۂ دین حق کے بعد خانہ کعبہ کو ان بُت پرستوں کی تولیت و نگرانی سے چھٹکارا ملا۔

جن لوگوں نے بیت اللہ کی اوّلین عظمت و حرمت ایک عرصے تک لوگوں کے دل سے بھلائے رکھی وہ بنی مالک بن کنانہ تھے۔ ان کا پہلا شخص ابوالقلمس حُذیفہ بن عبد تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو ثمامہ بیت اللہ کا متولّی ہوا اور ظہور اسلام تک یہ عزت اسی کو حاصل رہی۔ بنو کنانہ ہی لوگوں کو حج بیت اللہ کی طرف راغب کرتے تھے حالانکہ وہاں سینکڑوں بتوں کی پُوجا ہوتی تھی۔ خانہ کعبہ کی تولیت کی وجہ سے بنو کنانہ لوگوں میں بہت مقبول تھے۔ لوگ اِدھر اُدھر سے بیت اللہ کی زیارت اور حج کے لیے آتے تو ان کے ٹھہرنے وغیرہ کا انتظام بھی لوگ کرتے تھے۔ جب اسلام پھیلا تو خانہ کعبہ کی عزت و حُرمت بھی لوٹ آئی۔ اسی کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ زمانہ ایک حال پر نہیں رہتا وہ کبھی کبھی اسی اصلیت پر چلا جاتا ہے۔ جب خدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی نساۃ کو کفر میں حد سے زیادہ فرمایا ہے:۔ انما النسیی زیادۃ فی الکفر (آیۂ کریمہ)

قصی بن کلاب نے جس عورت سے شادی کی تھی وہ خلیل کی بیٹی تھی۔ خلیل ہی بنو خزاعہ میں خانہ کعبہ کا آخری متولّی تھا۔ عمرو بن لحی کی عمر جیسا کہ ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں بہت طویل ہوئی۔ اس کی نسل میں کم و بیش ہزار آدمی ہوئے۔ عمرو نے خانہ کعبہ کی تولیت اپنی بیٹی قصی بن کلاب کے سپرد کر دی تھی۔ وہی اس کا دروازہ کھولتی اور بند کرتی تھی۔ وہ بنی خزاعہ کے

---

[1] بعض نسخوں میں سحنہ بن خلف درج ہے (مرتّب)

ایک شخص ابی غبشان خزاعی سے مانوس تھی اس لیے اس نے بیت اللہ کی تولیت ایک اونٹ اور کچھ شراب لے کر اسے فروخت کر دی تھی جو اس وقت تک قصی بن کلاب کے پاس تھی۔ اس واقعہ کے بارے میں ایک عرب شاعر کا شعر بھی بہت مشہور ہے۔

خزاعہ میں بیت اللہ کی تولیت تین سو سال تک رہی، اس دور میں قصی کو استقلال حاصل رہا۔ لیکن اس کے بعد یہ عزت قریش کے حصّے میں آئی جو اس سے قبل جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ مکّے کے دسویں حصّے پر قابض تھے۔ انہوں نے واقعی بیت اللہ کی توسیع اور اس کے مطابق تعمیرات میں قابل قدر اضافہ کیا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کبھی بُت پرستی کی روایت پر ظہورِ اسلام اور دین حق کے غلبے تک مصر رہے۔ کچھ غیر قریش نے بھی اس میں حصّہ لیا۔ ویسے انساب مکہ میں قریش ابطحی کا غلبہ رہا۔ انھیں کو اباطح کہا جاتا ہے۔

قریش اباطح یہ قبائل عبد مناف، اولاد عبد الدار، اولاد عبد العزیٰ بن قصی، زہرہ، مخزوم، تیم بن مرّہ، جمح، سہم اور عدی پر مشتمل تھے جو مجموعی طور پر لعقۃ الدم اور بنو عتیک بن عامر بن لوئی ہی میں شمار ہوتے ہیں۔

قریش الظواہر قریش اباطح کے مقابل قریش الظواہر آتے ہیں جو یہ ہیں:۔
بنو محارب و الحارث بن فہر، بنو ادرم بن غالب بن فہر، بنو معیص[1] بن عامر بن لوئی۔

قریش کے حلیف جو لوگ قریش کے حلیف تھے وہ یہ ہیں:۔
بنو عبد الدار بن قصی، سہم، جمح، عدی اور مخزوم

پسندیدہ معاذین قریش معاذین قریش یہ ہیں:۔
بنو عبد مناف، بنو اسد بن عبد العزیٰ، زہرہ، تیم اور بنو حارث بن لوئی۔

ان کے علاوہ قریش نے اطراف کے ملوک کی طرف بھی امن و صلح کا ہاتھ بڑھایا تھا جن میں شام، حبشہ، یمن اور عراق کے حکمران شامل تھے۔

---

[1] بعض نسخوں میں بنو عمیص لکھا ہے (مرتّب)

قریش کے بارے میں تواریخ میں کثرت سے معلومات پائی جاتی ہیں جنہیں ہم اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں اور کسی قدر کتاب زیر نظر میں بھی بیان کریں گے جو مکے کے حالات عبد المطلب کا حال، حبشہ کے احوال کے ساتھ اس وقت سے مربوط ہیں جب اہل بابل ادھر ادھر منتشر ہوئے۔

باب (۷)

اخبارِ عالم، خِطّہ ہائے ارضی کے خصوصی اوصاف اور نوعِ انسانی کا میلان توطن

حضرت عمرؓ بن خطابؓ کا خِطّہ ہائے ارضی کے بارے میں استفسار

ذو دالدرایہ[1] نے نے بیان کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے کے ایک دانشور سے مختلف خطّہ ہائے ارضی کے بارے میں استفسار کیا اور اسے لکھا کہ "خدا کے فضل سے مسلمانوں نے عراق، شام اور مصر وغیرہ فتح کر لیے ہیں لہٰذا ہم عربی باشندے فطری طور پر اطراف و اکنافِ عالم میں جائیں گے لہٰذا تم ہمیں دنیا کے مختلف حصّوں کی آب و ہوا اور وہاں کے کوائف نیز وہاں کے باشندوں کے سیرت و کردار کے بارے جو کچھ تمہیں معلوم ہو اس کی ہمیں اطلاع دو کیونکہ ہم مسلمان جہاں جہاں جائیں گے وہاں تازہ بستیاں آباد کر کے یقیناً وہاں سکونت بھی اختیار کریں گے۔"

اس دانشور (حکیم) نے آپ کو دُنیا کے مختلف حصّوں کے بارے میں جو اطلاعات فراہم کیں وہ حسبِ ذیل ہیں:-

اکنافِ عالم کے فطری خواص

اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو فطری طور پر مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں تقسیم کیا ہے۔ اس لیے ان تمام حصّوں کی آب و ہوا بھی مختلف ہے اور اسی کا اثر وہاں کے مختلف باشندوں کے اطوار و عادات پر بھی مرتب ہوا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے ان چاروں خطّوں کی آب و ہوا وغیرہ اور وہاں کے

---

[1] بعض نسخوں میں "ذو دالروایہ" لکھا ہے (مرتّب)

مختلف شہروں کی تفصیلات یہ ہیں"۔

"مشرق میں طلوع آفتاب کے اوقات اور دن رات کی ساعتیں مغرب سے مختلف ہیں۔ مشرق میں گرمی زیادہ پڑتی ہے۔ لیکن وہاں کے باشندے اس کے عادی ہیں۔ اسی طرح مغرب میں برودت زیادہ ہے لیکن وہاں کے باشندے بھی اس کے عادی ہیں۔ یہی حال شمال و جنوب کا ہے۔ جہاں تک اپنے مفتوحہ شہروں میں عربوں کے سکونت اختیار کرنے کا تعلق ہے تو ان شہروں کے بارے میں میری معلومات کی حد تک تفصیلات حسب ذیل ہیں":۔

شام شام میں پہاڑیاں ہیں، ٹیلے ہیں، عمدہ ہوائیں ہیں، گھٹائیں ہیں، بارشیں ہیں، بجلیوں کی چمک ہے، بادلوں کی گرج ہے، لوگ جسمانی طور پر تر و تازہ ہیں، حلیم و بردبار ہیں۔ ان کے رنگ صاف ہیں، شام میں سرزمین حمص کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ وہاں کے باشندوں کے جسم خوب صورت، رنگ سفید ہیں۔ وہ لوگ سریع الفہم اور غور و خوض کے سلسلے میں مکمل ہیں اور ساتھ ہی ساتھ خوش طبع بھی ہیں۔ وہاں کا پانی صاف شفاف ہے۔ یا امیر المومنین! شام کے بارے میں میں نے ہر بات درست اور صحیح لکھی ہے۔ مجموعی طور پر شام میں بارشیں کثرت سے ہوتی ہیں، اس لیے وہاں سرسبزی و شادابی بہت ہے۔ درختوں کی کثرت ہے، نہریں بہتی ہیں، زمین بڑی زرخیز ہے۔ یہ انبیاء کے ٹھہرنے کی جگہ کہلاتی ہے یہاں اب بھی شرفاء بستے ہیں اور مخلوق خدا صالحین اور عبادت گزاروں پر مشتمل ہے۔ وہ لوگ اس سلسلے میں کامل کہلانے کے مستحق ہیں۔ ان کے کچھ لوگ جو اجتہاد وغیرہ میں منفرد کہلانے کے مستحق ہیں پہاڑوں پر سکونت رکھتے ہیں۔"

مصر جہاں تک مصر کا تعلق ہے وہ سرسبزی و شادابی کے ساتھ ساتھ فراعنہ کا مرکز رہنے کی وجہ سے اب تک فتنہ و فساد کی سرزمین ہے۔ یہی کبھی ظالم و جابر لوگوں کی سرزمین رہی ہے۔ ان کا انحصار دریائے نیل پر ہے جس کا انہیں شکر گزار ہونا چاہیے۔ ویسے یہاں کی ہوا تیز و تند اور یہاں کا موسم سخت گرم، اس لیے لوگوں کے رنگ اکثر سیاہی مائل ہیں۔ ویسے لوگ ذہانت و فطانت کے لحاظ سے قابل تعریف ہیں۔ یہاں زر و مال اور جواہرات کی کثرت ہے۔ اسی طرح غلے وغیرہ کے ڈھیر ہیں مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا، لوگ شرّی و فسادی ہیں۔"

یمن "یمن کے لوگ جسمانی طور پر کمزور ہیں، اسی لیے ان میں تحمل کی کمی ہے۔ مزاج بلغمی

ہے جس کی وجہ وہاں کی ہوا میں رطوبت ہے۔ تاہم وہاں اہلِ ہمم کی کمی نہیں۔ شادابی اور سرسبزی بھی خاطر خواہ ہے وہاں کے موسم مختلف ہیں لہٰذا باشندوں میں بھی اختلافی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ویسے وہاں کے بعض حصّے بہت خوبصورت ہیں۔ کچھ شعبوں میں ترقی کے رجحانات پائے ہیں۔ وہاں کی زبان بھی فصیح ہے۔"

حجاز حجاز چونکہ شام ویمن اور تہامُہ کے درمیان واقع ہے، اسی لیے وہاں گرمی کی شدت ہے یہاں کی ہوائیں بھی گرم ہیں، اہلِ حجاز نحیف الجثہ ہیں لیکن دماغی لحاظ سے بڑے قوی اور شجاعت میں بے نظیر ہیں لوگ اہلِ ہمّت ہیں البتہ سرسبزی وشادابی کی کمی کی وجہ سے لوگ اکثر قحط کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مغرب "مغرب اور اس کے لوگ شقی القلب، طبیعت کے لحاظ سے متوحش، محرور المزاج مٹھاس کے شوقین، رحم وکرم سے دُور، اکتسابِ شجاعت پر مائل، زرعی معاملات میں مساعی مگر وہاں کی اکثریت غدّار، خبث ومکر میں طاق، ان کے ممالک مختلف ہیں۔ ان کی مہمات کبھی تغیّر وتبدل کا شکار ہوتی رہتی ہیں۔ آج کل ان کے کم وبیش ہر ملک میں ترقی کی کوشش جاری ہے جو ان کے احوال وآثار سے ظاہر ہے۔"

عراق "عراق کو سرزمینِ مشرق کا مینار کہہ سکتے ہیں۔ وہ اس سرزمین کا نچوڑ اور اس کا قلب ہے وہاں دریا ہیں۔ اس لیے ان کے قرب وجوار سرسبز وشاداب ہیں۔ وہاں سے سمندر نزدیک ہے۔ آب وہوا معتدل ہے۔ لوگوں کے مزاج بھی کم وبیش معتدل ہیں، ان کے اذہان بھی لطیف ہیں۔ ان کے دلوں اور خیالوں میں سرگرمی ہے، ان کی خوشیاں بھی ترقی پذیر ہیں۔ ان کی عقل وبصیرت قوی ہے۔ زمانۂ قدیم سے عراق سطحِ ارضی کا قلب کہلاتا چلا آرہا ہے۔ وہ دراصل مشرق کی کنجی ہے، مسلک نور ہے، آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے۔ اس کے شہر آباد ہیں جہاں پانی بکثرت ہے۔ آب وہوا اچھی ہے۔ لوگوں کے رنگ معتدل ومتوسط درجے کے ہیں۔ ان کی ارواح مصفا ہیں۔ ان کے فضائل مجموعی طور پر بے شمار ہیں۔ مٹی اچھی ہے جسے پانی نے اور فرحت بخش بنا دیا ہے۔"

جبال "جغرافیائی لحاظ سے دنیا کے مختلف پہاڑی علاقوں میں بھی اختلاف ہے۔ ویسے وہاں کے لوگ جسمانی لحاظ سے توانا اور کرخت چہروں والے ہوتے ہیں۔ البتہ ہوتے ہیں باہمت، یہ شاید ان علاقوں کی مٹی کے خواص کا اثر ہے۔ ان میں عقل وفہم میدانی

علاقوں کے باشندوں سے نسبتاً کم ہوتی ہے۔ آب و ہوا بھی معتدل نہیں ہوتی۔ موسم اکثر و بیشتر خراب رہتے ہیں۔"

دنیا کے لوگوں کے اخلاق اور ان کی شکلیں، یا امیر المومنین! مختلف ممالک کی آب و ہوا پر منحصر ہیں۔ ویسے مغرب کے اکثر ممالک میں توازن و اعتدال کے لحاظ سے زوال کے اثرات کا تناسب زیادہ پایا جاتا ہے۔ اسی لیے رفتہ رفتہ وہاں زبوں حالی بڑھتی جارہی ہے۔"

خراسان خراسان، اہل ہمت کا ملک ہے، وہاں کے لوگ جسمانی لحاظ سے قوی، حلم و بردباری میں لطیف الطبع، عقل و بصیرت اور غور و فکر میں ممتاز اور ان کی اکثریت اہل الرائے ہے۔"

فارس فارس کی فضا صاف، زمین سرسبز و شاداب، اشجار بار آور، پانی صاف و شفاف، آب و ہوا لطیف ہے، البتہ اہل فارس کے اجسام میں معلوم ہوتا ہے، چربی بہت ہے، اس لیے وہ زود فہم نہیں ہیں۔ ان میں کھلم کھلا بات کرنے کی کمی ہے۔ ان کے اعمال و افعال بھی کچھ اچھے نہیں۔ ان کی مہمات میں بھی دنایت پائی جاتی ہے۔ مجموعی طور پر اہل فارس مکر و فریب کے عادی ہیں۔

خوزستان خوزستان کی آب و ہوا مکدر ہے، اس لیے وہاں کے باشندے بھی مکدر طبع کے شکار ہیں۔ بردباری جیسے جانتے ہی نہیں، ہمت میں بھی پستی پائی جاتی ہے خود ان میں رحم و کرم کی کمی ہے لیکن دوسروں سے اس کے متوقع رہتے ہیں۔"

جزیرہ "جزیرے کی آب و ہوا خشکی یعنی برّی علاقوں کی نسبت سے اچھی ہے۔ وہاں سرسبزی اور شادابی ہے، سکون ہے، اہل جزیرہ باہمت لوگ ہیں لیکن عموماً سکون پسند ہیں۔"

برّی علاقے "یا امیر المومنین! برّی علاقوں میں اشرف ترین اور سب سے اعلیٰ و ارفع علاقہ نجد و تہامہ کے اطراف کا ہے۔ وہاں ہر چیز معتدل و متوازن ہے، اس لیے وہاں کے باشندوں کی طبیعتیں اور مزاج بھی معتدل و متوازن ہیں۔ وہاں کی آب و ہوا کو مہذب کہہ سکتے ہیں۔ شر اور فساد نام کی کوئی چیز چونکہ وہاں نہیں ہے اس لیے خطرات اور نقصانات کا اندیشہ بھی کم سے کم ہے۔"

"ویسے یا امیر المومنین! یہ سمجھ لیجیے کہ اللہ تعالےٰ نے دنیا کے مختلف حصے بنائے ہیں

یا انھیں مختلف حصّوں میں تقسیم کیا ہے ۔ وہاں کے خصوصی حالات کے لحاظ سے ان حصّوں کو بھی ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے ۔ ان میں اس لحاظ سے امتیازی کیفیت بالکل فطری ہے ، جیسے آپ عراق کو اشرف البلاد کہہ سکتے ہیں اور اہلِ عراق کو صاحبانِ کمال کہا جا سکتا ہے اور وہ اس کے مستحق بھی ہیں ۔"

ہند اور چین "یا امیرالمومنین ! ہند اور چین کی بابت مجھے آپ سے کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہاں کی منازل میں چمک دمک ، شہروں میں رونق ، زردمال کی افراط ، نظامِ حکومت میں استقلال و استحکام البتہ کفر و طغیان حد سے زیادہ ۔"

اہلِ سیر و اخبارِ عالم کے سلسلے میں علم رکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ جب اہلِ عجم عراق میں جمع ہونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب احبار سے عراق کی خصوصیات کے بارے میں سوال کیا ۔ اس نے آپ کو جو جواب دیا وہ مختصراً درج ذیل کیا جاتا ہے ۔

"کعب احبار نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا :" یا امیرالمومنین ! جب اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ عالم کے بعد مختلف مواضع ارضی کے بارے میں مختلف قوائے عالم سے سوال کیا تو عقل بولی :" میرا تعلق عراق سے ہے "علم نے کہا :" میں بھی تیرے ساتھ ہوں ۔" مال و دولت نے کہا :۔" میرا تعلق شام سے ہے ۔" فتنے نے کہا :" میں بھی تیرے ساتھ ہوں ۔" سرسبزی و شادابی بولی " میرا تعلق مصر سے ہے ۔" ذلّت بولی :۔" میں بھی تیرے ساتھ ہوں ۔" فقر نے کہا :" میرا تعلق حجاز سے ہے ۔" قناعت بولی :" میں بھی تیرے ساتھ ہوں ۔" محنت و شفقت بولی " میرا تعلق صحرا سے ہے " تو صحت بولی " میں بھی تیرے ساتھ ہوں ۔"

اقلیم بابل اقلیم بابل کو "اوسط العالم" کہا جا سکتا ہے ۔ ہماری یعنی انسانی برادری کی زیادہ عمر اسی خطّہ ارضی میں گزری ہے اس لیے ہمارے قلوب عموماً اس کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں ۔ اہلِ فارس نے ارضِ بابل کو عظیم بتایا ہے اور اس کی قدر و منزلت بھی بہت کی ہے اور اس پر عنایات کی بارش بھی کی ہے ۔ وہ خصوصاً عراق کی طرف زیادہ مائل رہے ہیں ۔ اسی طرح ظہور اسلام کے بعد بھی ابی دُلف قاسم بن عیسیٰ عجلی حرورؔ[1] کی طرف مائل رہے ہیں جو عراق میں ہے ۔ اسی طرح ابی دلف نے اپنی نسبت " حرود " سے ظاہر کی ہے ۔ وہ

---

[1] بعض نسخوں میں حرور کی جگہ جبروم لکھا ہے ، وہ بھی عراق ہی میں ہے (مرتّب)

بھی عراق یا بابل ہی کا علاقہ ہے ۔ ابودلف نے اپنے اشعار میں بھی "حرود" کی مدح کی ہے ۔

اس خطۂ ارض میں ملاطفت، موافقت اور اس کی مٹی میں اعتدال کی کیفیت پائی جاتی تھی اس لیے لوگ دق در جوق جاکر وہاں آباد ہو گئے تھے ۔ اس خطۂ ارضی کی ایک خصوصیت دجلہ و فرات کے دریا ہیں ۔ وہاں کسی زمانے میں مکمل امن و امان تھا ۔ خوف و ہراس کا دور دور پتہ نہ تھا ۔ یہ ارض بابل کو دنیا کی ہفت اقلیم کا دل کہا جاتا تھا ۔ یہ سرزمین اقالیم عالم میں واقعی ایسی ہی تھی جیسے جسم انسانی میں دل ہوتا ہے ۔ اسی لیے شعرائے روم اور صقالیہ نیز سواد حبشہ وغیرہ کے لوگوں نے اول اول اس خطۂ ارضی کو سکونت کے لیے ترجیح دی تھی ۔ یہاں کے لوگ جسمانی لحاظ سے وجیہ و شکیل تھے ۔ وہ علم و حکمت میں ہر خطۂ ارضی پر فوقیت رکھتے تھے کیونکہ قریب قریب ساری دنیا کے باکمال لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے ۔ ان کی فطرت و جبلت میں اعتدال تھا اور فطانت میں بلندی تھی ۔ ان کے جملہ امور میں خوبی پائی جاتی تھی ۔ پھر جب وہاں کے لوگ منتشر ہو کر دنیا کے مختلف حصّوں میں پھیلے تو انہوں نے فطری طور پر وہیں کی خصوصیات اپنا لیں ۔

جذبات وطنیت

وطنیت کا جذبہ انسان میں فطری ہے ۔ وہ جہاں جاکر آباد ہوتا ہے رفتہ رفتہ اس جگہ سے اسے قلبی لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے ۔ پھر وہ اس جگہ کے فروغ کی کوشش کرتا ہے ۔ جن شہروں میں آپ تعمیرات کی کثرت، چمن آرائی، بازاروں کی رونق دیکھتے ہیں یہ سب ضروریات زندگی کے علاوہ جذبات وطنیت سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں ۔ ہر انسان کو اپنے مولد و مسکن سے فطری طور پر جو لگاؤ ہوتا ہے وہ کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتا ۔

ابن زبیر کہتے ہیں کہ انسان اپنے وطن سے زیادہ کسی دوسری چیز پر قناعت نہیں کر سکتا ۔ بعض حکمائے عرب نے کہا ہے کہ دنیا کی آبادی میں اللہ تعالےٰ نے جذبات وطنیت کا سب سے زیادہ دخل رکھا ہے ۔ حکمائے ہند کا قول ہے کہ وطن کی عزت و حرمت اور اس کی عظمت انسان کے لیے والدین کی عزت و حرمت اور عظمت کا درجہ رکھتی ہے ۔ والدین اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں اس کی غذا کا انتظام کرتے ہیں لیکن والدین کی پرورش اور ان کی غذا کا انحصار تو اس زمین پر ہوتا ہے جہاں سے وہ غذا حاصل کرتے ہیں اور یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہتا ہے ۔ دوسرے اہل علم لوگوں نے بھی وطن سے محبت اور لگاؤ کے بارے میں اسی قبیل کی باتیں کہی ہیں ۔ بقراط کا قول ہے کہ ہر مریض اپنے مرض کے علاج کے لیے زیادہ تر اپنی زمین کی جڑی بوٹیوں پر انحصار کرتا ہے کیونکہ انسانی طبائع اپنے مولد و مسکن کے مطابق ہوتی ہیں اور انسان کو وہیں کی آب و ہوا اور غذا زیادہ موافق آتی ہے

جس طرح مختلف نباتات کو خاص خاص زمینوں کی مٹی موافق آتی ہے۔

علم الاخبار کی فضیلت

اہل علم نے جملہ علوم کا مخرج و منبع علم الاخبار کو بتایا ہے۔ ان کے بقول حکمت کا انحصار علم الاخبار پر ہے، فقہی علوم کا مخرج بھی علم الاخبار ہے اور وہ اسی کے ذریعے پھیلے ہیں، فصاحت نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے، قیاس کی بنیاد بھی علم الاخبار پر قائم ہے، مقالات نویس علم النفس کے بارے میں جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ بھی علم الاخبار کے مرہونِ منّت ہیں۔ امثال حکماء بھی اسی میں پائی جاتی ہیں، مکارم اخلاق اور اس کی بلندی کے بارے میں جو کہا جاتا ہے وہ بھی علم الاخبار سے ماخوذ ہے۔ سیاست بھی علم الاجتہاد سے استفادہ کرتی ہے، انسانی زندگی میں جو حزم و احتیاط کی عظمت ہے اس کا سلسلہ بھی علم الاخبار سے ملتا ہے۔ دنیا کے عجائب و غرائب کا پتہ بھی علم الاخبار سے چلتا ہے جو عالم و جاہل دونوں کے لیے یکساں ہے، احمق ہوں یا عاقل دونوں اخبار عالم سے نتائج اخذ کرتے ہیں اور عوام ہوں یا خواص عربی ہوں یا عجمی سب کو ہر معاملے میں علم الاخبار کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

فضائل کتاب

جملہ کلام ہوں یا زینت مقامات ان سب کا سلسلہ کتاب سے قائم ہے کسی معاملے میں شہادت حاصل کرنا ہو تو کتاب ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جملہ محافل کی زیب و زینت اور رونق کا منبع بھی کتاب ہی ہے۔ علم الاخبار کی بنیاد بھی کتاب ہی ہے، تمام فہم و فراست کا انحصار بھی عموماً کتاب ہی پر ہوتا ہے کیونکہ کوئی انسان صرف اپنی فہم و فراست پر انحصار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اسے کتاب ہی سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ انسانی تجربات سے جو استفادہ کیا جاتا ہے اس کا ذریعہ بھی اکثر کتاب ہی ہوتی ہے، انسانی برادری اور قوموں کے عروج و زوال کا حال بھی ہم کتاب ہی میں پڑھتے ہیں، اسی لیے حکماء نے کہا ہے کہ کتاب انسان کی بہترین جلیس اور مشیر ہے، دنیا کے عجائب و غرائب اور ان کے متعلق معلومات بھی کتاب ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ حاضر و غائب اور ماضی و حال کے بارے میں معلومات کا ذریعہ بھی کتاب ہی ہے۔ انسان کی موت و حیات کے بارے میں علمی مباحث بھی کتابوں ہی میں ملتے ہیں، غرض صبح ہو یا شام، دن ہو یا رات، سفر ہو یا حضر ان کی معلومات کا ذخیرہ کتاب ہی میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں جو ارشاد فرمایا:۔

اقراء باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق۔ اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم) تو اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ

انسان کا ذریعہ علم فہم ہے جس کا انحصار کرم خداوندی پر ہے۔ اہل عرب نے اس کی تفسیر نظم و نثر دونوں میں بالتفصیل کی ہے۔

عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر بن خطاب لوگوں کی مجالس میں شریک نہیں ہوتے تھے وہ جب قبرستان میں جاتے تھے تو لوگوں نے ہمیشہ ان کے ہاتھ میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی کتاب دیکھی۔ کسی نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا:۔

"مقابر سے زیادہ کوئی دوسرا واعظ دنیا میں نہیں پایا جاتا اور اقصائے عالم میں کتاب سے زیادہ کوئی دوسری چیز مفید نہیں ہے۔ یہ دونوں اس سلسلے میں متحد ہیں۔" پوچھا گیا کہ مقابر کا کتاب سے کیا تعلق ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ "یہ دونوں صاحبانِ علم و احساس کے لیے افادیت میں برابر ہیں، جاہل کو مقابر کی زیارت سے مآلِ حیات کا علم نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کا قلب احساس سے خالی ہوتا ہے نہ وہ کتاب پڑھ سکتا ہے جس سے وہ اس کے بارے میں کچھ سمجھ سکے۔"

کتاب کی افادیت پر بعض شعرائے عرب نے بھی اب تک اکثر و بیشتر طبع آزمائی کی ہے جس کا لب لباب وہی ہے جو سطور بالا میں بیان کیا گیا۔

باب (۸)

لوگوں کا یمن، عراق، شام اور حجاز کی وجہ تسمیہ میں اختلاف

یمن کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف رائے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چونکہ یہ ملک خانہ کعبہ کے دائیں جانب (یمین میں) واقع ہے اس لیے تیمناً و تبرکاً اس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ شام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ وہ خانہ کعبہ کے شمال میں واقع ہے، اس لیے اس کا نام شام رکھا گیا۔ حجاز کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ چونکہ یمن اور شام کے درمیان واقع ہے۔ اس لیے اس کا نام حجاز رکھا گیا یعنی یہ سرزمین حاجز میں شام ہے جس طرح بحیرہ روم اور بحر قلزم کا درمیانی علاقہ اللہ جل شانہ، کے ارشاد کے مطابق برزخ کہلایا (وجعل بین البحرین حاجزا ۔ آیتہ) عراق کا نام عراق کہتے ہیں کہ اس لیے رکھا گیا کہ اس کی طرف دجلہ و فرات اور دوسرے دریاؤں کے پانی بہہ آتے ہیں یعنی عراق "عراقی الدلو اور عراقی القربہ" سے ماخوذ ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یمن کا نام اس ملک کی یمن و برکت کی وجہ سے یمن رکھا گیا ہے اور شام کا نام اس کے شوم ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ یہ اقوال بعد کے لوگوں کے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ جب انسانی برادری بابل سے اِدھر اُدھر منتشر ہوئی تو جو لوگ زمین کی نسبت سے نظامِ شمسی کے داہنی جانب جہاں آکر آباد ہوئے انہوں نے اپنی لغت کے مطابق اس کا نام یمن رکھ دیا۔

شام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے مختلف مقامات (شامات) کی مٹی کہیں سفید اور کہیں سیاہ ہے اس لیے ان شامات کی نسبت سے اسے شام کہا گیا۔ یہ کلبی کا قول ہے۔

شرقی بن قطامی کے مطابق شام کا نام سام بن نوح کے نام کی مناسبت سے رکھا گیا ہے

سام سے شام کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ جب عرب یہاں آئے تو انہوں نے اپنی لغت کے مطابق سام کو بدل کر شام کر دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سارا تے شام کا نام سام کی اضافت لگا کر رکھا ہے۔ لغت کا فرق ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ بنی عباس نے اپنی حکومت کے زمانے میں اپنی رائے میں بطور اظہار مسرت شام کا نام شام (رجائے سرور) رکھا ہے۔

ان ممالک اور مقامات کی وجوہ تسمیہ کے بارے میں ہم اپنی پچھلی کتابوں میں مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔

باب (۹)

اہلِ یمن کے انساب اور اس بارے میں مختلف اقوال

انساب قحطان میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے - ہشام بن کلبی نے اپنے باپ اور شرقی بن قطامی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ان دونوں کی رائے میں قحطان بن ہمیسع بن تَیمَن کا بیٹا تھا اور بنت اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کا فرزند تھا - ان کے دلائل ان روایات پر مبنی ہیں جو ان تک پہنچی ہیں - ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے - آپ نے اسے ہشام کے حوالے سے روایت فرمایا ہے اور ہشام نے اسے اپنے باپ اور ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا ہے - ابن عباس سے قبل اس روایت کا سلسلہ یوں ہے کہ ہیثم نے کلبی اور کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک میدان کے قریب سے گزرے جو تیر اندازی میں مقابلہ کر رہے تھے - آپ نے فرمایا: "اے بنی اسماعیل تیر چلاؤ! تمہارے آبا (بہت عمدہ) تیر انداز تھے، میں ابن ادرع کے ساتھ ہوں جو بنی خزاعہ سے ہے -" وہاں جمع لوگوں نے دریافت کیا: "یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اور کس کے ساتھ ہیں - آپ جس کے ساتھ ہوں گے وہی سب سے افضل ہوگا -" آپ نے فرمایا: "تیر اندازی کی مشق جاری رکھو، میں تم سب کے ساتھ ہوں۔"

اب چاہے قحطان اور حمیر و کہلان کی ساری اولاد اس قول کی منکر ہو لیکن اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قحطان ہی دراصل یقطن تھا جسے معرّب کر کے قحطان کر لیا گیا ہے -

ابن کلبی بیان کرتا ہے کہ یقطن کا نام توریت میں جبّار بن عامر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام

بن نوح لکھا ہے جس سے انساب اہلِ یمن کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اور اب قحطان کے بیٹے کہلان و حمیر یا ان کی اولاد اور سب چھوٹے بڑے جنہیں تاریخ قدیم سے تھوڑی بہت واقفیت ہے اور جو ان دنوں یمن کے علاوہ تہامہ، انجاد، حضرموت، مشجر، احقاف اور بلا دعمان تک ہر طرف آباد ہیں اس سے انکار نہیں کر سکتے بلکہ اس کے بجائے اس پر یقین رکھتے ہیں کہ قحطان ہی عابر ابن شالخ (بن سالم) ہے جو درحقیقت قینان بن ارفخشذ بن سام بن نوح تھا۔ تاریخ قدیم سے یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عابر کے تین بیٹے تھے "فالغ، قحطان اور ملکان" اور اکثر لوگوں کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام ملکان کی اولاد میں سے تھے۔ قحطان کے ۳۱ بیٹے ہوئے۔ ان کی ماں حیی[2] بنت ردق بن فزارہ[3] بن منقذ بن سوید بن عوص بن ارم بن سام بن نوح تھی۔ قحطان کا ایک بیٹا یعرب بن قحطان تھا اور یعرب کا بیٹا یشجب تھا۔ یشجب کے دو بیٹے تھے ان میں سے ایک عبد شمس تھا جو تاریخ میں سبا کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ سبا کے دو بیٹے حمیر و کہلان کہلاتے ہیں۔

اہلِ یمن کے اس سلسلۂ نسب پر جملہ اہلِ تواریخ اور ثقہ ترین سیرت نگاروں کا اتفاق ہے۔

ہیثم بن عدی طائی بھی ان لوگوں میں سے ہے جو اس کی تردید کرتے ہیں کہ قحطان حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے تھا۔ وہ اس کی یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ حضرت اسماعیل تو بنی جرہم کی زبان بولتے تھے جو ان کے والد بزرگوار حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تھی یعنی سریانی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے نامور فرزند حضرت اسماعیلؑ مع اپنی والدہ حضرت ہاجرہ کے اس وقت جب حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں مکہ کی بے آب و گیاہ سرزمین پر لائے تھے سریانی زبان ہی میں گفتگو کر رہے تھے بلکہ حضرت ہاجرہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وہاں سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اسی زبان یعنی سریانی میں گفتگو کرتی تھیں لیکن بنو نزار اس سے انکار کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیل سریانی بولتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو اس وادی بے آب و گیاہ میں چھوڑا تو اس وقت حضرت اسماعیل کی عمر سترہ سال تھی جسے بعض لوگ چودہ سال بتاتے ہیں۔ بہرحال اس وقت ان کے

---

[1] یہ نام بعض نسخوں سے نکال دیا گیا ہے (مرتّب)

[2] بعض نسخوں میں حنی لکھا ہے (مرتّب)

[3] بعض نسخوں میں فزارہ بن سعد لکھا ہے (مرتّب)

ساتھ ان کا کوئی ساتھی یا ہمدرد تو تھا نہیں جس سے وہ سریانی یعنی بنوجرہم کی زبان میں گفتگو کرتے دوسروں سے اس شدت تشنگی میں وہ اس کا اظہار کس طرح کرتے کیونکہ وہاں سے گزرنے والے قافلے تک سب عربی زبان بولتے تھے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت سے ان کے لیے وہاں زمزم کا چشمہ پیدا کر دیا بلکہ اپنی قدرت سے حضرت اسماعیل کو عربی زبان بھی سکھا دی جس میں وہ اس کے بعد بڑی روانی سے گفتگو کرنے لگے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بنوجرہم کی زبان سریانی زبان سے الگ تھی نیز یہ قحطان کی اولاد کی زبان نزار بن معد کی زبان کے برعکس پائی گئی ہے۔ اس لیے ان لوگوں کا قول جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل عربی نہیں بول سکتے تھے غلط ثابت ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ ان کی زبان بنوجرہم کی زبان تھی۔ غرض یہ کہ وہ تمام اقوال جو حضرت اسماعیل کو سُریانی زبان بولنے والا اور عربی سے نابلد ہونے کے ثبوت میں پیش کیے جاتے ہیں باطل قرار پاتے ہیں۔ ویسے بھی یعرب کی منزلت خدا کے نزدیک حضرت اسماعیل سے زیادہ نہیں ہوسکتی کہ یعرب بن قحطان صرف بربنائے فضیلت زبان حضرت اسماعیلؑ سے رتبے میں زیادہ سمجھا جائے اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کا درجہ عربی سے ناواقفیت کی بنیاد پر اس سے کمتر سمجھا جائے۔

اولاد نزار اور اولاد قحطان کے بارے میں اور بہت سے طویل مباحث بھی تواریخ میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے اسلاف و اخلاف پر بھی مختلف بیانات ملتے ہیں۔ اس طرح سفید و سیاہ رنگوں اور عربیت و عجمیت پر بھی بہت کثرت سے اقوال پائے جاتے ہیں۔ ہم نے ان سب پر اپنی کتاب اخبار الزماں میں مفصل گفتگو کر کے تحقیقی نتائج پیش کیے ہیں۔

ہثیم کے خیال میں جرہم بن عامر بن سبا بن یقطن قحطان ہے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی کہ آپ نے انصار کو تیر اندازی کی مشق کرتے دیکھ کر ان کی حوصلہ افزائی کے لیے مزید تیر اندازی پر مائل کر کے فرمایا تھا کہ "اے بنی اسماعیل اور تیر چلاؤ۔" یہ تاویل پیش کی ہے کہ آپ نے انہیں بنی اسماعیل اُن کی ماؤں کی مناسبت سے فرمایا تھا نہ کہ باپوں کی نسبت سے کیونکہ آپ انہیں باپوں کی نسبت سے بنی اسماعیل نہیں فرما سکتے تھے اور اس سلسلہ میں بعض دُوسروں نے آپ کے دُوسرے اقوال و اعمال پیش کیے ہیں اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ سے جب ایک دفعہ دریافت کیا گیا کہ "سبا" کے بارے میں حضورؐ کا کیا خیال ہے؟ آیا اسے مردوں میں شمار کیا جائے یا عورتوں میں؟ تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ "سبا" مرد تھا۔ اس کے دس لڑکے

تھے جن میں سے چار شام میں آباد ہوئے اور چھ یمن میں ۔ جو شام میں آباد ہوئے وہ لخم، جذام، عاملہ اور غسّان تھے اور جو یمن میں آباد ہوئے وہ حمیر، آزد، مذحج اور کنانہ تھے ان چار کے علاوہ جو دو اشعری اور انماری کہلاتے ہیں، ان کے نام بجیلہ اور خشعم تھے ۔"

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "ابوالمنذر درحقیقت انمار بن ایاد بن عمرو بن غوث بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا تھا ۔"

بہرحال ہماری تحقیق کے نتائج یہ ہیں کہ انمار کے نسب میں لوگوں کے درمیان اختلافات بے معنی ہیں کیونکہ اکثر مورخین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ کچھ انماری اور ایاد و ربیعہ و مضر جو بنو نزار بن معد بن عدنان میں سے تھے تو یمن پہنچنے کے بعد ان کی نسل بڑھتی چلی گئی ۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر جو سطور بالا میں پیش کیا گیا کسی دوسرے قول سے زد نہیں پڑتی نہ کوئی تضاد کی صورت پیدا ہوتی ہے ۔

اس سلسلے میں بھی لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے کہ سبا کی تمام اولاد کو سبئیون کیوں کہا جائے ۔ اس پر ہشام نے اپنے باپ کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے اور بتایا کہ یمن میں اولادِ سبا کے علاوہ بھی دوسرے قبائل آباد ہوئے تھے اور وہ بھی سبئیون میں شامل سمجھے جاتے ہیں ۔

ہم زیرِ نظر کتاب میں آگے چل کر عمرو بن عامر مزیقیا، طریقہ کاہنہ، عمران کاہن کے حوالے سے جو عمرو بن عامر کا بھائی تھا ۔ عرم وسیل، امرسدّ وغیرہ پر گفتگو کریں گے اور بتائیں گے کہ مذکورہ بالا افراد کی کہانت کی رو سے امرسدّ وسیل عرم کیا معنی رکھتے ہیں اور یہ بھی عرض کریں گے کہ بابل سے منتشر ہو کر مارب کے قبائل عمان، شنوئہ، سراۃ[1]، شام کے علاوہ روئے زمین پر اور کہاں کہاں جا کر آباد ہوئے ۔

---

[1] بعض نسخوں میں شراۃ لکھا ہے (مرتب)

باب (۱۰)

ملوکِ یمن اور ان کی مُدّت حکومت

سبا ملوک یمن میں سب سے پہلے سبا بن یَشجُب بن یَعرُب بن قحطان کا نام آتا ہے جس کا اصلی نام عبدشمس تھا۔اس کے نام سبا کی شہرت کے اسباب پر ہم پہلے روشنی ڈال چکے ہیں، واللہ اعلم۔اس کی مدت حکومت ۴۸۴ بیان کی گئی ہے۔

حمیر سبا کے بعد اس کا بیٹا حمیر بن سبا بن یشجب بن یَعرُب حکمران ہوا جو اپنے زمانے کا شجاع ترین شخص سمجھا جاتا تھا۔اس کے علاوہ وہ شہسواری اور حسن وجمال کے لحاظ سے بھی اپنے ہم عصروں میں ممتاز ترین تھا۔اس نے پچاس سال حکومت کی جسے بعض لوگوں نے کم و بیش بھی لکھا ہے۔اس کے نام کے ساتھ "متوّج" بھی لگایا جاتا تھا اور وہ اسی نام سے شہرت بھی رکھتا تھا کیونکہ یمن میں بحیثیت حکمران وہ پہلا شخص تھا جس نے اپنے سر پر سونے کے تاج پہنا۔

کہلان حمیر کے بعد اس کا بھائی کہلان بن سبا یمن کا بادشاہ ہوا۔اس نے بہت طویل عمر پائی اور کبرسنی تک اس کی حکومت کو استقلال و استحکام حاصل رہا۔اس نے ۳۰۰ سال حکومت کی۔کچھ مورخین نے اس مدت کو کم و بیش بھی لکھا ہے۔

کہلان کے بعد اقتدار حکومت حمیر کے بیٹے کے پاس آیا جس کے بارے میں بڑی طول طویل اطلاعات ملتی ہیں اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حکومت کے لیے حمیر و کہلان کے بیٹوں میں جنگ ہوئی۔

عمرو بن سبا آخر کار ابو مالک عمرو بن سبا کی حکومت آئی۔اس کے دور حکومت میں لوگوں کو امن و سکون نصیب ہوا۔اس کی عدل پروری کی وجہ سے لوگ اس کی

بڑی تعریف کرتے اور اس کا احسان مانتے تھے۔ اس نے ۳۰۰ سال حکومت کی۔ کہا جاتا ہے کہ کہلان کے بعد رائش نے حکومت کی جس کا اصلی نام حارث بن شداد[1] تھا۔ اس کے بعد جبار بن غالب (بن زید بن کہلان) حکمران ہوا اور اس نے ۱۲۰ سال حکومت کی۔ اس کے بعد حارث بن مالک بن افریقس بن صیفی بن یشجب ابن سبا حکمران ہوا۔ اور اس نے ۱۴۰ سال کے قریب حکومت کی۔

کہتے ہیں ابو ابرہہ بن رائش جسے ذی منار بھی کہا جاتا ہے یمن کا بھی بادشاہ تھا۔

حارث بن مالک کے بعد یمن میں جن بادشاہوں نے یمن میں یکے بعد دیگرے حکومت کی ان کے نام اور مدت حکومت درج ذیل ہے:۔

(۱) رائش بن شداد بن ملطاط (مدت حکومت ۱۲۵ سال)

(۲) ابرہہ بن رائش ذوالمنار (" " ۱۸۰ سال)

(۳) افریقس بن ابرہہ (" " ۱۶۴ سال)

(۴) العبد بن ابرہہ ذوالاذعار (" " ۲۵ سال)

(۵) الہدھاد بن شرجیل بن عمرو بن رائش۔

اس کی مدت حکومت کے بارے میں مختلف بیانات ملتے ہیں۔ کسی نے اس کی مدت حکومت دس سال بتائی ہے، کسی نے سات سال اور کسی نے صرف چھ سال لکھی ہے۔

(۶) تبع اوّل (مدت حکومت چار سال)

اکثر لوگوں کے مطابق اسے بلقیس نے قتل کر دیا تھا۔ اگرچہ بعض مورخین نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے لیکن اوّل الذکر بیان ہی زیادہ مشہور ہے۔

(۷) بلقیس بنت الہدھاد - اس کے مولد کے بارے میں بڑی دلچسپ کہانیاں مشہور ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس نے ایک روز تصور میں اپنے باپ کو دیکھا جس کا آدھا چہرہ سیاہ اور آدھا سفید تھا۔ اس کے بعد اس کے سامنے ایک سیاہ چہرہ آیا پھر سفید۔ اس نے اسی حالت تصور میں سیاہ چہرے والے شخص کے قتل کا حکم دیا۔ اس کے بعد اس کے سامنے ایک ایسا شخص آیا جسے بوڑھا اور جوان دونوں کہہ سکتے ہیں وہ کوئی جن تھا۔ اس نے اس کی شادی اپنی بیٹی سے کر دی۔ لیکن

---

[1] بعض نسخوں میں "حارث بن ذی سدد" بھی لکھا ہے (مرتب)

شرائط کچھ ایسی سخت رکھیں جنہیں وہ پورا نہ کر سکا اور ایک روز اچانک غائب ہو گیا۔ یہ عجیب و غریب کہانی کتاب "اخبار التبابعہ" میں موجود ہے۔

ہم نے زیرِ نظر کتاب میں مجیر العقول حکایات کہیں کہیں درج کی ہیں وہ یا تو اہلِ سیر کی کتابوں سے ماخوذ ہیں یا قصص القرآن میں بیان ہوئی ہیں اور ان کی تصدیق بانی شریعت اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کی ہے۔ اس لیے ان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم نے ان کے سلسلے میں صرف قدیم قصّہ گویوں کی باتوں پر اعتماد کیا ہے۔

ملکہ بلقیس نے یمن میں ۱۲۰ سال حکومت کی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اسے وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر قرآن شریف میں ہُدہُد کے ذکر کے ساتھ آیا ہے۔ اس واقعے کے بعد حضرت سلیمانؑ کی یمن پر ۲۳ سال حکومت رہی۔

یمن کے باقی حکمران

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد یمن کی حکومت پھر حمیر کی اولاد میں منتقل ہو گئی اور ان میں مندرجہ ذیل بادشاہ ہوئے۔

(۱) ناشر النعم ابن عمرو بن یعفر[1] (مدت حکومت ۳۵ سال)

(۲) کلیکرب بن تبع (مدت حکومت ۱۲۰ سال)

اس بادشاہ کی قوم کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ مشرق کی طرف بڑھ کر خراسان، تبت، چین اور سجستان میں جا بسی تھی۔

(۳) حسان بن تبع۔ اس کی حکومت کو کچھ عرصہ استحکام حاصل رہا لیکن اس کے بعد باہمی تنازعات پیدا ہوئے اور اسے قتل کر دیا گیا۔ قتل کے وقت اس کا دورِ حکومت ۲۵ سال ہو چکا تھا۔

(۴) عمرو بن تبع۔ اس نے اپنے بھائی حسان بن تبع کو قتل کر کے حکومت حاصل کی تھی۔ اس نے اگرچہ ۶۳ سال حکومت کی لیکن اپنے بھائی کے قتل کے بعد اسے زندگی بھر چین سے نیند نہیں آئی اور وہ "مرضِ بے خوابی" میں مبتلا رہا۔

(۵) تبع بن حسان بن کلیکرب۔ اس نے یمن سے حجاز تک پورے علاقے پر حکومت کی۔ قبائل اوس و خزرج کے ساتھ اس کی لڑائیاں بھی ہوئیں۔ اس نے خانہ کعبہ کے انہدام کا ارادہ کیا تھا لیکن اسے یہودی احبار نے اس سے روکا تھا اور قضیب الیمانی نے اسے سمجھایا تھا۔ بعد

---

[1] ایک نسخے میں یاسر" بن عبد بن یعفر" بھی لکھا ہے (مرتب)

یں وہ خود بھی یہودی ہوگیا تھا۔اس وقت سے یمن پر یہودیوں کا غلبہ ہوگیا تھا۔تبع بن حسان بن کلیکرب تقریباً سو سال تک یمن کا حکمران رہا۔

(۶) عمرو بن تبع ۔اس کے حکمران ہوتے ہی یمن میں پھر تنازعات شروع ہوگئے جس کی وجہ سے اسے حکومت چھوڑنا پڑی۔

(۷) مرثد بن عبد کلال ۔عمرو بن تبع کے بعد مرثد بن عبد کلال نے حکومت سنبھالی لیکن تنازعات جاری رہے تاہم اس کا دورِ حکومت چالیس سال جاری رہا۔

(۸) ولیعہ بن مرثد (مدت حکومت ۳۹ سال)

(۹) ابرہہ بن صباح بن ولیعہ بن مرثد۔اسے شیبۃ الحمد کہا جاتا ہے ۔وہ بڑا زبردست عالم گزرا ہے۔اس کی سوانح حیات بھی مرتب و مدوّن ہوئی تھی ۔اس نے تقریباً ۷۳ سال حکومت کی۔

(۱۰) عمرو بن ذی قیفان (مدت حکومت ۱۷ سال)

(۱۱) ذوشناتر[1] ۔ یہ شخص شاہی خاندان سے نہیں تھا۔بس یونہی لوگوں کے جھانسے میں آکر خصوصاً عورتوں کی حمایت سے بادشاہ بن بیٹھا تھا۔اس نے یمن میں حد سے زیادہ فسق و فجور پھیلایا، وہ لواطت کا بھی عادی تھا۔اس کے باوجود رعایا سے اچھی طرح پیش آتا اور ان سے اچھا سلوک کرتا تھا۔اسے ملوک یمن کی اولاد میں سے ایک شخص یوسف ذونواس نے قتل کر دیا تھا کیونکہ اسے خوف تھا کہ وہ کہیں اسے بھی اپنے ساتھ اپنی بری عادات میں مبتلا نہ کرے۔ذوشناتر نے ۱۹ سال حکومت کی۔

(۱۲) ذوشناتر کے بعد یوسف ذونواس بن زرعہ بن تبع اصغر بن حسان بن کلیکرب یمن کا حکمران ہوا۔ہم نے اس کا ذکر زیرِ نظر کتاب کے علاوہ اپنی پچھلی کتابوں میں بھی کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس نے اصحاب اخدود کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور انہیں کس طرح آگ میں جلایا تھا۔اس واقعے کو اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے "قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود" اس واقعے کے بعد حبشی ناصح اور زیلع کی طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے۔یہ مقامات جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ساحل حبشہ پر ارض یمن سے ساحل زبید کی

---

[1] ایک نسخے میں اس کا نام لخنیہ ذوشناتر لکھا ہے (مرتّب)

طرف واقع ہیں۔ یوسف جان توڑ کر لڑا لیکن جب شکست ہونے لگی تو سمندر میں کود کر ہلاک ہوگیا۔ حبشہ کے حکمران نجاشی نے ذونواس کی حرکات سے واقف ہوکر حبشیوں کی فوج یمن بھیجی تھی جس کا سردار ارباط بن اصحمہ تھا۔ ذونواس کے بعد اسی نے یمن پر بیس سال تک حکومت کی جس کے بعد ابرہہ اشرم ابویکسوم نے کسی طرح اس پر قابو پاکر اسے قتل کر دیا اور خود حکومت سنبھال لی۔ اس کی اطلاع جب نجاشی حاکم حبشہ کو ہوئی تو اس نے جناب مسیح علیہ السلام کی قسم کھائی کہ جب تک ابرہہ کا خون بہا کر اس کی مٹی یعنی اس کے ملک یمن کی مٹی اپنے قدموں تلے نہ روندے گا چین سے نہ بیٹھے گا۔ نجاشی کی اس قسم کی اطلاع کسی نہ کسی طرح ابرہہ کو بھی مل گئی۔ اس نے اپنا تھوڑا سا خون نکال کر اسے قارورے میں ملایا اور ایک شیشے میں بھر دیا۔ پھر یمن کی مٹی لے کر ایک موزے میں بھری اور یہ دونوں چیزیں ایک قاصد کے ذریعہ نجاشی کی خدمت میں بھیجیں اور اسے لکھا کہ وہ شیشے کا خون زمین پر بہا دے اور موزے میں بھری ہوئی مٹی اپنے قدموں تلے روند ڈالے۔ ان دونوں باتوں سے اس کی قسم پوری ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اس نے نجاشی سے معافی مانگی اور قسم کھا کر لکھا کہ وہ دین مسیحی کے زیر سایہ آگیا ہے اور اپنے پچھلے جملہ گناہوں سے تائب ہو چکا ہے۔ نجاشی اس کی اس عقل مندی پر حیرانی کے ساتھ خوش بھی ہوا اور اسے معاف کر دیا۔ یہ واقعہ قباذ شاہ فارس کے زمانے میں گزرا۔

۱۳- ابرہہ ابویکسوم[۱]

یہ وہی یمنی بادشاہ ہے جو اصحاب فیل کو لے کر کعبہ ڈھانے چلا تھا۔ یہ واقعہ اس زمانے میں گزرا جب فارس کے بادشاہ کسریٰ نوشیرواں عادل کو وفات پائے چالیس سال گزر چکے تھے۔ ابرہہ نے مکّے کے لیے طائف کا راستہ اختیار کیا تاکہ وہاں آسانی سے پہنچ سکے۔ طائف میں بنو ثقیف اس کے معاون ہو گئے اور اسی قبیلے کے ایک شخص ابی رغال نے طائف سے مکّے کا آسان ترین راستہ بتانے کے لیے اس کے ساتھ سازش کی لیکن رغال راستے ہی میں ہلاک ہوگیا۔ جہاں وہ ہلاک ہوا اس جگہ کا نام مُغمّس ہے جو طائف اور مکّے کے درمیان واقع ہے۔ اس کی قبر پر بعد میں لوگوں نے پتھر مارنے شروع کیے۔ اس واقعہ کا ذکر شاعر فرزدق کے سلسلے میں مشہور عربی شاعر جریر بن غطفی نے ا
"جب فرزدق کا انتقال ہوا لوگوں نے اس کی قبر کو اس طرح سنگسا

---

[۱] ایک نسخے میں ابرہہ الاشرم بن یکسوم لکھا ہے (مرتب)

جیسے انہوں نے ربی رغال کی قبر کو اس کی ہلاکت کے بعد کیا تھا"

کہتے ہیں کہ جب خدا کے نبی حضرت صالح علیہ السلام نے لوگوں کو صدقات اموال کی ترغیب دی تھی تو اس وقت جس شخص نے لوگوں کو ان کے ارشاد پر عمل کرنے سے روکا تھا وہ ابی رُغال کے آباء میں سے ثقیف نام کا ہی شخص تھا، اسی نے وہاں انبیاء کے احکام کی خلاف ورزی کی بنیاد ڈالی اور لوگوں کے کردار کو بدی کی طرف مائل کیا تھا۔ اس کا اصلی نام مُسّی بن ملیعہ تھا۔ لوگوں نے اسے اس کی عادات شنیعہ کی بناء پر قتل کر دیا تھا۔ اس قبیلے کی بدعنوانیوں اور کردار کی خرابی کا بہت سے عرب شاعروں نے اپنی منظومات میں ذکر کیا ہے۔

حبشہ والوں کے حرم میں داخلے کی کوشش کی تفصیلات ہم زیرِ نظر کتاب میں آگے چل کر بیان کریں گے۔

قبر عبادی

یمن سے مکّے کے راستے کا ذکر آیا ہے اور "قبر رُغال" کا تذکرہ کیا گیا ہے تو یہ بھی واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عراق سے مکّے کے راستے میں بھی ایک موضع کا نام "قبر عبادی" ہے۔ اس کا ذکر المادہ نے "قبر رُغال" کے ضمن میں کیا ہے یہ جگہ لِقان کی طرف ثعلبیہ اور جبیر کے درمیان واقع ہے اور اس کے متعلق بہت سی دلچسپ باتیں بیان کی جاتی ہیں جنہیں ہم نے تفصیلاً اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزماں" اور "حدائق الاذہان" نیز ایک تیسری کتاب "اخبار اہلبیت" رضی اللہ عنہم میں بیان کیا ہے۔

مکّے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابابیلوں کے ذریعے جب اس کا لشکر ہاتھیوں سمیت تباہ ہو گیا اور ابرہہ کسی طرح جان بچا کر یمن پہنچا تو اس کی مجموعی حکومت ابتداء تا آخر ۴۳ سال ہوئی۔

اس سلسلے میں ہم تاریخ عالم، تاریخ الانبیاء والملوک کے تحت آگے چل کر مزید روشنی ڈالیں گے۔

۱۴- اشرم بن یکسومؒ یا یکسوم بن ابرہہ

ابرہہ کے بعد اس کا بیٹا جیسا کہ مؤرخین نے بالاتفاق لکھا ہے یکسوم یمن کا حکمران ہوا اور اس کی حکومت کم و بیش جملہ یمن پر تھی (مدت حکومت بیس سال)

۱۵- مسروق بن ابرہہ

یکسوم کے بعد مسروق بن ابرہہ حکمران ہوا۔ وہ اپنے اسلاف سے بھی زیادہ تشدد پسند تھا۔ اس کے ہاتھوں اس کی

تمام یمنی رعایا کو سخت تکلیف و اذیت پہنچی - اس کی ماں آل ذی یزن میں سے تھی - سیف بن ذی یزن باہمت شخص تھا - اس نے روم اور ایران تک سارے سمندر کشتیوں کے ذریعہ عبور کر لیے تھے - پہلے اس نے قیصر روم سے حبشہ کے خلاف مدد مانگی تھی اور اس اُمید میں سات سال تک روم کے دروازے پر پڑا رہا تھا - لیکن قیصر روم نے بار بار اسے یہی جواب دیا کہ حبشہ عیسائی ہے - جب کہ تم یہودی ہو ہم اس کے خلاف تمہیں کس طرح مدد دے سکتے ہیں - اس کے علاوہ حبشہ سے ہمارے باہمی صلح کے معاہدات بھی ہیں - اس طرف سے مایوس ہو کر اس نے شاہ فارس سے حبشہ کے خلاف مدد مانگی اور روم کی نسبت فارس سے اپنی قربت کا حوالہ بھی دیا - شاہ فارس نے اس کے دلائل طلب کیے تو اُس نے جواب میں لکھ بھیجا کہ حبشہ کی نسبت فارس سے یمن کا فاصلہ کم ہے دُوسرے فارس اور یمن دونوں کے باشندوں کے رنگ ملتے جُلتے ہیں جب کہ حبشی سیاہ فام ہیں -
سیف بن ذی یزن کے دلائل زیر کر دوسری شاہ ایران کو پسند آئے اور اس نے حبشہ کے خلاف یمن کی امداد کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ سوڈان کی فتح میں اسے مدد بھی دی - اس کے بعد وہ اہل مکہ کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے مصالحانہ گفتگو پر آمادگی ظاہر کی - اس سے قبل جب وہ عراق کی طرف بڑھا تھا اور وہاں فوج کشی کی تھی تو شاہِ فارس اس میں مانع ہوا تھا لیکن اس نے یہ دلیل پیش کی کہ ایران نے حبشہ کے خلاف ہماری امداد کی تھی اس لیے ہم حلیف ٹھہرتے ہیں - تاہم فارس کے ساتھ اس کی بڑی معرکہ آرائی ہوئی - اس نے لڑائی میں ہزاروں ہاتھی جھونک دیے تھے مگر عین لڑائی کے وقت وہ نہ جانے کیوں پہلے ہاتھی سے اُتر کر اُونٹ پر سوار ہوا ، اس کے بعد گھوڑے پر اور پھر گدھے پر سوار ہوا اور خدا جانے قدرت کو کیا منظور تھا کہ اسی نسبت سے اس کی حکومت یمن میں زوال پذیر ہوتی چلی گئی -

یکسوم نے شاہِ فارس کو ازدواجی رشتوں کے لیے بھی لکھا تھا لیکن اسے یہ جواب دیا گیا تھا کہ فارس یمن میں رشتہ لینے کے لیے تو تیار ہے لیکن کسی یمنی کو فارس کی کوئی لڑکی بیوی کے طور پر نہیں دے گا - اس معاملے پر عربی شاعروں نے بہت کچھ اظہار خیال کیا ہے اور فارس کو اس کی خود غرضی کے طعنے دیے ہیں -

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یکسوم یمن میں نام کا حکمران تھا ، ملک پر ہر گونہ تسلط سیف بن ذی یزان کا تھا اور وہی آخر تک یمن کے سیاہ و سفید کا مالک رہا - اس لیے اس کے اور یکسوم کے بعد یمن کی حکومت سیف بن ذی یزان کے بیٹے کے ہاتھ آئی -

معدیکرب بن سیف بن ذی یزان

عرب کے وفود تو یمن میں سیف بن یزان کی حکومت کے زمانے ہی میں آنے شروع ہو گئے، لیکن معدیکرب کے زمانے میں ان میں خصوصی اضافہ ہوا اور خاص طور پر حجاز کی طرف سے اسے وراثت حکومت ہونے پر مبارک باد بھی پیش کی گئی۔ جن کی طرف سے اسے مبارک باد پیش کی گئی ان اشراف عرب میں عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف، اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی اور ابوزمعہ جدّ اُمیہ بن ابی صلت ثقفی شامل تھے۔

ان لوگوں میں سب سے زیادہ جس شخص نے معدیکرب کو مبارک باد دے کر اسے عربوں کا ذی کرامت شخص ٹھہرایا وہ عبدالمطلب بن ہاشم تھے انہوں نے معدی کرب کو "ابن اختنا" کہہ خطاب بھی کیا۔ ان کے جملہ مراسلات کا ذکر ہم نے تفصیل سے اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں کیا ہے، ویسے معدیکرب کو جس نے منظوم مبارکباد پیش کی وہ ابوزمعہ جدّ اُمیہ بن ابی الصلت ثقفی تھا۔

مقتل معدی کرب

معدیکرب نے متعدد معرکہ آرائیوں کے بعد حبشہ کو اپنا مطیع و منقاد بنا لیا تھا۔ اس کے محافظ رسالے میں بہت سے حبشی بھی شامل تھے۔ وہ اکثر اپنے قصر غمدان کے مرکزی دروازے سے سوار ہو کر نکلا کرتا تھا۔ ایک روز اسے دروازے ہی میں حبشیوں نے گھیر لیا، ان کے ساتھ اس کے محافظ بھی ہو گئے اور اسے چاروں طرف سے حملہ کر کے قتل کر دیا گیا۔ معدی کرب نے کل چار سال حکومت کی۔ وہ آلِ قحطان میں یمن کا آخری حکمران تھا۔ اس طرح یمن میں بنی قحطان کے کل ۳۷ بادشاہ ہوئے اور انہوں نے وہاں مجموعی طور پر تین ہزار ایک سو نوے سال حکومت کی۔

عبید بن شریّہ کی روایت

عبید بن شریّہ جب یمن سے ایک وفد لے کر اُمیّہ کے دربار میں گیا تھا تو آخر الذکر نے اس سے یمن کے کوائف کے علاوہ وہاں کے حکمرانوں کی تفصیل بھی دریافت کی تھی۔ عبید بن شریّہ نے اس کے سامنے یمن کے حکمرانوں اور ان کی مدت حکومت کے بارے میں جو بیان کیا تھا وہ درج ذیل ہے:۔

(۱) "یمن کا پہلا حکمران سبا بن یشجب ابن یعرب بن قحطان (مدت حکومت ۱۸۴ سال)
(۲) حارث بن شداد بن ملطاط بن عمرو (" " ۱۲۵ سال)
(۳) ابرہہ بن رائش (ابرہہ ذوالمنار) (" " ۱۳۳ ")
(۴) افریقس بن ابرہہ (" " ۱۶۴ ")

(۵) العبد بن ابرہہ	(مدت حکومت	۴۵ سال)
(۶) ھدھاد بن شرجیل	(" "	ایک ")
(۷) بلقیس بن ھدد	(" "	۷ ")
(۸) حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت بلقیس کی وجہ سے	(" "	۲۳ ")
(۹) رجعم بن سلیمان	(" "	ایک ")

اس کے بعد حکومت حمیریوں کی طرف منتقل ہوئی جن میں یہ بادشاہ ہوئے :۔

(۱) رجیم بن سلیمان کے بعد پہلا بادشاہ ناشر النعم بن یعفر	(" "	۳۵ ")
(۲) عمرو بن شمر بن افریقس	(" "	۵۳ ")
(۳) تبع الاقرن بن عمر (تبع اکبر)	(" "	۱۵۳ ")
(۴) ملکیکرب بن تبع	(" "	۳۵ ")
(۵) تبع بن ملکیکرب بن تبع (تبع ابوکرب)		
اسعد ابن ملکیکرب	(" "	۸۴ ")
(۶) کلال بن مثوب	(" "	۷۴ ")
(۷) تبع بن حسان بن تبع	(" "	۳۲۷ ")
(۸) مُرثد	(" "	۳۷ ")
(۹) ابرہہ بن صبّاح	(" "	۷۳ ")
(۱۰) ذوشناتر بن ذرعہ	(" "	۸۹ ")
(۱۱) لخنیعہ المعروف ذی شناتر	(" "	۸۴ ")

یمن کی ان مجموعی حکومتوں کا زمانہ ۱۹۲۷ سال ہوتا ہے۔ اس تضاد کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے سطور بالا میں لکھا ہے وہ مختلف تواریخ سے ماخوذ ہے جن میں باہمی تباین بھی ہے۔ اس لیے ہم نے تحقیق کے بعد مستند حوالوں سے صرف حد درجہ مورخین کا انتخاب کیا ہے اور ہمارا بیان انہیں کے بیانات پر مبنی ہے۔

یمن میں فارس کی حکومت

جب اہل حبشہ نے معدی کرب بن سیف بن ذی یزن کو جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بیان کیا ہے قتل کیا تو اس وقت صنعا میں شاہ فارس کا نائب لوہرز تھا۔ اس نے جب یمن کے حالات سُنے تو وہ چار ہزار کا

لشکر لے کر وہاں پہنچا اور حبشیوں کو شکست دے کر یمن پر قبضہ کر لیا - پھر لوہرز کو سب حالات لکھے جو نوشیرواں کسریٰ یعنی اس وقت کا شاہِ فارس تھا اور شاہی اجازت نامہ موصول ہونے پر لوہرز نے یمن کی حکومت کا مستقل طور پر انتظام سنبھال لیا اور سوڈان میں ازدواجی تعلقات بھی قائم کر لیے لیکن شاہِ فارس نے جب یہ سُنا تو ایک اور فارسی سردار کو بھیجا جس نے نہ صرف لوہرز کا خاتمہ کیا بلکہ حبشیوں کو چن چن کر مروا ڈالا -

یمن میں نوہرز شاہِ فارس کی حکومت اس وقت تک رہی جب تک اسے صنعا (مدائن) میں قتل نہ کر دیا گیا - وہرز شاہ فارس کے بعد فارس کی طرح یمن کی حکومت بھی اس کے بیٹے نوشجان کے پاس رہی لیکن جب اسے بھی قتل کر دیا گیا تو اس کے بعد یمن کی حکومت پر فارس ہی کے ایک شخص سبحان نے قبضہ کر لیا - سبحان کے بعد خُرزاد نے صرف چھ مہینے یمن میں حکومت کی - اس کے بعد یمن کی حکومت مرزبان نے سنبھالی - یہ شخص فارس کے شاہی خاندان سے تھا مرزبان کے بعد یمن کی حکومت خرخسرو کے ہاتھ آئی جو یمن ہی میں پیدا ہوا تھا -

اولادِ ابراہیمؑ میں یمن کی حکومت

مذکورہ بالا یمنی، حبشی اور فارسی حکومتوں کے بعد یمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو اقتدار حاصل ہوا - ان میں سب سے پہلے جس نے یمن میں حکومت کی وہ مفیلہ بن اُمیم بن بدل بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام تھے - جن میں انھوں نے بڑی عظمت و شہرت پائی اور وہاں انہیں بڑی شان و شوکت حاصل ہوئی - مشہور عربی شاعر امرؤ القیس نے بھی اپنے اشعار میں ان کی مدح کی ہے اس نے انہیں "مفیلۃ بن اُمیم بن بدل بن لسان بن ابراہیمؑ الخلیل" کہہ کر یاد کیا ہے -

عاصمۃ الیمن

ملوک یمن میں سب سے پہلے آل ذی سحر، آل ذی کلاع، آل ذی اصبح اور آل ذی یزن شہر ظفار میں آئے تھے - پھر وہاں دُوسرے مقامات کو منتقل ہوئے لیکن شہر ظفار کے دروازے پر سنگِ سیاہ کا ایک کتبہ آج تک موجود ہے جس پر ملوک یمن کی عہد بعہد حکومت کا حال درج ہے جن میں حبشی اور فارسی حکمران بھی شامل ہیں - سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ ان حکمرانوں میں سے ہر ایک کے نام کے سامنے اس کا کردار بھی کندہ کر دیا گیا ہے - مثلاً : حمیر کو "اخیار" اہل حبش کو "اشرار" اہل فارس کو "احرار" اور قریش کو "تجّار" لکھا گیا ہے -

ہم نے یمن اور وہاں کے حکمرانوں کے کل حالات حتی الامکان پیش کر دیے ہیں جس

جس وقت کتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور فرمایا اس وقت یمن میں اہل فارس کی حکومت تھی لیکن ظہور اسلام اور اکناف عالم میں غلبہ اسلام کے بعد دوسرے ممالک کی طرح یمن پر بھی مسلمان غالب آگئے۔

اب ہم آگے چل کر انشاء اللہ تعالے ملوک حیرہ، یمن سے ان کا تعلق اور ان میں سے جو بعد میں ملوک شام کہلائے ان کا ذکر کریں گے۔

باب (۱۱)

بنی نصر کے ملوک حیرہ وغیرہ

جذیمہ وضاح اور اس کا مقتل

جب جذیمہ وضاح قتل ہوگیا تو اس کی حکومت زبّا بنت عمرو بن ظرب بن حسّان بن اذینہ بن سمیدع بن ہوبر کے حصّے میں آئی۔ جذیمہ شام کے مشرق میں روم کی طرف فرات کے کنارے پر مقیم تھا اور زبّا اس مقام پر رہتی تھی جس کا نام مفنیق تھا۔ یہ مقام بلاد خانوتہ اور قرقیسیا کے درمیان واقع تھا۔ درحقیقت زبّا اپنے باپ کے انتقال کے بعد حکومت کی حق دار تھی لیکن اس پر جذیمہ قبضہ جما بیٹھا تھا۔ اس لیے زبّا کافی عرصے سے اسے قتل کر دینے کی فکر میں تھی۔ جذیمہ کی حکومت ملوک الطوائف کے زمانے میں ۹۵ سال اور ملک اُردشیر بن بابک اور سابور الجنود بن اُردشیر کے وقت میں ۲۳ سال رہی۔ اس طرح اس کی حکومت کا مجموعی زمانہ ۱۱۸ سال ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں بعض شعرائے جاہلیت سوید بن ابی کاہل الیشکری وغیرہ نے اشعار کہے ہیں جن میں زبّا کے ہاتھوں اس کے قتل کا ذکر ہے۔

مالک بن فہم

یہ شخص ان لوگوں کی اولاد میں سے تھا جو جذیمہ سے قبل حیرہ پر تھوڑے تھوڑے عرصے حکومت کر چکے تھے۔ حیرہ کی حقیقی حکومت مالک بن فہم ہی کے ہاتھ آئی تھی۔ اس کا پورا نام مالک بن فہم بن درس بن ازد بن غوث بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا۔ وہ جُفنہ بن عمرو بن عامر مزیقیا کے ہمراہ شام کی طرف آیا تھا۔ پہلے وہ عراق کی طرف چلا گیا تھا جہاں اس نے مضر بن نزار کے قبائل کی سرداری کی تھی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا پہلے وہاں کا پھر حیرہ کا حاکم ہوگیا تھا۔

عمرو بن عدی

جذیمہ کے بعد اس کی بہن کا بیٹا عدی بن نصر ابن ربیعہ ابن حارث ابن مالک بن غنم بن نمارہ بن لخم حاکم ہوا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے حیرہ پہنچ کر جم کر حکومت کی۔ اس سے ملوک نصرانیہ کے تعلقات تھے جو پہلے سے حیرہ کے حکمران چلے آتے تھے۔ جذیمہ کی بہن کے بیٹے عمرو بن عدی کی حکومت سو سال چلی۔

زبّا اور جذیمہ

زبّا بنت عمرو بن ظرب بن حسان بن اذنیہ بن سمیدع بن ہوبر، شام اور جزیرہ کی ملکہ عمالیق کی عزیزہ عاملہ کے خاندان سے تھی جو سیلیح میں مقیم تھا لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ رومی تھی۔ البتہ عربی بول لیتی تھی۔ اس کے شہر فرات کے شرقی و غربی دونوں کناروں پر تھے۔ آج کل وہ ویران پڑے ہیں۔ کہتے ہیں اس نے ان اطراف میں فرات کو بٹوا دیا تھا۔ اور اس جگہ رومی طرز کی عمارات بنوائی تھیں کیونکہ قبائل سے اس کی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ جب اسے جذیمہ ابرش نے ایک خط لکھ کر مناکحت کا پیغام دیا تو اس نے جوابًا اسے لکھا کہ میں عورت ہوں اور آپ مرد ہیں، اس لیے آپ کو خود میرے پاس آکر یہ درخواست کرنی چاہیے۔ واضح رہے کہ زبّا اس وقت تک دوشیزہ تھی۔ جذیمہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو قصیر نے اور بنو لخم کے لوگ جو اس کے ماتحت تھے سب نے اس کی مخالفت کی لیکن اکثریت نے اثبات میں فیصلہ دیا۔ اس لیے جذیمہ زبّا سے ملنے کے لیے روانہ ہوگیا اور وہ سب بھی جنہوں نے اسے وہاں جانے کا مشورہ دیا تھا اس کے ہمراہ تھے یہاں تک کہ وہ انبار کی حدود میں بُقّہ تک پہنچ گیا قصیر کو بھی مجبورًا اس کے ساتھ جانا پڑا تھا۔ بُقّہ پہنچ کر بھی قصیر نے جذیمہ کو سمجھایا کہ اگر وہ اپنی جان کی سلامتی چاہتا ہے تو زبّا کے پاس جانے سے باز رہے لیکن جذیمہ اپنی بات پر اڑا رہا اور بولا: "بُقّہ تک پہنچ کر لوٹ جانا کہاں کی عقلمندی ہے۔" اس کے بعد اس نے وہاں سے زبّا کو اپنی آمد کی اطلاع دی اور اس کے بعد بھی اگلے پڑاؤ پر ایک الوداعی پیغام روانہ کیا۔ قصیر اس کا بھانجا تھا اور ظاہر ہے ماموں کو حکمًا تو اس کے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتا تھا لیکن اس نے بُقّہ سے آگے جذیمہ کے ساتھ جانا مناسب نہیں سمجھا اس لیے وہیں ٹھہر گیا۔ جذیمہ جب زبّا کے دار الحکومت کے قریب پہنچا تو وہ خانوقہ کی بجائے ایک دوسرے شہر میں ٹھہری ہوئی تھی۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ قصیر کو اندیشہ تھا کہ جذیمہ کو کوئی نقصان ضرور پہنچے گا اس لیے وہ اس کے پیچھے پیچھے چل کر اس سے آملا تھا۔ جب جذیمہ اس شہر کے سامنے پہنچا جہاں اس وقت زبّا مقیم تھی تو جذیمہ نے قصیر سے پھر رائے طلب کی

جس پر وہ بولا :- میں اپنی رائے قُبہؔ ہی میں چھوڑ آیا ہوں ، اب جو کچھ آپ مناسب سمجھیں اس پر عمل کریں ۔

جب زَبّا کو جذیمہ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ اس کے استقبال کے لیے اپنے محل سے باہر آئی لیکن اس کے ساتھ اس کے حفاظتی رسالے کو دیکھ کر بولی :-

"آپ مجھ سے صلح صفائی ، میل ملاپ کے لیے بلکہ مجھے اپنے رشتۂ ازدواج میں منسلک کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں یا یہ فوج لے کر میرے ملک پر حملہ کرنے کی غرض سے اور میرے اس محل کا محاصرہ کرنے آئے ہیں ۔ بہتر ہے کہ آپ میرے ساتھ گھوڑے سے اُتر کر اندرونِ محل تشریف لے چلیں اور تلوار وغیرہ بھی یہیں چھوڑیں ۔ اسی طرح محبت کی فضا میں گفتگو ہو سکے گی ۔"

چنانچہ جذیمہ گھوڑے سے اُترا اور تلوار کمر سے کھول کر ایک محافظ کے حوالے کی اور زَبّا کے ساتھ اس کے قصر میں داخل ہو گیا ۔ جب دونوں بیٹھے تو جذیمہ کو ایک طلائی پیالے میں شربت پیش کیا گیا جسے پینے کے بعد اس نے جسم میں کمزوری محسوس کی اور دماغ کو قابو میں نہ رکھ سکا ۔ اسے چکر سے آنے لگے ۔ یہ دیکھ زَبّا مسکرائی اور اس سے بولی :-

"آپ کی تشریف آوری کا شکریہ لیکن آپ میرے لیے "تحفۂ عروسی" کیا لائے ہیں"۔ زَبّا کو جذیمہ کیا جواب دیتا ۔ اس کی حالت غیر تھی ، پھر بھی اس نے اُٹھنا چاہا لیکن لڑکھڑانے سے اُس کی پشت زَبّا کی طرف ہو گئی ۔ زَبّا نے اسی وقت اس کی پشت پر تلوار کچھ اس طرح ماری کہ دونوں کے درمیان سے شگاف ڈالتی ہوئی سرسرین پر جا کر رُکی جس سے جذیمہ کی پشت میں ایک باریک سی نالی بن گئی اور اس سے خون بہتا ہوا سرسرین سے قطرہ قطرہ ٹپکنے لگا ۔ زَبّا شاید اسی کی منتظر تھی اس نے ایک چھوٹی سی جادر اس جگہ لگا دی جس سے خون ٹپک ٹپک کر جمع ہونے لگا ۔ جذیمہ نے پھر اُٹھنا چاہا تو اس کا مُنہ اب کے زَبّا کی طرف ہو گیا ۔ زَبّا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی :-

"بیٹھے رہیئے ، مجھے تحفۂ عروسی مل گیا ہے جو آپ کے خون کی صورت میں ہے ۔ دیکھ لیجیے میں نے آپ کا خون زمین پر بہنے نہیں دیا ۔ مجھے یقین ہے کہ آپ تحفۂ عروسی کے طور پر اپنا خون ہی دینا چاہتے تھے جو میں نے خود حاصل کر کے قبول کر لیا ہے ۔ آپ کا یہ خون دیوانگی کے مریضوں کے لیے اکسیر ثابت ہو گا ۔"

اتنا کہہ کر زبّا نے ایک قہقہہ لگایا لیکن جذیمہ تک اس کی آواز خاک پہنچتی کیونکہ وہ عالم سماعت تو کیا مقام حیات سے بہت دور جا چکا تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ زبّا نے جذیمہ کا خون جما کر رکھ لیا تھا اور اس کی لاش غائب کرا دی تھی یا اس کے ہمراہیوں کو بطور درس عبرت قصر شاہی سے باہر بھجوا دی تھی۔

ماموں کا انتقام جو کچھ جذیمہ کے ساتھ پیش آیا اس کا اندازہ قصیر کو قبل از وقت ان مکاتیب کے لب و لہجہ سے ہو گیا تھا جو زبّا کی طرف سے اس کے ماموں جذیمہ کو موصول ہوتے تھے لیکن جتنے لوگ اس کے ساتھ تھے ان کے بل بوتے پر وہ زبّا سے انتقام نہیں لے سکتا تھا۔ وہ مجبوراً واپس ہوا لیکن اپنی جائے سکونت پر پہنچتے ہی اس واقعے کی اطلاع جذیمہ کے چچا زاد بھائی عمرو بن عبدالجن تنوخی کو جزیرہ پہنچائی اور اسے لکھا کہ اپنے چچا کے بیٹے کا بدلہ زبّا سے لے ورنہ ساری دنیائے عرب تجھے عمر بھر بُرا بھلا کہتی رہے گی۔

دوسری طرف قصیر نے اپنے بھائی عمرو بن عدی کو تاکیداً لکھا کہ ہم دونوں کو مل کر زبّا سے اپنے ماموں کا خون کا بدلہ ضرور لینا ہے۔ چنانچہ یہ تینوں اپنے اپنے عظیم عساکر کے ساتھ زبّا کے دار الحکومت خانوقہ کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد عمرو بن عدی اور عمرو بن عبدالجن تنوخی قصیر سے بولے: "خانوقہ کا قلعہ بہت مضبوط ہے، اس میں داخلہ منجملہ محالات نظر آتا ہے۔ ویسے پشت کی جانب سے دریائے فرات حائل ہے جہاں زبّا کے ماہر تیر انداز موجود ہوں گے۔ اس طرح تو ہمیں یہاں پڑے پڑے مدتوں گزر جائیں گی۔"

قصیر نے کہا: "میری سمجھ میں ایک تدبیر آئی ہے کہ زبّا کو صلح کا پیغام بھیجا جائے کہ ہم جذیمہ کے خون کا بدلہ خون کی صورت میں اس سے لینے نہیں آئے بلکہ خون بہا لینے اور آئندہ کے لیے معاہدات صلح کرنے آئے ہیں۔"

عمرو بن عدی اور عمرو ابن عبدالجن تنوخی کو قصیر کی یہ تدبیر پسند آئی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ زبّا نے بھی ان کے عظیم عساکر اور طویل محاصرے کے پیش نظر انہیں کہلا بھیجا کہ "آپ صرف قصیر کو میرے پاس بھیج دیں تاکہ اس سے صلح نامے پر گفتگو ہو سکے۔ اس کے بعد آپ تینوں ایک ساتھ اندرون قلعہ آکر اس پر دستخط کر دیں۔"

ادھر یہ پیغام موصول ہونے کے بعد طے پایا کہ کسی نہ کسی طرح تینوں ایک ساتھ چلیں اور زبّا کا کام تمام کر دیں۔

زبّا بھی غافل نہ تھی۔ اس نے یہ سوچا تھا کہ جذیمہ کی طرح قصیر کو بھی ٹھکانے لگا کر اس کے دونوں ساتھیوں سے من مانی شرائط پہ صلح کر سکے گی یا کسی نہ کسی طرح ان کا بھی خاتمہ کر دے گی۔ بہرکیف جب قصیر زبّا کے سامنے پہنچا تو اس نے دریافت کیا۔

"تم کون ہو؟"

قصیر بولا:۔ "مجھے قصیر کہتے ہیں۔"

زبّا نے کہا: "اچھا! لیکن آپ طے شدہ معاہدے کے خلاف اپنے ساتھ ان دونوں کو کیوں لائے ہیں جو آپ کی پشت پر کھڑے ہیں۔ خیر آپ لوگ بیٹھ جائیے اور سُنیے کہ میرے پاس آپ تینوں کو دینے کے لیے بہت سا زر و مال اور جواہرات ہیں جو آپ لوگ جذیمہ کے خُوں بہا کے طور پر قبول کر لیں۔ اس کے علاوہ میں آپ کے دونوں ساتھیوں کو اپنے مقبوضات کے کچھ حصّے دینے کے لیے تیار ہوں۔"

پھر اس نے قصیر کو نظر بھر کر دیکھتے ہوئے کہا:۔

"آپ اب اپنے آپ کو حیرہ کا حکمران سمجھیے جس پر درحقیقت میرا حق ہے۔ کیونکہ ملوکِ حیرہ کی جائز وارث میں ہوں۔ اس کے علاوہ میں خود کو آپ کے حبالۂ عقد میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن یہ سمجھ لیجیے کہ میری یہ فراخدلانہ پیشکش آپ کو قبول نہ ہوئیں تو میرے اس تخت کے نیچے ایک خُفیہ راستہ موجود جو فرات کے نیچے ہی نیچے میری بہن راحیلہ کے تخت کے نیچے جا نکلتا ہے، میں چشمِ زدن میں اس میں داخل ہو کر اپنی بہن کے پاس جا پہنچوں گی اور آپ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

یہ کہہ کر زبّا نے جُھک کر تخت کے ایک کونے کا فرش اُٹھانا چاہا لیکن عمرو بن عدی نے اُچھل کر تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

زبّا کے قتل کے بعد قصیر اور اس کے ساتھیوں کے اُونٹ قطار در قطار قلعہ میں داخل ہو گئے اور ان کے سپاہیوں نے نہ صرف قلعہ بلکہ پورے دارالحکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی دوسرے شہروں کا بھی یہی حال ہوا جن کے دردناک افسانے شعرائے عرب کی منظومات میں آج بھی محفوظ ہیں۔

جذیمہ کو ابرش کے نام سے اس لیے یاد کیا جاتا تھا کہ وہ مبروص تھا۔ جذیمہ کے بعد حیرہ کی حکومت عمرو بن عدی کو ملی جس نے وہاں سو سال تک حکومت کی۔

باقی ملوک حیرہ

عمرو بن عدی کے بعد اس کا بیٹا امرؤ القیس بن عمرو بن عدی حیرہ کا حکمران ہوا اس نے ستّر سال حکومت کی۔

امرؤ القیس کے بعد اس کا بیٹا عمرو بن امرؤ القیس حکمران ہوا جسے "محرق العرب"[1] بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے پچیس سال حکومت کی۔ اس کی ماں ماریہ البریہ ملوک غسان میں سے ثعلبہ بن عمرو کی بہن تھی۔

اس کے بعد نعمان بن امرؤ القیس قاتل الفرس حیرہ کا حکمران ہوا۔ اس نے ۶۵ سال حکومت کی۔ اس کی ماں ہیجمانہ بنت سلول بن مراد تھی۔

اس کے بعد ایاد کے بقول مُنذر بن نعمان بن امرؤ القیس حیرہ کا حکمران ہوا اور اس نے پچیس سال حکومت کی۔ اس کی ماں فراسیہ بنت مالک المنذر آلِ نصر میں سے تھی۔

منذر بن نعمان کے بعد نعمان بن منذر المعروف فارس حلیمہ جو بنی الخورنق اور کردوس الکرادلیں بھی کہلاتا تھا حیرہ کا حکمران ہوا۔ اس نے ۳۵ سال حکومت کی۔ وہ آل غسان کی ہند بنت زید منات کا بیٹا تھا۔ اس کے بعد اسود بن نعمان حکمران ہوا۔ اس نے بیس سال حکومت کی۔ اس کی ماں ہند بنت ہیجمانہ آلِ نصر میں سے تھی۔ اس کے بعد منذر بن اسود بن نعمان حکمران ہوا اور ۳۴ سال حکومت کی۔ اس کی ماں ماء السماء بنت عوف بن نمر بن قاسط بن ہبت بن افصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار تھی۔ اسے اس کے حسن و جمال کی وجہ سے "ماءُ السما" کہا جاتا تھا۔

منذر بن اسود بن نعمان کے بعد عمرو بن منذر حکمران ہوا اور اس نے ۴۴ سال حکومت کی۔ اس کی ماں کا نام حلیمہ بنت حارث تھا اور وہ آل معدیکرب میں سے تھی۔

اس کے بعد منذر بن عمرو بن منذر حکمران ہوا اور اس نے ۶۰ سال حکومت کی۔ اس کی ماں عمرو ابن قابوس کی بہن اور آل نصر میں سے تھی۔

اس کے بعد قابوس بن منذر نے ۳۰ سال حکومت کی۔ اس کی ماں ہند بنت حارث آلِ معاویہ بن معدی کرب میں سے تھی۔

اس کے بعد نعمان بن منذر حکمران ہوا۔ اس کو "ابیت اللعن" بھی کہا جاتا تھا۔ اس نے ۲۲ سال حکومت کی۔ اس کی ماں سلمٰی بنت وائل بن عطیہ بنی کلب میں سے تھی۔

---

[1] ایک نسخے میں "محرق الحرب" لکھا ہے (مُرتّب)

نابغہ اور نعمان کے درمیان رابطہ

ایک روز نابغہ اچانک نعمان کے خلوت خانے کے دروازے تک جا پہنچا اور حاجب سے اندر جانے کی اجازت طلب کی۔ حاجب بولا: "وہ اس وقت مشروبات سے شغل کر رہے ہیں۔" نابغہ نے کہا "ٹھیک ہے۔ یہی دوستی کے روابط مضبوط کرنے کا وقت ہے، اس کے علاوہ ان کی خدمت میں اس وقت میری حاضری ان کے کیف و سرور میں موسیقی کے ذریعہ اضافے کا باعث ہوگی۔"

حاجب نے کہا: مگر اس وقت ان کے پاس کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

نابغہ نے کہا" آپ انہیں میری آمد کی اطلاع کر دیجیے۔ باقی ان پر چھوڑ دیجیے۔"

حاجب بولا: "اس اطلاع کے لیے بھی آپ کو میرا شکر گزار ہونا پڑے گا۔"

نابغہ نے کہا "آپ نے سچ کہا۔ ویسے اس وقت ان کے پاس دوسرے کون لوگ ہیں؟

حاجب: "وہاں اس وقت ان کے دوست خالد بن جعفر کلابی بیٹھے ہیں۔"

نابغہ نے کہا: "یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ اس صحبت خاص میں ایک اور دوست کا اضافہ ہو جائے گا۔"

جب خالد بن جعفر کلبی نے نابغہ سے پہلے نعمان کے پاس جانے کی اجازت چاہی تھی تو اس وقت بھی حاجب نے ایسی ہی طول طویل بحث کی تھی لیکن خالد اسے لاجواب کر کے مسکراتا ہوا نعمان کے پاس جا پہنچا تھا کیونکہ وہ نعمان کا رفیق خاص ہونے کے علاوہ حسن بصیرت بھی رکھتا تھا اس نے نعمان کو چند بہت ہی لطیف شعر بھی سنائے۔ انہیں سن کر نعمان بولا: "کاش اس وقت نابغہ بھی ہوتا تو اس مجلس کا لطف دوبالا ہو جاتا۔" اسی وقت حاجب نے نابغہ کی آمد کی اطلاع دی جسے سن کر نعمان بولا:-

"لو وہ خود ہی آگیا۔ اب مزہ آئے گا۔" اور واقعی نابغہ کے آجانے سے مجلس کا رنگ ہی بدل گیا۔ بے تکلفی بڑھی۔ نابغہ نے بہت سے اشعار سنائے اور گفتگو کے دوران میں اس نے نعمان کی جہاں "سر آمد فصحائے عرب" کہہ کر مدح کی وہیں اسے کئی بار "ابیتُ اللعن" کہہ کر بھی مخاطب کیا اور یہ صحبت تا دیر گرم رہی۔

نعمان، زید بن عدی اور کسریٰ

نعمان نے زید بن عدی کو قتل کیا تو اس کی وجوہ یہ تھیں:-

زید بن عدی نعمان کا کاتب تھا۔ نعمان کی جو مراسلت کسریٰ پرویز کے ساتھ ہوتی تھی وہ

سب عربی میں زید بن عدی ہی لکھتا تھا۔ ایک بار نعمان نے کسریٰ پرویز کو دوسری باتوں کے ضمن میں یہ بھی لکھوایا کہ آل منذر کی عورتیں حد درجہ حسین ہوتی ہیں۔ اس کے جواب میں کسریٰ پرویز نے لکھا کہ ان کی کوئی لڑکی انہیں بھیج دی جائے۔ نعمان نے قاصد سے کہا:۔

یہ زید بن عدی ہے، اس کی بہن حسن وجمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ یہ اپنی بہن کے ساتھ کسریٰ پرویز کے پاس جائے گا اور میرے عربی خط کی سب باتیں بھی اسے سمجھائے گا، زید طوعاً وکرہاً وہاں چلا تو گیا لیکن اپنی بہن کو ساتھ لے کر نہیں گیا بلکہ وہاں پہنچ کر کسریٰ پرویز کو یہ پٹی پڑھائی کہ نعمان کی بہن ہی سارے عرب میں وہ عورت ہے جو حسن وجمال میں غالباً ساری دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ یہ سن کر کسریٰ پرویز کو اشتیاق ہوا کہ وہ نعمان کی بہن کو دیکھے۔ چنانچہ اس نے نعمان کو لکھا کہ وہ اپنی بہن کے ساتھ اس سے ملاقات کے لیے آئے نعمان کسریٰ پرویز کا یہ پیغام پاکر جل ہی تو گیا اور حاضرین سے بولا:۔ "ہم عرب عجمیوں کو اپنی بیٹیاں دے نہیں سکتے، البتہ ان کی عورتیں اپنے حبالۂ عقد میں لے سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ایک عظیم لشکر کے ساتھ مدائن کی طرف کوچ کیا۔ زید واپس آچکا تھا اور اس وقت بھی اس کے ساتھ تھا۔ نعمان کے دل میں چونکہ اس کی طرف سے گرہ بیٹھ گئی تھی اس لیے جب وہ راستے میں دوسرے عرب قبائل کے جنگجو لوگوں کو ساتھ ملاتا ہوا مدائن کی طرف بڑھا تو اس نے یہ دیکھ کر کہ کسریٰ پرویز اس کے مقابلے کے لیے جو اسی ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر آیا ہے ان کی پہلی دو صفیں فارس کی حسین ترین عورتوں پر مشتمل ہیں جو جسم پر اسلحہ سجائے نعمان کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے بے قرار ہیں۔ زید بن عدی سے کہا۔ یہ سب تیری لگائی بجھائی کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد نعمان نے زید بن عدی کو پابہ زنجیر کرکے بسطاط مدائن کے قید خانے میں ڈال دیا۔ اور کسریٰ پرویز کو ایک خوب صورت عربی سیاہ فام گائے بھیج دی۔ اشارہ یہ تھا کہ کسریٰ پرویز کو عرب کی کوئی لڑکی پیش کرنے کی بجائے ہم اسے صرف یہ گائے پیش کر سکتے ہیں جو اس کے لشکر کی سلاح بند لڑکیوں کا تنہا مقابلہ کر سکتی ہے۔

اس واقعے پر عربی میں خاصا شعری لٹریچر موجود ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ زید بن عدی کو نعمان نے قتل کرا دیا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بسطاط کے قید خانے ہی میں مرگیا تھا۔

جب نعمان لشکر لے کر کسریٰ پرویز سے مقابلے کے لیے مدائن کی طرف بڑھا تھا تو اس نے بنی شیبان کے ہتھیار بند لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ جب کسریٰ پرویز کو اس کی اطلاع

ہوئی تو اس نے بنی شیبان کے سربراہ ہانی بن مسعود کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ نعمان کا ساتھ چھوڑ دے اس لڑائی اور اس سے متعلق جملہ حالات و کوائف ہم نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں درج کیے ہیں جس میں جنگ ذی قار کا حال بھی آگیا ہے۔ اس لیے ہم زیرِ نظر کتاب میں بس اتنا ہی بیان کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

بنت نعمان اور سعدؓ ابن وقاص

کہتے ہیں نعمان بن منذر کے دورِ حکومت میں جب اس کی بیٹی حریقہ بنت نعمان اس سے ملنے جب کبھی جاتی تھی تو اس کے راستے میں دیبا و حریر اور دوسرے زر دوز فرش بچھائے جاتے تھے لیکن جب فارس کی لڑائی میں نعمان مارا گیا اور اس کے بعد جب سعدؓ ابن وقاص نے فارس فتح کر لیا اور اس لڑائی میں رستم مارا گیا تو ظاہر ہے حریقہ بنت نعمان کی وہ قدر و منزلت کہاں رہتی کیونکہ خود اس کے باپ کی حکومت اور طاقت نکبت و زوال کے گڑھے میں جا پڑی تھی۔ چنانچہ جب سعد ابن وقاص کا فاتح فارس کی حیثیت سے اس کا سامنا ہوا تو اس نے پوچھا: "کیا تم حریقہ بنت نعمان ہو؟" اس نے کہا "ہاں" سعد ابن وقاص نے اس سے پھر پوچھا: "کیا واقعی تم حریقہ بنت نعمان ہو؟"

حریقہ بولی: "جب میں ایک بار آپ کو بتا چکی ہوں تو پھر دوبارہ دریافت کرنے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

سعد ابن وقاص نے کہا: "بس آپ کے سابقہ تزک و احتشام اور حالیہ احوال پہ غور کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ آیا تم واقعی حریقہ بنت نعمان بن منذر ہی ہو۔"

حریقہ بن نعمان نے جواب دیا:۔

"اے سعد! دنیا اور اس کی دولت و حکومت چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ وہ کبھی کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی۔ میرا پہلا اور موجودہ حال اس کا شاہد عادل ہے۔ انسان کو کبھی حکومت، طاقت اور مال و زر پر کبھی بھروسہ کرنا چاہیے نہ غرور۔ میں اس رمزِ حیات کو سمجھ چکی ہوں، اس لیے اس حال پر بھی قانع ہوں اور خدا کا شکر ادا کرتی ہوں۔"

سعدؓ بن ابی وقاص حریقہ کی یہ گفتگو سن کر بہت متاثر ہوئے اور بولے:۔

"عمرو بن عدی کا بُرا ہو جس نے نعمان ہی کو نہیں بلکہ اس قابلِ قدر اور فہیم و ذکی خاتون کو اس حال میں گرفتار کر دیا ہے۔"

حرلیقہ نے کہا: "اے سعد! دنیا اس کا نام ہے۔ اس نے کبھی ہمیں عروج پہ پہنچایا تھا اور آج اس خراب حالی سے دوچار کر دیا ہے اور ایک ہم ہی کیا دنیا کی بے شمار قومیں عروج و زوال کی ان منزلوں سے گزری ہیں۔"

ابھی سعد ابن وقاص اور حرلیقہ بنت نعمان میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ عمرو بن معدی کرب جو زمانۂ جاہلیت میں حرلیقہ کے باپ کی خدمت میں حاضری دیتا رہتا تھا وہاں آ پہنچا۔ اس نے حرلیقہ کو تعجب سے دیکھ کر پوچھا۔

"تم! تم حرلیقہ بنت نعمان ہو؟"

حرلیقہ نے کہا: "ہاں میں وہی ہوں۔"

عمرو بن معدی کرب نے یہ جواب سُن کر کہا:۔

حرلیقہ! "وہ تمہاری شان و شوکت اور جاہ و جلال سب کیا ہوئے؟"

حرلیقہ نے عمرو بن معدی کرب کو بھی وہی جواب دیا جو وہ پہلے سعد ابن وقاص کو دے چکی تھی اور اس کے بعد دنیا کی بے ثباتی پہ بڑی اثر انگیز تقریر کی۔

سعد بن ابی وقاص نے حرلیقہ کو بڑے عزت و احترام سے رخصت کیا اور یہ بھی کہا:۔

"جب تک آپ زندہ ہیں آپ کی خبرگیری ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ بے فکر رہیے آپ کو عمر بھر کسی قسم کی تکلیف اُٹھانا نہ پڑے گی۔"

جب حرلیقہ وہاں سے رخصت ہوئی تو شہر کی کچھ عورتوں نے اس سے پوچھا:۔

"امیر آپ کے ساتھ کس طرح پیش آئے!"

حرلیقہ نے جواب دیا:۔

"بالکل اسی طرح جس طرح اہل کرم اہل کرم سے پیش آتے ہیں۔"

یہ باقی ان ملوک حیرہ کا ذکر تھا جس سے قبل ہم ان کی پہلی حکومتوں کا سلسلے وار ذکر کر چکے ہیں۔ ظہور اسلام کے وقت حیرہ پہ شاہِ فارس کسریٰ پرویز کی حکومت رہی۔ اس کے بعد عرب کے لوگ اس پہ قابض ہو گئے اور وہاں کچھ عرصے ایاس بن قبیصہ طائی حکمران رہا۔ اس نے نوسال آٹھ مہینے حکومت کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بھی وہاں اہل فارس حکمران تھے۔ اس سے پہلے وہاں عمرو بن عدی کا اقتدار بھی رہا تھا جس کا حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس طرح حیرہ میں اس وقت تک عربی و فارسی دونوں کو ملا کر ۲۳ حکمران رہ

چکے تھے۔ ویسے حیرہ کی حکومتوں کا فی الجملہ دَور چھ سو بائیس سال آٹھ مہینوں پر محیط ہے۔

کہتے ہیں حیرہ اور اس کی تعمیرات اس وقت ویران ہوئیں جب عراق میں شہر کوفہ کی بنیاد پڑی۔ ویسے حیرہ کو عباسی خلفاء میں معتضد کے علاوہ جس کے دَور میں حیرہ اپنی ویرانی کی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ سفاح، منصور اور ہارون الرشید سبھی تھے، اس کی عمدہ آب و ہوا زمین کی زرخیزی، پانی کی فراوانی اور عمومی شادابی کی وجہ سے پسند کیا تھا۔ اب حیرہ تو حیرہ خود کوفہ جس کی بنیادیں حیرہ کی تباہ حال بنیادوں پر اُٹھی تھیں ویرانی کی تصویر نظر آتا ہے۔ اس کی تفصیل ہم اپنی ایک دوسری کتاب اخبار الزماں میں بیان کر چکے ہیں، اس لیے یہاں بخوف طوالت ان تفصیلات میں جانے سے گریز کیا گیا ہے۔

باب (۱۲)

شام کے یمنی و غسّانی حکمران ؏

شام کے اوّلین حکمران یمن والوں میں سے شام کا پہلا حکمران فالغ بن لیعقوب[1] تھا۔ اس کے بعد یوتاب حکمران ہوا۔ ایوب بن زرآح[2] جس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کیا ہے اور اس کے امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر اس ملک پر رُوم[3] نے غلبہ حاصل کر لیا اور وہاں کے لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ بہرحال شام میں پہلے آنے والا شخص قضاعہ بن مالک بن حمیر تھا۔ اس نے شام پر اس زمانے میں حکمرانی کی جب اس علاقے کے لوگ جو عرب سے ملحق تھا عیسائی ہو گئے تھے۔

تنوخ اور اس کا نسب تنوخ میں سے جو شخص سب سے پہلے وہاں کا حکمران ہوا وہ تنوخ النعمان بن عمرو بن مالک تھا۔

اس کے بعد عمرو بن نعمان بن عمرو حکمران ہوا۔ اس کے بعد حواری بن نعمان نے حکومت سنبھالی لیکن تنوخ میں سے ان کے سوا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور کوئی وہاں حکمران نہیں ہوا۔ وہ تنوخ بن مالک ابن فہم بن تیم اللات بن اذد بن دبرہ بن ثعلبہ بن حلوان بن حلوان ابن الحاف بن قضاعہ بن مالک بن حمیر تھا۔

---

[1] ایک نسخے میں فالغ بن ہود لکھا ہے (مرتب)
[2] ایک نسخے میں ایوب بن سوات لکھا ہے (مرتب)
[3] ″ ″ ″ یمن لکھا ہے۔ (″)

قضاعہ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے آیا وہ بنی قحطان میں سے تھی ۔ خود قضاعہ کو اس سے انکار تھا کہ وہ معد کی بیٹی تھی جو بنی قحطان میں سے تھا ۔ بہرحال اس نسبی الحاق کے علاوہ جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کچھ لوگوں نے اس کا سلسلۂ نسب حمیر سے ملایا ہے ۔

سلیح اور اس کا نسب

سلسلۂ قضاعہ کے بعد یمن سے اکثر شام میں حکمرانی کرنے والوں میں سلیح کا ذکر آتا ہے ۔ اس نے تنوخ پر غلبہ حاصل کر کے روم کی طرف سے ان عربوں پر حکومت کی جو شام میں آباد ہو گئے تھے ۔ وہی سلیح بن صفوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ تھا ۔ اس نے عربی قبائل کو مارب کی طرف اور قصہ عمرو بن عامر مزیقیا کو بھی وہاں سے نکال دیا تھا ۔

اس کے بعد بنی غسّان شام آئے ۔ وہ مازن یعنی اُزد بن غوث بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا بن لشجب بن یعرب بن قحطان بن مازن کی اولاد تھے ۔ درحقیقت غسّان اس چشمے کا نام تھا جس سے وہ پانی پیتے تھے[1] اس لیے ان کے پورے قبیلے کا نام غسّان پڑ گیا تھا ۔ اسی کے بارے میں حسّان بن ثابت انصاری نے کہا ہے ؎

"ہم سے ہماری نجابت کے بارے میں پوچھا جاتا ہے ہماری نسبت ازد سے اور چشمۂ غسّان سے ہے"

آگے چل کر ہم عمرو بن عامر مزیقیا اور سیل عرم کا حال بیان کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ یہ لوگ کس طرح ادھر ادھر منتشر ہوئے نیز چشمۂ غسّان کا ذکر بھی کریں گے ۔ کہا جاتا ہے کہ عمرو بن عامر کو جب مارب سے نکالا گیا تو وہ اس چشمے پر مستقلاً کبھی نہیں ٹھہرا بلکہ اس نے چار سو سال گھومنے پھرنے میں گزارے اور چار سو سال حکومت کی ۔

ملوک غسّان شام میں

عربوں میں سے جن لوگوں نے پہلے شام پر درحقیقت اقتدار حاصل کیا وہ غسّانی تھے ۔ انہیں سے رومیوں نے شام کی حکومت حاصل کی تھی ۔ شام میں جس غسّانی نے سب سے پہلے حکومت کی وہ حارث بن عمرو بن حارث بن حارثہ بن امرئ القیس بن ثعلبہ بن مازن تھا ۔ وہی درحقیقت غسّان بن ازد بن غوث تھا ۔

اس کے بعد حارث بن ثعلبہ بن جفنہ بن عمرو بن عامر ابن حارثہ حاکم ہوا ۔ اس کی ماں ماریہ ذات القرطین بنت ارقم بن ثعلبہ بن جفنہ ابن عمرو تھی ۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ وہ ماریہ

---

[1] ایک نسخے میں "ماس بن غسّان" لکھا ہے (مرتب)

بنت ظالم بن وہب بن حارث بن معاویہ ابن ثور تھی اور اس کو یعنی ثور کو کندہ بھی کہتے ہیں ۔ ماریہ ہی عورت تھی جس سے جملہ غسّانیوں کا سلسلہ نسبی جا ملتا ہے ۔

اس کے بعد نعمان بن حارث بن جبلہ بن حارث بن ثعلبہ بن جفنہ ابن عمرو حاکم ہوا ۔ اس کے بعد منذر ابوشمر بن حارث بن جبلہ بن ثعلبہ ابن عمرو حکمران ہوا اور اس کے بعد عوف بن ابی شمر نے حکومت سنبھالی ۔

عوف بن ابی شمر کے بعد حارث بن ابی شمر حکمران ہوا ۔ وہ عرب میں بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک شام کا حاکم تھا ۔

حسّان اور حارث غسّانی

کہتے ہیں کہ حسّان بن ثابت انصاری شام جا کر حارث ابی شمر سے ملے تھے ۔ اس وقت نعمان بن منذر لخمی وہاں موجود تھا ۔ آپ نے اس سے کہا :-

"اے ابن فریعہ ہم نے سنا ہے کہ آپ نعمان کو ہم پر ترجیح دیتے ہیں ۔"

یہ سن کر حارث بن ابی شمر بولا :- یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ خدا کی قسم آپ کی پشت اس کے چہرے سے آپ کی ماں اس کے باپ سے ، آپ کا باپ اس کی ساری قوم سے ۔ آپ کی شمال اس کے یمین سے ، آپ کی سانس اس کی آواز سے ، آپ کی قلّت اس کی کثرت سے ، آپ کا لوٹا اس کے مٹکے سے ، آپ کا بوریا اس کے تخت سے ، آپ کا پایاب تالاب اس کے سمندر سے آپ کا ایک دن اس کے ایک مہینے سے اور آپ کا ایک مہینہ اس کی ساری عمر سے ، آپ کا گرد و پیش اس کے سارے علاقے سے ، آپ کا ایک شخص اس کے ہزاروں اشخاص سے اور آپ کا ایک گروہ اس کے بے شمار گروہوں سے کہیں بہتر ہے ۔ اس کے علاوہ آپ غسّان اور وہ لخم ہے ۔ پھر بھلا میں اسے آپ پر کس طرح ترجیح دے سکتا ہوں ؟

یہ سن کر حسّان بن ثابت نے کچھ اشعار پڑھے اور کہا یہ اشعار آپ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں ۔ حارث نے اس کی تردید کی اور کہا کہ یہ اشعار اس کے نہیں ہیں اور اگر اس سے منسوب کیے جاتے ہیں تو غلط فہمی کی بنا پر کیے جاتے ہیں یا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ۔

جبلہ بن ایہم

عوف بن ابی شمر کے بعد جبلہ بن ایہم بن جبلہ بن حارث بن ثعلبہ بن جفنہ بن حارثہ بن امرئ القیس بن ثعلبہ بن مازن یعنی غسّان بن ازد بن غوث شام کا حاکم ہوا ۔ یہ وہی حاکم شام تھا جس کی مدح میں حسّان بن ثابت انصاری نے بہت سے اشعار کہے تھے ۔

دیارِ غسّان ملوک غسّان کا احاطۂ اقتدار یرموک، جولان اور ان کے علاوہ دمشق کے مفصلات اور ان کے اطراف تک تھا۔ اردن جو پہلے ارضِ شام میں شامل تھا انہیں میں سے ایک تھا۔

جبلہ بن ایہم وہی شخص ہے جو دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تھا لیکن پھر اپنے قبیلے والوں کے طعن و تشنیع سے شرمندہ ہو کر مرتد ہو گیا تھا۔ ہم نے اس کے بارے میں اپنی کتاب اخبار الزماں میں اس واقعے اور اس کے حالات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مشہور عرب شاعر نابغہ نے اپنے اشعار میں اس کے باپ کی مدح بھی کی ہے۔

شام کے پہلے جملہ گیارہ حاکم غسّانی تھے جو بلاد مارب، بلقا، دمشق اور قوم لوطؑ کے سب شہروں اُردن اور فلسطین وغیرہ پر حکومت کرتے تھے۔ ان کے پانچ بڑے شہر تھے جن میں سب سے بڑا سدوم تھا۔ جس کا توریت میں بھی ذکر آیا ہے۔ ہم نے یہاں بخیال اختصار ان سب کے تفصیلی ذکر سے گریز کیا ہے، ویسے بھی ہم "اخبار الزماں" میں اخبارِ عالم کے ضمن میں ان کا مفصّل ذکر کر چکے ہیں۔

باب (۱۳)

بوادی عرب وغیرہ، بدوؤں کے وہاں قیام کے اسباب عرب کا جملہ احوال اور تمام ضمنی اذکار

ہم اب تک اولادِ قحطان اور ان میں جو عرب عاد وطسم، عملاق وجرہم، ثمود وعبیل و وبار کا اور ان کے علاوہ جو عرب اب تک ان میں شامل ہوئے جیسے معد وغیرہ کا ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے سوا ہمیں ان عربی الاصل قبائل کے بارے میں علم نہیں ہے جو دُنیا میں ادھر اُدھر پھیلے۔ یہ لوگ معد و قحطان کے علاوہ تھے جنہوں نے مشرق و مغرب میں متعدد بڑے بڑے شہر آباد کیے۔ جیسے مشرق میں افریقس بن ابرہہ تھا۔ اُنھوں نے مغرب میں بھی افریقہ اور صقلیہ جیسے شہروں کی بنیاد ڈالی اور اطرافِ مشرق میں سمرقند کی بنیاد ڈالی نیز بلادِ تبت وچین میں بھی بہت سی بستیاں بسائیں اور متعدد بلند و بالا عمارتیں تعمیر کیں جن کا ان کے اسلاف واخلاف دونوں نے ذکر کیا ہے۔

دعبل وکمیت

دعبل بن علی خزاعی نے اپنے ایک قصیدے میں اپنے ان اسلاف کا فخریہ ذکر کیا ہے جنہوں نے اطراف عالم میں پھیل کر بہت سے علاقوں میں حکومت کی۔ اس کے مطابق وہ سب معد بن عدنان کے اسلاف سے الگ افراد تھے۔ اس نے انہیں تبابعہ میں شامل نہیں کیا ہے جو اوّل ہوں یا آخر اور انہیں تبابعہ کہا جائے جنہوں نے شحر وحضرموت میں سکونت اختیار کر کے وہاں حکومتوں کی بنیاد رکھی جیسا کہ ہم نے کچھ ملوک کا ذکر کیا ہے۔ وہ ان پر لفظ تُبّع کا اطلاق نہیں کرتا جیسا کہ خداوند تعالےٰ نے قریش کی جمعیّت اور افرادی قوّت کا قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے (اھم خیر اَمّ قوم تُبّع۔ آیت) اور پھر جس قدر حرم کی تولیت کی وجہ سے انہیں شہرت و عزّت اور عظمت حاصل ہوئی جیسا کہ عبداللہ بن عباس نے بیان کیا ہے۔

قباد کے ملوک الطوائف اور تبع کا درمیانی فصل

درحقیقت تبع آل ابوکرب ہیں جو ساری دُنیا میں پھیلے اور جنہوں نے مختلف ممالک کا سفر طے کیا اور پھر عراق آکر ملک طوائف پر اقتدار حاصل کیا جواب تک جوذر بن سابور کی نسل میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ابوکرب نے جس حکمران پر تسلط حاصل کیا وہ قباد تھا لیکن وہ قباد بن فیروز ساسانی نہیں تھا۔ ابوکرب نے اس دُوسرے قباد پر جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا غلبہ حاصل کر کے اس کے ملک ہی پر نہیں بلکہ تمام عراق، شام و حجاز اور دوسرے بہت سے مشرقی ممالک پر حکومت کی۔ تُبّع دراصل یہی لوگ تھے۔ اور اہل تبّع نے اپنی منظومات میں انہیں کا ذکر کیا ہے۔ نزار بن معد کے ساتھ انہیں بہت سی لڑائیاں پیش آئیں اور بہت سے واقعات ہوئے۔ ان کے خلاف معد بن ربیعہ اور مضر و ایاد و انمار اکٹھے ہو گئے تھے۔ جب باہمی کشت و خون اور تباہی کا باعث ہوا جس کا ابو دواد ایادی نے اپنے اشعار میں تفصیلی ذکر کیا ہے۔

ہم نے اپنی پچھلی کتاب "کتاب الاوسط" میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبی ابتدا اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد میں نسبی تفریق کا نزار بن معد تک اور ان سے جو قبائل نکلے ان سب کا مفصل ذکر کیا ہے۔ اب یہاں ہم نزار ادلعہ، افعی بن افعی جرہمی کا اور ان قبائل کا ذکر کریں گے جو ان کے اخلاف کہلاتے ہیں اور جنہوں نے عرب کی وادیوں، وہاں کے پہاڑی علاقوں اور صحراؤں میں سکونت اختیار کی اور جیسا کہ زیر نظر باب کے عنوان سے ظاہر ہے اس کے اسباب بھی بیان کریں گے۔

نزار بن معد اور اس کی اولاد

جن لوگوں نے عرب کے حالات بیان کیے ہیں انھوں نے کہا ہے کہ نزار بن معد کے چار بیٹے تھے۔ ایاد جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں، انمار اور بجیلہ و خثعم۔ ان سے یمن والوں کا جو سابقہ ہوا ان کا ذکر بھی اولاد انمار کے ضمن میں آچکا ہے اور ربیعہ اور مضر کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ نزار کی وفات کا جب وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے کو بلایا اور ایک کنیز جس کا نام شمطاء تھا کی طرف اشارہ کر کے اپنے بیٹے ایاد سے کہا کہ اس سے بہتر کنیز چشم عالم نے آج تک نہ دیکھی ہو گی جو آج تک میری ملکیت رہی ہے۔ پھر وہ اپنے دوسرے بیٹے مضر کا ہاتھ پکڑ کر ایک قبہ میں لے گیا اور اس سے بولا کہ اس قبہ سے بہتر آج تک کوئی قبہ چشم فلک نے نہ دیکھا ہو گا یہ ہمیشہ میری ملکیت رہا ہے۔ پھر اس نے اپنے تیسرے بیٹے ربیعہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے اصطبل میں لے جا کر ایک مشکی گھوڑا دکھا کر کہا کہ اس سے بہتر گھوڑا آج تک چشم فلک نے نہ دیکھا ہو گا۔ پھر اپنے چوتھے بیٹے انمار کا ہاتھ پکڑ کر

اپنے مجلسی ساز و سامان کے پاس لے گیا اور اس سے کہا کہ ایسا ساز و سامان آج تک کسی نے نہ دیکھا ہو گا۔ پھر ان چاروں سے بولا: یہ سب چیزیں جو میں نے تمہیں دکھائی ہیں میرے بعد تمہاری ہوں گی لیکن ان کی تقسیم کا فیصلہ افعی بن افعی جرہمی پر چھوڑ دیتا ہوں وہ جو کچھ وہ فیصلہ کرے وہ قبول کر لینا اس کے بعد نزار کچھ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہا اور اسے موت سے دوچار ہونا پڑا۔

اولادِ نزار بن معد کا اور افعی جرہمی

اپنے باپ نزار کے انتقال کے بعد اس کے چاروں بیٹے ایاد، مضر، ربیعہ اور انمار گھوڑوں پر سوار ہو کر اور ایک اونٹ پر زادِ راہ لے کر افعی جرہمی حاکم نجران سے ملنے روانہ ہوئے تاکہ اس سے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق اس کی وراثت تقسیم کرالیں۔ راستے میں وہ ایک منزل پر آرام کے لیے ٹھہرے تو ان کا سامان سے لدا ہوا اونٹ کھل کر کسی طرف نکل گیا۔ وہ اسے ڈھونڈنے نکلے تو انہیں ایک راہ گیر ملا۔ انہوں نے اس سے دریافت کیا کہ آیا اس نے اس طرف جدھر سے وہ آ رہا ہے کوئی اونٹ جاتا دیکھا ہے؟ مسافر نے پوچھا: کیا وہ ایک پاؤں سے لنگڑا کر چلتا ہے؟" وہ بولے: "ہاں۔" مسافر نے پوچھا: "کیا اسے ایک آنکھ سے سجھائی نہیں دیتا؟" انہوں نے کہا: "ہاں" مسافر نے پوچھا: "کیا اس کا ایک پاؤں چھوٹا ہے؟" وہ بولے: "ہاں ہاں، بس وہی ہمارا اونٹ ہے۔" مسافر بولا: جدھر سے میں آ رہا ہوں ادھر سے اس قسم کا ایک اونٹ گزرا تو ضرور ہے لیکن یہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں گیا اور اب کہاں ہو گا۔ اس پر وہ چاروں غصّے سے بولے:۔ تمہیں اس کا پتہ ضرور معلوم ہے اور تم نے اسے کہیں جھاڑیوں میں چھپا دیا ہے۔"

مسافر بولا: "نہیں بھائیو! قسم لے لو، میں نے ایسا نہیں کیا۔"

انہوں نے پوچھا: "پھر تمہیں ہمارے اونٹ کی یہ نشانیاں کیسے معلوم ہوئیں؟"

مسافر نے کہا۔ ادھر سے جو اونٹ گزرا ہے وہ پاؤں اس طرح رکھتا ہے کہ جیسے وہ اس پاؤں سے معذور ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ راستے کی ریت پر اوچھا پڑتا ہے۔ اس کا ایک پاؤں زمین پر نہیں ٹکتا تو وہ اسے اٹھا کر چلتا ہے، اس کا ثبوت بھی اس کے پیروں کے نشانات کا فاصلہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کا ایک پاؤں چھوٹا ہے۔"

ان چاروں بھائیوں نے پوچھا: "خیر یہ تو تمہیں اس کے قدموں کے نشانات سے معلوم ہو گیا کہ وہ ایک پاؤں سے معذور یا زخمی ہے اور اس کا ایک پاؤں چھوٹا ہے لیکن تمہیں بغیر

دیکھے یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ اسے ایک آنکھ سے سجھائی نہیں دیتا ؟"

مسافر بولا : یہ تو بڑی آسان بات ہے ۔ جس طرف سے وہ گزرا ہے وہاں کی صرف ایک طرف کی جھاڑیوں پہ اس نے مُنہ مارا ہے اور دوسری طرف کی چھوڑتا چلا گیا حالانکہ وہ ان سے بہتر تھیں ، معلوم ہوا ہے کہ اسے دوسری طرف کی جھاڑیاں نظر ہی نہیں آتی تھیں ۔"

نزار بن معد کے بیٹے اس راہ گیر کی عقلمندی پہ حیران ہوتے ہوئے اس طرف کچھ دُور گئے تو انہیں اپنا اُونٹ مل گیا اور وہ نجران کی طرف روانہ ہوگئے ۔ شہر کے دروازے پہ پہنچے تو ان سے پوچھا گیا کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں ۔ اُنہوں نے شہر میں داخلے کی اجازت کے علاوہ افعی جرہمی سے ملاقات کی اجازت بھی طلب کی اور اس سے ملاقات کا مقصد بھی بتایا ۔

جب انھیں افعی جرہمی والی نجران کے سامنے پیش کیا گیا اور انہوں نے اس کے پاس آنے کا مقصد اس سے بیان کیا تو وہ ان سے بڑی نرمی و ملاطفت سے پیش آیا اور انہیں شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا کر ان کی جملہ ضروریات کا بندوبست کر دیا ۔ لیکن اپنے ایک خادم خاص کو یہ بھی ہدایت کر دی کہ وہ آپس میں جو بھی گفتگو کریں اس کی اطلاع اسے دی جائے ۔

جب وہ چاروں بھائی رات کو کھانا کھانے بیٹھے تو اُنہوں نے شہر کی تعریف کی اور کہا کہ ایسا شہر ہمارے سوا کہیں اور نہیں پایا جاتا ، یہ افعی جرہمی کے پاس کہاں سے آیا ۔ ان کی اس گفتگو کی اطلاع افعی کی ہدایت کے مطابق اس کے خادم خاص نے اسے دے دی ۔ اس کے بعد انہوں نے اسلحہ خانے میں ہڈی سے بنے ہوئے تیر دیکھے تو بولے کہ ایسے تیر تو سوائے ہمارے اسلحہ خانے کے اور کہیں نہیں تھے ، یہ یہاں کیسے آگئے ؟ یہ اطلاع بھی افعی جرہمی کو مل گئی ۔ اس کے بعد انہوں نے کھانے کے بعد شراب کی تعریف کرتے ہوئے بھی یہی کہا کہ ایسی شراب ان کے باپ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی تھی ، یہ یہاں کیسے آئی ؟ اس کی اطلاع بھی جب افعی جرہمی کو ملی تو اپنی ماں کے پاس گیا اور اس کو ان کی گفتگو سُنا کر اس کا سبب پوچھا تو وہ بولی :۔

"دراصل بنو نزار اور بنو جرہم نسبی لحاظ سے ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں ۔ تمہارا باپ اور نزار کا باپ رشتے کے بھائی اور ایک ہی نسل سے تھے ، جن چیزوں کی خوبیوں پہ انہیں حیرت ہے وہ نسلاً بعد نسلٍ تم دونوں کی نسل میں خصوصی طور پہ منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں ۔ مثلاً شہد کے حصول کا جو طریقہ اس نسل کو معلوم تھا وہ آج تک کسی دوسرے

کو معلوم نہیں ہے۔ شراب بھی یہ دونوں قبیلے ایک خاص قسم کی کھجوروں سے حاصل کرتے تھے جن کی تخم ریزی اور پرورش کے طریقے بھی انہیں سے مخصوص تھے۔ رہے تیر تو یہ دونوں قبیلے تیروں کی سلاخیں ایسی لانبی لانبی ہڈیوں سے تیار کرتے تھے جو رات کو چمکتی تھیں، اس لیے رات کے اندھیرے میں بھی ان کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا تھا۔"

اپنی ماں کی زبانی یہ باتیں سُن کر افعی جرہمی نے ان چاروں بھائیوں کے ساتھ سلوک میں اضافہ کر دیا اور انہیں وہ سب کچھ بتا دیا جو اسے اپنی ماں کی زبانی معلوم ہوا تھا۔ یہ سُن کر وہ بہت خوش ہوئے اور یہ بھی سمجھ گئے کہ ان کے باپ نے تقسیم وراثت کے لیے انہیں افعی جرہمی کے پاس کیوں بھیجا تھا۔ چنانچہ افعی جرہمی نے ان میں ان کے باپ کی وراثت اس طرح تقسیم کی کہ کسی کو اعتراض کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اس کے بعد ایسا طلائی قبہ، اسلحہ خانہ، سازوسامانِ دربار اور مُشکی گھوڑے جیسی کوئی چیز مدتوں کسی قبیلے کے حصّے میں نہیں آئی۔

بعض سیرت نگاروں نے عربی الاصل نسلوں کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ بنی نزار اور بنو جرہم ہی پہلے دو عربی قبیلے تھے جو یکے گئے تھے اور انہوں نے اس کے دسویں حصّے پر اوّل اوّل تسلّط حاصل کیا تھا۔ ان کے علاوہ عربی الاصل قبائل اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے اور انہیں صحراؤں، پہاڑوں اور دوسری جگہوں میں جہاں بھی ٹھکانا ملا قیام کرتے رہے لیکن کسی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہے بلکہ ہمیشہ خانہ بدوشوں کی زندگی بسر کرتے رہے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے آباؤ اجداد نے بھی شہر آباد کیے تھے، نہ کہیں بستیاں بسائی تھیں بلکہ کہیں ایک جگہ مستقل قیام بھی نہیں کیا تھا، اسی لیے وہ بھی انہی کی روایات پر چلتے رہے اور ان کے اخلاف کی یہ روایت آج تک عرب کے بدوؤں میں پائی جاتی ہے۔

کچھ مؤرخین کے مطابق طوفان کے بعد جس کے دوران میں اللہ تعالیٰ نے طبقہ ارضی کو تہ و بالا کر ڈالا تھا۔ نوع انسانی منتشر ہوئی تو سب سے اوّل وہ لوگ تھے جنہوں نے بابل کا رُخ کیا۔ اس خطہ ارضی کو دوبارہ آباد کیا۔ وہاں شاندار عمارتوں، قلعوں اور محلّات و قصور کی بنیاد ڈالی اور حکومت کی داغ بیل ڈال کر نظامِ حکومت استوار کیا۔ یہ قوم نبط تھی اور اس کا نسلی تعلق حلّہ سے تھا جو حام بن نوح سے تھی۔ انہیں میں نمرود بن کنعان بن سنجاریب بن نمرود اوّل بن کوش بن حام نوح بھی تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ضحاک سے قبل بابل میں حکومت قائم کی تھی ان کا پہلا شخص بیوراسف[1] تھا۔

---

[1] ایک نسخے میں بنو دراست لکھا ہے (مرتب)

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اولادِ حام ہی نے بلادِ مصر و شام آباد کیے تھے اور انہیں میں وہ کنعانی تھے جو پہلے یہاں آئے تھے اور پھر وادی بربر میں پھیل کر ہوارہ، زناتہ، ضریعہ، مغیطہ، زنارہ، غمارہ وقالمہ، وارفہ و آئینتہ و بابہ اور بنو سجون وارکنہ کہلائے۔ زناتہ، بنو کلان و بنو مصدریان اور بنو افیاس وزیحن نیز بنو سا وصنہاجہ، غابہ المعروف غابہ عا قدیم سون اور رعوین و عورقہ و یکسوم بھی انہیں کی قبائلی شاخیں ہیں اور وہ لوگ بھی انہیں میں سے ہیں جنہوں نے غابہ کے علاوہ حبشہ میں دوسری بستیاں بسائیں اور یہیں سے مغرب کی طرف بڑھے۔

یہ بھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ارض بربر درحقیقت ارض فلسطین ہی تھی جو بلادِ شام کا ایک حصہ تھی اور اس کا پہلا حکمران جالوت تھا۔ یہ نام ان حکمرانوں کا اس وقت سے مخصوص نام ہوگیا تھا اور اس وقت تک چلتا رہا جس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کے آخری وارث کو قتل کر کے وہاں سے ان حکمرانوں کا نام و نشان مٹا دیا اور وہاں سے مغرب کی طرف منتقل ہو گئے۔ یہ لوگ مغرب میں جہاں گئے ان مقامات کا نام بلوبیہ اور مراقیہ تھا۔ پھر وہ وہاں زناتہ ومغلیہ اور وہاں کے پہاڑی علاقے ضریعہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد اودیہ کا وطن بنایا اور پھر ارض برقہ کی طرف پھیلے، پھر بلادِ ایاس کے ہوّارہ میں آباد ہوئے۔ یہ تینوں مقامات مغرب میں اب بلادِ طرابلس کے مشہور شہر ہیں۔ یہ پہلے فرنگیوں اور رومیوں کے شہر تھے۔ جہاں یہ لوگ بربر سے آئے اور ان فرنگیوں اور رومیوں پر مسلّط ہو گئے۔ جب یہ لوگ وہاں سے ہٹے تو انہوں نے بحرِ روم کے جزائر پر قبضہ جمایا اور ان میں سے اکثر صقلیہ میں آباد ہو گئے۔ اس کے بعد جب یہ بربری لوگ مغرب کے متصل مقامات میں جو افریقی ممالک میں کہیں کہیں ایک ایک ہزار میل کے فاصلے پر واقع ہیں اور بلادِ قیروان میں شامل ہیں بڑھتے چلے گئے تو فرنگی اور رومی لوگ پھر اپنے پرانے شہروں کو لوٹے، انہیں از سرِ نو آباد کیا، وہاں نئی نئی عمارتیں تعمیر کیں اور ان بربریوں سے صلح کے معاہدے کر لیے۔ اس لیے ان بربریوں نے پہاڑی علاقوں میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ علاقے اب اودیہ، رتال و دلس اور براری و قفار کے مفصّلات کہلاتے ہیں۔

بحرِ افریقیہ و صقلیہ سے مرجان (مونگے) نکلتے ہیں۔ یہ سمندری علاقہ بحرِ ظلمات کے قریب ہے جسے اب بحرِ اوقیانوس کہا جاتا ہے۔ ان باتوں اور ان سے متعلق دوسری باتوں کی تفصیلات ہم نے اپنی پچھلی کتاب میں وہاں بیان کی ہیں جہاں سطحِ ارضی پر دنیا کی مختلف اقوام کے آباد ہونے اور مشرق و مغرب میں شہروں کی بنیاد ڈالنے کا ذکر کیا ہے۔

جہاں تک جولان کے پہاڑی علاقے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شام وفلسطین والوں نے اس علاقے کو ناپسندیدہ قرار دے کر وہاں آباد ہونا پسند نہیں کیا تو بدوؤں نے اسے اپنی جائے سکونت بنا لیا۔

یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ انسانی جسم کے اعضاء وجوارح کی طرح سطح ارضی کی تشخیص بھی ضروری ہے۔ اسی کے نتیجے میں یہ معلوم ہو سکا ہے کہ کہاں کہاں کی فضا، آب وہوا اور مٹی انسانی آبادیوں کے لیے اپنے خواص کے لحاظ سے مناسب ونامناسب ہیں۔ ظاہر ہے کہ سطح ارضی پر کہیں صرف چٹیل میدان ہیں، کہیں گھنے جنگلات اور کوہستانی علاقے ہیں جن کی آب وہوا مختلف ہے، زمین کہیں زرخیز ہے اور کہیں محض بنجر ہے۔ اس لیے اگر نوعِ انسانی نے اپنے لیے پہلے ہی سے اچھے علاقے چُنے تو اس پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ وہ مختلف ایام میں حالات کے تحت اِدھر اُدھر منتشر ہوتی رہی تو وہ بھی کچھ غلط نہ تھا بلکہ بدلتے ہوئے حالات کے عین مطابق تھا۔ عرب کی زمین بھی اپنے خواص کے لحاظ سے دُنیا کے دُوسرے علاقوں کے بارے میں اندازہ لگانے کی روایت سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

انہیں مسلمات کے تحت اقصائے عالم کے عربی علاقوں میں جیسے حجاز ویمن اور شام وفلسطین میں اولادِ آدم نے اپنے اپنے لیے کچھ مقامات منتخب کر کے وہاں اپنا اقتدار قائم کر لیا تو باقی لوگوں نے خانہ بدوشی یا صحرا نشینی اختیار کی تو وہ لوگ بدّو کہلائے اور اب تک کہلاتے ہیں، لیکن قدرت کی فیاضی دیکھیے کہ انہیں صحرا نشینوں اور خانہ بدوشوں کو کچھ ایسی خصوصیات بخشی گئیں جو ان کے علاوہ دوسروں میں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً ان کا ڈیل ڈول، جسمانی قویٰ، ہمت وشجاعت محنت کشی، صبر واستقامت وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو مدنیت کی دلدادہ اقوام میں شاذ ونادر ہی پائی جاتی ہیں۔ ان کا باہمی اتحاد واتفاق بھی من حیث الجماعت نادر الوجود ہے۔ متمدن دُنیا اپنے رنگ روپ نظامِ حیات، معاشی ومعاشرتی خصوصیات پر کتنا ہی فخر کرے لیکن بدوؤں کی مذکورہ بالا خصوصیات کا جو قدرت کا عطیہ ہیں اور ان کی جفاکشی کا نتیجہ، مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ان کے پسندیدہ مقامات میں زمینی توازن واعتدال نہ پایا جانا الگ بات ہے لیکن ان کی ان خصوصیات کا کوئی خطہ ارضی جواب نہیں دے سکتا۔

ایک دفعہ کسریٰ نوشیرواں کے پاس عرب سے ایک وفد گیا تو اس میں ایک ماہر خطابت شخص بھی تھا۔ اس کی گفتگو سُن کر نوشیرواں نے اور باتوں کے علاوہ اس سے پوچھا کہ عرب کے

صاحبانِ اقتدار اب تک صحرانشین و خانہ بدوش بدوؤں کو قابو نہیں لاسکے اس کی کیا وجہ ہے اور وہ لوگ اب تک کیوں آزاد پھرتے ہیں۔ عربی خطیب نے جواب دیا: وہ آزاد پیدا ہوئے ہیں، آزادی پسند ہیں اور آزاد ہی رہنا چاہتے ہیں۔

نوشیرواں نے پوچھا: "زیرِ فلک آفات ارضی و سماوی سے ان کا تحفظ کیسے ہوتا ہوگا؟"

خطیب نے جواب دیا: وہ برسوں سے اسی طرح گھومتے پھرتے موسمی تغیرات کے عادی ہوگئے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ پہلے سے موسم کی تبدیلی کو سمجھ لیتے ہیں۔ ویسے وہ رات کے وقت صحرا میں کھلے آسمان کے نیچے سوجاتے ہیں لیکن افقِ مشرق میں سورج کے نمودار ہونے سے پہلے کسی سرسبز و شاداب علاقے یا نخلستان کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں اور عموماً نصف النہار سے پہلے وہاں پہنچ جاتے ہیں، ان سے زیادہ صحرا میں راستوں کا اندازہ اور تعین کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ رات کے وقت وہ ستاروں سے راستے پہچان لیتے ہیں۔

نوشیرواں نے کہا: "وہ متمدن علاقوں سے الگ رہتے ہیں اس لیے تہذیب و تمدن سے یقیناً ناآشنا ہوں گے لیکن کچھ لوگ ان کی بے شمار خوبیاں بیان کرتے ہیں، ان میں سے کچھ ہمیں بھی بتاؤ۔"

خطیب نے کہا: "وہ حد سے زیادہ خوددار ہیں، کسی کا زیربار احسان ہونا پسند نہیں کرتے حد سے زیادہ جفاکش ہیں، محنت سے کتراتے اور جی نہیں چراتے، حرب و ضرب میں طاق ہیں اس کے باوجود متمدن اہلِ عرب سے زیادہ مہمان نواز ہیں۔

نوشیرواں نے پوچھا: "ان کی گزر اوقات کا ذریعہ کیا ہے؟ وہ کھاتے پیتے کیا ہیں؟"

خطیب نے جواب دیا: "وہ شکار کا گوشت کھاتے ہیں، بکریوں کا دودھ پیتے ہیں اور کھجوریں بھی کھاتے ہیں۔ کھلی فضا میں رہنے کی وجہ سے حد درجہ چاق و چوبند ہوتے ہیں۔"

کُرد، ان کے انساب و مساکن

فارس کے بدنام ترین حکمران ضحاک نے عرب و عجم کے اکثر علاقوں کو عرصے تک اپنے زیرِ اقتدار رکھا اس کے ظلم و جبر، تشدد اور سفاکی و خونخواری کی داستانوں کو مختلف اہلِ قلم نے مختلف انداز سے بیان کیا ہے لیکن اس امرِ واقعہ کی کسی نے تردید نہیں کی کہ قدرت نے اسے زندگی ہی میں ایک ایسے عذاب میں مبتلا کردیا تھا جو آج تک کسی نے دیکھا تو کیا شنا بھی نہ ہوگا۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس کے سر کے دونوں طرف دو سانپ اُگ آئے تھے جنہوں نے اس کا دماغ کھانا

شروع کر دیا تھا۔ اس لیے اطباء نے اسے مشورہ دیا تھا کہ اگر دُوسرے آدمیوں کے سروں سے مغز نکال کر ان سانپوں کو کھلایا جائے تو وہ بادشاہ کا مغز کھانے سے باز رہیں گے۔ اطباء کے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے بے شمار بے گناہوں کا مغز نکال کر روزانہ ان سانپوں کے لیے غذا مہیا کی جاتی تھی جس سے ضحاک کا ایک ظالم وزیر لوگوں کو قتل کر کے ان کے سروں کا مغز نکالنے پر مقرر تھا۔ آخر جب لوگ اس ظلم و تعدی سے عاجز آ گئے تو انھوں نے شہری علاقوں سے اِدھر اُدھر بھاگ کر پناہ لینی شروع کی۔ وہ زیادہ تر فارس و عراق کے سرحدی پہاڑی علاقوں میں چلے گئے اور پھر وہیں مستقلاً آباد ہو گئے۔ وہیں ان کے ہاں توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رہا اور رفتہ رفتہ انھوں نے ایک الگ قوم کی شکل اختیار کر لی۔ یہی لوگ اب کُرد کہلاتے ہیں اور جہاں جہاں وہ آباد ہیں ان علاقوں کو کُردستان کہا جاتا ہے۔ ویسے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مضر بن نزار کی نسل سے ہیں۔ جو عیسائی ہو گئے تھے، لیکن ان میں کچھ کرد جو شوہجان کہلاتے ہیں وہ ان نصرانیوں سے الگ ہیں اور وہ کوفہ و بصرہ کے درمیانی علاقے عرض دبجور وہمدان میں آباد ہیں ویسے یہ بھی اپنے آپ کو پہلے کردوں کی نسل سے الگ نہیں ظاہر کرتے۔ ان میں کچھ ربیعہ بن نزار بن معد کی شاخوں میں سے ہیں اور وہ آذربائیجان کے علاقہ کنکور سے لے کر ہبانیہ و سُراۃ اور شادی خان کے پہاڑی علاقوں زبہ، مادنجان، مزدکفان، بارسان، خالیہ جاربافیہ، جاوانیہ و شتکان اور شام کے ان علاقوں تک جو دبابلہ کہلاتے ہیں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے یہی ہیں کہ ہم مضر نزار کی اولاد ہیں۔ ان میں لیعقوبیہ اور جورقان جو نصرانی ہیں وہ بلادِ موصل اور جبل جودی کے قرب و جوار میں اقامت پذیر ہیں۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو انہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مخالف خوارج اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں۔

یہ سب بوادی عرب کا ذکر تھا اور بوادی عالم کا بھی۔ ہم نے یہاں ان غوریوں اور خوارزن کے ذکر سے گریز کیا ہے جو ترک ہیں اور بلادِ غرش و بسطام و بست اور ان کے متصل بلادِ سجستان کے ان علاقوں میں رہتے ہیں جو ارضِ قفص اور بلوچ وجست میں شامل ہیں۔

ایامِ عرب کے بعض وقائع اور جنگیں

ایامِ عرب کے وقائع اور جنگوں پر ہم اپنی پچھلی کتابوں میں مفصّل گفتگو کر چکے ہیں۔ یہ واقعات زمانہ جاہلیت اور ظہورِ اسلام کے بعد کے زمانے دونوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور لڑائیاں وہ تھیں جو عبس اور جملہ عرب کے یمنی اور نزاری قبائل کے درمیان ہوئیں۔ ان کے علاوہ جنگ

واحس وغبراء، جنگ بکر بن وائل و تغلب جسے جنگ بسوس بھی کہا جاتا ہے، یوم کلاب، یوم خزاز مقتل شاس بن زہیر، یوم ذی قار، یوم شعب جبلہ جو بنی عامر وغیرہ کے درمیان ہوئیں اور حروب اوس و خزرج جو غسّان و عک کے مابین ہوئیں کچھ کم اہم اور مشہور نہیں ہیں۔

اب ہم اعراب دائرہ وغیرہ، زمانہ جاہلیت میں عربوں کی دیانت، شجاعت، قیافہ شناسی شہسواری اور الہام وغیرہ پر اگلے باب میں گفتگو کریں گے۔

باب (۱۴)

عربوں کی دیانت، زمانۂ جاہلیت میں اُن کی آراء مختلف ممالک میں اُن کا پھیلاؤ، اصحابِ فیل عبدالمطلب اور اس باب سے متعلق دیگر ذیلی و ضمنی واقعات

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی دیانت

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے کئی فرقے تھے۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو اپنے خالق کے وجود کے قائل اور اس کی توحید پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ احیاء بعد الموت اور حشر و نشر کو بھی مانتے تھے اور اس پر بھی ایمان رکھتے تھے کہ معصیت کی سزا اور نیکیوں کی قیامت میں جزا ملے گی۔ ہم نے زیر نظر کتاب اور پہلی کتابوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ لوگ جو خدا سے دُعا بھی کرتے تھے۔ قسّ بن ساعدہ ایادی، رَئاب الشنّی، بحیرا راہب وغیرہ تھے جن کا نسبی تعلق عبدالقیس سے تھا۔

انہیں عربوں میں وہ لوگ بھی تھے جو وجودِ باری تعالےٰ کے قائل تو تھے، مبادو معاد کا صرف اقرار ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے ثبوت میں دلائل کے ساتھ اظہارِ خیال بھی کرتے تھے لیکن خدا کی طرف سے رسولوں کے آنے کے منکر تھے اور اصنام پرستی پر اصرار کرتے تھے۔ انہی لوگوں کا قول اللہ جل شانہٗ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے (ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ۔ آیت) یعنی وہ کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے اور اسی لیے ان کی پرستش کرتے ہیں (ترجمہ تشریحی) یہی وہ لوگ تھے جو بتوں سے حاجت برآری چاہتے، ان پر چڑھاوے اور صدقات کی رقم چڑھاتے، ان کو اپنے اجسام اور خون کی قربانی دیتے اور حلال و حرام کا فرق بھی انہیں سے طلب کرتے تھے۔

انہیں میں وہ لوگ بھی تھے جو وجودِ باری تعالےٰ کا اقرار تو کرتے تھے لیکن بعثت نبوتؐ

رسالت کے منکر تھے - ان کے نزدیک آخرت نام کی کوئی چیز نہیں - قرآن میں انہیں کے متعلق ارشاد ہوا (وقالوا ماھی اِلّاَحَیَاتُنَا الدّنیا یموت ونحیا وما یھلکنا اِلّا الدھر) لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید اس طرح فرمائی (ومالھم بذالک من علم ان ھم اِلّا یظنّون) یعنی انہیں اس کا کچھ علم نہیں، وہ صرف گمان کرتے ہیں -

انہیں میں (قبل از اسلام) یہودی بھی تھے اور نصرانی بھی تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو ادھر اُدھر طاقت اور مصلحتوں کے پیش نظر ہوتے رہتے تھے -

اہل عرب میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو ملائکہ کی عبادت اس لیے کرتے تھے کہ وہ خدا کے سامنے ان کی شفاعت کریں گے، وہ انہیں اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، قرآن میں ان کی بھی تردید کی گئی ہے

عبدالمطلب بن ہاشم | عربوں میں جو لوگ توحید خداوندی کا اقرار کرنے والے، عہد میں ثابت قدم اور دوسروں کی تقلید کرنے والے تھے ان میں ممتاز ترین شخصیت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کی تھی - آپ ہی نے چاہِ زمزم کو کھدوا کر گہرا اور عوام کے لیے مفید بنایا تھا - یہ زمانہ فارس کے بادشاہ کسریٰ قباذ کا تھا - آپ ہی نے چاہِ زمزم سے وہ طلائی ہرن برآمد کیے تھے - جو موتیوں اور جواہرات سے مرصع تھے - وہیں سے بہت سے زیورات اور سات سات دھات کے بڑے بڑے پتّر دستیاب ہوئے تھے - آپ ہی نے ان پتّروں سے کعبے کا دروازہ بنوایا تھا اور اس دروازے کے دونوں طرف سونے کے ہرن نصب کرا دیے تھے اور باقی سامان بھی کعبے کے لیے وقف کر دیا تھا - وہ عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے حاجیوں کے قیام اور انہیں پانی پلانے کا انتظام کیا تھا - آپ ہی نے اہل مکّہ کے لیے میٹھے پانی کی فراہمی کا بندوبست کیا تھا اور خانہ کعبہ کے دروازے کو مطلّا کیا تھا -

حضرت عبدالمطلب کو اللہ تعالیٰ نے دس بیٹے عطا فرمائے تھے - اللہ تعالیٰ کے کرم سے جو ان میں سے اللہ تعالیٰ کی قربت کے لیے منتخب ہوئے تھے ان کا نام عبداللہ تھا - وہی رسولِ عربی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد تھے - حضرت عبدالمطلب نے انہیں جو اُونٹ دیے تھے، وہ بڑھتے بڑھتے سو ہو گئے تھے - اس بارے میں تواریخ میں بہت سی طول طویل اطلاعات ملتی ہیں -

قصّہ اصحاب فیل | جب ابرہہ حبشہ سے چل کر مقام حب المخضب[1] آیا تھا تو اس نے حضرت

---

[1] بعض نسخوں میں "جنب المخضب" لکھا ہے (مرتب)

عبدالمطلب کو بلوا بھیجا تھا کیونکہ اسے اطلاع ملی تھی کہ مکّے کے سردار وہی ہیں۔ جب وہ اس کے پاس گئے تو اس نے آپ کی پیشانی پر نورِ نبوّت کی چمک محسوس کی۔ اس نے آپ سے کہا "کیا میں آپ سے کچھ مانگ سکتا ہوں ؟"

آپ نے جواب دیا "اس اُونٹ کے سوا جس پر سوار ہو کر میں آیا ہوں اور اسی پر واپس جاؤں گا جو چاہو مانگو۔"

ابرہہ آپ کے اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا، بولا: یہ اُونٹ تو کیا مکّے کے سارے اُونٹ میرے حوالے کر دو۔ اس کے علاوہ مکے کی سرداری اور خانہ کعبہ کی سربراہی بھی آج سے میری سمجھو۔ کیا تم جانتے نہیں کہ میں حبشہ کا بادشاہ ہوں؟ یہ سُن کر حضرت عبدالمطلب اسے کوئی جواب دیے بغیر مکّے لوٹ آئے۔

مکّے پہنچ کر آپ نے اہلِ مکہ سے فرمایا کہ وہ وادی مکہ کے اندرونی حصّوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جائیں۔ اُونٹوں کو آپ نے ان کے گھٹنے بندھوا کر خانہ کعبہ کی چار دیواری کے اندر چھوڑوا دیا۔ اہل مکہ نے آپ کے مشورے پر عمل کیا۔

ابرہہ جب بے شمار ہاتھی اور ایک لشکرِ عظیم لے کر مکّے پر حملہ آور ہوا اور اس نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنا چاہا تو اللہ تعالےٰ نے اس کے اور اس کے لشکر پر ابابیلیں بھیج دیں جو چیلوں سے مشابہ تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کی چونچ میں سمندری کنکریاں تھیں جو مٹی میں لت پت تھیں۔ ان بے شمار ابابیلوں نے لشکرِ ابرہہ پر جب سنگباری کی تو اللہ تعالےٰ کے حکم سے وہ ہلاک ہو گیا۔

ہم نے اپنی پچھلی کتابوں میں اور آگے چل کر زیرِ نظر کتاب میں بھی نفیل بن حبیب خثعمی کی روایت بیان کی ہے جس کے مطابق ابرہا کا لشکر مکّے کے راستے ہی میں تباہ ہو گیا تھا۔ خود ابرہا کسی طرح جان بچا کر حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس نے اہلِ حبشہ کو بتایا تھا کہ ان پر راستے میں ایک آسمانی بلا نازل ہو گئی تھی۔

ہم نے اپنی پچھلی کتابوں میں وہ اشعار بھی نقل کیے ہیں جو حضرت عبدالمطلب نے مکّے اور خانۂ کعبہ کے محفوظ و مصئون رہنے پر کہے تھے۔

تناسخ ارواح کا مسئلہ

اہل مذاہب وخروج نے اس مسئلے کے بارے میں عقلی استدلال کے علاوہ بہت سے اقوال خصوصاً عباسؓ بن عبدالمطلب کے اس شعر سے استدلال کیا ہے جو انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا ہے۔ وہ یہ کہ آپؐ

ہر زمانے میں اپنی نبوت کی ہر دلیل و حجت کے ساتھ تشریف لاتے رہیں گے۔ لیکن یہ استدلال روح کو کسی جسم میں منتقل ہونے کا ثبوت نہیں ہے بلکہ مراد رُوحانی تصرف سے ہے۔ اس استدلال کے راویوں میں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ قدیم بن اوس بن حارثہ بن لائی طائی بھی ہے جو جنگ تبوک کے دوران میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لایا تھا اور اس مسئلے پر آپ سے گفتگو کی تھی۔ اس نے اس سلسلے میں اس روایت کا بھی حوالہ دیا تھا کہ عباس بن عبدالمطلب نے آپ سے عرض کیا تھا کہ آپ مجھے اس فیض خداوندی سے مستفید و مستفیض ہونے کی بشارت دیں جو بحیثیت نبی آپؐ کے لیے مخصوص ہے یعنی رُوحانی تصرفات کے علاوہ میں جسمانی طور پر بھی بار بار دنیا میں آتا رہوں تو آپ نے انہیں اس فیض خداوندی سے مستفیض ہونے کی تردید فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ اصولِ خداوندی یہ ہے کہ وہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد جب موت سے دوچار فرمائے گا تو پھر اسے اس کے اعمال کی جزا و سزا کے لیے صرف روزِ قیامت جسمانی شکل میں دوبارہ زندہ کرے گا اور بس، اس کے سوا اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالنا خارج از بحث ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے اصحابِ سیر و اخبار و مغازی نے اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے زیادہ تر شعر عبدالمطلب اور شعر عباسؓ کا حوالہ دیا ہے جو ان دونوں نے آپ کے ظہور مبارک اور خود آپؐ کی مدح میں کہے ہیں۔ انہوں نے جس انداز میں استدلال کیا ہے اس پر ہم سطور بالا میں گفتگو کر چکے ہیں کہ اس میں غلو کے علاوہ حقیقی و مجازی معانی پر غور نہیں کیا گیا۔ اس سلسلے میں دو الگ الگ فرقے بھی ظہور پذیر ہوئے یعنی محمدیہ اور علیاتیہ۔ بعد میں اور فرقے بھی جو ان سے نکلے مختلف فرقوں میں بٹتے رہے۔ ان سے الگ جو فرقہ غلو کی حد تک نہ پہنچا ان میں اسحاق بن محمد نخفی المعروف احمر بھی ہے جس نے اپنی کتاب "کتاب الصراط" میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اس کتاب اور اس کے موضوع کا ذکر فیاض ابن علی بن محمد بن فیاض نے اپنی مشہور کتاب "قسطاس فی نقیۃ لکتاب الصراط" میں کرتے ہوئے اس کے مصنف کے دلائل کا مزید مدلل ردّ پیش کیا ہے۔ اس طرح فرقہ محمدیہ نے بھی اس کتاب کے ردّ میں بہت کچھ کہا ہے جس کا حوالہ نہکبینی نے دیا ہے اور فرقہ علیاتیہ کے عقائد بھی پیش کیے ہیں۔ بہرحال اس سلسلے میں قدیم یونانیوں، ہندیوں، فرقہ ثنویہ یا مجوسیوں یہودیوں اور نصاریٰ نے جو کچھ اپنے عقائد کے متعلق عقلی دلائل پیش کیے ہوں اسلام اس کے بارے میں ان سب سے الگ رائے رکھتا ہے اور وہ بھی بغیر کسی دلیل کے نہیں بلکہ اس پر علمائے اسلام نے عقلاً قابلِ قبول باتیں کی ہیں اور اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انسان کا مرنے

کے بعد کسی حیوانی یا انسانی شکل میں دوبارہ یا بار بار نمودار ہونا خارج از بحث اور ناممکن ہے۔اس سلسلے میں ہم اپنی پچھلی کتابوں میں احمد بن حائط اور ابن یا قوس[1] بنیز جعفر القاضی کے اقوال اور اس کے ساتھ ان لوگوں کے اقوال پیش کر چکے ہیں جو اس مسئلے پر ہمارے زمانے تک موافق و مخالف رائے دیتے چلے آئے ہیں مثلاً: حسین بن منصور المعروف حلاّج، اصحاب ابی یعقوب مزائلی، ابی جعفر محمد بن علی شلمغانی المعروف بابن ابی الغرائر وغیرہ جس سے ان لوگوں کے طریق استدلال کا پتہ چلتا ہے۔ان کی سب سے بڑی دلیل لیل و نہار کی گردش ہے اور اس سے انہوں نے تناسخ (آواگون) کے سلسلے میں ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی ہے اور مزید ثبوت میں عبد المطلب اور عباس بن عبد المطلب کے وہ اشعار جو انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہے ہیں پیش کرتے ہیں جن کا ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں۔

ایمان عبد المطلب میں تنازعات

ایمان عبد المطلب کے بارے میں اہل سیر و تواریخ مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ مومن موحد تھے اور انہوں نے کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ آبائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی نے کبھی ارتکاب شرک نہیں کیا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اصلاب مطہرہ میں سے تھے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب کے والد نے باقاعدہ نکاح کیا تھا اور وہ دوسروں کی طرح زمانۂ جاہلیت میں بھی اہل عرب کی جاری و ساری رسوم کے پابند نہ تھے۔ لیکن ان میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ بھی مشرک تھے لیکن انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئے نبوت کو بعد میں قبول کر لیا تھا۔اس کے بارے میں بھی امامیہ، معتزلہ، خوارج اور مرجیہ فرقے باہمی اختلاف آراء رکھتے ہیں بہرکیف ہماری زیر نظر کتاب کے موضوعات میں یہ بحث شامل نہیں ہے اس لیے ہم نے سب کی رائیں بلا کم و کاست یہاں نقل کر دی ہیں۔ ویسے ہم نے ان سب کی آراء اور ان میں سے ہر ایک کے دلائل پر اپنی کتابوں "المقالات فی اصول الدیانات" اور "الاستبصار" میں گفتگو کی ہے اور اپنی ایک اور کتاب "الصفوة" میں ان اقوال کا بھی ذکر کیا ہے جو لوگوں میں امامت کے بارے میں مشہور چلے آتے ہیں۔

---

[1] ایک نسخے میں "ابن یا لوس" لکھا ہے (مرتب)

عبدالمطلب ہی وہ شخص تھے جنہوں نے اپنے بیٹے (ابی طالب) کو صلہ رحمی اور لوگوں میں کھانا تقسیم کرنے کی ہدایت کی تھی۔ انہوں نے عقائد کفر سے اجتناب کے علاوہ اپنی ساری اولاد کو مبادو معاد اور حشر و نشر پر عقیدہ رکھنے کی ترغیب دی تھی انہوں نے اپنے بیٹے عبد مناف کو جن کا نام درحقیقت ابی طالب تھا لوگوں کو پانی پلانے اور رفاہ عامہ کے کاموں پر مامور کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت و پرورش کے بارے میں بھی وصیت کی تھی۔

ابوطالب کا نام

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو عبدالمطلب کے لائق فرزند ابوطالب کے نام کے بارے میں بھی مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ ان کا اصل نام عبدمناف تھا لیکن کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابوطالب ان کی کنیت بھی ہے اور نام بھی کیونکہ خود انہوں نے واقعۂ خیبر کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے جو کچھ لکھا ہے اس میں اپنا نام اور ولدیت علی بن ابی طالب درج کیا ہے اور اکثر اہل عرب اسی کے قائل ہیں۔

زبانوں کی تعداد اور اختلاط السنہ

نمرود بن کوش بن حام بن نوح کے زمانے میں گردش روزگار اس خاندان کو بابل سے عراق لے آئی تھی جب ان کی زبان سریانی تھی اور وہ بھی بہتر مختلف لغات پر مبنی تھی۔ اس وقت اس زبان میں بھی بابل کو بابل ہی کہا جاتا تھا۔ پھر سام بن نوح کی اولاد اسے سولہ طرح بولتی تھی۔ اس کے بعد وہی سریانی زبان یافث بن نوح کی اولاد میں سے ۳۷ طرح بولی جانے لگی جیسا کہ ہم نے زیر نظر کتاب میں آگے چل کر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان میں جو لوگ عربی بولنے لگے وہ یعرب، جرہم، عاد و عبیل و جدلیس، ثمود و عملاق و طسم اور وُوبار و عبد ضخم تھے۔

یعرب کی یمن کی طرف مسافرت

یعرب بن قحطان بن عابر ابن شالخ[1] بن ارفخشذ بن سام بن نوح نے اور اس کے ساتھ اس کی اولاد میں جو لوگ اس وقت اس کے ساتھ تھے انہوں نے یمن کا رُخ کیا ہم اس کا ذکر اجمالی طور پر پہلے بھی کر چکے ہیں۔

عاد کا سفر احقاف

جب عاد بن ارم بن سام بن نوح نے یعرب کے برعکس احقاف کا رُخ کیا تو اس کی اولاد اور اس کے دوسرے ساتھی بھی اس کے

---

[1] ایک نسخے میں بن سالح بن سالم لکھا ہے (مرتب)

ساتھ ہو لیے۔

ارم ذات العماد

عاد کی اولاد احقاف کے بعد عمان، حضرموت اور یمن میں پھیل گئی جس کے بعد یہ لوگ کثیر تعداد میں سطح ارضی کے مختلف مقامات میں منتشر ہو گئے۔

انہیں میں جیرون بن سعد بن عاد بھی تھا جو پہلے دمشق گیا اور پھر مصر میں جا بسا۔ اسی نے وہاں سنگِ مرمر سے یکجا بہت سے ایوان و قصر تعمیر کیے اور ان کا نام "ارم ذات العماد" رکھا۔ کعب الاحبار کی روایت اس سے مختلف ہے۔ اس کے بیان کے مطابق یہ تعمیرات دمشق میں ہیں اور آج بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ اسی آبادی کے بازاروں میں سے ایک بازار جیرون اب بھی موجود ہے جو جامع مسجد کے قریب واقع ہے۔ یہ سب ایوان و قصور بڑے عظیم اور عجیب و غریب ہیں اور ان کے در و بام بھی حیران کن ہیں۔ ہم نے ان سب کا ذکر حضرت ہودؑ کے ذکر کے ضمن میں کیا ہے۔

ثمود کا حجر میں ورود

عاد بن عوص کے بعد ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح اپنی اولاد اور ساتھیوں کے ساتھ بابل سے نکلا اور حجر کے قرب و جوار میں اقامت اختیار کی۔ اس کا ذکر ہم آلِ ثمود کی قوم کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ کر چکے ہیں جنہوں نے شام و حجاز کے قریب وادی قریٰ میں اقامت اختیار کی تھی۔

جدیس کا یمامہ کی طرف سفر

ثمود کے بعد جدیس بن عابر بن ارم بن سام بن نوح نے اپنی اولاد اور ساتھیوں کے ساتھ بابل سے نکل کر باہر کا سفر اختیار کیا۔ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس نے یمامہ میں مستقل اقامت اختیار کی تھی۔

عملاق کا مختلف مقامات کی طرف جانا

یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے سب سے پہلے بابل چھوڑ کر حرم و تہائم کے اطراف میں قیام کیا تھا۔ یہ جدیس کے بعد بابل سے نکلنے والے عملاق بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح، اس کی اولاد اور ساتھی تھے۔

انہیں میں سے کچھ مصر کے فرعون بھی ہوئے ہیں۔ عمالیق کو جو واقعات پیش آئے ان کا ذکر ہم عیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل (علیہ السلام) کے ذکر کے ساتھ کر چکے ہیں کیونکہ عمالیق کو جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں عیص ہی کی اولاد سمجھا گیا ہے۔ ویسے عمالیق میں جب وہ سطح ارضی پر ادھر اُدھر منتشر ہوئے بہت سے حکمران ہوئے۔ ہم نے ان کی حکومتوں اور جنگوں وغیرہ کا ذکر اپنی پچھلی کتاب "اخبار الزمان" میں تفصیل سے کیا ہے اور اس کتاب میں بتایا ہے کہ یوشع بن نون عمالیق ہی کے

ایک حکمران کے ساتھ آملہ گیا تھا۔ اس حکمران کا نام سمیدرع بن ہو بر تھا۔ باقی عمالیق روم کی طرف چلے گئے تھے اور انہوں نے روم کے شرقی علاقوں[1] شام، مغرب اور جزیرہ میں جو فارس اور ثغور شام کے درمیان ہے حکومت حاصل کر لی تھی۔

اذینہ بن سمیدرع عملاقی

عمالیق میں پہلا شخص جو روم پہنچ کر وہاں کا حکمران ہوا، اذینہ ابن سمیدرع تھا جس کا اعشٰی نے ذکر کیا ہے۔

شعر "اذینہ کی حکومت کو زوال آیا ٭ تو ذا یزن بھی مُلک سے نکالا گیا"

اذینہ کے بعد حسّان بن اذینہ بن طرب بن حسّان روم میں حکمران ہوا۔ یہ شخص اپنی ماں زبّاء کی نسبت سے معروف تھا۔ اس کے بعد عمرو بن طرب حکمران ہوا۔ یہ بھی اپنی ماں زبّاء ہی کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ کہتے ہیں اس کے اور جذیمہ ابرش ازدی ابی مالک[2] کے درمیان کثرت سے لڑائیاں ہوئیں اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آخر الذکر ہی نے اسے قتل کیا تھا۔ یہ وہی تھا جس کی وجہ سے زبّا نے اپنی ہی اولاد کے خون سے ہاتھ رنگے تھے۔

طسم کا سفر بحرین

عمالیق میں طسم بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح نے بابل سے بحرین کا رخ کیا تھا اور اس کے ساتھ اس کی اولاد اور ساتھی بھی وہیں چلے گئے تھے۔

یہ سب جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں بدوی تھے اور اپنے اپنے مساکن سے انہیں کی طرح روئے زمین پر اِدھر اُدھر منتشر ہوتے رہے۔ آل جدلیس کی کمزوری سے اسود بن غفار نے اور طسم کی کمزوری سے عملوق[3] بن جدلیس نے فائدہ اُٹھا کر ان پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ عبید بن شریہ جرہمی جب وفد لے کر معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو اس نے معاویہ کو بتایا تھا کہ طسم بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح اور جدلیس بن عابر بن[4] سام بن نوح سب کے سب "عرب العاربہ" (عربی الاصل) تھے لیکن اُنہوں نے یمامہ کو جس کا پہلا نام "جوّ" تھا ٹھکانا بنا لیا تھا۔

---

[1] پہلے نسخوں میں اصل عبارت "مشارق الشام" کی بجائے مشارف الشام تھی (مرتب)

[2] ایک نسخے میں ابی مالک کی جگہ بن مالک لکھا ہے (مرتب)

[3] " " " عملیق لکھا ہے (مرتب)

[4] " " " قوسینی عبارت نکال دی گئی ہے (مرتب)

طسمی حکمران عملوق الظالم

آل طسم میں ایک حکمران عملوق نام کا ہوا ہے ۔ وہ حد سے زیادہ سخت گیر اور ظالم تھا ۔ اس کے پنجۂ ہوا و ہوس سے کسی کو پناہ نہ تھی لیکن آل جدیس پر تو اس نے ظلم و تشدد کی انتہا کر دی تھی ۔ اس وجہ سے عملوق کی نسل کے ہاتھ سے حکومت چھن گئی حالانکہ انہوں نے اپنی حکومت میں چہار جانب بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرنے اور باغات لگانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی ۔ عملوق کی سلطنت کو زوال اس وقت آیا جب آل جدیس کی ایک عورت جس کا نام ہزیلہ بنت مازن تھا اس کی زوجیت میں آئی ۔ اس عورت نے عملوق سے علیحدگی اختیار کر کے ایک شخص ماشق سے شادی کر لی ۔ پھر اس سے بھی علیحدگی اختیار کی تو اس کے دوسرے شوہر نے اپنا اکلوتا لڑکا اس کی تحویل میں رکھنے سے انکار کر دیا لیکن ماشق نے اس سے اسے زبردستی چھین لیا تو وہ فریاد لے کر عملوق کے پاس گئی اور کہا کہ ماشق سے اسے نو بار استقرار حمل ہوا لیکن آخر میں صرف ایک بچہ پیدا ہوا اسے بھی وہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے اور میری گود خالی کرنے پر مصر ہے ۔ ماشق نے جواب دہی کرتے ہوئے کہا: "میں نے اس کا پورا مہر ادا کر دیا ہے اور جو چیز بھی اس نے مانگی دے دی ہے البتہ یہ بچہ میں اسے ہرگز نہ دوں گا ۔" عملوق نے دونوں کے دعاوی خارج کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ بچے کو ماشق سے لے کر ہمارے حرم میں رکھا جائے لیکن اس کی حیثیت خدمتگاروں جیسی ہوگی ۔ اس قبیل کے بہت سے دوسرے ظالمانہ فیصلے عملوق سے منسوب کیے جاتے ہیں ۔

جدیس کا انتقام

جدیس نے جب اپنے قبیلے کی ایک خاتون کے مقدمے میں عملوق کا یہ ظالمانہ فیصلہ سنا تو وہ غضبناک ہو کر عملوق سے انتقام لینے پر تیار ہو گیا قبیلہ جدیس میں ایک شخص اسود بن غفار بھی جس کا سارا قبیلہ بڑا احترام کرتا تھا اور وہ دانائی میں بھی مشہور تھا ۔ اس نے جدیس سے کہا کہ تلوار کے زور پر عملوق سے انتقام لینا ناممکن ہے جدیس نے پوچھا "پھر کیا کیا جائے؟" اسود نے طسم کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ دیکھو عملوق کے پاس طسم سے زیادہ فوجی طاقت نہیں تھی لیکن اس نے پھر بھی طسم پر غلبہ حاصل کر لیا تھا ۔ جدیس نے پوچھا "کس طرح؟" اسود بولا "تدبیر سے ۔" پھر اس نے جدیس کو مشورہ دیا کہ عملوق کو دعوت پر بلایا جائے نہ صرف عملوق کو بلکہ اس کے سارے عمائدین سلطنت اور قبیلے کو بھی دعوت دی جائے ۔ اس کے بعد بولا: "پھر تم دیکھ لینا کیا ہوتا ہے ۔" جدیس نے اسود کے مشورے کو دانائی پر محمول کرتے ہوئے اس پر عمل کیا لیکن جب عملوق ان کے ہاں پہنچا تو اسود نے آل جدیس

کے ایک جمِ غفیر کو جسے اس نے ادھر ادھر چھُپا رکھا تھا اشارہ کیا اور اس نے عملوق اور اس کے ساتھیوں کو آناً فاناً تہ تیغ کر ڈالا۔ اسود کی بہن عفیرہ کو اس کی اس سازش کا پہلے سے علم ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو اس سے منع کرتے ہوئے کہا تھا کہ غدّاری اور غداری کا نتیجہ ہمیشہ ذلت و رسوائی ہوتا ہے لیکن اسود نے عملوق کے مظالم کا حوالہ دیتے ہوئے اس سے کہا تھا کہ عملوق نے بھی کوئی نئی بات نہ ہو گی۔ مثل مشہور ہے جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ اس واقعے کے بعد اس دین غفار نے جدلیس کو پس پشت ڈال کر خود حکومت پر قبضہ کر لیا تھا کیونکہ اس وقت ساری قوم بھی اس کے ساتھ تھی۔ اسود کی بہن عفیرہ نے اس واقعے پر بڑے دردناک اشعار کہے ہیں۔

رباح طسّمی کا حمیر کو جدلیس پر غالب کرنا

دھرب کے بیان کے مطابق قبیلہ طسم سے ایک شخص رباح بن مرّہ طسمی تھا۔ وہ حسّان بن تبع حمیری کے پاس جو آج کل حاکم ہے پہنچا اور اس سے فریاد کی کہ جدلیس نے اس کی قوم پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دی ہے اس کی قوم کو اس کے مظالم سے نجات دلائی جائے۔ اس نے حسّان کو کچھ جادو ٹوٹکے دکھا کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ جدلیس سے حکومت چھین لے۔ حالانکہ حسّان آخر تک اس سے کہتا رہا کہ اپنے ہی عزیز و قریب قبائل میں خونریزی اچھی نہیں ہوتی۔ بہر کیف حسّان کسی نہ کسی طرح اس کے چھانسے میں آ ہی گیا اور جدلیس کے دارالحکومت کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف رباح طسمی نے جدلیس کو یہ چکمہ دیا کہ حسّان کی حکومت کمزور ہو چکی ہے اس لیے وہ آسانی سے اس پر قبضہ کر سکتا ہے۔ چونکہ اس سے قبل اسود اپنی سازش کے ذریعہ اسے عملوق پر غالب کر چکا تھا اس لیے اس نے رباح طسمی کے اس مشورے کو بھی دانائی اور قرینِ مصلحت سمجھ کر اس پر عمل کر ڈالا۔ جدلیس اپنا ایک مخصوص رسالہ لے کر حسّان کی طرف بڑھا اور اپنے مسلّح سپاہیوں کو اس کے دارالحکومت کے قریب پہنچ کر رباح طسمی کے مشورے کے مطابق درختوں کی آڑ میں چھپا دیا۔ رباح طسمی نے حسان کے پاس خفیہ طریقے سے پہنچ کر اس سے کہا کہ اس کی بہن یمامہ تین رات کی مسافت تک ہر چیز صاف دیکھ سکتی ہے۔ حسّان نے یمامہ کی آنکھوں کا کاجل دیکھ کر کہا: "تمہاری آنکھوں میں یہ کالی لکیریں کیسی ہیں؟" یمامہ نے اپنے بھائی رباح طسمی کے کہنے کے مطابق جواب دیا۔ یہ حجر اسود کی کالک ہے۔ اگر اسے بطور سرمہ آنکھوں میں لگایا جائے تو تین راتوں کی مسافت تک ہر چیز صاف نظر آنے لگتی ہے۔ مثلاً میں دیکھ رہی ہوں کہ یہاں سے تین راتوں کی مسافت پر ایک مسلّح فوجی دستہ درختوں کی آڑ میں چھپا ہوا ہے۔ یہ جدلیس کے سپاہی ہیں جنہیں میں دیکھ کر صاف طور پر

پہچان رہی ہوں۔ اگر آپ اس سے قبل کہ جدلیس یہ رسالہ لے کر اسی طرح درختوں کی آڑ میں چھپتا چھپاتا آپ کے دارالحکومت تک آ پہنچے آپ پہلے ہی پیشقدمی کر کے اسے جالیں اور جدلیس سمیت اس کا کام تمام کر دیں۔"

حسّان بڑا مدبّر اور سمجھ دار حکمران تھا، اس نے رباح طسمی اور اس کی بہن یمامہ کے مشورے پر عمل تو کیا لیکن وہ اس مشورے کے پس پردہ رباح طسمی کی سازش کو تاڑ گیا۔ اس نے جدلیس کے ساتھ رباح طسمی کو قتل کر دیا اور اس کی مکار بہن یمامہ کو اس جگہ سولی دی جو پہلے جوّ کی لبستی کہلاتی تھی اور اس لبستی کا نام یمامہ رکھ دیا جو آج تک مشہور چلا آتا ہے۔

وبار بن امیم کا سفر

طسم بن لاوذ کے بعد وبار بن امیم بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح جب اپنی اولاد اور اپنی قوم کے ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے اس کا ساتھ دیا اپنی اوّلین اقامت گاہ سے نکلا تو ارض وبار میں اس جگہ ٹھہرا جو رمل عالج کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے ہمراہیوں کو سطح ارضی پر رضائے الٰہی سے بغاوت کی بناء پر عذاب میں مبتلا کر دیا جیسا کہ ہم نے زیرِ نظر کتاب کے پہلے حصّے میں عربی اہل سیر کے حوالے سے بتایا ہے وہ لوگ حد معقول و معتاد سے تجاوز کر گئے تھے اس لیے خدا نے اس عظیم قوم کو جو قوم وبار کہلاتی تھی ہلاک کر دیا جس طرح اس نے طسم، جدلیس اور واسم کو ہلاک کیا تھا۔ واسم کی سکونت ارض سماوہ میں تھی انہیں کالی آندھی نے جو بادِ سموم سے زیادہ گرم تھی ہلاک کیا۔ یہ جگہ ارض لوی کے بلاد حوران و بثنیہ میں دمشق و طبریہ کے درمیان میں تھی جو ارض شام میں شامل ہیں یہیں پہلے عاد و ثمود بھی آکر ٹھہرے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ جگہ جو دیار وبار کہلاتی تھی جنّوں کا مسکن تھی اور بنی نوع انسان میں سے کوئی شخص یا گروہ اس علاقے میں آنا یا آنے کا قصد کرتا تو وہ اسے ہلاک کر دیتے تھے۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس سرزمین کو بڑا شاداب کیا تھا جہاں کے اشجار ہمیشہ پُر ثمر رہتے تھے اور پانی کی بھی وہاں بہتات تھی، اسی لیے یہ جگہ انسانوں کے لیے بڑی کشش رکھتی تھی۔ وہاں کے پھلوں میں دوسرے خوش ذائقہ اثمار کے علاوہ انگور، کھجوریں اور کیلے بڑے لذیذ ہوتے تھے۔ چنانچہ جس وقت کوئی انسان یا انسانی قافلہ اس طرف غلطی سے یا جان بوجھ کر چلا جاتا تھا تو وہاں رہنے والے جنّ ریت کی شکل اختیار کر کے ان پر صورت عذاب بن جاتے تھے۔ جو لوگ وہاں سے لوٹنے کا ارادہ کرتے تو وہ انہیں راستے سے بھٹکا دیتے یا قتل کر ڈالتے تھے کیونکہ وہ گمراہی بموجب قتل ہی تھی۔ اہل مباحث اس سرزمین کو

ارض باطل کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہاں کی حدود تک جانا بھی سخت حماقت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو جنہوں آپ کے ساتھ مصر سے خروج کیا تھا اس طرف آنے سے روک دیا تھا۔ اس ارض مجہول کو زمانۂ جاہلیت کے لوگ ہوں یا زمانۂ اسلام کے افراد ہوں یہی کہتے ہیں کہ وہ وادی قریٰ وعمّان اور ڈھنا و دل کی سرزمین کے قریب واقع تھی جہاں لوگ کھانے اور پانی کی تلاش میں آکر خیمہ زن ہو جاتے تھے۔ اہل سیر کے نزدیک اب وہاں انسانوں کا نام ونشان نہیں پایا جاتا۔ اب وہاں کوئی رہتا ہے تو وہ قوم جنّات سے ہیں یا جنگلی اونٹ بلکہ وہ اُونٹ بھی جِنّی حیوانات میں سے ہیں یا وہ جنّ ہیں جنہوں نے وحشی اونٹوں کی شکل اختیار کر لی ہے تاکہ وہاں کوئی انسان نہ آسکے کیونکہ انہوں نے اس سرزمین کی سرحدوں پر اس طرح پہرہ بٹھا رکھا ہے۔

ہم نے اس سلسلے میں وجوب وجواز کے متعلق کچھ کہے بغیر اہل سیر کی روایات کو یہاں اور اپنی پچھلی کتابوں میں بھی بحر اختصار و ایجاز نقل کر دیا ہے۔

عبد ضخم کا طائف کی طرف سفر

وبار بن امیم کے بعد عبد ضخم ابن ارم بن نوح نے اپنی اولاد اور قبیلے کے دوسرے لوگوں کے ساتھ طائف کا رُخ کیا لیکن ان میں سے اکثر اشخاص حوادث روزگار کا شکار ہو گئے اور ان کا نام و نشان تک مِٹ گیا تاہم ازدی اور کچھ دوسرے عرب شعراء نے اپنے اشعار میں ان کا ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ عبد ضخم ہی کے عزیزوں نے پہلی بار عربی میں کتابت شروع کی تھی اور اس میں حروف معجمہ "اب ت ث" وغیرہ کی بنیاد ڈالی تھی جن کی کل تعداد انتیس ہوتی ہے۔ کچھ لوگ اس بارے میں مختلف رائیں رکھتے ہیں کہ عربی میں کتابت کی ابتدا کب ہوئی۔

جُرہم کا سفر مکہ

عبد ضخم بن ارم کے بعد جرہم بن قحطان اپنی اولین اقامت گاہ بابل سے نکل کر اپنی اولاد اور قبیلے والوں کے ہمراہ عرب کی اجنبی راہوں سے ہوتا ہوا مکّے میں وارد ہوا جیسا کہ مضاض بن عمرو جرہمی نے اپنے مندرجہ ذیل اشعار میں بیان کیا ہے:-

اہل عرب کے اقوال کے مطابق — یہ وہی اجنبی راستے اور راہیں ہیں
اے قوم! انہیں اجنبی راہوں پر چل — کہ جرہم جدی اور ابی قحطان کی یہی راہیں ہیں

امیم کا سفر فارس

جرہم ابن قحطان کے بعد امیم بن لاوذ بن ارم نے فارس کا رُخ کیا جیسا کہ ہم اپنی زیر نظر کتاب اور دُوسری کتابوں میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ انساب فارس

کے انساب کے بارے میں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مؤرخین میں اختلاف آراء پایا جاتا ہے۔ ویسے عموماً اہل فارس کو کیومرث بن امیم بن لاوذ بن ارم بن سام کی نسل سے بتایا جاتا ہے فارس کے مسلم شعراء نے بھی اپنے عربی اشعار میں سب سے پہلے فارس میں امیم کے ورود کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے :-

"ہمارے آباء سب سے پہلے نیک امیم نے سرزمین فارس پر قدم رکھا
ہم انہیں ملوک فارس میں سے ہیں جن پر ہمیں فخر ہے
مؤرخین اور اہل سیر نے نوعِ انسانی کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے
لیکن انہوں نے بھی ہمارے ذکر کو افضل و مقدم رکھا ہے"

(ترجمہ مفہومی)

سطحِ ارضی پر عمارتوں کی ابتدا

ہم نے جہاں جہاں اہل سیر و مؤرخین کے حوالے سے امیم بن لاوذ کے قبائل کا ذکر کیا ہے وہیں انہیں کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ بنی نوع انسان نے سطح ارضی پر منتشر ہو کر خانہ بدوشی اور خیمہ و خرگاہی زندگی کے بعد جب اپنے مساکن کے لیے عمارتوں کی بنیاد ڈالی تو اس میں سب سے پہلا قبیلۂ امیم بن لاوذ تھا۔ انہیں نے بلند و بالا ایوان و قصور تعمیر کیے -جگہ جگہ شجر کاری کی اور قابل دید باغات لگائے نیز ہر جگہ سطح ارضی کو ہموار کیا۔ ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ ان قبائل میں کوش بن کنعان خصوصاً قبائل نوبہ پیش پیش تھے۔ ہم مُروجُ الذہب کے فرانسیسی نسخے کے حوالے سے یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ کنعان بن حام بلادِ افریقہ اور طنجہ کی طرف گیا تھا جو مغرب میں ہیں۔ بہر کیف راقم الحروف کی رائے میں اولاد کنعان بن حام میں وہ شخص بربر تھا جو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سب سے پہلے ان علاقوں میں جا بسا تھا۔

انسابِ بربر

انساب بربر کے بارے میں مؤرخین مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ بعض انہیں یمن کے غسّانی بتاتے ہیں اور بعض قیس عیلان سے بتاتے ہیں۔ ہر کیف کچھ بھی ہو یہ وہ لوگ ہیں جو سیلِ عَرِم کے بعد مختلف مقامات میں پھیل گئے تھے۔ کچھ لوگ اس سے اختلاف کرتے ہیں جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

شام۔ بلادِ کنعان

کنعان بن حام کی اولاد کی اکثریت بلاد شام میں آئی اور کنعانی کہلائے۔ شام کو کنعان کی مناسبت سے بلاد کنعان کہا گیا ہے۔

نوفیر کا سفرِ ہند

ہم زیر نظر کتاب کی پہلی جلد میں ذکر مصر کے تحت بتا چکے ہیں کہ مصر بن حام

له فرانسیسی نسخے کے سوا اور کسی نسخے میں نہیں ہے۔ (مرتّب)

اور بصیر و انبساط سے قطع نظر نوفیر بن قوط ہی تھا جو سب سے قبل ارض سندھ و ہند کی طرف اپنی اولاد اور ساتھیوں کے ساتھ گیا تھا۔ سندھ میں جو لوگ پہلے سے آباد تھے وہ بڑے طویل القامت اور جسیم تھے لیکن کہا یہ جاتا ہے کہ بلادِ منصورہ میں ارض سندھ کے باشندے نوفیر بن قوط بن حام بن نوح کی اولاد ہیں۔ حام کی اولاد زیادہ تر جنوب میں اور یافث کی اولاد شمال مشرق و مغرب کے درمیان آباد ہوئی تھی۔

قوم عاد کی عبادات

قوم عاد ہی وہ قوم تھی جس نے فرش زمین پر خدا سے بغاوت کی۔ ان کا پہلا حکمران خلجان بن الوہم تھا۔ قوم عاد تین بتوں کی پوجا کرتی تھی جن کے نام صمود، صداء اور ہباء تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی اصلاح کے لیے ان میں حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا لیکن وہ انہیں جھٹلاتے رہے۔ ہود علیہ السلام کا سلسلہ نسب یہ ہے: ہود (علیہ السلام) بن عبداللہ بن رباح بن خالد بن خلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح (علیہ السلام)
قوم عاد کے دس قبیلے تھے۔ ان کے کفر پر اصرار اور بُت پرستی پر اڑے رہنے کی وجہ سے ان کے علاقے میں تین برس تک بارش نہیں ہوئی، زمینیں بنجر ہوگئیں، اس لیے ان میں غلّے کا ایک دانہ بھی نہ اُگ سکا۔

اصل شرک

جیسا کہ ہم ذکر امیم میں بتا چکے ہیں وہ صانع حقیقی اور خالق کائنات کا تصور رکھتی تھیں، انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام خدا کے پیغمبر تھے، وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عذابِ الٰہی کیوں نازل ہوا تھا۔ وہ اس عذاب سے اس قدر متاثر تھے اور خدا کی ہیبت ان پر اس قدر طاری تھی کہ اُنہوں نے اسے راضی رکھنے اور اس کی قربت حاصل کرنے کے لیے بہت سے اصنام تراش لیے تھے، گویا وہ ان کے پردے میں خُدا کی عبادت کرتے تھے لیکن یہ درحقیقت ان کا وہم تھا۔ خانہ کعبہ میں بتوں کی موجودگی کی بھی یہی وجہ تھی۔ مکہ اس وقت ایک ریتیلا مقام تھا جس کی ریت سُرخ رنگ کی تھی۔ پہلے قوم عاد ہی پانی کی تلاش میں مکے آئی تھی۔ البتہ آج کل مکّے میں عمالیق آباد ہیں۔ جو لوگ وہاں پہلے آباد ہوئے تھے انہوں نے پانی سے سیراب ہوکر رفتہ رفتہ شراب اور لہو و لعب کو اپنا منتہائے مقصود بنا لیا تھا اس کے بارے میں معاویہ بن بکر کی متعدد منظومات میں خاصی تفصیل ملتی ہے۔ مرثد بن سعد کے اشعار کا بھی اس سلسلے میں حوالہ دیا گیا ہے۔

قوم عاد کی ہلاکت

قوم عاد پر اللہ تعالےٰ نے زہریلی ہوا کا عذاب نازل فرمایا تھا۔ کچھ

لوگ کہتے ہیں کہ وہ مسلسل موسلا دھار بارش کا عذاب تھا لیکن زہریلی ہوا کا ثبوت خود عاد کے اس قول سے ملتا ہے جسے اللہ تعالے نے قرآن میں نقل فرمایا ہے (" عاد نے کہا :- بل ھوما استعجلتم بہ ، ریحٌ فیھا عذابٌ الیم - آیت) یہ زہریلی ہوا انہیں چار دن تک گھیرے رہی - ان کے دُوسرے چار دن بھی بڑے عذاب میں گزرے کیونکہ پہلے چار دن میں ان سے اکثر ہلاک ہو چکے تھے اور جو بچ رہے تھے وہ دہشت سے اگلے چار دن تک کانپتے لرزتے رہے - ہم نے قوم ہود کی اس کیفیت کو ذکر ثمود کے ضمن میں بیان کیا ہے - جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے مطلع کر دیا تھا اس کے بعد آپ دُوسرے مومنین کو لے کر وہاں سے رُخصت ہو گئے تھے -

(قوم عود کا آخری حکمران غلجان تھا جس کا ہم نے عاد و ثمود کے حکمرانوں کے ساتھ پچھلے صفحات میں ذکر کیا ہے - کچھ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ قوم عاد کا پہلا حکمران عاد بن عوص تھا (جس نے تین سو سال حکومت کی) اس کے بعد ابن عاد بن عوص حکمران ہوا[1])

جُحفہ جب عرب میں سکونت پذیر قومیں اور قبائل وہاں سے نکل آئے تو دوسری قومیں وہاں آ بسیں قوم بنی حنیفہ یمامہ سے چل کر جب عرب کی سرزمین میں آئی تو سب سے پہلے جُحفہ میں ٹھہری اور وہیں متوطّن ہو گئی - یہ جگہ مکّہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے - انہوں نے وہاں آباد ہو کر کھیتی باڑی اور حصولِ رزق کے لیے دُوسرے کام شروع کر دیے ۔ انھیں کے ایک شاعر نے بطورِ وطن جُحفہ کی مدح کی ہے -

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جحفہ میں جو مکّہ اور مدینہ کے درمیان ہے سب سے پہلے عبیل[2] بن عوص ابن ارم بن سام بن نوح آیا تھا جس کے ہمراہ اس کی اولاد اور قبیلے والے بھی تھے مگر وہ سب سیلاب کی نذر ہو گئے تھے - اس عذاب سیل ہی کی بناء پر اس جگہ کا نام جُحفہ پڑ گیا کیونکہ اس جگہ کے باشندوں کو دورانِ سیلاب میں اجحاف سخت پریشانیوں سے واسطہ پڑا تھا -

یثرب کیونکہ یثرب بن قانیہ بن مہلیل بن ارم بن عبیل اپنی اولاد اور قبیلے کے ساتھ مدینے میں آکر مقیم ہوا تھا - اس لیے اس مقام کا نام اس کے نام پر یثرب مشہور ہو گیا - یثرب اور اس کا قبیلہ بھی حوادث روزگار اور آفات ارضی و سماوی کی نذر ہو گیا - اسی قوم کے ایک شاعر نے اس کا ذکر

---

[1] یہ قوسینی عبارت کسی اور نسخے میں نہیں پائی جاتی (مرتّب)
[2] ایک نسخے میں عبید بن عوص لکھا ہے (مرتّب)

ذکر کیا ہے۔

خدا نے اس قوم کی سرکشی کے نتیجے میں اسے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا اور اس کا ذکر قرآن پاک میں یوں فرمایا۔ کذبت ثمود وعاد بالقارعۃ، فاما ثمود فاھلکوا بالطاغیۃ، واما عاد فاھلکوا بریح صرصر عاتیۃ)

قوم شعیب

اہل شراح قوم شعیب بن نویل بن رعویل[1] بن مر بن عنقاء بن مدین بن ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ بہرکیف ان کی زبان عربی تھی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ عربی الاصل اور دنیا کی ابتدائی اقوام میں سے تھے۔ بعض نے انہیں "اجیال خالیہ" سے بتایا ہے۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ محض بن جندل بن یعصب بن مدین بن ابراہیم کی اولاد سے تھے۔ حضرت شعیب کو نسباً اسی قوم کے اخوان میں شمار کیا جاتا ہے۔

اس قوم میں کچھ بادشاہ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے دور و نزدیک کے ممالک میں حکمرانی کی ہے۔ انہیں میں ابی جساد، ہوز و حطی، کلمن و سعفص و قرشت وغیرہ بھی ہوئے ہیں جن کے ناموں پر حروف ابجد پڑے ہیں۔ انہیں میں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں بنو محض بن جندل وغیرہ بھی تھے جن کے ناموں سے حروف جمل منسوب ہیں۔ ان حروف کی تعداد ۲۹ ہے جن کے گرد حساب جمل گردش کرتا ہے۔ ان حروف کی وجہ تسمیہ اس توجیہ کے علاوہ بھی بیان کی گئی ہے جیسا کہ ہم پہلے اپنی دوسری کتابوں میں بتا چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں ہمارا مقصد مختلف آراء پیش کرنا اور ان پر بحث کرنا نہیں ہے۔

ابجد مکہ اور سرزمین حجاز میں اس کے متصل علاقوں کا حکمران تھا جب کہ ہوز اور حطی بلاد وج کے حکمران تھے جو طائف اور اس سے متصل نجدی علاقہ ہے۔ کلمن، سعفص اور قرشت مدین کے حکمران تھے۔ بعض لوگوں نے انہیں مصر کا حکمران بتایا ہے اور کلمن کو ملک مدین کا حکمران لکھا ہے۔ بعض نے اسے ان تمام ملکوں کا حکمران لکھا ہے جن کا ہم نے سطور بالا میں نام لیا ہے۔

عذاب یوم ظلہ کلمن ہی کے ملک پر نازل ہوا تھا۔ حضرت شعیب نے (علیہ السلام) اسے اور اس کی قوم کو خدائے تعالیٰ پر ایمان لانے کی ہدایت کی تھی لیکن انہوں نے ان کو جھٹلایا تھا۔ اس پر حضرت شعیبؑ نے انہیں عذاب یوم ظلہ کی خبر دی تھی۔ چنانچہ ان پر عذاب نازل ہوا تھا جو آسمان سے باران آتش کی صورت میں تھا۔ اس سے قبل حضرت شعیبؑ اور ان پر ایمان لانے والے مشہور

---

[1] ایک نسخے میں بن نوفل بن رعبیل لکھا ہے (مرتب)

موضع ایکہ میں چلے گئے تھے۔ جب مذکورہ بالا قوم آگ کی گرمی کی تاب نہ لاسکی اور مسلسل ہلاک ہونے لگی تو اس نے حضرت شعیبؑ اور ان کے ماننے والے مومنین کو بلا کر امن طلب کی۔ چنانچہ آپ کی دعا سے آگ کی بارش بند ہوگئی اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ اس ظالم قوم نے یہ دیکھ کر کہ عذاب ختم ہوگیا ہے یہ نہ سمجھا کہ اس کی وجہ بارگاہِ خداوندی میں حضرت شعیبؑ کی دعا تھی۔ انہوں نے بارِ دیگر آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو اپنے ہاں سے نکال باہر کیا جس کے بعد ان پر وہی عذاب پھر نازل ہوگیا۔ اس پر کلمن کی بیٹی حارثہ بنت کلمن جو حجاز میں مقیم تھی وہاں پہنچی انہیں متنبہ کیا اور حضرت شعیبؑ سے ان کے لیے پھر دعا کرائی۔

مذکورہ بالا ملوک کے سلسلے میں بہت سے عجیب و غریب واقعات اور ان کی محاربات کے قصے بھی بیان کیے گئے ہیں جو ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بیان کر چکے ہیں۔

حضورا اور اس کا نسب

بنی حضورا ایک عظیم قوم تھی جس نے سطحِ ارضی کے مختلف ممالک میں حکمرانی کی۔ لوگوں کا حضورا کے نسبی روابط کے بارے میں جو خیال ہے اس میں اکثر اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ ہماری رائے کے مطابق قوم حضورا کو عربی الاصل بتاتے ہیں۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ قوم یافث بن نوح کی اولاد میں سے تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اس قوم پر شعیب بن مہدم بن حضورا بن عدی کو بہ حیثیت نبی کے بھیجا تھا۔ یہ شعیب شعیب بن نویل بن رعویل بن مر بن عنقا بن مدین بن خلیل حاکم مدین سے الگ ہیں جن کی بیٹی سے حضرت موسےٰ علیہ السلام ابن عمران نے شادی کی تھی جس کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ ان دونوں میں مدت مدید کا فرق ہے جس طرح حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے ادوار کے درمیان ایک ہزار سال کا فرق ہے۔ جب یہ دوسرے شعیب بطور نبی بنی حضورا پر ظاہر ہوئے اور انہوں نے اس قوم کو نیک راہ پر چلنے کی ہدایت کی اور خدا کے خوف سے آگاہ کیا تو انہوں نے انہیں قتل کر دیا، حالانکہ ان سے بہت سے معجزات کا ظہور ہو چکا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کی نبوت کی صداقت کے ثبوت میں ان کے ذریعہ ظاہر فرمائے تھے اور اس طرح وہ اتمامِ حجت کر چکے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کسی بے گناہ اور مظلوم کا خون ضائع نہیں جانے دیتا اس لیے اس نے ان کی طرف ایک اور نبی اسی زمانے میں بھیجا۔ وہ حضرت برخیا بن اخنیا ابن زرتائیل بن شالتان[1] تھے اور یہود ابن اسرائیل بن اسحاق بن

---

[1] ایک نسخے میں "برخیا بن اخنیا بن زوبائیل بن شالیال" لکھا ہے (مرتب)

ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کی اولاد میں سے تھے ——————— آپ کی بخت نصر سے ملاقات ہوئی تھی جو اس وقت شام میں تھا۔ اس نے آپ سے کہا تھا کہ میں نے سات راتوں تک جو خواب دیکھے ہیں ان سے آپ کے دعوئ نبوت کی تصدیق ہوتی ہے، لہٰذا جو کچھ اب آپ فرمائیں گے میں اس پر عمل کروں گا اور اس ظالم قوم سے مقتول نبی کے خون کا بدلہ ضرور لوں گا۔ اس کے بعد بخت نصر نے قوم حضور پر ایک عظیم لشکر کے ساتھ چڑھائی کی۔ اور اس طرح وہ ظالم قوم اپنے کیفر کردار کو پہنچی۔

منازل حضورا لوگوں میں اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ بنی حضورا کہاں رہتے تھے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ارض سماوہ میں رہتے تھے۔ یہ آبادی حجاز کی سرحد پر عراق و شام کے درمیان ہے اور اب کھنڈرات کی شکل میں ویران پڑی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بنی حضورا بلادِ جُند قنسرین میں جو تل باسح کی طرف بلادِ سوریہ میں ہے، رہتے تھے۔ یہ جگہ اب ارض شام کے علاقۂ قنسرین کی اس قلمرو میں شامل ہے جو حلب کا اضافی علاقہ کہلاتا ہے۔

ہم اب تک قدیم عرب کے بارے وہ سب حالات بیان کر چکے ہیں جو ظہورِ اسلام سے قبل گزرے اور اس کے ضمن میں مختلف مذاہب اور عقائد کا ذکر بھی آچکا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ ماضی کے حالات جو باقی رہ گئے ہیں انشاء اللہ اگلے باب میں بیان کریں گے۔

باب (۱۵)

زمانۂ جاہلیت میں انفاس و الہام وصفر اور ظاہر و باطن کے بارے میں عربوں کے خیالات

نفس کے بارے میں اختلافات

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے درمیان نفس کی کیفیات کے بارے میں اختلاف رائے تھا۔ کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ خون اور سانس الگ الگ چیزیں ہیں، البتہ رُوح جسم انسانی کے اندرونی حصّوں میں ہوا کی طرح خون اور سانس کی روانی میں معاونت کرتی ہے۔ مختلف شہروں کے فقہا کہتے تھے کہ نفس جو شب و روز جسم کے اندر رواں رہتا ہے جسم کے پانی میں پہنچنے کے بعد لمحاتی طور پر ہی سہی ساقط ہو جاتا ہے۔ وہ پوچھتے تھے کہ اس وقوف اور روانی کی آخر کیا وجہ ہے؟ وہ کہتے تھے کہ سانس کی سکتی کیفیت پر غور و خوض لازم ہے۔ وہ کہتے تھے کہ انسان کے مرنے کے بعد جسم میں خون کی روانی جو بحالت حیات موجود ہوتی ہے رُک جاتی ہے کیونکہ مُردہ جسم میں وہ نمی، رطوبت اور حرارت جو زندہ جسم میں ہوتی ہے باقی نہیں رہتی وہ کہتے تھے کہ ہر زندہ شخص کے جسم میں یہ حرارت و رطوبت ہوتی ہے جو بعد از مرگ باقی نہیں رہتی، اگر کچھ چیز باقی رہتی ہے تو وہ یبوست اور برودت ہوتی ہے۔

ان میں سے کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ جسم میں سانس اس پرندے کی طرح ہے جو آزادی کے لمحات میں ادھر ادھر اُڑتا پھرتا ہے۔ انسانی زندگی میں اس پرندے کی آزادی بحال رہتی ہے لیکن جونہی اس کی زندگی ختم ہوتی ہے اس پرندے کی پرواز بھی رُک جاتی ہے۔ انسان طبعی موت مرے۔ کسی حادثے کا شکار ہو جائے یا قتل کر دیا جائے نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے یعنی اس طائر نفس یا طائر رُوح کی پرواز کا اختتام۔ البتہ یہ پرندہ انسان کی قبر یا اس کی جائے وفات پر بھٹکے ہوئے پرندے کی طرح چکر لگاتا رہتا ہے۔

الہام مذکورہ بالا طائرِ نفس یا طائرِ روح کا نام زمانۂ جاہلیت کے عربوں نے الہام رکھا ہوا تھا لیکن ظہورِ اسلام کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ ہام یا صَفر توہمات کے سوا کچھ نہیں ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ طائرِ نفس نومولود بچے کی طرح ہوتا ہے اور بچے ہی کی طرح بڑھتا اور پروان چڑھتا رہتا ہے۔ یہ پرندہ اس اُلّو کی طرح جو راتوں کو بولتا ہے ہر بالغ انسان کو آواز دیتا اور پل پل کی خبر دیتا رہتا ہے، یہ طائرِ نفس یا طائرِ روح ہی الہام ہے جو مرگ انسانی کے بعد بھی اس کی جائے مرگ پر بولتا اور اس کی موت کا اعلان کرتا رہتا ہے یہ قول حاتم طائی سے منسوب کیا جاتا ہے جس کے حالات ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

نقلِ ارواح نقلِ ارواح کے بارے میں عربوں کے اسلاف زمانہ جاہلیت میں جو عقیدہ رکھتے تھے اور وہ خود بھی ظہورِ اسلام سے قبل اس سلسلے میں جن باتوں کے قائل تھے اس کا ذکر ہم نے اپنی پچھلی دو کتابوں "سرّ الحیات" اور "دعاوی" میں بہ توفیق خداوندی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

باب (۱۶)

غیلان و تغول کے بارے میں زمانۂ جاہلیت کے عربوں کے عقائد اور ان کی متعلقہ باتیں

غول بیابانی کے متعلق عربوں کی رائے

عربوں کے نزدیک غول بیابانی کا کام تنہا مسافروں کو گمراہ کرنا ہے۔ ان کے خیال میں وہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور مسافر کو مختلف آوازوں میں مخاطب کرتے ہیں۔ یہ خیالات اکثر عرب شعراء نے اپنے اشعار میں بھی قلم بند کیے ہیں۔

بعض عربوں کے اقوال کے مطابق بھوت پریت اور چڑیلوں کے پنجے اُلٹے ہوتے ہیں، اسی لیے انھیں "پچھل پادے" بھی کہا گیا ہے۔

غول بیابانی کے اجسام کا گھٹنا بڑھنا

عرب کہتے ہیں کہ غول بیابانی جب شام کے دھندلکوں یا رات کے اندھیروں میں بھولے بھٹکے مسافروں کے سامنے آکر متجسّم ہوتے ہیں تو وہ حسب ضرورت اپنی اشکال بدلنے کے علاوہ اپنے اجسام کو بھی گھٹا بڑھا لیتے ہیں۔ جو لوگ ویرانوں میں ان کے وجود کے قائل ہیں وہ ان کے مساکن وادیوں کے اندرونی حصے اور چٹیل میدان یا (خشک) پہاڑوں کی چوٹیاں بتاتے ہیں۔

ان عربوں کے علاوہ بعض صحابہ نے بھی اپنے مشاہدات کا ذکر کرتے ہوئے ان سے دوچار ہونے کے واقعات بیان کیے ہیں۔ ان صحابہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ آپ نے ظہورِ اسلام سے قبل اپنے سفرِ شام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس سفر میں کسی غولِ بیابانی نے آپ کو راستے سے بھٹکانے کی کوشش کی تھی لیکن آپ نے تلوار میان سے نکال کر اسے ٹھکانے لگا دیا تھا۔

فلاسفہ کی رائے

بعض فلاسفہ غولِ بیابانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نادر الوجود حیوان ہیں جن کی جسمانی ساخت طبعی نہیں ہوتی، اسی لیے ان کے افعال طبعی اجسام کے تابع نہیں ہوتے۔ جب وہ فرداً فرداً حالتِ وحشت میں کھانے پانی کی تلاش میں اپنے مساکن سے باہر آتے ہیں تو وہ یا تو وحشی انسانوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں جن کی شکلیں خوف ناک ہوتی ہیں یا ان کی صورتیں بہائم کی جیسی ہوتی ہیں۔ اہلِ ہند کہتے ہیں کہ غولِ بیابانی درحقیقت کواکب ہیں جو آسمان سے زمین تک آتے آتے مختلف اشکال میں ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً کلب جبار، سہیل جب وہ برج حمل میں ہو یا کوکب ذنب جب وہ برج دبّ میں ہو۔ ان کے ظاہر ہونے کے اوقات اور اشکال مختلف ہیں۔ ان کے نزدیک وہ اکثر صحراؤں اور خرابوں میں نمودار ہوتے ہیں۔ ہندوؤں نے ان کواکب کی تعداد ۸۴ بتائی ہے۔ ان کا ذکر بطلیموس اور اس سے پہلے اور بعد کے کچھ فلاسفہ نے بھی کیا ہے۔ ابومعشر نے اپنی مشہور کتاب "المدخل الکبیر الی علم النجوم" میں ان میں سے ہر ستارے کی شکل وقت ظہور پر مفصّل گفتگو کی ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ آپ ہر اس شے کو جو عجیب الخلقت ہو "غول" کہہ سکتے ہیں، بہرکیف ان کا حاملِ حیات ہونا ضروری ہے۔ ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ وہ نسوانی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور اکثر لوگ اپنے مشاہدات کے حوالے سے یہی بیان کرتے ہیں۔ ان میں کچھ لوگ سعلات اور غول میں امتیاز کے بارے میں بھی اپنے مشاہدات کا حوالہ دیتے ہیں۔ بہرکیف اس ضمن میں ان کے مختلف اقوال ہیں۔

ہم نے اس موضوع پر اپنی پچھلی کتابوں میں مفصّل گفتگو کی ہے۔ ظہورِ اسلام سے قبل عربوں کا خیال تھا کہ غولِ بیابانی اکثر راتوں کو مختلف اشکال میں نمودار ہو کر ہوا میں تحلیل ہوجاتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ شہاب ثاقب ہوتے تھے جو زمین تک آتے آتے متشکل ہوجاتے تھے۔

شیاطین وغیرہ

غیلان کے بارے میں لوگوں کے متعدد اقوال ملتے ہیں۔ ان میں شیاطین، مَردہ جنّ، قطرب، غدار وغیرہ جو سب کے سب غیلان کہلاتے ہیں نوع شیاطین میں شامل ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو انسانی شکل میں ظاہر ہو کر عمل مناکحت بھی کر بیٹھتے ہیں لیکن جلد ہی ان کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ ایسے واقعات اکناف یمن و تہائم اور مصر کے بالائی علاقوں میں سُننے میں آئے ہیں لیکن ہم انہیں سوانح فاسدہ میں شمار کرتے ہیں۔

ہم زیرِ نظر کتاب میں کسی شرعی حکم یا اس بارے میں اہل شریعت کے اقوال کا ذکر نہیں کریں گے

نہ اہل تواریخ اور دیگر مصنفین کے بیانات پر تنقیدی نظر ڈالیں گے۔ ویسے وہب بن منبہ اور ابن اسحاق وغیرہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جنّوں کو نارِ سموم سے پیدا کیا ہے اور ان کی زوجاؤں کو انہیں کے جسم سے خلق کیا ہے جس طرح حوّا کو آدم سے تخلیق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جنّات کی ہر مؤنث ۸۱ انڈے دیتی ہے ان میں سے جو بیضہ قطربہ سے نکلتا ہے وہ اُم القطارب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ ان قطارب کے مسکن عموماً سمندر ہوتے ہیں لیکن وہ خرابوں، ویرانوں اور ٹیلوں پر بھی رہتے ہیں۔ قطارب کے علاوہ جنّوں کی مختلف اقسام ہیں جو پہلے انڈے سے لے کر ۸۱ ویں انڈے تک پیدا ہوتے اور مختلف ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔ اولی الاجنہ بھی انہیں میں سے ہوتے ہیں۔ اسی آخری بیضے سعالی سے دواسق اور حامیص نام کے جنّ پیدا ہوتے ہیں۔ ہم نے ان کا ذکر مختلف بیانات اور کتب کی روشنی میں کر دیا ہے لیکن ہم ان کے غیر ممتنع یا لا واجب ہونے پر کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ ویسے کچھ مؤرخین و مصنّفین ہمارے ان اذکار پر بھی معترض ہو سکتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ایک مصنّف کی حیثیت سے ہم نے مخالف و موافق جملہ اقوال اپنے قارئین کے سامنے رکھ کر بحیثیت مصنّف اپنا فرض منصبی ادا کر دیا ہے۔ بہرکیف جنّوں کا وجود حقیقت ثابتہ ہے اور ان کے مراثی تک لوگوں نے سُنے ہیں۔ جن اشخاص نے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے ہم نے ان کا ذکر نام بنام اپنی کتاب المقالات فی اصول الدیانات میں کر دیا ہے۔

باب (۱۷)

ہاتفانِ غیبی اور جنات کے متعلق اقوالِ عرب

عرب اور اس کے متصل ملکوں میں ہاتفانِ غیبی کی بہتات تھی۔ یہ بہتات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام ولادت اور آپ کی بعثت کے زمانے کے متصل ایام میں حد سے زیادہ تھی۔ ہواتف کا مطلب اس غیر مرئی یا نادیدہ شخصیت سے مراد تھا جس کی آواز سنی جاتی تھی۔

ہواتف کے متعلق اقوال عرب

ہواتف اور جنات کے بارے میں عربوں کے اندر مختلف رائیں تھیں۔ ان میں سے ایک فریق کا خیال تھا کہ کسی نادیدہ شخصیت کی آواز اس وقت سنی جاتی ہے جب کوئی شخص تنہا کسی ہیبت ناک مقام یا وادی سے گزر رہا ہو اور اس کے دل میں خوف و دہشت یا فضول وسوسے متمکن ہو جائیں اور اسے یہ آواز ان بے جا توہمات اور وسوسوں کے خلاف مشورہ دیتی ہے اور اس کی ڈھارس بندھ جاتی ہے اور غلط تفکرات اس کے دل سے نکال دیتی ہے۔

جنات کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اپنی آدھی شکل میں انسان سے مشابہ ہوتے ہیں ان کا خیال تھا کہ مسافروں پر ان کے سفر کے دوران ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ انھیں شق کہتے ہیں۔

علقمہ بن صفوان کا جن سے واسطہ

کہتے ہیں کہ علقمہ بن صفوان بن امیہ بن محرب کنانی جو مروان بن حکم کا نانا تھا ایک دفعہ کے جانے کے لیے کچھ مال لے کر نکلا تو اسے راستے میں ایک جن سے سابقہ پڑ گیا۔ وہ جن یا جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا وہ شق علقمہ سے بولا:۔

اے علقمہ! میں مقتول ہوں میرا گوشت کھا لیا گیا ہے

اب میں انہیں مسلول سے　　غلاموں کی مار مارتا ہوں
چاہے وہ چار آئینہ پہنے ہوں

علقمہ نے جواب دیا :۔

اے شق میرا تیرا کیا ہے　　تو مجھے بے ضرر جانے دے
کیا تو اُسے قتل کرے گا جس نے تجھے قتل نہیں کیا ؟

جنّ بولا :۔

علقمہ تیرا مال تیرے پاس　　عقل ہے اسے غنیمت سمجھو
اور جو مصیبت تجھ پر پڑنے والی ہے　　اس پر صبر کر !

اس کے بعد دونوں میں لڑائی شروع ہوئی اور دونوں اس میں کھیت رہے - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علقمہ نے جن کو قتل کر دیا تھا یا جنّ نے اسے مار ڈالا تھا -

جنّ کے ہاتھوں حرب بن اُمیّہ کا قتل

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حرب بن اُمیّہ کا بھی جنّ سے سابقہ پڑا تھا تو جنّ نے اسے قتل کر دیا تھا -

حرب نے مرنے سے پہلے مندرجہ ذیل شعر کہا تھا ؎

"حرب کی قبر ایک ویران مقام پر ہے　　جہاں حرب کی قبر ہے وہاں کوئی دوسری قبر نہیں ہے"

کہتے ہیں کہ جو لوگ جنّات کے ہاتھوں قتل ہوئے ان میں مرداس بن ابو عامر سلمی بھی تھا یعنی ابو عباس سُلمی - کہا جاتا ہے کہ ابو عباس جنّ کو شعر سُنا کر قائل کرنا چاہتا تھا لیکن جب وہ شعر سُنا رہا تھا اسی وقت جنّ نے اسے قتل کر دیا -

قبرِ حاتم طائی کا مہمان سے ہمکلام ہونا

یحییٰ بن عفاب نے یکے بعد دیگرے علی ابن حرب، ابی عبیدہ معمر بن مثنیٰ اور منصور بن یزید طائی ثم صامتی کے حوالے سے بیان کیا ہے :۔

"میں نے حاتم طائی کی قبر قُبّہ میں دیکھی تھی، وہ ایک پہاڑ پر ہے جس کی وادی کو حایل کہا جاتا ہے - حاتم کی قبر کے چاروں طرف بڑے بڑے پتھر چُنے ہوئے ہیں جن کا اٹھانا کسی انسان کے بس کا نہیں ہو سکتا - اس کے قریب کسی سبزے کا ہونا حیرت ناک ہے لیکن وہاں ہے - وہاں ایک ناریل کا درخت بھی ہے اس کے پھل لوگ کھاتے ہیں - حاتم کے قبر کے چہار جانب چار چار پتھروں کی چار دیواری ہے جس سے قبر کی حفاظت کی

گئی ہے۔ حاتم کی قبر پر جنّات بھی پائے جاتے ہیں جن کے چہرے اس قدر سفید ہیں کہ جن کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ہم نے انہیں دُور سے دیکھا، وہ قبرِ حاتم پر نوحہ کناں تھے۔ وہ رات کا وقت تھا لیکن جب ہم صبح کو قبرِ حاتم پر گئے تو وہاں پتھروں کے سوا کچھ نہ تھا۔"

یحییٰ بن عقاب جوہری نے عبدالرحمن ابن یحییٰ منذری، ابی منذر ہشام کلبی، ابومسکین بن جعفر بن محرز بن ولید اور اس کے باپ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ محرز بن ولید کا باپ ابی ہریرہؓ کا غلام تھا اسے لوگ محمد بن ابی ہریرہ کہتے تھے اس کا بیان ہے کہ ایک شخص جس کی کنیت ابا بختری تھی ایک دفعہ سفر کرتے ہوئے حاتم طائی کی قبر کے قریب سے گزرا۔ وہ ایک قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا جو اسی کی قوم کے لوگوں پر مشتمل تھا۔ یہ قافلہ قبرِ حاتم کے قریب وادی میں شب گزاری کے لیے مقیم ہوا۔ قافلے والوں نے ابا بختری کو زور زور سے کہتے سُنا:

"اے ابوجعد! مجھ سے ہمکلام ہو!"

وہ بولے:۔ "کیا تو دیوانہ ہوا ہے جو آدھی رات کو یوں بڑبڑا رہا ہے؟"

ابا بختری نے جواب دیا: "سامنے کے پہاڑ پر حاتم طائی کی قبر سے جب کوئی شخص اس کی قبر کے قریب سے گزرتا ہے تو حاتم اس سے ضرور ہمکلام ہوتا ہے۔ میں اسی لیے اسے ہمکلام ہونے کے لیے پکار رہا ہوں۔ تعجب ہے کہ اس نے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا۔"

یہ سُن کر قافلے والوں نے اس کا مذاق اُڑایا لیکن رفتہ رفتہ خاموش ہو گئے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ابا بختری کو قافلے سے نکل کر حاتم کی قبر کی طرف جاتے دیکھا تو میں بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ ابا بختری نے جب قبرِ حاتم پر پہنچ کر اسے آواز دی تو وہ تلوار ہاتھ میں لیے قبر سے باہر نکلا اور ابا بختری سے دیر تک گفتگو کرتا رہا۔ جب ابا بختری قافلے میں لوٹ کر آیا تو صبح ہو رہی تھی۔ اس نے قافلے والوں سے رات کا واقعہ سُنایا تو وہ پھر ہنسنے لگے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ابا بختری کے قول کی تصدیق کی۔ اس کے علاوہ میں نے ابا بختری نے اور جملہ اہلِ قافلہ نے دیکھا کہ تھوڑی دُور ایک اونٹ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ گویا یہ حاتم طائی کی طرف سے قافلے کو بطور مہمان داری پیشکش تھی۔

اس راوی کے علاوہ خود ابا بختری کا بیان یہ ہے کہ پہاڑ کی دوسری طرف ایک اور قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ اس طرف وہاں گیا تو ایک شخص نے اس سے اس کا نام پوچھا۔ جب اس نے نام

بتایا اور رات کا واقعہ سنایا تو وہ شخص بولا: "میں عدی بن حاتم طائی ہوں۔ میں یہاں اکثر آتا رہتا ہوں ——————— میرے باپ کی قبر پر ایسے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔
خواب میں میں نے کل رات تمہیں دیکھا تھا اور یہ بھی کہ تم میرے والد بزرگوار کو آواز دے رہے ہو باقی سارا واقعہ بھی میں نے خواب میں دیکھا جس کی تم سے تصدیق ہو گئی۔"

اس واقعے کا ذکر سالم بن زرارہ غطفانی نے بھی اپنے اس قصیدے میں کیا ہے جو اس نے عدی بن حاتم طائی کی مدح میں کہا ہے۔ اس کے علاوہ ابوبکر محمد بن حسن بن درید نے ابی حاتم سجستانی اور ابی عبیدہ معمر بن مثنیٰ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اول الذکر نے اس سے کہا کہ آخر الذکر نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا جس کی عمر سو سال سے کم نہ ہو گی۔ اس بوڑھے نے اس سے بیان کیا کہ ایک روز اس وادی سے گزر رہا تھا جس کے قریب پہاڑ پر حاتم طائی کی قبر ہے۔ رات اندھیری تھی آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے لیکن کبھی کبھی کوئی تارا ان بادلوں سے جھانکنے لگتا تھا۔ میں اندھیری رات میں راستہ بھول کر اُدھر جا نکلا تھا اور حد درجہ خائف تھا کہ ایک آواز آئی:۔

شعر:۔ "ڈر مت! اطمینان سے چلتا رہ　　اسی راستے سے اپنی منزل پر جا پہنچے گا"

راوی کا بیان ہے کہ اندھیری رات میں اس آواز کو سن کر اور سہم گیا۔ تھوڑی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ ساری وادی یک دم روشن ہو گئی اور ادھر اُدھر کچھ طویل القامت لوگ کھڑے تھے جن کے چہرے قندیلوں کی طرح روشن تھے۔ ان کے چہروں سے ساری وادی روشن ہو گئی تھی چنانچہ میں اس کے بعد بے خوف ہو کر اس وادی سے گزر کر صحیح راستے پر آنکلا تو دیکھا کہ مشرق سے آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔ اس کے بعد راوی سے لوگوں نے بیان کیا کہ اس پہاڑ پر جہاں حاتم طائی کی قبر ہے جنات رہتے ہیں۔ وہ حاتم کی قبر کی حفاظت کرنے کے علاوہ اس کی قبر پر مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی بھی کرتے رہتے ہیں۔

باب (۱۸)

قیافہ، زجر و عیافہ اور سانح و بارح میں عربوں کے خیالات

قیافہ اور اس کے جواز میں اختلاف

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے قیافہ شناسی اور اس کے جواز کے بارے میں عرب مختلف الرائے رہے ہیں۔ کچھ اہل تحقیق کی رائے یہ ہے کہ دوسری چیزوں کے سلسلے میں شباہت سے اندازہ لگانا بجا ہے لیکن اگر کوئی بچہ صورت و شکل میں اپنے باپ پر نہ جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ اس کا بیٹا نہیں ہے غلط اور بے جا ہوگا۔ دوسرے تحقیق کنندہ کہتے ہیں کہ صورت و شکل میں مشابہت سے قطع نظر دوسری بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کی رُو سے باپ بیٹے میں مماثلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور وہی قیافہ شناسی کا مناسب ترین طریقہ ہے۔ یہ بات صرف کسی شخص اور اس کے صُلبی بچوں کے سلسلے میں کہی جا سکتی ہے ورنہ قیافہ شناسی کے اور بہت سے قاعدے اور قرائن ہیں۔ باپ بیٹے کے بارے میں مشابہت پر انحصار کرنا یقیناً غلط ہوگا۔ دوسرے معاملات میں آثار و قرائن دلیل قیافہ شناسی بن سکتے ہیں۔

قیافہ شناسی میں عرب کی خصوصیت

قیافہ، فال، شگون اور اندازوں میں عربوں کا اختصاص و امتیاز دُرست سہی لیکن اوّل تو یہ خصوصیت عرب کے ہر علاقے میں نہیں پائی جاتی دوسرے صرف عربوں کو اس سلسلے میں خصوصیت دینا غلط ہوگا کیونکہ یہ باتیں عقلاً درست ہوں یا غلط دُوسری قومیں بھی ان خصوصیات سے خالی نہیں ہیں۔ عربوں سے قطع نظر فرنگیوں اور دوسری قوموں میں بھی یہ باتیں پائی جاتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ علم قیافہ شناسی دوسری قوموں میں عربوں سے منتقل ہوا ہو کیونکہ جملہ نوع انسانی میں عربی الاصل

اقوام ہی اوّل اوّل سطح ارضی پر پھیلی ہیں، لہٰذا عربوں کی کچھ خصوصیات کا دوسری اقوام میں منتقل ہوجانا کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ ظہور اسلام کے بعد عربوں کا بربنائے فتوحات فرنگ فرنگیوں سے زیادہ سابقہ رہا ہے اور وہ بھی عربوں سے قریب تر رہے ہیں لہٰذا انہوں نے یہ باتیں عربوں سے لی ہوں۔ بہرحال ان علوم کے جواز و وجوب سے قطع نظر اور ان پر عمل کرنے کے علاوہ بھی عربوں کی یہ خصوصیات قابل تسلیم ہیں جیسے علم نقاط اور دست شناسی کی ابتدا بربر سے ہوئی اور اسے ان علوم میں اختصاص و امتیاز حاصل ہے۔

قیافہ کا منشاء

اس سلسلے میں اہل بحث و تنقید کہتے ہیں کہ قیافہ کا منشاء کسی شے کی اصلیت اور اس کی اہمیت معلوم کر کے نتائج تک پہنچنا ہے۔ ایک چیز دوسری چیز سے اس قدر مشابہت رکھتی ہے کہ کسی اور چیز میں اتنی مماثلت و مشابہت نہیں پائی جاتی مثلاً اس سے نسلی و نسبی تشخص کا پتہ چل جاتا ہے۔ تشبیہ نسل تشبیہ نوع کے قریب تر ہے اور دونوں بلحاظ مشابہت مشترک ہیں۔ چنانچہ یہی چیز ان حضرات کے نزدیک قیافے کی اصل ہے کیونکہ کسی شے کا الحاق اپنی مثل شے سے ممکنات میں سے ہے اور ان کا مساوی ہونا بھی ممکن ہے۔ یہ مساوات اور اس کی اہلیت و ماہیت تک پہنچنا عقل کی پختگی پر منحصر ہے۔ یہ استدلال اہل قیاس فقہاء اور اہل اسلام کا نہیں ہے کیونکہ ایک بیٹا اپنے باپ سے مشابہ ہو یہ ضروری نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک اور بہت سی باتیں ہیں جن میں ان کی مشابہت و مماثلت ہو سکتی ہے مثلاً افعال وغیرہ جیسے نشست و برخاست چلنا پھرنا اور عادات و اطوار۔ فلاسفہ متقدمین بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اہل قیافہ کے نتائج اخذ کرنے کا طریقہ ہر حال میں درست نہیں ہو سکتا۔ جسمانی ساخت کا انحصار علاقائی آب و ہوا پر بھی ہوتا ہے اور نسلوں پر بھی جیسے رومیوں کی نسل کا پتہ ان کی شکل و صورت سے لگ سکتا ہے، اس طرح اہل جبال یا پہاڑی علاقوں میں رہنے والوں کی جسمانی ساخت میں جو خصوصیت ہوتی ہے وہ وہاں کی آب و ہوا کا نتیجہ ہوتی ہے۔ رومیوں کی طرح دوسری کچھ نسلیں بھی نسل در نسل ایک ہی شکل و صورت پر چلے جاتی ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر اپنی دوسری کتابوں میں اسرار طبیعہ اور نیز اس امر پر کہ جو ہر عالم ظلمت میں تبدیل ہوتا رہتا ہے اور نور کا استثنا اس سلسلے میں شواذ میں داخل ہے اور یہ کہ کچھ نفوس ایسے ہیں جن پر جسم کی موجودگی کے بغیر نوری ہونے کا اطلاق ہوتا ہے، تفصیل سے گفتگو کی ہے اس بحث میں آدم کے بیٹے شیث، زرتشت، مسیح ولیولس اور ان دو شخصیتوں کا بھی حوالہ آگیا ہے جن پر تفصیلی روشنی ڈالنا اور ان کا تعارف بھی ناممکن محسوس ہوتا ہے۔ اس بحث میں نور و ظلمت کی

قدامت پر بھی بحث ہو چکی ہے اور مجوسیوں کے نبی زرتشت کے اقوال پر بھی جو محالات میں شامل ہیں اور جن میں منطقی طور پر تضاد پایا جاتا ہے۔ یا پولس کا قول کہ جناب مسیح (علیہ السلام) انسان بھی ہیں اور الوہیت میں خدا کے شریک بھی۔ یہ سب باتیں ہم نے کتاب استرجاع دا بانۃ میں تفصیل سے بیان کی ہیں، اس لیے اب صرف موضوعِ زیرِ بحث پر گفتگو کریں گے۔

زجر یا شگون

منقری نے عتبی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک بار عبید الراعی اپنے ایک ساتھی کے ساتھ اپنے گھوڑے پر کسی ویران جگہ کے قریب سے گزر رہا تھا اس سفر سے ان کا مقصد بنو تمیم کے کسی شخص سے ملاقات کرنا تھا۔ چلتے چلتے وہ کسی جنگل سے گزرے تو عتبی کے بیان کے مطابق عبید کا گھوڑا چلتے چلتے رُک گیا۔ اس نے اس سے شگون لیا کہ آگے خطرہ ہے۔ اس نے اپنے ساتھی کو بھی آگے بڑھنے سے روکا لیکن وہ ہنس کر آگے بڑھ گیا۔ تو اگلے درخت سے لٹکے ہوئے ایک حد درجہ زہریلے سانپ نے اسے ڈس لیا۔ اس واقعے کا ذکر عبید الراعی نے اپنے ایک شعر میں بھی کیا ہے۔

ان امور میں بعض عربوں کی خصوصیّت

ان امور کے سلسلے میں عرب کے کچھ علاقے اور قبائل خصوصیّت رکھتے ہیں جیسے کہانت یمن کے لیے مخصوص سمجھی گئی ہے، اس طرح شگون لینا بنی اسد کے لیے، قیافہ بنی مُدلج کے لیے۔ نقصانات کی پیشگوئی ابن نزار بن معد کے قبیلے کے لیے مخصوص ہیں۔ جَل، رمل وغیرہ سب قیافے کی مختلف شکلیں ہیں۔ یمن نے کچھ قبائل کو جل و رمل وغیرہ میں خصوصیت کا حامل پایا ہے۔

قیافہ

ظہورِ اسلام سے قبل قیافہ شناسی قریش کی خصوصیّت سمجھی جاتی تھی۔ ہوا کدھر کی چل رہی ہے مٹی اُڑ کر کدھر جاتی ہے، پرندہ چھوڑا جائے تو کدھر کا رُخ کرتا ہے۔ ان باتوں سے قیافہ کرنا اور نیک و بد شگون کا اندازہ کرنا ان کے لیے مخصوص تھا لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان عاداتِ قبیحہ اور خیالاتِ فاسدہ سے نجات دلائی۔ غارِ ثور پر مکڑی کا جالا تن دینا اس سلسلے میں بطورِ خاص پیش کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس موقع پر قریش کی بصارت و بصیرت دونوں زائل ہو کر رہ گئی تھیں۔

اہلِ شرع کے نزدیک قیافہ کے ذریعہ نتائج اخذ کرنا باطل سمجھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں احادیث رسول اللہ موجود ہیں۔ تاہم کچھ ملکوں میں اب تک لوگ اس پر عامل ہیں۔ ہم نے اس سلسلے میں اپنی ایک دوسری کتاب "کتاب الرؤس السبعۃ فی الاحاطہ بسیاسۃ العالم واسرارہ" میں مفصّل گفتگو کی ہے (یہ کتاب اس موضوع پر خاصی شہرت یافتہ ہے)

باب (۱۹)

کہانت اور نفس ناطقہ کی وحدانیت کے بارے میں لوگوں کے مشاہدات

دعویٰ علمِ غیب کی اصلیت

کہانت کے متعلق لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے ان میں ایک گروہ یونان و روم کے حکماء کا ہے۔ انہیں علوم غیب کا دعویٰ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اسرار طبیعی سے خود ان کے نفوس انہیں مطلع کر دیتے ہیں کیونکہ نفس کُلیّہ میں اشیاء کی صورتیں واحد ہیں، جب وہ ان کے مشاہدے کا عزم کرتے ہیں تو وہ مجسّم ہو کر ان کی نگاہوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ نفوس میں ایک "کدر" ہے جو نفس حیبیہ، نفس نزاعیہ اور نفس متخیلہ پر مشتمل ہے۔ "یہ نفس کدر" انسانی اجسام کی قوتوں کے علاوہ ایک مزید قوت ہے جس سے انسانی جسم کی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ نفس انسانی میں ایک نوری نسبت ہے جو استخراج غیب میں معاون ہوتی ہے۔ یہ فطانت و ذہانت اور ظن و گمان میں سب پر غالب ہے اس کے ذریعہ کہانت کی شخصیات شق و سطیح، سملقہ و زولعہ، سدلیف و ہوماس، طریقہ کاہنہ و عمران دمزیقیا، حارثہ وجہینہ کا بھائی) اور کاہنہ باہلہ اور ان جیسے دوسرے کاہن و کاہنات غیبی ابھر کر سامنے آجاتے ہیں اور علوم غیب اور اسرار طبیعی سے واقفیت کے خواہشمندوں کے سامنے آکر انہیں زمانۂ مستقبل میں واقع ہونے اور ظہور پذیر ہونے والی باتوں سے آگاہ کر دیتے ہیں۔

عرافہ اور بعض عرافین

عرافت کہانت سے بالکل الگ چیز ہے جو علم غیب سے لوگوں کو آگاہی بخشتی ہے۔ اس کے دعوے داروں میں ابلق ازدی، اجلح دھری، عروہ بن زید ازدی اور رباح بن عجلہ ہیں جو یمامہ کے عراف کہلاتے ہیں اور زیادہ مشہور ہیں۔ یہ

لوگ عروہ کے بقول سب سے قدیم عراف میں سے ہیں۔

عرب میں کہانت

کہانت کی اصل نفسی بتائی جاتی ہے۔ وہ جسم انسانی کی وہ لطافت ہے جو اس کی مادیت پر غالب آ کر اعجاز کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ یہ چیز عربوں میں بطور ندرت اکثر پائی گئی ہے جو مزاج طبیعی کی لطافت سے حاصل ہوتی ہے اور مادی قوتوں پر نور نفس کو غالب کر دیتی ہے۔ یہ قوت کثرت وحدت کو ابھار کر انسانی جسم کی کثافت کو کم اور عفت نوری کو بڑھا دیتی ہے جس سے بوقت غور و فکر انسان کی نگاہوں کے سامنے جملہ اسرار غیب علمی ہو کر آ جاتے ہیں جو نفس انسانی کی عفت و حرمت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی قوت سے انسان آئندہ وقوع پذیر ہونے والے اسرار کے بارے میں پیشگوئی کر سکتا ہے۔

حکمائے یونان نے بھی یہی کہا ہے کہ جب انسانی تفکر لطافت و پاکیزگی کی حدود طے کر لیتا ہے تو اسرار غیب اس کے روبرو ہو جاتے ہیں۔ اہل شریعت اس چیز کو رویائے صادقہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے پاکیزگی نفس کی علامت بتاتے ہیں۔ جب نفس انسانی کی پاکیزگی ان حدود میں داخل ہوتی ہے تو وہ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں ہو بہو آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔

خواب اور اس کے اسباب

لوگ خواب، اس کے وقوع اور ماہیت و کیفیت کے بارے میں بھی اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ ایک فریق کے نزدیک نیند انسان کے امور ظاہری سے ہٹ کر نفس کے اشتغال باطنی کا نام ہے۔ وہ اس کے دو اسباب بتاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب انسان اپنی کھلی آنکھوں سے اشیاء پر نظر ڈالتا ہے تو ان کے فرق کو ظاہری طور پر محسوس کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ حالت خواب میں ہوتا ہے تو اس کے حواس ظاہری اور ادراک باطل ہو جاتے ہیں کیونکہ اس وقت روح انسانی اشتغال باطنی میں مصروف ہوتی ہے۔ پھر جب حواس خمسہ اور ادراک باطل ہوں تو بچہ ہو یا بوڑھا ان چیزوں کے خوف یا سرور سے بے نیاز ہو جاتا ہے جن سے وہ بیداری کی حالت میں متاثر ہوتا ہے۔ حالت خواب میں وہ چیزیں سامنے آتی ہیں جن کی ضرورت انسان عالم بیداری میں محسوس کرتا ہے جیسے بچہ بھوک کے وقت دودھ کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ یہ ضرورت طبی رو سے اس وقت محسوس ہوتی ہے جب معدہ غذا سے خالی ہوتا ہے۔

دوسرا فریق کہتا ہے کہ اشکال اشیاء کا ادراک دو باتوں پر منحصر ہے یعنی حس اور فکر پر جو اشکال محسوس ہوتی ہیں وہ اپنی ظاہر ہیئت کے بغیر محسوس نہیں ہو سکتیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب انسان حالت

خواب میں ہوتا ہے تو اس کے احساس کی قوت ضرور باطل ہوجاتی ہے لیکن قوتِ فکر میں اضافہ ہوجاتا ہے جسے اشتغال رُوح سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس وقت انسان دیکھتا ہے کہ وہ پرواز کر رہا ہے، بالکل پرندوں کی طرح حالانکہ وہ پرندہ نہیں ہوتا۔ البتہ یہ سب کچھ انسانی نفس کی کدورت اور پاکیزگی پر منحصر ہے۔ اگر نفس میں پاکیزگی ہے تو وہ حالت خواب میں بھی مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے حالات کو کھُلی آنکھوں دیکھتا ہے لیکن اگر نفس میں کدورت ہو تو اس کے خواب بھی صرف فاسد خیالات کا نتیجہ ہوتے ہیں اور صداقت سے انہیں دُور کی نسبت بھی نہیں ہوتی۔ اسی لیے ایسے سب خواب جھوٹے ہوتے ہیں۔

ایک اور فریق کا خیال ہے کہ حالت خواب میں بھی حواس خمسہ معطل نہیں ہوتے اور اشتغال رُوح کے وقت بھی طبعی طور پر جسم سے ان کا تعلق قائم رہتا ہے جو بصورت مشارکت و ملایت ادراک اشیاء کے لیے ضروری ہے۔ تاہم رُوح اتصال و انفصال جسدی دونوں حالتوں میں ادراک اشیاء پر قادر ہے جو ویسے ممکن نہیں یعنی بحالت بیداری و خواب جسم انسانی بغیر مشاہدہ مدرکات ان کے متعلق کچھ کہنے پر قدرت نہیں رکھتا یعنی حواس خمسہ صرف بحالت بیداری عمل کرتے ہیں۔

ایک اور فریق جسے آخری فریق کہنا چاہیے۔ یہ رائے رکھتا ہے کہ نیند کا وقت وہ ہوتا ہے جب جسم میں خون ایک جگہ جمع ہوکر جگر کی طرف منتقل ہونا شروع ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں خواب فاسد معدے کی خرابی کی وجہ سے نظر آتے ہیں اور خوش گوار خواب معدے کے سکون و راحت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

ایک فریق جو مذکورہ بالا ہر فریق سے الگ ہے یہ رائے رکھتا ہے کہ خوش گوار خواب ملکوتی اور بدخوابی شیطانی عمل ہے۔ یہ فریق اپنی رائے کے متعلق مندرجہ ذیل قولِ باری تعالیٰ بطور استدلال پیش کرتا ہے:۔

"انما النجوی من الشیطان لیحزن الذین آمنوا۔"

اس سلسلے میں متعدد اہل علم نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور خوابوں کو مختلف لوگوں کے مزاج سے منسلک بتایا ہے۔ مثلاً بعض لوگوں کے مزاج بلغمی ہوتے ہیں بعض کے سوداوی۔ پھر یہ کہ انسان کی طبیعت پر بہت سی باتیں اثر کرتی ہیں جیسے حالت سکر و سرور، معطر ماحول وغیرہ جو طبع انسانی پر خوشگوار اثر ڈالتی ہے۔

طبعی اثرات پر گفتگو کرنے والے لوگوں میں اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ

غم وغصہ، سکر وسرور، فرحت وانبساط انسان کے جسم میں رواں خون پر اثر انداز ہوتے ہیں نیز خوف و دہشت سے بھی انسان کے خون میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔ ہم نے اس پر اپنی کتاب الرویا والکمال میں تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ یہاں ہم نے اس بحث میں پڑنے سے اس لیے احتراز کیا ہے کہ زیر نظر کتاب کا موضوع تاریخ ہے نہ کہ بحث ونظر۔ ویسے متکلمین اور دوسرے فلاسفہ نے رُوح وبدن کے متعلقات اور اقسام نفس پر سیر حاصل گفتگو کی ہے جن میں حکمائے یونان واسلام دونوں شامل ہیں۔ ہم نے ان موضوعات پر افلاطون وغیرہ کے اقوال کے حوالے سے اپنی دوسری کتابوں "سر الحیات" وغیرہ میں مفصل گفتگو کی ہے۔

کاہنوں کے سطیح و شق

کہانت کے سلسلے میں سطیح وشق کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ عرب میں ربیع ابن ربیعہ بن مسعود بن مازن ذئب[1] بن عدی بن غسان سطیح کاہنان کے نام سے مشہور ہے۔ وہ اپنے جسم کو کپڑے کی طرح موڑ توڑ سکتا تھا یہاں تک کہ سر کی ہڈی کے سوا اس کے سارے جسم میں کسی ہڈی کا نام ونشان بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ربیع ابن ربیعہ کے علاوہ ابن مصعب بن شکران بن اترک بن قیس بن عنقر بن انمار بن ربیعہ ابن نزار شق الکاہنہ کہلاتا تھا اور یہ دونوں ہم عصر تھے۔ اسی طرح جمرۃ الکاہنہ بھی ان دونوں کا ہم عصر تھا۔ اور سملقہ و زدلعہ دونوں ہمعصر ہوئے ہیں، واللہ اعلم۔

---

[1] ایک نسخے میں ذئب کی جگہ ذفیر لکھا ہے (مرتب)

باب (۲۰)

ذکر کاہنان، سیل عرم اور قوم ازد کی مختلف شہروں کی طرف بھاگ دوڑ

ہم پچھلے باب میں کہانت، قیافہ، زجر اور بارح و سانح کا ذکر کر چکے ہیں۔ زیر نظر باب میں اب ہم کچھ باقی ماندہ کاہنوں، سیل عرم اور اولاد سبا کی مختلف شہروں کی طرف بھاگ دوڑ اور وہاں ان کی آبادکاری کا ذکر کریں گے۔

اسد و بانیہ اور ان کا محل وقوع

جب تک اولاد قحطان عیش و آرام میں رہی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے لیکن سبا کی ہلاکت کے بعد سے ان کی حکومت اور اس کے ساتھ ہی راحت و مسرت پہ زوال آگیا۔ وہ صدیوں شہر بہ شہر بھٹکتے اور آوارہ پھرتے رہے۔ ان کے تعیش اور کفر و طغیان کا نتیجہ سبا کی ہلاکت اور سیل عرم کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ ان کی حکومت کا اختتام عمرو بن عمر مزیقیا جو نسبی اعتبار سے درحقیقت عمرو بن عامر بن ماء السماء بن حارثہ غطریف بن ثعلبہ بن امرئ القیس بن مازن بن ازد بن غوث بن کہلان بن سبا تھا اور اس کی جائے قیام ارض یمن میں بلادِ مازن میں تھی۔ یہ سبا کا مقام سکونت تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے اور جس کی قوم پہ عذاب الٰہی سیل عرم کی صورت میں نازل ہوا تھا۔ ارشادِ خداوندی یہ ہے "وانہ، ارسل علی اھلھا سیل العرم۔"

یہ مقام سد کہلاتا تھا اور طول و عرض میں میلوں پھیلا ہوا تھا۔ سد کی بنیاد لقمان اکبر العادی نے ڈالی تھی۔ یہ لقمان بن عاد ابن عاد تھا جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ جب سد پہ عذاب الٰہی سیل عرم کی صورت میں نازل ہوا تو ان کی حکومت اور مال و اموال سب غارت ہو گئے۔ اس سلسلے میں واقعات بیان کرنے والوں میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے اور کہیں کہیں ان کے بیانات متضاد بھی ہیں۔

بلادِ سبا

قدیم مؤرخین لکھتے ہیں کہ سرزمینِ سبا یمن کے شاداب ترین علاقے میں تھی۔ وہاں کے اکثر مقامات پر باغات لگائے گئے تھے جن میں ثمر دار درخت اور پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ شہر خیاباں در خیاباں تھے جن کی شاہراہوں پر دو رویہ درخت لگائے گئے تھے۔ باغات میں سیر کرنے کے لیے لوگ مختلف قسم کی سواریوں میں آتے تھے۔ باغات کی کثرت اور سایہ دار اشجار کی کثرت کا یہ حال تھا کہ ہر شہر کے باشندے دھوپ کی تمازت محسوس ہی نہیں کرتے تھے۔ وہاں کے باشندے بھی ہر طرح کے عیش و آرام میں زندگی بسر کرتے تھے، شادابی و خوشحالی ان کا مقدر تھی، فضا معطر اور پانی مصفا اور کثرت سے تھا۔ جہاں بھی جاؤ لوگ شریف اور با اخلاق نیز مہمان نواز اور متواضع پائے جاتے تھے۔ سدّ و جبال کے پار ایک عظیم دریا تھا جس سے تیس نہریں نکالی گئی تھیں جو سارے علاقے کے طول و عرض میں گھومتی ہوئی بہتی تھیں۔ لوگوں میں علم کا زور شور تھا۔ شہرِ سبا بڑے بڑے حکماء و علماء کا مسکن تھا جہاں دور دور سے لوگ ان کے علم و فضل سے فیضیاب ہوتے اور ان سے اپنے مختلف معاملات میں مشورہ طلب کرنے کے لیے آتے تھے۔ سیلِ عرم سے پہلے جب کبھی وہاں سیلاب آتا تھا تو لوگ سدّ (دیوار) یا پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ لے لیا کرتے تھے اور سمندری طوفان کا پانی انہیں نہروں سے جن سے وہ آتا تھا سمندر ہی میں واپس چلا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں ان لوگوں نے بہت سے بند بھی بنا دیے تھے جو ان سیلابوں سے حفاظت کا آسان طریقہ تھا۔ دریا پر پُل بنائے گئے تھے جن میں بڑے بڑے پھاٹک بنائے گئے تھے، یہ پھاٹک بند اور پانی کی نکاس دونوں کے کام آتے تھے۔ پُلوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی تھی اور اس طرح ان پھاٹکوں کی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

انہدام کی ابتدا

جب ان پر عذابِ الٰہی سیلِ عرم کی شکل میں نازل ہوا تو وہ لوگ سرکشی و تمرّد کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ عیش و آرام نے ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیے تھے چنانچہ جب ان پر مشہور سیلاب آیا تو وہی پُل اور ان کے پھاٹک، بلند و بالا عمارتیں بلکہ جبل در جبل ان کے لیے غرقاب ہو کر عذاب بن گئے۔ اس کے بعد وہاں کے بچے کھچے لوگ بھی اُجڑ کر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ ان کے اس طرح اُجڑنے اور ان کی تباہ حالی کا حال سیلِ عرم کی خبروں کے ضمن میں قریب قریب ہر مؤرخ نے کسی اختلاف کے بغیر لکھا ہے۔

عَرِم

عرم کی تباہی اور وہاں کے باشندوں کی تباہی کے حالات قلمبند کرنے میں کسی مؤرخ نے جیسا کہ ہم نے سطورِ بالا میں بیان کیا کوئی کوتاہی کی ہے نہ خلافِ دیانت کوئی بات لکھی

ہے سیلِ عرم طوفانِ نوح سے کسی طرح کم نہ تھا جب کہ آسمان سے بارش کے تسلسل کے علاوہ تنوروں سے بھی پانی اُبل پڑا تھا، دیارِ سبا کے باشندوں پر جو افتاد پڑی اس نے ان کے دلوں سے اس کی شہرت و عظمت کو بھلا دیا ہے۔

سفّاح کے سامنے قحطانیوں اور عدنانیوں کا اظہارِ مفاخرت

ایک روز اولادِ قحطان میں سے بعض لوگوں نے سفاح کی مجلس میں حمیر و کہلان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے انہیں فخر یہ طور پر اولادِ نزار پر ترجیح دی جن میں نزار بن معد کے خالد بن صفوان وغیرہ بھی شامل تھے اور یہ کہا کہ ان میں سفاح جیسی شجاعت اور اس کا رُعب و دبدبہ نہیں تھا حالانکہ اس کے ماموں بھی بنی قحطان میں سے تھے۔ اس مجلس میں خالد بن صفوان بھی موجود تھا۔ سفاح نے اس سے کہا: "خالد بن صفوان! تم کیا کہتے ہو؟ کیا واقعی قحطانیوں کو عدنانیوں پر ان کے اوصاف کے لحاظ سے ترجیح حاصل ہے جس پر عدنانی فخر کر سکیں؟" یہ سُن کر خالد بن صفوان بولا! میں ایسی قوم کے بارے میں کیا کہہ سکتا جن میں یا تو چمڑے کی دباغت کرنے والے تھے یا جُلاہے (چادریں بُننے والے) اور سائیس، گدھوں پر سواری کرنے والے اور بھٹی جھونکنے والے جنہیں شہسواری کی ابجد بھی نہیں آتی تھی حتیٰ کہ ان پر ایک عورت حکمرانی کرتی تھی۔" خالد بن صفوان کا اشارہ اس زمانے کی طرف تھا جب یمن کی حکمران ایک عورت تھی اور یمن پر حبشہ کے رہنے والوں نے چڑھائی کر دی تھی۔

شعرِ عرب میں عرم کا ذکر

عرب کے شاعروں نے اکثر عرم کی شادابی، اس کے باغات اور مرغزاروں نیز آب و ہوا کی تعریف کی ہے۔ یہ جگہ پہلے مارب کہلاتی تھی اور صدیوں اسی نام سے مشہور رہی لیکن سبا کے دورِ حکومت میں اس کے مذکورہ بالا اوصاف کی وجہ سے اسے عرم کہا جانے لگا اور یہ جگہ تا حال اسی نام سے یاد کی جاتی ہے۔

طولِ عمر و عمرِ لُبد

ہم نے اپنی کتاب اخبار الزمان میں اس بادشاہ کا ذکر کیا ہے جو اپنے حسن و جمال، سیرت و کردار اور طولِ عمری کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس کی عمر لُبد سے بھی زیادہ تھی۔ بنی نسر کی طوالتِ عمر اور ان کے قد و قامت سارے عرب میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا ذکر شعرائے عرب میں خزرجی وغیرہ نے اپنے اشعار میں بھی کیا ہے خصوصاً انہوں نے جہاں تہاں قعقاع بن حکیم کے غلام معاذ بن مسلم ابن رجاء کی طولِ عمری کا حوالہ دیا ہے۔

طوالتِ عمر کی وجہ اور اس میں کمی کے اسباب

اللہ تعالےٰ نے تخلیقِ کائنات کے بعد نوعِ انسانی

کی تخلیق اس طرح فرمائی کہ اس میں بھرپور قوت رکھتے ہوئے اس کے اعضا و جوارح بھی فطری طور پر قوی بنائے تھے۔ نوعِ انسانی جب تک کھُلی فضاؤں اور پہاڑی علاقوں کی صاف آب و ہوا میں رہتی رہی وہ قدآور مضبوط و توانا رہی اور اسی وجہ سے اس نے طویل سے طویل عمر پائی جس کا ذکر ہم اس کتاب کے علاوہ اپنی دوسری کتابوں میں بھی متعدد مقامات پر کر چکے ہیں لیکن انسان نے شہر آباد کر کے آراستہ و پیراستہ مگر آب و ہوا کے لحاظ سے مختصر مکانوں میں رہنا شروع کیا اور اس کے علاوہ وہ راحت و آرام کا عادی ہوا تو اسی نسبت سے اس کی عمر مختصر سے مختصر ہوتی چلی گئی اور اسی نسبت سے اس کے بدن اور اعضا و جوارح میں پہلی سی قوت بھی باقی نہ رہی۔

ہم سیل عَرِم اور دیارِ سبا کا ذکر کرتے کرتے عمر کی طوالت اور اس میں کمی کے اسباب بیان کرنے لگے ہیں، اس کی وجہ بنی لنسر کی طول عمری کا ذکر ہے جس کا بیان ابھی سطور بالا میں ہوا ہے اور جن کا تعلق انہیں مقامات سے تھا اور ان کا آخری بادشاہ عمرو بن عامر تھا۔

ذکر سبا کی طرف مراجعت

سرزمین سبا میں اس شادابی و خوش حالی کے دَور میں سب سے پہلی بلا جو اس رشکِ فردوس سرزمین پر نازل ہوئی وہ سیلِ عَرِم تھی۔ اس زمانے میں سبا کا حکمران عمرو بن عامر مزلیقیا تھا۔ جس کا ذکر اس باب میں پہلے آچکا ہے۔ اس کے زمانے میں وہاں اس کے بھائی بندوں میں سے ایک بڑا کاہن عمران تھا اور ایک کاہنہ بھی تھی جو "طریقہ الخیر" کہلاتی تھی، اس کا تعلق بنو حمیر سے تھا۔ سیلِ عَرِم کی پیشگوئی سب سے پہلے کاہن عمران نے اپنے قریبی عزیز عمرو بن عامر کے سامنے کر دی تھی لیکن عمرو بن عامر کے زمانے میں اس وقت تک سیلِ عَرِم نہیں آیا بلکہ اس کے بعد آیا۔ مزلیقیا اپنی قوم کا سب سے زیادہ تشدد پسند حکمران تھا اور گمراہ بھی جس کی تفصیلات کا علم خدا ہی کو ہے۔

کاہنہ طریفہ

کاہنہ طریفہ نے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ایک رات عجیب خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ سرزمین سبا پر گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے، بادل گرج رہے ہیں اور بجلی چمک رہی ہے۔ یہ کیفیت اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر اس نے دیکھا کہ بجلی کڑک کڑک کر جگہ جگہ گر رہی ہے اور ہر چیز کو جلاتی چلی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ پانی بھی ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہا ہے لیکن جو چیزیں جل رہی ہیں وہ برابر جلتی چلی جا رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر طریفہ کی سوتے میں چیخ نکل گئی۔ وہ بیدار ہوئی اور پھر کئی راتوں تک سو نہ سکی۔ اس حالت کو بیان کرتے ہوئے اس نے خود کہا تھا کہ اس خواب نے اس کی نیند اچاٹ کر دی تھی اور اس پر جو خوف

طاری ہوا تھا وہ ناقابل بیان تھا۔ جو چیزیں جل گئی تھیں انہیں پانی کی رَد غرق کرتی چلی جا رہی تھی۔ اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ عمرو بن عامر مزیقیا اپنے قصر سے نکل کر ایک باغ میں پہنچا وہ بھی اپنے دروازے سے نکل کر اس کے ساتھ ہو لی لیکن وہ باغ اس وقت تک خلیج بن چکا تھا۔ عمرو بن عامر کے ساتھ اس کے دو ساتھی بھی تھے وہ چلتے چلتے سد تک جا پہنچے لیکن پانی بڑھتے بڑھتے ان پہاڑوں تک جا پہنچا تھا جن پر وہ اب چڑھ رہے تھے۔ عمرو بن عامر طریفہ سے سوال کرتا جا رہا تھا اور ہر بڑھتی ہوئی آفت کے بارے میں وہ اسے بتاتی جا رہی تھی۔ عمرو بن عامر نے آخر میں اس سے دریافت کیا کہ ان سب باتوں کا علم اسے پہلے سے کس طرح ہو گیا تھا تو اس نے اپنے خواب کے ذکر کے علاوہ اسے بتایا کہ اس کے کچھ بزرگ جو کہانت کے ماہر تھے کئی بار خواب کی حالت میں اسے تنبیہ کرتے ہوئے ان حالات سے آگاہ کر چکے تھے۔ اس نے یہ بھی بیان کیا کہ اس نے حالتِ خواب میں اپنے ہاتھوں میں بطحا کی خشک مٹی دیکھی تھی اور ایسا مقام بھی جہاں سُورج کی روشنی پہنچتی تھی نہ ہوا کا گزر تھا۔ عمرو بن عامر نے اس سے پوچھا تھا کہ ہم وہاں کب تک جائیں گے تو اس نے سات سال کا عرصہ بتایا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عمرو بن عامر مزیقیا نے سیلِ عَرم اور اس کی تباہی کا حال بہت پہلے خواب میں دیکھ لیا تھا اور وہ سرزمینِ سبا سے نکل آیا تھا۔ اس کے ہمراہ غسانیوں کے علاوہ اوس و خزرج وغیرہ کے بہت سے لوگ بھی تھے۔

سرزمینِ سَبا کے حکمران قبل سیلِ عَرم اور قومِ مارب کی عبادات

سرزمین مارب یا سرزمین مارب کے حکمرانوں کا ذکر

سطورِ بالا میں آ چکا ہے۔ قوم سبا یا قوم مارب میں اللہ تعالیٰ نے کئی پیغمبر بھیجے جنہوں نے ان کی اصلاح کی کوشش کی۔ وہ قوم سُورج کی پرستش کرتی تھی۔ پیغمبروں نے خدائے واحد کو ماننے اور اس کی عبادت کی تلقین کی۔ انہوں نے انہیں خدا کی نعمتوں کی طرف بھی متوجہ کیا جو اللہ تعالےٰ نے انہیں دے رکھی تھیں۔ لیکن وہ ضدی قوم ان کی بات ماننے پر تیار نہ ہوئی بلکہ یہ کہنے لگی کہ جن نعمتوں کے خداداد ہونے کا وہ یقین دلاتے تھے وہ خود انہوں نے اپنی محنت اور اپنے زورِ بازو سے حاصل کی ہیں وہ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ چیزیں اور مال و متاع اگر انہیں اس خدا نے دیا ہے جس کی پرستش پر وہ زور دیتے ہیں تو وہ اس خدا سے کہیں کہ وہ سب نعمتیں وہ ان سے چھین کر دکھائے اور جب وہ کسی طرح راہِ راست پر نہ آئے تو اللہ تعالےٰ نے ان پر سیلِ عرم کی شکل میں عذاب

نازل فرمایا اور ان کے سرسبز و شاداب شہر، بلند و بالا عمارتیں، قصر و ایوان بھرے پڑے بازار اور مال و زر سب کے سب چشم زدن میں تباہ و برباد ہو کر رہ گئے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے پیغمبروں کی طرف رجوع کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ خدا سے دُعا فرمائیں کہ وہ ان کی نعمتیں اور ان کی سرزمین کی شادابی بحال فرما دے۔ انہوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اس کے بعد صرف خدائے واحد کی عبادت کیا کریں گے۔ چنانچہ پیغمبروں کی دُعا سے خدا نے ان کی ساری چیزیں انہیں از سرِ نو عطا فرما دیں لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے بلکہ احسان فراموشی کی حد کرتے ہوئے اور زیادہ کفر کی طرف مائل ہو گئے۔ خدا نے ان کو پہلی سی خوشحالی اس وقت دی تھی جب وہ اپنے قدیم ملک سے اُجڑ کر سرزمین فلسطین میں جا بسے تھے اور مفلوک الحال تھے۔

ان کا کاہن سطیح

ان میں پہلی بار کہانت کا آغاز سطیح غسّانی سے ہوا تھا جس کا قصہ بڑا طویل ہے ہم نے اس کا تفصیلی ذکر اپنی ایک پچھلی کتاب "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں کیا ہے۔

باب (۲۱)

عرب و عجم کے مہینے اور ان میں اتفاق و اختلاف

عرب ہو یا عجم دونوں جگہ ایک سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں۔

یہاں مختلف ملکوں اور اقوام کے سنوں، مہینوں اور دنوں کا ذکر کریں گے یعنی عرب و فارس اور سُریانی و رومی اور قبطیوں نے ان کا کیا حساب رکھا ہے اور یونانیوں نے ان کے بارے میں کیا رائے دی ہے اور کیا فیصلہ کیا۔ البتہ ہم یہاں اس ضمن میں یہ ذکر نہیں چھیڑیں گے کہ ہندیوں نے ان کے بارے میں کیا حساب لگایا ہے اور یہ کہ چینیوں اور کشمیریوں نے ان سے اختلاف کیا ہے یا اختلاف نیز یہ کہ بنی نوع انسان میں جمہور کا کس حساب پر اتفاق ہے۔

سب سے پہلے ہم اس سلسلے میں قبطیوں کو لیں گے جو اس موضوع پر سریانیوں سے متفق ہیں۔ اس کے بعد ہم رومیوں کے سنین و شہور و ایام کے ساتھ سُریانیوں کے سنین و شہور و ایّام سے ان کی موافقت کا ذکر کریں گے۔ پھر عرب کے سنین و شہور و ایّام کا ذکر آئے گا۔ اس کے بعد ہم فارس کے سنوں اور دنوں کا ذکر کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ انہوں نے اپنے سن، مہینے اور دن کس طرح مقرر کیے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم بطور تقابل عرب کے انہیں سنوں، مہینوں اور دنوں کا دوبارہ ذکر کریں گے اور انشاء اللہ بتائیں گے کہ انہوں نے شمس و قمر کے تاثر کو کس طرح جملہ عالم میں پائے جانے والے حیوانات و نباتات و جمادات پر منطبق کیا ہے اور اپنے ایام ولیالی کے نام کس مناسبت سے رکھے ہیں۔ وَمَا تَوْفِيْقِي اِلَّا بِاللّٰهِ۔

قبطیوں اور سُریانیوں کے مہینے اور ان کے ناموں میں تاریخی اختلاف

قبطیوں کے مہینے اور سُریانیوں کے مہینوں سے ان کا تقابل

پہلا سریانی مہینہ توت ہے جسے ایلول بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد بابہ ہے جو تشرین اوّل ہے۔ پھر ہاتور ہے جو تشرین ثانی ہے۔ اس کے بعد کیہک ہے جسے کانون اوّل کہا جاتا ہے، پھر طُوبہ ہے جو کانون ثانی کہلاتا ہے۔ پھر امشیر یا شباط ہے، پھر برمہات یا آذار آتا ہے۔ اس کے بعد برمودہ ہے جو نیسان کہلاتا ہے، پھر بشنس یا ایار آتا ہے۔ اس کے بعد بوؤنہ ہے جو حزیران کہلاتا ہے، پھر اُبیب یا تموز آتا ہے۔ اس کے بعد مسری آتا ہے جو آب کہلاتا ہے۔

قبطی ان مہینوں کے دنوں میں پانچ دن کا اضافہ کر لیتے ہیں اور انھیں "عجیاء"[1] کہتے ہیں۔ ویسے ان کے ایک سال میں تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں جو ان پانچ دن کے اضافے سے ۳۶۵ دن ہو جاتے ہیں۔

قبطیوں کا سَن

قبطیوں کے سَن کا پہلا دن ان کے حساب سے ۲۹ واں دن ہوتا ہے یہ آب کے مہینے میں آتا ہے۔ اس کا ان کا یہ مہینہ عموماً ۲۸ دن کا ہوتا ہے جس کے بعد دوسرا مہینہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس طرح قبطیوں کے سال میں ۳۶۰ دن ہوتے ہیں جن پہ وہ پانچ دن کا اضافہ کرتے ہیں بالکل اسی طرح اہلِ فارس بھی کرتے ہیں لیکن ان کے ہاں توت اوّل آذر ماہ ہوتا ہے اور اس کے بعد ان کے مہینے قبطیوں کے مہینوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ یہ بات کتاب نجوم زیجات میں ہے۔

اہلِ مصر اور سارے قبطی اس زمانے میں یعنی ۳۳۲ ہجری میں اپنے مہینوں کا حساب اس کے بالکل برعکس لگاتے ہیں جس کا ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں۔ وہ آج کل سریانیوں کی طرح ہر سال کے دنوں میں چار دن کا اضافہ کرتے ہیں۔ وہی اس کے خلاف جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قبطیوں اور اہلِ فارس میں موافقت پائی ہے، عمل کرتے ہیں اور ان کا حساب قبطیوں کے برعکس سریانیوں سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔ قبطیوں کا حساب سال کے دنوں کے سلسلے میں

---

[1] بعض نسخوں میں عمیاء کی جگہ عمائہ لکھا ہے (مرتّب)

جو کتاب مجسطی میں تحریر ہے اس کی ابتدا بخت نصر نے کی تھی، اس لحاظ سے ان کے سال کا پہلا دن "یوم الاربعاء" (یعنی بدھ) کہلاتا ہے۔

مبدائے تواریخ

اگر تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو بطلیموس کی کتاب "زیج" قبطیوں کے سال کا پہلا دن یکشنبہ یا اتوار لکھا ہے۔ ویسے بخت نصر اور یزدجرد کے زمانے میں فارسی تاریخ کے لحاظ سے ۳۹۹ سال اور تین مہینے کا فصل ہے جب کہ فیلقوس یونانی اور یزدجرد ایرانی کے زمانوں میں ۹۵۵ سال اور تین مہینے کا فصل پایا جاتا ہے۔ اگر یزدجرد اور سکندر کے زمانوں کو دیکھا جائے تو دونوں میں ۹۴۲ سال کا فرق پایا جاتا ہے جب کہ رومیوں کے سال اور سکندر کے تاریخی سال میں صرف ۲۵۹ دن کا فصل ہے جب کہ سن ہجری اور سن یزدجرد میں ۳۶۲۴ دن کا فصل ہے۔ بہرکیف سنین کا حساب لگانے کے لیے پہلے تاریخ بخت نصر اس کے بعد تاریخ فیلقوس، پھر اس کے بیٹے سکندر کی تاریخ، اس کے بعد تاریخ ہجرت اور آخر میں یزدجرد کی تاریخ کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

جملہ تواریخ کی ابتداء

تاریخ عرب کا پہلا سال رسولِ عربی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکے سے مدینے کو ہجرت کے دن سے شروع ہوتا ہے اور اس سال کا پہلا دن یوم الخمیس (یعنی جمعرات) تھا جب کہ اہلِ فارس کا پہلا تاریخی سال اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب یزدجرد بن شہریار بن کسریٰ پرویز فارس کا بادشاہ تھا۔ ان کے سال کا پہلا دن یوم الثلاثا (منگل) تھا۔

رومیوں اور سُریانیوں کا پہلا تاریخی سن سکندر کے زمانے سے شروع ہوتا ہے اور اس کا پہلا دن یوم الاثنین (دوشنبہ یا پیر) تھا۔ باقی حقیقت کا علم اللہ تعالےٰ کو ہے۔

باب (۲۲)

سُریانی مہینے، عربی مہینوں سے ان کی مماثلت اور موسموں کی پہچان

مہینے اور ہر مہینے کے دن سریانی میں اوّل اوّل ہر مہینے کے اور ہر سال کے دنوں کا حساب یوں تھا کہ ہر سال کے ۳۶۵ دن ہوتے تھے اور ان میں ایک چوتھائی دن کا اضافہ کیا جاتا تھا۔ مہینوں کے دنوں کا حساب یوں تھا کہ ماہ نیسان کے ۳۰ دن، ماہ ایار کے ۳۱ دن ماہ حزیران کے ۳۰ دن مگر اس مہینے کی راتوں کا حساب سورج کے شمال کی جانب جھکنے سے لگایا جاتا تھا اور وہ راتیں ۳۸ راتوں تک جا پہنچتی تھیں۔ یہاں دنوں اور راتوں کا اوسط نکالا جاتا تھا جو ہندیوں کے حساب سے ملتا جلتا تھا۔ سورج جب شمال کی طرف راجع ہوتا تھا تو وہ دن یہاں بھی ہندی دن کی طرح سال کا سب سے طویل دن ہوتا تھا۔ ماہ تموز کے ۳۱ دن ہوتے تھے اور ماہ آب کے بھی ۳۱ دن شمار کیے جاتے تھے۔ جب ماہ آب کا آخری دن (سلخ) آتا تھا تو گرمی کا موسم بالکل ختم ہو جاتا تھا۔ اس خوشگوار موسم کی کیفیت محمد بن عبدالملک "الزیات" نے اپنے ایک شعر میں یوں بیان کی ہے:۔

"پانی خنک، رات سہانی اور شراب لذیذ ہوگئی ہے
حزیران و تموز جا چکے ہیں اور اب ماہ آب بھی جارہا ہے"

ماہ ایلول کے ۳۰ دن شمار کیے جاتے تھے جن میں سے پانچواں دن "عید ذکریا" کہلاتا تھا۔ اس مہینے کا تیرھواں دن "عید صلیب" کہلاتا تھا جو درست حساب سے جس میں گزشتہ ماہ کا آخری دن بھی شمار ہوتا تھا درحقیقت چودھواں دن ہوتا تھا۔ اس روز اور مہینے کے باقی دنوں میں خصوصاً بیسویں دن جیسا کہ ہم اپنی ایک دوسری کتاب میں بیان کر چکے ہیں رات اور دن برابر ہو جاتے تھے۔

ابونواس کہتا ہے :-

"ایلول گزر گیا ، گرمی ختم ہوئی ! ایلول کی جھلسانے والی گرمی ٹھنڈی پڑ گئی"

مہرجان کے نام کا راز تشرین اول ۳۱ دنوں کا ہوتا تھا ، ماہ مہرجان بھی اسی تشرین کے زمانے میں آتا تھا - مہرجان اور نوروز میں ۱۶۹ دن کا فصل ہوتا تھا - اہل فارس کے نزدیک مہرجان کا نام ان کے ایک قدیم بادشاہ کے نام پر پڑا تھا جس کے ظلم و ستم سے عوام و خواص میں کوئی بھی محفوظ نہ تھا - اس لیے اہل ایران اس بادشاہ کو مہر یعنی سورج کہتے تھے جس کی تمازت اس مہینے میں حد سے گزر جاتی تھی - اس بادشاہ کو اس نام سے منسوب کرنے کے ساتھ ساتھ اس حد درجہ گرم مہینے کو اہل ایران نے مہرجان کہنا شروع کر دیا تھا ، مہرجان یعنی مہر صفت یعنی سخت گرم - اس بادشاہ کی موت بھی جس نے بڑی طویل عمر پائی تھی اس مہینے کے درمیانی دن واقع ہوئی تھی - اس کے بعد یہ مہینہ مہرماہ کہلانے لگا جس کے دونوں لفظ اہل فارس نے عربی لغت کے برعکس مقدم و موخر کر دیے ہیں جوان کی قدیم زبان پہلوی کے مطابق ہے - عراق میں کچھ علاقوں کے لوگ اور تمام عجمی لوگ اس دن کو گرمی کے موسم کا پہلا دن سمجھتے ہیں - اس مہینے میں وہ ہلکا پھلکا لباس پہننا شروع کر دیتے ہیں اور جملہ فرش فروش اور دوسری استعمال میں آنے والی اشیاء بھی موسم کے لحاظ سے بدل جاتی ہیں اس مہینے کے پانچویں دن جس سے تشرین اول شروع ہوتا ہے بیت المقدس میں "عید کنیسہ القیامہ" منائی جاتی ہے جو نصرانیوں کا خاص تہوار ہے ، اس روز ساری دنیا کے عیسائی بیت المقدس میں آکر جمع ہوتے ہیں - نصرانیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس رات کو آسمان سے آگ اترتی ہے جس سے بیت المقدس کے بڑے کلیسا کی شمع روشن ہوتی ہے -

نصرانیوں کی اس عید کے عجیب و غریب مناظر دیکھنے کے لیے مسلمان بھی بڑی کثیر تعداد میں اس روز بیت المقدس میں جمع ہو جاتے تھے - اس روز رات کے وقت زیتون کی شاخیں روشنیوں سے جگمگا اٹھتی تھیں - اس عید کے سلسلے میں قوم نصاریٰ میں بہت سی کہانیاں مشہور ہیں - رات کے وقت آگ کا آسمان سے اتر کر بڑے کلیسا کی شمع کو روشن کرنا بھی ان کے نزدیک معجزات میں شمار ہوتا ہے اور وہ اس کے بارے میں بہت سے دلچسپ قصے سناتے ہیں - اس کے اسباب جو بیان کیے جاتے ہیں ان کا ہم اپنی ایک دوسری کتاب "التقاضا والتجارب" میں ذکر کر چکے ہیں -

تشرین ثانی کے سریانیوں میں ۳۰ دن شمار کیے جاتے تھے ، اسی طرح وہ کانون اول کے بھی ۳۰ دن گنتے تھے جس کا انتیسواں دن پونے آٹھ گھنٹے کا ہوتا تھا جو سال کا چھوٹے سے چھوٹا

دن سمجھا جاتا تھا اور رات سوا چودہ گھنٹے کی ہوتی تھی جو سال کی طویل ترین رات سمجھی جاتی تھی۔ تشرین ثانی کی پچیسویں شب کو عید میلاد مسیح علیہ السلام منائی جاتی تھی۔

کانون ثانی کے ۳۱ دن ہوتے تھے جس کا پہلا دن "القلندس"[1] کہلاتا تھا۔ شام کے نصرانی اسے عید کے طور پر مناتے ہیں اور وہاں بھی گرجوں میں وہی آگ کی رات والی رسوم ادا کی جاتی ہیں جن کا ذکر ہم سطور بالا میں کر چکے ہیں۔ یہ رسوم انطاکیہ کے شہر میں بھی پوری کی جاتی ہیں جہاں عیسائیوں کا مقدس کلیسا قیسان واقع ہے۔ یہ عید میلاد مسیح علیہ السلام شام کے علاوہ مصر، بیت المقدس بلکہ ان تمام شہروں میں منائی جاتی ہے جہاں نصرانی کثرت سے آباد ہیں۔ انطاکیہ میں اس روز بڑی خوشی منائی جاتی ہے۔ دعوتیں ہوتی ہیں جن میں فواکہات پیش کیے جاتے ہیں اور مشروبات کے جام لنڈھائے جاتے ہیں۔ انطاکیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ عیسائیت کی تشہیر کی ابتدا اس شہر سے ہوئی تھی۔ یہاں نصرانیوں کے بطریق اعظم کا مرکز ہے۔ یہ بطریق نصرانیوں میں حد سے زیادہ دیانت دار سمجھا جاتا ہے۔ نصرانی انطاکیہ کو "اللہ کا شہر" کہتے ہیں اور اسے بادشاہ کا شہر اور ام المدن (شہروں کی ماں) بھی کہا جاتا ہے کیونکہ جیسا ہم نے ابھی بیان کیا نصرانیت کی ابتدا اس شہر سے ہوئی تھی۔

نصاریٰ کے بطریق

نصرانیوں کے بطریق یا لاٹ پادری چار ہوتے ہیں یا ہیں۔ ایک تو روم کے شہر کا مذہبی حاکم کہلاتا ہے، دوسرا شہر قسطنطنیہ کا جو اقس یعنی سب سے بڑا پادری ہوتا ہے، قسطنطنیہ کا پہلا یا قدیم نام بوزنطیا تھا۔ نصرانیوں کا تیسرا لاٹ پادری اسکندریہ میں رہتا ہے اور وہاں کا مذہبی حاکم سمجھا جاتا ہے۔ ان کا چوتھا لاٹ پادری انطاکیہ میں رہتا ہے اور وہاں کا مذہبی حاکم ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا عیسائیت کی ابتدا انطاکیہ سے ہوئی تھی اس لیے عیسائیوں کا سب سے بڑا پادری پہلے وہیں رہتا تھا اور اسے سب سے بڑا پادری سمجھا جاتا تھا۔ نصرانیوں کے ان عہدوں کی ایک کرسی اب بیت المقدس میں بھی ہے جو زمانۂ قدیم میں نہیں تھی۔ یہ ایلیا کے لیے رکھی گئی جو بیت المقدس اور اس کے قریب فلسطین کے ایک دوسرے مقام کورہ کے لیے تھی اور ایلیا کے نام کی وجہ سے بیت المقدس کے پادری کو تعظیماً اسقف اعظم کہا جاتا تھا۔

نصرانیوں کے کلیسا

نصرانیوں کے کلیساؤں میں ایک کلیسا انطاکیہ میں ہے جو عام عیسائیوں

---

[1] ایک نسخے میں "الغطاس" لکھا ہے (مرتب)

میں کنیسہ پولس کے نام سے مشہور ہے لیکن انطاکیہ والے "دیر البراغیث" کہتے ہیں۔ یہ کلیسا فارس کی سرحد پر واقع ہے۔ ایک دوسرا کلیسا "اشمونیت" کہلاتا ہے جہاں نصرانیوں کی بڑی عید ہوتی ہے۔ ایک اور کلیسا "کنیسہ بر بارا" ہے جسے کنیسہ مریم بھی کہتے ہیں، یہ کلیسا مدورہ میں ہے۔

اس کلیسا کی عمارت اپنی پختگی اور بلندی کی وجہ سے دُنیا کے عجائبات میں شمار ہوتی ہے۔ اس کلیسا کے سنگِ مرمر اور سنگِ رخام جو عمارت کے قریب فالتو رہ گئے تھے انہیں ولید بن عبد الملک بن مروان عجوبۂ روزگار سمجھ کر سمندری راستے سے جامع مسجد دمشق کے لیے دمشق کے ساحل تک لے گیا تھا لیکن اس کلیسا کی عمارت جو مرورِ ایّام سے باقی رہ گئی ہے اب بھی حیرت ناک ہے۔

کنیسہ اشمونیت کی یہودیوں کے ہاتھوں بربادی کے عجیب و غریب قصے مشہور ہیں، البتہ یہ واقعہ درست ہے کہ روم کے علاوہ انطاکیہ پر یہودیوں کے تسلط کے بعد اس شہر کی رونق اور شادابی بھی وہاں سے رُخصت ہوگئی تھی۔ یہودیوں نے کنیسۂ اشمونیت کو منہدم کر کے اپنے حکمران کے لیے اس جگہ "دار الامیر" تعمیر کیا تھا۔ یہودیوں نے کئی حیلوں بہانوں سے انطاکیہ میں قتل عام کر کے لاکھوں عیسائی قتل کر ڈالے تھے۔

اس سے قبل ہم بطرس و بولس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوسرے حواریوں کا ذکر کر چکے ہیں جو یہودیوں سے جان بچانے کے لیے ادھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے۔ ہم اس بادشاہ کا ذکر بھی کر چکے ہیں جس نے انطاکیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کا نام انطیخش تھا۔ رومی انطاکیہ کا نام پہلے پہلے اسی کے نام سے انطیخش پڑا تھا لیکن جب مسلمانوں نے اس شہر کو فتح کیا تو اس نام کے باقی حروف حذف کر کے اسے انطاکیہ رہنے دیا اور اب وہ اسی نام سے مشہور ہے۔

نصرانیوں کی حکمرانی کی اور دوسری تاریخ سے جو اس وقت تک یعنی سن ۳۳۲ ہجری تک لکھی گئی ہے اس کی رُو سے ولادت مسیح علیہ السلام کو اب تک ۹۴۰ سال ہو چکے ہیں، سکندر کے زمانے سے اب تک ۱۲۵۸ سال اور سکندر کے زمانے سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ولادت تک ۳۶۹ سال گزر چکے تھے۔

یہ سب کچھ اس تاریخی کتاب کے اندراجات ہیں جو انطاکیہ کے کنیسہ قیسان کی ملکیت ہے۔

اب ہم اس تاریخی سلسلے کی باقی باتیں آگے چل کر اس باب میں بیان کریں گے جو ہم نے ان کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔

ان کے مہینے اور دِن | اب ہم پھر ان کے مہینوں اور دنوں کی طرف آتے ہیں۔ ان کے حساب سے

"شباط" کے ۲۸ دن اور تیرہ سن بیچے لبعد دیگرے آتے تھے۔ "رابعہ کبیسہ" ۲۹ دن ہوتے تھے۔ان کا سن ۳۶۶ دن کا ہوتا تھا لیکن جمرۂ اولیٰ میں سات دن نکال دیتے تھے اور اسے "جُبۃ" کہتے تھے۔ جمرۂ ثانی میں ۲۴ رکھ کر باقی دن نکالے جاتے تھے اور اسے "زُبرہ" کہتے تھے۔ جس مہینے میں کُل ۲۱ دن رکھے جاتے تھے اسے "صُرفہ" کہتے تھے اور ایام سرما میں شمار کر لیتے تھے۔ "ایّام عجوز" کے آخر سے تین دن نکالے جاتے تھے لیکن "آذار" کے پورے ۳۱ دن شمار کیے جاتے تھے۔ اس کے شروع سے "ایام عجوز" پورے کرنے کے لیے چار دن نکالے جاتے تھے۔ ان سات ایام عجوز کو عرب صِنّا، صَنبرّا، وبرا، آمرا، مُوتمرا، مُعَللا اور مُصطفی الجمر کہنے لگے ہیں۔

ماہ آذار کے پندرھویں ان کے حساب سے برابر ہو جاتے تھے کیونکہ انھی کے حساب سے سُورج اس روز برُج حمل میں چلا جاتا ہے۔ اب ساری دُنیا میں یہی رواج ہے جب رات اور دن برابر ہوتے سمجھے جاتے ہیں۔ ابو نواس کہتا ہے

"کیا دیکھتے نہیں کہ سُورج بُرج حمل میں چلا گیا ہے دُنیا کا وزن (رات دن) برابر ہو گیا ہے"

رُومیوں کے مہینے

رومیوں کے مہینے تعداد میں سُریانیوں کے مہینوں کے برابر ہوتے ہیں رومیوں کا پہلا مہینہ یوا ریوس کہلاتا جو کانون ثانی میں شمار کیا جاتا ہے

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ان کا پہلا مہینہ قلندس ہوتا ہے۔ پھر شباط قبرار یوس، آذار مارتیوس، نیسان ابریلیس، ایّار مایوس حزیران یونیوس، تموز یولیوس، آب اغسطوس، ایلول سِتمبر، تشرین اوّل اکتوبر تشرین ثانی یعنی نومبر اور کانون اوّل یعنی دسمبر آتے ہیں۔

باب (۲۳)

اہل فارس کے مہینے

مہینوں کے نام اور ان کے دن

اہل فارس کے سارے مہینے تیس دن کے ہوتے ہیں۔ ان کا پہلا مہینہ فرودین ماہ کہلاتا ہے جس کا پہلا دن نوروز اور روز مہرجان کے درمیان ۱۶۷ دن کا فصل ہے۔ اہل فارس کے سال کا دوسرا مہینہ اُردیبہشت ہے، پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے خرداد ماہ، تیرماہ، تیرروز (جس میں روز مہرجان پڑتا ہے) آبانماہ (جس میں روز آبان پڑتا ہے) اور عید آبان گاہ آتی ہے اور اس کے آخری پانچ دن ایام فرودجان کہلاتے ہیں)، آذر ماہ کے پہلے روز سے دس روز تک ماتمی جلوس نکلتے ہیں جو فارس سے عراق تک جاتے ہیں جس کی وجہ عجمیوں اور اہل عراق کے سوا اہل شام، اہل جزیرہ یا مصر و یمن کے لوگوں میں سے کوئی نہیں جانتا۔ ان ایام میں اہل فارس کے لیے یا دوسرے تازہ پھل اور پرندوں کا گوشت کھاتے ہیں یا ٹھنڈے مشروبات استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس مہینے میں گرمی زیادہ پڑتی ہے اور وہ لوگ پھر بھی "ہائے گرمی ہائے گرمی" اور "ہائے پیاس ہائے پیاس" کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد عجمیوں کی جو عید آتی ہے اس پر وہ لوگ حد درجہ خوشی مناتے ہیں یہ ایام سرور و مسرت ان کے سال کے آخری مہینوں اذرخش، دیماہ، بہمن ماہ اور اسفندیارمز ماہ تک چلتے ہیں۔ اس طرح اہل فارس کے سال کے بارہ مہینوں کے ۳۶۵ دن گزر جاتے ہیں۔

باب (۲۴)

ایامِ اہل فارس کی وجہ تسمیہ

اہل فارس نے اپنے مہینوں اور دنوں کے نام مندرجہ ذیل شخصیتوں سے منسوب کر رکھے ہیں جنہیں وہ خوش بختی اور نحوست کی علامات سمجھتے ہیں۔

ہرمز و بہمن و اُردی بہشت، شہریور و اسفندیار، خرداد و مرداد و دیبا زرد آذر و آبان و خورشید (خور) و ماہ و تیر و جوش و دبہ و مہر و دل اور اسروش و فروردین بہرام و رام۔ ایک فارسی شاعر نے عربی میں کہا ہے ؎

شعر ہماری دائمی لذت و (مسرت) یوم سبت اور یوم رام پر منحصر ہے

ان ایام کی خصوصی علامتیں یہ ہیں:۔

وباد و دیبا دین، آذر و اشتاد، آسمان و داماد، ماد و سفند اور ایزان۔ یہ علامتیں قدیم اہل فارس نے کچھ اپنے قدیم اسلاف سے اور کچھ قدیم ہندی رسوم و روایات سے لی ہیں۔ اہل فارس (ایران) کی طرح عربوں میں بھی قدیم زمانے میں پانچ دن خوش بختی یا نحوست کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:۔

البریر، البعیر، قالب الفہر، حافل الصرع اور مدحرج البعیر[1]

اہل فارس ایک سو بیس سال کے فصل سے دنوں کی بھلائی اور نحوست کا اندازہ کرتے اور ہر سال کا پہلا دن نوروز رکھتے ہیں۔

---

[1] ایک نسخے میں "مزحرج البعیر" لکھا ہے (مرتب)

باب (۲۵)

عربوں کے مہینے، دن اور ان کے نام

عربوں کے مہینوں کے نام

عربوں کے سال کا پہلا مہینہ محرم ہوتا ہے اور سال کے جملہ دن ۳۵۴ شمار ہوتے ہیں جو سریانی دنوں سے سوا گیارہ دن کم ہیں۔ یہ فرق ہر ۳۳ سال کے دنوں کا حساب کرنے سے پڑ جاتا ہے۔ ہر مہینے کے آخری دن کے لحاظ سے بھی دونوں میں یہ فرق واضح ہے۔ عربی دنوں میں نوروز بھی نہیں ہوتا۔ عربوں کے ہاں ہر تیسرے سال ایک مہینہ آتا تھا جسے وہ نسئ یا "تاخیر" کہتے تھے۔ ان کے اس فعل کی اللہ تبارک و تعالیٰ نے مذمت کی ہے (انما النسئ زیادۃ فی الکفر) عربوں کا پہلا مہینہ محرم سے شروع ہوتا ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں وہ لڑائیوں اور قتل و غارت کو حرام سمجھتے ہیں۔ ان کا دوسرا مہینہ صفر ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں یمن میں بازار لگتے ہیں جنہیں "صفریہ" کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس کی مخالفت کرنے اور اس سے روگردانی کرنے والا بھوکوں مر جاتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مہینے میں شہر خالی ہو جاتے ہیں اور لوگ لڑائیوں کے لیے نکل پڑتے ہیں۔ اس لیے اس مہینے کو صفر کہتے ہیں کیونکہ لوگ اس مہینے میں مکان خالی کر جاتے ہیں۔ ربیع کے ایک سال میں جو مہینے شمار کیے جاتے ہیں وہ اس لیے کہ ان مہینوں میں لوگ اور ان کے جانور کھیتی باڑی میں مصروف ہوتے ہیں۔ ان مہینوں کا یہ نام زمانۂ قدیم سے کسی اختلاف کے بغیر چلا آتا ہے۔ اس کے بعد جمادی الاوّل اور جمادی الثانی جو سال میں دو مہینے آتے ہیں ان کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ان مہینوں میں اکثر پانی منجمد ہو جاتا ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ان مہینوں میں عرب میں پانی منجمد ہو جاتا ہو گا۔ بہرکیف ان دو مہینوں کے یہ نام عرب میں ابھی تک چلے آتے ہیں

رجب کو رجب کہنے کی وجہ اس مہینے میں کوئی خوف تھا۔ اس لیے عربوں میں "رَجِبْتُ الشئ" ابھی تک بطور محاورہ مستعمل ہے۔ ایک محاورہ "فَلَا تَهِبْهَا وَلَا تَرْجَبُهَا" بھی ہے۔ ماہ شعبان کا نام شعبان اس مہینے میں عربوں کی مہم جوئی کی وجہ سے پڑا ہے اور یہی نام زمانۂ قدیم سے اب تک علیٰ حالہ چلا آتا ہے۔ رمضان کو رمضان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس مہینے میں کبھی موسم سخت گرم ہوتا ہوگا حَرُّ الرَّمَضَا (موسم کی گرمی) عربوں میں اب تک زبان زد خاص و عام ہے۔ اس نام کی ایک وجہ اب یہ بھی ہے کہ اس نام کو عرب اسمائے باری تعالیٰ کے ذکر کردہ ناموں میں سے سمجھتے ہیں (شہر رمضان) عرب اب تک اس مہینے کو اسی نام سے موسوم کرتے چلے آرہے ہیں۔

شوال کو شوال کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں اُونٹ مستی پر آتے ہیں اور عرب اس مہینے میں شادی بیاہ سے پرہیز کرتے ہیں۔ بہرکیف اس مہینے کو اب بھی عرب شوال ہی کہتے ہیں ماہ ذی قعدہ کا نام ذیقعدہ اس لیے پڑا تھا کہ اس مہینے میں عرب لڑائیوں کی تیاری کرتے تھے اور دوسرے کاموں سے فارغ رہتے تھے تاہم اس مہینے کا یہ قدیم نام بھی اب تک عربوں کے سال کے بارہ مہینوں میں اسی نام سے شمار ہوتا چلا آرہا ہے۔ ذالحجہ کا نام ذالحجہ اس لیے ہے کہ اس مہینے میں حج ہوتا ہے۔

حُرمت کے مہینے

عربوں میں محرم، رجب اور ذی قعدہ حُرمت کے مہینے سمجھے جاتے ہیں۔

حج کے مہینے

عربوں میں ایام حج شوال و ذیقعدہ کے دو مہینے اور ذالحجہ کے دس دن ہوتے تھے۔ عربوں میں اب تک ایام معلومات اس دن ہیں اور ایام معدودات ایام تشریق کہلاتے ہیں۔ ان کے ہاں یوم تعجیل بالاتفاق قربانی کا تیسرا دن ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حج کا دوسرا دن قربانی کا پہلا دن ہے۔ اگر اسے قربانی کا پہلا دن سمجھا جائے تو یوم تعجیل تیسرا دن ہو جائے گا جو حکم قرآنی کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے ارشاد کے مطابق یوم تعجیل درحقیقت ایام معدودات کے دونوں دنوں پر مشتمل ہے (اِنَّ التعجیل فی یومین من المعدودات)۔ اس طرح معدودات ہی میں ایام معلومات داخل ہیں اور قربانی کا دن بھی انہیں میں سے ہے۔

عربوں میں قربانی کے دن روزہ نہیں رکھتے اور نہ یوم فطر (عید کے دن) میں روزہ رکھتے ہیں ایام منیٰ میں بھی روزہ نہیں رکھا جاتا۔ یہ حکم جو احکام نبوی میں سے ایک حکم ہے جو فرض روزوں کے بارے میں ہے۔ نفلی روزے اس سے خارج ہیں۔

عقبہ بن عامر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک نقل کیا ہے کہ ایام تشریق کے تین دنوں میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے۔ اس کے علاوہ ان جملہ دنوں میں بھی یعنی ایّام معلومات و معدودات میں روزے کی ممانعت ہے جو ایام تشریق میں شامل ہیں۔ ایّام تشریق کے بارے میں لوگوں میں اختلاف رائے ہے۔ بہرکیف ایّام تشریق حج کا پہلا دن قربانی کا دوسرا دن اور حج کا تیسرا دن عصر کے وقت تک شمار کیا جاتا ہے۔

ایّام تشریق کی وجہ تسمیہ

ایام تشریق کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ یعنی لوگوں کا خیال ہے کہ منیٰ میں قیام کی راتوں اور دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ لوگ منیٰ میں قربانی کرتے تھے اور قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد ان کا گوشت سورج کی دھوپ میں پھیلا دیتے تھے اس لیے ان ایام کو ایّام تشریق کہا جانے لگا۔ کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ چونکہ حج کے بعد اہل مکہ اور دوسرے لوگ اپنے اپنے وطن کو واپسی کے لیے ان دنوں میں اِدھر اُدھر پھیل جاتے تھے اس لیے انہیں ایام تشریق کہا جانے لگا۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ایام حج میں لوگ عبادات کے لیے منیٰ اور مزدلفہ میں قیام کرتے ہیں اور جہاں جہاں وہ قیام کرتے ہیں ان مقامات کو مشارق کہا جاتا ہے جس کا واحد مشراق ہے اس لیے ان ایام عبادات کو ایام تشریق کہا جانے لگا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جانوروں کے ذبح کرنے کو کیونکہ عربی میں تشریق[1] کہتے ہیں اس لیے قربانی کے ایّام ایام تشریق کہلاتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دنوں میں مشرقہ کے طول میں "ضحیۃ" کی ممانعت کی ہے اس لیے وہ دن ایّام تشریق ہیں۔

دینی عالموں اور فقہاء نے اس سلسلے میں بہت طول طویل بحث کی ہے جس پر ہم اپنی دوسری کتابوں میں تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں، اس لیے یہاں اس کو مختصر طور پر پیش کیا گیا ہے۔

ایام نحسات

عربوں میں ہر مہینے کے چار دن "موافق" ، چار دن "رخلون" چودہ دن "خلت" اور باقی دن "یقین" کہلاتے ہیں جنہیں "ایام نحسات" بھی کہا جاتا ہے۔

قدیم عرب میں دنوں کے نام

عربوں میں ہفتے کے دن یہ ہیں :-
یوم الاحد (پہلا دن) یوم الاحد پہلے دن کو اس لیے کہتے

---

[1] ایک نسخے میں تشریق کی جگہ شرق لکھا ہے (مرتب)

ہیں کہ اس روز تخلیق عالم کی ابتدا ہوئی تھی اور توریت بھی اسی روز کا تخلیق عالم کے بارے میں تذکرہ کرتی ہے۔ "یوم الاثنین" یا ثان (دوسرا دن) "ثلاثاءُ" (تیسرا دن)، اربعاءُ (چوتھا دن) "یوم الخمیس" (پانچواں دن) "یوم الجمعہ" (چھٹا دن) جمعہ کو جمعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس روز لوگ عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ "یوم السبت" (ساتواں دن) اسے "یوم السبت" اس لیے کہتے ہیں کہ اس روز تخلیق عالم ختم ہوئی اور اس روز حضرت آدم علیہ السلام کو خدا نے پیدا کیا۔

قدیم عرب میں مہینوں کے نام

عرب قدیم میں مہینوں کے نام یہ تھے:۔ ناتق (محرم)، ثقیل (صفر)، اس کے بعد علی الترتیب طلیق، ناجر، اسلخ[1]، امیح[2]، احلاک، کسح، زاہر، برک[3]، حرف اور نعس جسے اب ذالحجہ کہتے ہیں۔

عرب کے موسم

عربوں میں موسموں کے متعلق اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ویسے وہاں عموماً ایک سال میں چار موسم ہوتے ہیں۔

(۱) وسمی، جو خریف کا موسم ہوتا ہے (۲) شتا (۳) صیف (۴) قیظ

کچھ لوگ ایک سال کے چار موسم تو مانتے ہیں لیکن انہیں فصلوں کے لحاظ سے تقسیم کرتے ہیں اور اس مناسبت سے ان میں فصلوں کے نام مشہور ہو گئے ہیں۔

رومیوں کے موسم

رومی سال کے چاروں موسموں کو عربوں کے برعکس صرف فصلوں پر تقسیم کرتے ہیں جب کہ عرب صرف دو موسم ربیع و خریف فصلوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

وہ اپنے سال کے مہینوں کا حساب سورج کے برجوں میں منتقل ہونے اور ستاروں کے نظر آنے اور نظر نہ آنے کے اوقات سے لگاتے ہیں جب کہ عرب اس سلسلے میں چاند کے تغیرات کا لحاظ رکھتے ہیں رومیوں کے بارہ مہینوں کے نام ہم سطور بالا میں بتا چکے ہیں۔ ان کی فصلیں بھی عربوں کے فصل بونے اور کاٹنے سے مختلف ہیں لہذا فصلی موسم بھی مختلف ہیں۔

---

[1] ایک نسخے میں سماج لکھا ہے (مرتب)
[2] 〃 〃 〃 امیح 〃 〃 (〃)
[3] 〃 〃 〃 برط 〃 〃 (〃)

باب (۲۶)

عربوں کی راتوں کا قمری حساب

عربوں نے چاند کے طلوع سے لے کر مہینے کی آخری رات تک اس کے بڑھنے اور گھٹنے کی مناسبت سے راتوں کا حساب لگا رکھا ہے جو سوال و جواب کی صورت میں ہے اور اس کی دلچسپی کے پیش نظر درج ذیل کیا جاتا ہے۔

س۔ ابن لیلہ کسے کہتے ہیں۔

ج۔ رضاع سخیلہ کو جو برمیلہ کے نام سے بھی موسوم ہے۔

س۔ لیلتین کیا ہے؟

ج۔ حدیث اُمتین ہے یعنی اِفک اور مین کا امتزاج۔

س۔ ثلاث کا کیا مطلب ہے؟

ج۔ ثلاث حدیث فیتات ہے جو شتات اجتماع ہے جب چاند افق پر کم ٹھہرتا ہے۔

س۔ اربع یا چوتھی رات کو آپ کیا کہتے ہیں؟

ج۔ ہم اسے غنمہ رتع کہتے ہیں جب چاند مسلسل بڑھتا ہے۔

س۔ پانچویں رات کو کیا کہو گے۔

ج۔ حدیث وانس۔

س۔ ست کیا ہے یعنی چھٹی رات کو کیا کہو گے؟

ج۔ ہم اسے سروبت کہتے ہیں۔

س۔ اور ساتویں رات کو؟

ج ۔ تصنفر فی الشفع چونکہ اس رات کو چاند ٹھہرا ہوا نظر آتا ہے اسے دُلجتہ الضّبع بھی کہا جاتا ہے۔

س ۔ آٹھویں رات کو کس نام سے یاد کرتے ہو؟

ج ۔ وہ قمر اصبحان ہے جب چاند صبح تک ٹھہرتا ہے۔

س ۔ اور نویں رات؟

ج ۔ وہ جبرع کہلاتی ہے۔

س ۔ اور دسویں رات؟

ج ۔ وہ محقّ فجر ہوتی ہے۔

س ۔ اور گیارھویں رات؟

ج ۔ ساد نجرہ جب چاند کا دائرہ مکمل ہوجاتا ہے۔

س ۔ اور بارھویں رات؟

ج ۔ یہ چاند کی لطیف روشنی میں سفر وحضر کی رات ہوتی ہے۔

س ۔ اور چودھویں شب؟

ج یہ چاند کے بھرپور شباب کی رات ہوتی ہے اور مقتبل الشباب کہلاتی ہے جب چاند بادلوں سے بھی جھانکتا رہتا ہے۔

س ۔ اور پندرھویں شب؟

ج ۔ یہ تم التّام ہوتی ہے جب چاند اُٹھ بیٹھتا ہے اور اس کے بڑھنے کے دن پورے ہوجاتے ہیں۔

س ۔ اور سولھویں شب؟

ج ۔ یہ ناقص الخلق کہلاتی ہے ۔ کیونکہ اس رات عروج ماہ میں کمی آجاتی ہے۔

س ۔ اور سترھویں شب؟

ج ۔ رکب الفقیر کہلاتی ہے یعنی رخصتی شروع ہوئی۔

س ۔ اور اٹھارہویں شب؟

ج ۔ یہ قلیل البقا یا سریع الفنا کہلاتی ہے کیونکہ زوال ماہ کا تسلسل اس رات سے بڑھتا ہے۔

س ۔ اور انیسویں شب؟

ج ۔ یہ بطئی الطلوع ہے ۔ جب چاند آسمان پہ کسی قدر تاخیر سے نمودار ہوتا ہے یعنی روشن ہونا شروع ہوتا ہے۔

س۔ اور بیسویں شب؟

ج۔ یہ "اطلع السحر" کہلاتی ہے۔

س۔ اور اکیسویں شب؟

ج۔ یہ اطیل السریٰ ہے جب چاند زیادہ دیر روشن نہیں رہتا۔

س۔ اور بائیسویں شب؟

ج۔ یہ "سفح خطب" اور لیث حرب بھی کہلاتی ہے۔

س۔ اور تئیسویں شب؟

ج۔ اسے قبس کہتے ہیں کیونکہ چاند اب افق کی طرف مائل ہوتا نظر آتا ہے۔

س۔ اور چوبیسویں رات؟

ج۔ یہ اطلع القسمۃ کہلاتی ہے کیونکہ چاند اب ایک ٹکڑا ہو کر رہ جاتا ہے اور تاریکی کو بھی دُور نہیں کر سکتا۔

س۔ اور پچیسویں شب؟

ج۔ یہ شب ہلالی ہے نہ قمری، اس لیے اس کا نام بتانا مشکل ہے، اسے بس رات کہہ لیجیے۔

س۔ اور چھبیسویں شب؟

ج۔ یہ "دنا الاجل" ہے یعنی چاند کی وہ رات جب اس کی موت قریب ہوتی ہے اور اُمید عروج منقطع ہو جاتی ہے۔

س۔ اور ستائیسویں شب؟

ج۔ اسے "دنانا دنا" کہیے کہ اب چاند کم سے کم ہو جاتا ہے۔

س۔ اور اٹھائیسویں شب؟

ج۔ یہ طلوع لو ہے (چاند کی نسبت سے) روشن باقی ہو یا نہ ہو۔

س۔ اور انتیسویں شب؟

ج۔ یہ چاند کی آخری شب ہے جب سورج کا عکس اس پر پڑنے ہی والا ہوتا ہے۔

س۔ اور تیسویں شب کو کیا کہیے گا؟

ج۔ ہلال کی نوید۔

مہینے کی راتوں کی تین تین راتوں میں تقسیم

عربوں نے مہینے کی راتوں کو تین تین میں تقسیم

کر رکھا ہے - پہلی تیسری کو وہ "ثلاث تمر" کہتے ہیں، اور اس کے بعد کی تین راتیں "ثلاث سمر" کہلاتی ہیں پھر اس کے بعد کی تین راتیں ثلوث زہر کہی جاتی ہیں - اس کے بعد کی تین راتیں "ثلاث دُرر" کہی جاتی ہیں - اس کے بعد جو تین راتیں آتی ہیں وہ "ثلاث قمر" کہلاتی ہیں اور ان کے بعد کی تین راتیں "ثلاث بیض" کے نام سے پکاری جاتی ہیں - آدھا مہینہ گزرنے کے بعد پہلی تین راتوں کو عرب "ثلاث درع" کہتے ہیں اور اگلی تین راتوں کو "ثلاث ظلم" کہا جاتا ہے - اس کے بعد جو تین راتیں آتی ہیں وہ انہیں "ثلاث حنادلیس" کہتے ہیں - اس کے بعد کی تین راتوں کو "ثلاث دواری" اور اس سے اگلی تین راتوں کو "ثلاث محاق" کہتے ہیں -

ہلال کی رُو سے چاندنی راتیں

عربوں میں طلوع ماہ سے چاندنی راتوں اور اس کے بعد کی راتوں کے یہ نام ہیں :-

"ہلالی راتیں" وہ راتیں ہیں جب چاند اپنے ابتدائی ایّام میں ہوتا ہے، اس کے بعد کی راتیں "قمری راتیں" کہلاتی ہیں جب چاند پوری طرح روشن ہوتا ہے اور جب چاند روبہ زوال ہوتا ہے تو عرب ان راتوں کو شبہائے قمیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں -

باب (۲۷)

شمس و قمر کے بارے میں حکماء کے اقوال اور اس باب سے متعلق دوسری باتیں

یونانی اور دوسرے حکماء نے افعال قمر کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ اس کے افعال افعال شمس سے کم ہوتے ہیں نیز یہ کہ چاند کا درجہ اجرام سماوی میں سورج کے بعد آتا ہے۔ بہرکیف چاند کے افعال کے تحت جہاں سال کے مہینوں اور مہینوں کے دنوں کا شمار ہوتا ہے وہیں اس کے افعال کے تحت سمندر کا مدوجزر، نباتات کی نشو و نما اور پھلوں کی پختگی بھی آتی ہے اور ان کا اثر سمندری حیوانات پر بھی ہوتا ہے۔ حیوانات کے ایام حمل اور عورتوں کے ایام حیض بھی محدود اوقات میں ان کے ذریعہ اثر آتے ہیں۔

نطفے کی رحم مادر میں نشو و نما

رحم مادر میں نطفے کی نشو و نما کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں کہ آیا اس پر چاند کی حرکات کا کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں۔ لوگ اس بارے میں بھی اختلاف رائے رکھتے ہیں کہ جنین کی صورت پذیری صرف منی سے ہوتی ہے یا عورت کے ایام حیض کے خون کا بھی اس میں کچھ حصہ ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ عورت کے رحم میں ایک حصہ ایسا ہوتا ہے جس میں نطفہ صورت پذیر ہوتا ہے۔ جالینوس نے اپنی کتاب میں بقراط کے حوالے سے لکھا ہے کہ فاعل و مفعول کی منی میں جو جراثیم ہوتے ہیں وہ خود جنین کی صورت پذیری اور نشو و نما میں معاونت کرتے ہیں۔

صاحب المنطق کی رائے میں جنین کا انحصار فاعل کی منی سے شروع ہو کر عورت کے حیض کے خون پر ہے البتہ اس کی صورت پذیری کا انحصار شریانوں کے خون اور اس ریح پر ہے جو اسے رگوں ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جنین کی نشو و نما کا اصول وہی ہے جو نباتات

یں کام کرتا ہے۔ جس طرح زمین سے بیج اُگ کر پہلے پودے کی جڑ بناتا ہے پھر اسی جڑ سے شاخیں پھوٹتی ہیں جو جڑ سے غذا حاصل کرتی ہیں اور جڑ زمین میں پیوست رہ کر اس سے غذا حاصل کرتی رہتی ہے جنین بھی بالکل اسی طرح رحم مادر میں شریانوں میں رواں خون سے اور اس خون سے جو استقرار حمل کے بعد جسم سے خارج نہیں ہوتا غذا حاصل کرتا ہے اور جسم میں جو ریح دوڑتی رہتی ہے وہ اس تغذیہ میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ غرض جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا جنین کے صورت پذیر ہونے اور ولادت تک اس کی غذا کی وہی صورت ہے جس طرح پودے کی ننھی شاخیں پہلے اس کی جڑ سے جو زمین سے پیوست ہوتی ہے اور پھر بڑی شاخوں سے اوپر کی شاخیں اس کی بلندی تک سیراب ہوتی رہتی ہیں اس کے بعد المنطق کا مصنّف انہیں حوالوں سے کہتا ہے کہ جنین کا وجود عورت و مرد کی وطی کے نتیجے میں خارج شدہ منی اور عورت کے طمث یعنی حیض کے رُکے ہوئے خون پہ منحصر ہے۔ آخر میں جالینوس کا قول ابندقلس کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے المنطق کا مصنف بتاتا ہے کہ وجود عالم کے مختلف درجات کی بھی یہی صورت تھی۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان کے جسم کا جوہر لطیف صنف نازک کے رحم میں داخل ہونے کے بعد بھی جنین کے وجود میں آنے کا ذریعہ ہوتا ہے اور پھر صورت پذیری تک وہ جنین اس جوہر لطیف کے ذریعہ نشو و نما پاتا ہے بلکہ آخر تک اس کی غذا کا ذریعہ مرد کا وہی جوہر لطیف ہے جو ابتدا میں رحم کے اندر استقرار حمل کا سبب ہوتا ہے۔

بیٹے کی اپنے باپ اور اس کے خاندان سے مشابہت

آخر میں ہم ان لوگوں کی رائے نقل کر رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کے انفصال کے وقت جو مرد کا جوہر لطیف اس کے جسم سے خارج ہو کر مادہ منویہ کی شکل میں عورت کے رحم میں داخل ہوتا ہے وہ عورت کے مادہ منویہ پہ غالب ہوتا ہے اور جنین کے وجود میں آنے سے لے کر اس کی صورت پذیری اور نشو و نما کی تدریجی کیفیت میں اس پہ غالب رہتا ہے اس لیے نومولود اپنے باپ اور اس کے خاندان والوں کی شکل و شباہت پہ جاتا ہے۔ یہ بات پچھلے باب میں علم القیافہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کی جاچکی ہے اور یہ بھی بتایا جاچکا ہے کہ کسی شخص کے نسب کا یقین کرنے کے لیے جو کچھ قیافہ شناس کہتے ہیں وہ سب اسی پہ منحصر ہے جو سطور بالا میں بیان کیا گیا ہے تاہم ہمارا ایمان ہے کہ بچے کی تخلیق ذکور و اناث دونوں صورتوں میں خالق کائنات کی رضا پہ منحصر ہے جو ارشاد فرماتا ہے کہ کس طرح انسان کو

اس نے پہلے نطفے کی شکل دی، پھر علقہ کی اور پھر مضغہ کی اور آخر میں اس کی نشو ونما کر کے اسے انسان کی شکل دے دی۔ خود خالق کائنات کا کلام اس کی تصدیق کرتا ہے۔ پہلے ارشاد ہوا: "ھوالذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء، لا الٰہ الاھوالعزیز الحکیم۔" پھر اس نے یہ ارشاد فرمایا "یا ایھا النّاس اِنّا خلقنا کم من ذکرٍ و انثیٰ" اور آخر میں تدریجی کیفیات کے بارے میں ارشاد فرمایا: "یا ایھا النّاس ان کنتم فی ریبٍ من البعث فانا خلقنا کم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ مُخلّقۃ وغیر مخلقۃ لنبیّن لکم ونقر فی الارحام ما نشاءُ الیٰ اجلٍ مسمّی، ثم نخرجکم طفلا، ثم لتبلغو اشدّکم، ومنکم من یتوفّٰی، ومنکم من یردالیٰ ارذل العمر۔ (الآیۃ)

سورج اور چاند کی تاثیروں میں اختلاف آراء

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ مرد عورت کے منویہ مادّوں میں مرد کا مادّہ منویہ یا جوہر لطیف عورت کے رحم میں ابتدا ہی سے غالب رہتا ہے اور اس کا یہ غلبہ بچے کی ولادت تک قائم رہتا ہے اس لیے بچے کی شکل وصورت اور اس کے اعضاء وجوارح عموماً اس کے باپ اور اس کے آبا سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اس طرح ان کا خیال ہے کہ انسان حیوانات، نباتات اور سمندری مدوجزر وغیرہ کے علاوہ جو چاند کے زیر اثر ہوتے ہیں اور انسان کے اعضاء و جوارح کی نشو ونما پہ بھی سورج کی مختلف حرکات کا اثر پڑتا ہے۔

چاند کے اثرات کے سلسلے میں وہ کہتے ہیں کہ چاند کے طلوع کے پہلے ہفتے تک اس کے اثرات کچھ اور ہوتے ہیں کہ وہ اس وقت تک صرف نصف کی حد تک روشن ہوتا ہے، پھر دوسرے ہفتے میں چودھویں شب تک جب وہ پورے طور روشن ہوتا ہے اس کے اثرات مختلف ہوتے ہیں اس کے بعد تیسرے ہفتے میں جب وہ گھٹتے گھٹتے پھر آدھا رہ جاتا ہے تو اس کے اثرات میں بھی تغیر آجاتا ہے اور پھر چوتھے ہفتے میں جب وہ گھٹتے گھٹتے بالکل غائب ہوجاتا ہے تو اس وقت بھی وہ مذکورہ بالا چیزوں پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن اس وقت اس کے اثرات پہلے تین ہفتوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ ہم نے اپنی دو پچھلی کتابوں "الزلف" اور "المبادی والتراکیب" وغیرہ میں چاند اور سورج کے اثرات پر مفصّل گفتگو کی ہے۔

ارضی وسماوی کُرّے

یہ استدلال کہ آسمان اپنے دائرۂ وجود میں کرّہ در کرّہ ہے اور جملہ کواکب بھی اسی طرح ہے بے سبب نہیں ہے۔ زمین بھی اپنے بحری و بیّری

اشکال میں جیسا کہ ہم اس کتاب میں پہلے بیان کر چکے ہیں مختلف کروں میں بٹی ہوئی ہے۔ کرہ ارض کا مرکز درحقیقت وسطِ آسمان میں ہے جس طرح کوئی چھوٹا نقطہ اپنے دائرہ کے بیچ میں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ زمین کی گردش جب اپنے مرکزی نقطے پر ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں کبھی دن ہوتا ہے اور کبھی رات اور آفتاب کے طلوع و غروب اور وقفے وقفے سے کہیں اس کے نظر آنے نہ آنے کا انحصار بھی زمین کی اپنے مرکز پر گردش کرنے پر ہے۔ بعض مہینوں میں سورج کے طلوع و غروب کا وقت کچھ اور ہوتا ہے اور بعض مہینوں میں کچھ اور اس کا سبب بھی زمین کی یہی گردش ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں لوگوں کے اقوال اور ان کے دلائل و براہین ایک ایک کر کے اپنی ایک پچھلی کتاب "اخبار الزماں" میں من و عن بیان کر دیے ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے ان دلائل و براہین کی توضیح کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ زمین آسمان کے جوف (شکم) میں بالکل اسی طرح ہے جس طرح انڈے کی زردی اس کی سفیدی اور اس کے خول کے درمیان ہوتی ہے۔ وہاں ہم نے انسان کے جسم کی مثال دیتے ہوئے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انسانی اجسام کا مرکز جو خفنہ کہلاتا ہے اس کے اعضا و جوارح کے لیے کشش ثقل کا کام کرتا ہے، بالکل اسی طرح آسمان زمین کی گردش کو نظم و ضبط کی صورت میں رکھنے کے لیے وہی کام کرتا ہے۔ پتھر اور لوہے کی جو صورت تعمیرات میں ہوتی ہے وہی لوہے اور مقناطیس میں بھی ہے یہی نظام زمین کی گردش کو صحیح شکل میں قائم رکھنے کے لیے آسمان کے ذریعہ رکھا گیا ہے۔

زمین پر سمندروں اور دریاؤں کی ابتداء اور آسمان کے بروج اور اس کے منطقوں کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ زمین پر قطب جنوبی سے قطب شمالی کا فصل اور میلوں اور گزوں میں سطح ارضی کی پیمائش کا ذکر بھی پہلے آچکا ہے۔ منطقہ حارہ اور منطقہ بارہ، خط استواء نصف النہار کے سلسلے میں آسمان کے دوائر کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ کچھ لوگوں نے زمین کی پیمائش گزوں، میلوں اور انگلوں میں کی ہے اسے بھی ہم نے اس کی صحت پر اپنی رائے ظاہر کیے بغیر ان کی کتابوں سے من و عن نقل کر دیا ہے جو ایک مورخ کی دیانت کا خاصہ سمجھا جاتا ہے۔ بہرکیف یہ حقیقت ثابت ہے کہ خط استوا سے قطب شمالی اور قطب جنوبی دونوں طرف نوّے ڈگری کا فصل ہے۔ بعض لوگوں نے خط استوا سے دونوں جانب یہ فصل صرف چوبیس ڈگری بتایا ہے کیونکہ انہوں نے اس میں سے سمندری حصوں کو خارج کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین کے شمال میں چوتھائی حصے میں آبادی ہے، جنوبی چوتھے حصے میں گرمی کی شدت ہوتی ہے اس لیے وہاں آبادیاں کم ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق باقی زمین یعنی زمین کا نصف حصہ غیر آباد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین کے شمال اور جنوب

یں سات اقالیم ہیں - ان کا ذکر اور زمین کے مشرق و مغرب نیز شمال و جنوب کا احوال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کتاب جغرافیہ کے مصنّف کے مطابق شمال و جنوب کی سات آقالیم میں چار ہزار دو سو شہر ہیں ان سب کا حال بھی ہم اپنی ایک دوسری کتاب "اخبار الزمان" میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں -

ہماری بیان کردہ باتوں کی تصدیق ابوحنیفہ دینوری کی کتاب سے ہو سکتی ہے - یہ باتیں ابن قتیبہ نے ابوحنیفہ دینوری کی کتاب سے اپنی کتاب میں بغیر کتاب دینوری کے حوالے کے اس طرح نقل کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انحصار اس کی اپنی تحقیقات پر ہے - بہر کیف ابوحنیفہ ایک بڑا عالم ہے اور اس کی تحقیق مسلم الثبوت ہے - اس کی کتاب کا نام بھی "علم الکبیر" ہے - اس سے قبل اس سلسلے میں بطلیموس کے بیانات توجہ کے قابل ہیں - ظہور اسلام کے بعد اس سلسلے میں الکندی ابن منجم، احمد بن طیب، ماشاء اللہ، ابی معشر، خوارزمی، محمد بن کثیر فرغانی، ثابت بن قُرّہ، تبریزی اور محمد بن جابر تبانی کی کتابیں بھی علوم ہیئت پر تحقیق کے لحاظ سے کچھ کم قابل قدر نہیں ہیں - ہم ان کے حوالے سے ان علوم پر آگے چل کر مختصر گفتگو کریں گے - انشاء اللہ تعالےٰ -

---

باب (۲۸)

دُنیا کے چار گوشے، ان کے خواص، آب و ہوا اور سُلطان الکواکب (سُورج) کے اُن پر اثرات

زمین کے چار خواص یا مزاج

زمین کا پہلا اور دُوسرا مزاج گرمی اور خشکی ہوتا ہے یعنی اس خطّے کی آب و ہوا گرم خشک ہوتی ہے۔ زمین کے دوسرے دو خواص یا مزاج سردی اور رطوبت ہیں۔ یعنی اس خطّے کی آب و ہوا سرد اور مرطوب ہوتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ پہلا مزاج گرم و خشک، دوسرا سرد و مرطوب، تیسرا گرم و مرطوب اور چوتھا سرد خشک ہوتا ہے۔ اکناف عالم میں زمین کے یہی چار اجزاء ہیں جنہیں ربع مسکون کہا جاتا ہے۔

مشرق زمین کا ربع اوّل ہے جس میں گرمی و رطوبت دونوں ہوتے ہیں، یہ ہوا اور اجسام کے خون پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ زمین کا وہ چوتھائی حصّہ ہے جس میں پُروا ہوا چلتی ہے اور اس کی بلحاظ وقت تین ساعتیں ہوتی ہیں، پہلی، دوسری اور تیسری ساعت۔ یہاں قوائے بدن میں قوت ہاضمہ اور قوت ذائقہ ہوتی ہے، آخر الذکر لذت حلاوت پر مبنی ہوتی ہے۔ اس خطۂ زمین کے ستارے قمر اور زہرہ ہیں، اس کے بروج حمل، ثور اور جوزاء ہیں۔ اس پر حکمائے عصر قدیم و جدید کے متعدد اقوال پائے جاتے ہیں۔

مغرب زمین کا ربع ثانی ہے۔ یہاں کی آب و ہوا سرد و مرطوب یعنی آبی و بلغمی اس کے گرم موسم اور اس کی ہوا کو "دبور" کہتے ہیں۔ اس کی ساعتیں دسویں، گیارہویں اور بارہویں ہوتی ہیں۔ اس کے ستارے مشتری و عطارد ہیں اور برُج جدی دلو اور حوت ہیں۔ وہاں کے ذائقے مالح یعنی نمکین وغیرہ ہیں اور قویٰ میں قوت مدافعت غالب ہے۔

زمین کا تیسرا چوتھائی حصّہ اس کا شمالی حصّہ ہے۔ وہاں کی آب و ہوا گرم خشک اور

کسی قدر صفراوی ہوتی ہے۔ وہاں کی ہوا کو صبا کہتے ہیں۔ دن کے وقت وہاں کی ساعتیں یا گھڑیاں چوتھی پانچویں اور چھٹی ساعتیں ہوتی ہیں۔ وہاں کے بدنی قوی قوائے نفسانیہ وحیوانیہ کہلاتے ہیں۔ وہاں کے ذائقوں پر تلخی یا کڑواہٹ غالب ہے۔ وہاں کے کواکب مریخ اور سورج ہیں اور اس کے بُروج سرطان وسنبلہ اور میزان ہیں۔ زمین کا چوتھا اور آخری چوتھائی حصّہ اس کا جنوبی خطہ ہے جہاں کی آب وہوا سرد وخشک اور زمین کا مزاج تلخ وسوداوی ہے اور فصل خریف ہوتی ہے۔ وہاں کی ہوا کو ہوائے شمال کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ جنوب سے شمال کی طرف چلتی ہے۔ وہاں کی ساعتیں آٹھویں اور نویں ہوتی ہیں اور قوائے بدن میں قوت ماسکہ غالب ہے وہاں کے کھانوں اور اس کے مزوں پر پھیکا پن غالب ہے۔ اس کے کواکب میں زحل ہے اور اس کے بروج میزان عقرب اور قوس ہیں۔ اس کے بعد جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ زمین اپنی ہیئت وخواص میں بدلتی چلی گئی ہے۔ یعنی جو خطے ایک دوسرے کے قریب ہیں ان کے خواص قریب قریب ایک ہیں اور جو دُور دُور ہیں وہاں زمین کی ہیئت اور اس کے خواص مختلف ہیں۔ زمین کا بہترین خطّہ وہ ہے جہاں سُورج کی کرنیں زیادہ پڑتی ہیں۔ وہ علاقہ چوتھی اقلیم ہے جہاں سُورج کی کرنیں زمین کی کدورت کو صاف کر کے اسے جلا بخشتی ہیں اور وہ اقلیم عراق ہے۔

زمین کے غیر آباد ہونے کی وجوہ

زمین جہاں غیر آباد ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہاں سُورج کی کرنیں براہِ راست پڑ کر اس خطہ ارضی کو اس قدر گرم بنا دیتی ہیں کہ وہاں زمین جل کر سیاہ پڑ جاتی اور پانی اُبل کر ایسا ہو جاتا ہے کہ پینے کے قابل نہیں رہتا۔ وہاں نباتات کے اُگنے کا تو ذکر ہی کیا حیوانات کے جسم کی رطوبت تک زائل ہو جاتی ہے۔ دُوسری وجہ یہ ہے کہ وہاں سورج کی شعاعیں پہنچ ہی نہیں پاتیں اور زمین کا وہ خطّہ صرف چاند کی زد میں رہتا ہے۔ وہ جگہ اس قدر سرد ہوتی ہے کہ نہ تو وہاں کوئی چیز اُگ سکتی ہے اور نہ سردی کی شدت کی وجہ سے انسان وحیوان سانس لے سکتے ہیں ان کے اجسام میں حرارت باقی نہیں رہتی، وہاں پانی بھی ہر وقت منجمد رہتا ہے۔

اس سلسلے میں علماء وحکماء کے بہت سے بیانات ملتے ہیں جو زمین کے نقائص اور اس عالم بر ودت پر جو زمین کی فنا کے مساوی سمجھی گئی ہے روشنی ڈالتے ہیں۔ اس جگہ بُرج سُنبلہ میں سُورج کا قیام سات ہزار سال بتایا گیا ہے جو عالم بشریت کی تمام عمر سمجھی گئی ہے۔ اس خطّہ ارضی کی یہ حالت ابدی ہے۔

سورج کی برجوں میں قیام کی مدتیں

سورج کے برج حمل میں قیام کی مدت بارہ ہزار سال بتائی گئی ہے، برج ثور میں گیارہ ہزار سال، برج جوزاء میں دس ہزار سال، برج سرطان میں نو ہزار سال، برج اسد میں آٹھ ہزار سال، برج سنبلہ میں سات ہزار سال، برج میزان میں چھ ہزار سال، برج عقرب میں پانچ ہزار سال، برج قوس میں چار ہزار سال، برج جدی میں تین ہزار سال، برج دلو میں ایک ہزار سال اور برج حوت میں ایک ہزار سال۔ اس طرح مجموعی طور پر جملہ برجوں میں سورج کے قیام کی مدت ۷۸ ہزار سال ہوتی ہے اور یہی مجموعی مدت تخلیق عالم سے لے کر اس کی فنا تک بتائی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا دونوں فریقوں نے ان حالات کا ذکر کیا ہے جب سورج شمال سے جنوب کی طرف اور جنوب سے شمال کی طرف اپنے اثرات منتقل کرتا ہے۔ ہم نے اسے اپنی کتاب "الزلف" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اجسام کی اقسام

اہل خبر کے بیانات کے مطابق جملہ خطہ ہائے ارضی میں اوّل سے آخر تک اجسام کی تین اقدار ہوتی ہیں اور انھیں کی نسبت سے وہاں کے باشندوں کی شکل وصورت اور قد وقامت کے علاوہ ان کی عقول، ان کے نفوس اور ہیولے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جیسا ہم نے اپنی کتاب "الزلف" میں بتایا ہے اجسام کی درحقیقت چھ قسمیں ہوتی ہیں۔ وہ یہ ہیں:-

جسم سماوی، جسم ارضی، جسم حیوانی ناطق، جسم حیوانی غیر ناطق، جسم نباتاتی اور جسم حجری یعنی معدنی۔ ان اجسام کے چار عناصر ہیں۔ وہ آگ، پانی، ہوا اور مٹی ہیں۔

ان جملہ باتوں کا ذکر ہم نے ان میں فرفوریوس، افلاطون اور ارسطو کے مختلف بیانات کے حوالے سے اپنی کتاب "الرؤوس السبیعہ، فی باب السیاستہ المدنیہ، وعدد اجزائہا وعللہا الطبیعہ" میں تفصیل سے کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ مختلف خطہ ہائے ارضی میں لوگوں کی شکل وصورت، ان کے مزاج، ان کی طبیعتیں اور ان کی مناسبت سے ان کے پسندیدہ اذواق مختلف کیوں ہوتے ہیں ہم نے اس کی مثال سوڈانی، ترکی وغیرہ کے متعلق دی ہے۔ اسی طرح موسم گرما میں ہندوستان کی گرمی اور سوڈان میں گرمی کی شدت کی وجہ بھی ہم بتا چکے ہیں کہ اس موسم میں وہاں سورج ان خطہ ہائے ارضی کے قریب ہوتا ہے اور موسم سرما میں ان خطوں سے اس کا بعد بڑھتا جاتا ہے۔ بہرکیف جو کچھ اوروں نے بیان کیا ہے اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں ہمیں از روئے تحقیق اس پر اصرار نہیں ہے

ویسے لوگوں نے انسانوں، حیوانوں اور جنّات کی بھی مختلف اقسام بیان کی ہیں مغرب کے حوالے سے انہوں نے نوعِ انسانی کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

ناس، نسناس اور نسانس

لیکن یہ اس لیے محال ہے کہ ناس و نسناس کے علاوہ باقی رہ جانے والی قسم ارذل ترین ہو جاتی ہے۔

اس طرح انہوں نے جنّات کی دو قسمیں بتائی ہیں: "اعلام" و "اشد" ان کے نزدیک جو طاقتور جن ہیں "راجز" کہلاتے ہیں اور جو ضعیف ہیں وہ "رحن" ہیں۔

بہرکیف جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جنّات کی یہ تقسیم اجسام عربوں کے توہمات کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

انسان کی تقسیم اجسام کے بارے میں بھی عبداللہ بن سعید ابن کثیر بن عفیر مصری وغیرہ کے مختلف بیانات ملتے ہیں۔

ہم نے اس کتاب سے پہلی کتاب میں بتایا ہے کہ خلیفہ عباسی المتوکل نے حنین بن اسحٰق اور اپنے زمانے کے دوسرے حکماء کو حکم دیا تھا کہ وہ مختلف خطہ ہائے ارضی کی مٹی کے نمونے لاکر بتائیں کہ وہاں نوعِ انسانی میں نسناس وغیرہ کس طرح پیدا ہوتے ہیں اور پھر اس تحقیق کا کیا نتیجہ نکلا تھا۔ بہرکیف ہم ان بیانات کی ذمہ داری نہیں لیتے جیسا کہ ان راویوں نے نہیں لی جنہوں نے یہ روایات دوسروں سے نقل کی ہیں۔ لہٰذا ہم نے بھی ان روایات کو یہاں نقل کر دیا ہے۔ جن کی صحت و عدم صحت کا علم خدا ہی کو ہے۔

ہم نے اپنی پہلی کتاب میں خالد بن سنان عبسی کی روایات بھی نقل کی ہیں۔ یہ راوی جناب عیسٰی بن مریم اور محمد علیہما السلام کے زمانوں کے درمیانی وقفے میں گزرا ہے۔ ہم نے اس راوی کا آگ اور اس کے بجھنے کے متعلق بیان بھی اپنی اس کتاب میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔

عنقا

عنقا کے بارے میں خالد بن سنان عبسی کی روایت اور اس کے مآخذ کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے نیز ان کے بعد جو اطلاعات اس سلسلے میں ہم تک پہنچی ہیں ان کا ذکر بھی یہاں ضروری سمجھا گیا ہے جن کا اہم ماخذ ابن عفیر کی روایت ہے۔

حسن بن ابراہیم کہتا ہے:- ہم سے محمد بن عبداللہ مروزی نے یکے بعد دیگرے اسد بن سعید بن کثیر بن عفیر کے حوالے سے بیان کیا کہ اوّل الذکر نے اپنے باپ کثیر اور اس نے اپنے عفیر کی

روایت ابن عباس کے حوالے سے عکرمہ کی زبانی یوں نقل کی ہے کہ ابن عباس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے زمانے میں ایک پرندہ پیدا فرمایا تھا جو سب پرندوں سے اچھا تھا۔ اس کے اعضاء درجہ بدرجہ حسن میں ڈھلے ہوئے تھے۔ اللہ نے اس کا منہ انسان کی شکل کا بنایا تھا۔ اس کے بازوؤں کے پر طرح طرح کے رنگوں پر مشتمل تھے۔ اس کے دونوں جانب چار چار بازو یا پنکھ تھے۔ اس کے دونوں پنجوں میں (تیز اور لمبے) ناخن بھی تھے۔ اس کی چونچ عقاب کی چونچ کی طرح مضبوط تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پرندے کی مادہ بھی پیدا کی تھی اور ان دونوں کا نام عنقا ہی رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران (علیہما السلام) پر وحی بھی نازل فرما کر ارشاد فرمایا تھا کہ میں نے یہ عجیب و غریب پرندہ پیدا کر کے اس کی مادہ بھی پیدا کی ہے اور ان کی خوراک بیت المقدس کے جنگلی پرندے بنائے ہیں۔ تم ان سے انسیت رکھو اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہماری طرف سے عزت افزائی سمجھو۔ چنانچہ اس کے بعد اس پرندے کی نسل بڑھتی رہی یہاں تک کہ موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) تیہ میں چلے گئے اور انہیں وہاں گئے ہوئے چالیس سال گزر گئے تو موسیٰ، ہارون اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کے جو لوگ وہاں گئے تھے سب وفات پا گئے اور وہاں اس نسل پر چھ ہزار سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یوشع بن نون شاگرد موسیٰ اور ان کے وصی کے ساتھ تیہ سے نکالا۔ اس اثنا میں مذکورہ طائر بھی وہاں سے نجد و حجاز کی طرف اس سرزمین کی طرف جو بلاد قیس عیلان میں واقع ہے منتقل ہو گیا لیکن اس کو اب جنگلی چڑیوں کو کھانے کی عادت کے علاوہ چھوٹے بچوں اور لوگوں کے پالتو جانور کھانے کی بھی عادت پڑ گئی۔ اس زمانے میں بنی عبس میں اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو مبعوث فرمایا تھا۔ اب جیسا خالد بن سنان کی روایت سے پتہ چلتا ہے اور اس نے مختلف حوالوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ لوگ اس نبی کی خدمت میں اس پرندے کی (ظالمانہ) عادتوں کی شکایت لے کر گئے تو نبی نے اللہ تعالیٰ سے اس پرندے کی نسل ختم کر دینے کے لیے دعا کی اور اس کے نتیجے میں اس پرندے کی نسل اللہ تبارک و تعالیٰ نے ختم فرما دی۔ اسی لیے اب اس پرندے (یعنی عنقا) کا ذکر صرف قصوں کہانیوں میں باقی رہ گیا ہے۔" چنانچہ اب اگر کوئی شخص عنقا کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب عجیب و غریب چیز، نادر الوجود چیز یا نہ پائے جانے والی چیز ہوتا ہے ویسے عُنق کے معنی سُرعت کے ہوتے ہیں۔

خالد بن سنان عَبسی ؒ | ابن عباس کہتے ہیں کہ "خالد بن سنان عَبسی بنی عبس میں نبی ہوئے

ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عرب میں مبعوث ہونے کی بشارت دی تھی۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنی قوم کو وصیت کی کہ انہیں وفات کے بعد انہیں اطراف میں کہیں دفن کر دیا جائے۔ یہاں ایک عظیم رَملی ٹیلہ تھا۔ انہوں نے یہ بھی وصیت کی کہ چند روز ان کی قبر کی وہاں حفاظت کی جائے، پھر لوگ جمع ہو کر میری قبر کھولیں اور میری میّت کو قبرستان میں لے جا کر دفن کرنے لگو تو اس وقت کسی کاتب کو بُلا لانا وہ ان واقعات کو لکھتا جائے جو میں لکھاتا جاؤں اور وہ قیامت تک پیش آنے والے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کی قبر کی تین تین کر کے نو دن تک حفاظت کی۔ اس وقت ایک گدھا ان کی قبر کے قریب آ کر گھاس چرنے لگا۔ ان لوگوں نے اس روز خالد بن سنان عبسی کی قبر کھولنا چاہی تاکہ ان کی وصیت کے مطابق ان کی لاش قبرستان میں منتقل کر دی جائے کہ اچانک خالد کا بیٹا ننگی تلوار لے کر وہاں آ پہنچا اور ان لوگوں سے بولا۔

"خبردار! جو تم نے اس قبر کو کھولا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ بعد میں آنے والی عربی نسلیں یہ کہیں کہ مدہوش کی اولاد ایک قبر کی حفاظت بھی نہ کر سکے۔"

چنانچہ ان لوگوں نے خالد بن سنان عبسی کی قبر کو وہیں رہنے دیا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اس کے برسوں بعد خالد کی نسل کی ایک بڑھیا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کو بڑے احترام سے سلام کیا اور آپ کی سلامتی کے لیے دُعا کی۔ آپؐ نے اسے نبی کی بیٹی کہہ کر خطاب فرمایا اور اسے مرحبا کہا۔

ابن عفیر کی بیان کردہ اور بہت سی باتیں کتابوں میں ملتی ہیں۔

چوپایوں کی تخلیق

عفیر کی بیان کردہ باتوں میں ایک چوپایوں کی تخلیق کے بارے میں بھی اسے حسن بن ابراہیم شعبی القاضی نے نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: "ہم سے ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ مروزی نے بیان کیا کہ "مجھ سے ابو الحارث اسد بن سعید بن کثیر بن عفیر نے اپنے باپ، دادا اور پردادا کے حوالے سے کہا کہ اس کے پردادا عفیر نے بیان کیا ہے کہ اس سے عکرمہ نے اپنے آقا ابن عباس کے حوالے سے کہا کہ آخر الذکر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے سواری کے جانوروں کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو جنوبی ہوا سے ارشاد ہوا: "میں نے تجھ سے ساری مخلوق پیدا کی ہے۔ اب تو ہر طرف سے ایک جگہ جمع ہو جا۔" چنانچہ ہوا ایک جگہ اکٹھی ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ سے ارشاد فرمایا کہ "اس پہ قبضہ کریں تو جبریل نے اس پہ قبضہ کر لیا۔" اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تب

اللہ تعالیٰ نے گھوڑا پیدا کیا اس سے ارشاد فرمایا "ہم نے تجھے عربی گھوڑا بنایا ہے جہاں جہاں سواری کے جانور پیدا کیے ہیں اور ان کے لیے رزق اتارا ہے ان سب جانوروں پر تجھے فضیلت بخشی ہے۔ تجھے ہم نے برکت بخشی ہے۔ تیری پیٹھ پر مالِ غنیمت آیا کرے گا، تیری پیشانی پر چمک دار نشان ہو گا اور تیری آواز ایسی ہو گی کہ اسے سن کر مشرکین پر رُعب بیٹھے گا۔ ان کے کان پھٹنے اور ان کے قدم ڈگمگانے لگیں گے۔" پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے اس گھوڑے کی نسل کا نام "عزّہ" اور "تجبیل" رکھا۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: "پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا تو ان سے پوچھا: "اے آدمؑ! تو گھوڑا پسند کرتا ہے یا بُراق؟ بُراق خچر کی شکل کا ہے لیکن نر یا مادّہ دونوں میں سے کوئی نہیں ہے" آدمؑ نے عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ تو نے مجھے ان دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا ہے، لہٰذا میں گھوڑے کو پسند کر کے وہی لیتا ہوں۔" چنانچہ آدمؑ نے گھوڑا لے لیا۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے ارشاد فرمایا: "تیرا پسند کردہ یہ گھوڑا تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے قیامت تک عزت کا نشان بنا رہے گا۔" ابن عباس کہتے ہیں اب یہ اصلی نسل کے وہی عربی گھوڑے "عزّہ" اور "تجبیل" کے نام سے ہمیشہ دنیا میں مشہور رہیں گے۔"

عیسیٰ بن لہیعہ مصری نے اپنی کتاب "الحلائب و الجلائب" میں اسلام کے دور اور قبل اسلام کے دور یعنی زمانہ جاہلیت کے زمانے کے گھوڑوں کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جب بنی ازد میں سے ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس گھوڑے کا نام "زادالراکب" رکھا۔ اس واقعے کا ذکر ابن درید نے بھی اپنی کتاب "الخیل" میں کیا ہے۔ کاش یہ مصنف اپنی تصنیف میں گھوڑوں کی نسلوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مذکورہ بالا نسل کے عربی گھوڑوں کا ذکر بھی شامل کر لیتا تو لوگ اس کے بیان کو یقیناً علیٰ وجوہ قبول کر لیتے۔

اخبارِ عالم پر تبصرہ

دنیا کی تاریخی خبروں پر جہاں تک تبصرات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ایسی تمام اطلاعات جو علم و عمل دونوں کی مناسبت سے مفید خلائق ہوں ان پر یقین کرنا واجبات میں شامل ہے اور اگر وہ اس کے برعکس ہوں تو انہیں یقین کی حدود میں شامل کرنا ضروری نہیں ہے۔

کچھ دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر ایسی اطلاعات مختلف شہروں کے فقہا اور علمائے دین کے ذریعے تواتر کے ساتھ ملتی ہوں تو وہ علم و عمل دونوں اعتبار سے قابل قبول ہیں چہ جائیکہ وہ مفید

خلائق بھی ہوں۔ یہ آخری بات ان کے علم میں آنے کے بعد واجب العمل ہونے میں اضافی حیثیت رکھتی ہے۔

دُنیا کی تاریخی خبروں کی قبولیت اور عدم قبولیت نیز علم کے ساتھ ان پر عمل کے سلسلے میں بعض لوگوں نے ان اسباب کے علاوہ جو سطور بالا میں پیش کیے گئے کچھ اور اسباب بھی بتائے ہیں۔

مثلاً ہم نے نسناس، عنقا اور تخلیق خیل کے بارے میں جو ذکر کیا ہے اس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ روایات علی التواتر احادیث نبوی کے ذریعہ بیان کی گئی ہیں اس لیے انہیں علم الیقین کے علاوہ حق الیقین کا درجہ دینا واجبات میں داخل ہیں۔ ان روایات کے علاوہ جو ایسی روایات ہمارے علم میں آئیں جن پر عمل ضروری ہو بتایا گیا اور ان کے راویوں کی ثقاہت بھی پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو ان پر عمل واجب ہے جب کہ دوسری روایات خواہ وہ علی التواتر ہم تک پہنچیں اور ان کے راوی بھی چاہے ثقہ ہی کیوں نہ ہوں انہیں حق الیقین کا درجہ دینا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ان کے سلسلے میں راویوں کی ذاتی تحقیقات کا علم ہونا ضروری ہوگا۔ ہم نے اس کتاب میں ایسی جملہ روایات جمع کردی ہیں لیکن ان پر تفصیلی تبصرے اختصار کے پیش نظر چھوڑ دیے ہیں۔ یہاں صرف کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

روایات کی مثالیں

ان روایات کی ایک مثال "روایت قرد" ہے جو بنی اسرائیل کے عہد میں ایک کشتی اور ایک ایسے شخص کے بارے میں ہے جو کشتی میں شراب فروخت کررہا تھا اور اس میں پانی ملا ملا کر ان لوگوں کو دے رہا تھا جو اس کے ساتھ اس کشتی میں سوار تھا اور ان سے کثیر تعداد میں درہم وصول کررہا تھا۔ قرد عراق میں لوگوں کی جیبوں سے ناجائز طور پر نقدی نکالنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ وہ شخص کشتی کی سواریوں سے کشتی کا کرایہ بھی وصول کررہا تھا اور اس پانی کی قیمت بھی جو وہ انھیں شراب میں ملانے کے لیے دے رہا تھا۔ وہ پانی الگ سے قیمت پر بھی نہیں دیتا تھا بلکہ اس کے ساتھ شراب خریدنا لازم کررکھا تھا، اس لیے اس کا یہ تمام عمل قرد کے تحت آتا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری روایت ہے جو شعبیؒ نے فاطمہ بنت قیس کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کے طور پر بیان کی ہے۔ وہ روایت یوں ہے کہ شعبیؒ نے فاطمہ بنت قیس سے اسے سُنا اور فاطمہ بنت قیس نے نیز چند دیگر صحابیوں نے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ تمیم داری نے آپ سے بیان کیا:-

"میں اپنے کچھ چچازاد بھائیوں کے ساتھ سمندر میں ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا کہ سمندر میں طوفان آگیا اور سمندر کی لہروں نے ہماری کشتی کو بہا کر ایک جزیرے پر لے جا ڈالا۔ جب ہم کشتی سے اس جزیرے میں اُترے تو ہم نے وہاں ایک بہت بڑا چوپایہ دیکھا جس کے جسم پر لمبے لمبے بال تھے جو اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے اس چوپائے سے پوچھا: "اے چوپائے تو کون ہے" اس نے جواب دیا میں جساسہ ہوں جو عام لوگوں کو آخری زمانے میں نظر آؤں گا۔ پھر وہ چوپایہ تمیم کے بقول تمیم اور اس کے ساتھیوں کو قریب کے ایک محل میں لے گیا جہاں انہوں نے ایک شخص کو زنجیروں میں سر سے پاؤں تک جکڑا ہوا دیکھا۔ وہ شخص ان لوگوں سے مخاطب ہوا اور انھیں بتایا کہ میں دجال ہوں، زنجیروں میں جکڑے ہونے کے باوجود سر پر گوشت کے لوتھڑے اُٹھائے پھرتا ہوں لیکن مدینے میں (کوشش کے باوجود) داخل نہیں ہو سکتا۔

یہ حدیث اور ایسی بہت سی احادیث بڑی طویل طویل شرحوں کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ اب ہم پھر اکنافِ عالم کی آب وہوا اور اس کے خواص کی طرف آتے ہیں جو ہم اس سے قبل سطورِ بالا میں بیان کر رہے تھے۔ ہم نے انھیں زیرِ نظر کتاب سے پہلے اپنی ایک اور کتاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہاں ان کا ذکر موضوع کی مناسبت کے لحاظ سے بالاختصار کیا جا رہا ہے۔

اطبائے قدیم وجدید اور علوم طبیعات پر کتابوں کے مصنّف لکھتے ہیں کہ جسم میں خوراک کے قوائے انہضام تین ہیں۔ ان میں پہلا معدہ ہے جو خوراک ہضم کر کے اسے مقطر پانی بنا دیتا ہے اور اس مقطر پانی کو جگر کی طرف منتقل کر دیتا ہے جو دوسری قوت انہضام ہے۔ یہ دوسری قوت انہضام اس پانی کو جسم کے دوسرے اعضاء تک اس طرح پہنچاتا ہے جیسے کوئی نہر یا کنویں کا پانی لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ یہ پانی دراصل خوراک کا نچوڑ ہوتا ہے جس سے جسم میں گوشت اور چربی کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جن رگوں کے ذریعے جگر خوراک کے اس نچوڑ کو جسم کے مختلف حصوں میں پہنچاتا ہے وہ قوائے انہضام میں تیسری قوت کہلاتی ہیں۔ اگر قوائے انہضام کا یہ عمل درست حالت میں کام کرتا رہے تو انسان خدا کے فضل سے تندرست رہتا ہے۔

سال کی مختلف فصلیں

سال بھر میں عموماً چار فصلیں (موسم) ہوتی ہیں۔ سردی، گرمی، جاڑے اور برسات کے فصل۔ عربی میں ان کے نام یہ ہیں:۔

"صیف، خریف، شتا اور ربیع"

صیف کی فصل صفراوی، خریف کی سوداوی، شتا کی بلغمی اور ربیع کی فصل دمی کہلاتی ہے کیونکہ اس میں خون زیادہ مقدار میں پیدا ہوتا ہے۔

یہی حال انسان کی عمر کا ہے یعنی اس کی عمر بھی چار حصوں میں تقسیم ہوتی ہے انسان کی عمر کا پہلا حصّہ صبا ہے جو تولید و تقویت خون کا حصّہ ہے، دوسرا حصہ شباب ہے جو صفراویت کے غلبہ کا حصّہ ہوتا ہے، تیسرا حصّہ کہولت کہلاتا ہے جس میں سوداویت بڑھتی ہے اور چوتھا حصّہ شیخوخت یا بڑھاپا کہلاتا ہے اور اس حصّے میں بلغم کا غلبہ رہتا ہے۔

اسی طرح دنیا کی سمتیں بھی چار ہیں جو یہ ہیں :-

مشرق - یہ طبعًا حرارت اور رطوبت میں مشہور ہے اور اس جگہ خون کا دباؤ زیادہ ہوتا ہے

جنوب - یہ سمت طبعًا برودت اور خشکی میں شہرت رکھتی ہے۔ یہاں سوداویت کا دباؤ زیادہ ہوتا ہے۔

مغرب : دنیا کی یہ سمت طبعًا برودت و رطوبت میں خصوصیت رکھتی ہے اور اس خصوصیت کی وجہ سے بلغمی کہلاتی ہے۔

شمال : دنیا کی اس سمت میں حرارت و خشکی کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ صفراوی کہلاتی ہے۔

ویسے انسان کے جسم میں عمومًا ان سمتوں کے لحاظ سے مادّوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لیکن قدرتًا اس میں توازن و اعتدال قائم رہتا ہے کیونکہ اس میں ان جملہ مادّوں کا اختلاط پایا جاتا ہے۔

بقراط کہتا ہے کہ کائنات ارضی و سماوی کے سات حصّے ہونا فطرتًا لازمی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ دیکھو نظام شمسی میں ستارے بھی سات ہیں، دنیا کی اقالیم بھی سات ہیں۔ ہفتے کے دن بھی سات ہیں اور انسان کی عمر کے بھی سات حصّے ہیں۔ ان میں پہلا بچپن ہے جو ۱۴ سال کی عمر تک رہتا ہے۔ اس کے بعد لڑکپن ہے جو ۲۱ برس کی عمر تک رہتا ہے۔ اس کے بعد شباب ہے جس کی فطری حد ۲۲ سال سے ۳۵ سال تک ہے۔ اس کے بعد چالیس سال تک کہولت کا زمانہ ہوتا ہے اس کے بعد بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے جو ۴۷ سال تک رہتا ہے۔ اس کے بعد دو حصّے کمی زیادتی کے اعتبار سے انتہائی بوڑھاپے کے ہیں جو آخر عمر تک چلتے ہیں۔

انسان اور حیوان میں ہوا کے اثرات

انسانوں اور حیوانوں کے مزاج میں جو تغیر پیدا ہوتا ہے اس کا انحصار ہوا پر ہے۔ بقراط کا کہنا

ہے کہ ہوا کے تغیّر سے انسان کے مزاج میں غضب اور سکون کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ یہی حال ہم جوئی اور مسرّت و سرور کی کیفیات کا ہے جو ہوا ہی کے تغیّر سے پیدا ہوتی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ہوا میں اعتدال ہو تو انسان کا مزاج بھی معتدل رہتا ہے اور اس کے اخلاق پر بھی اس کا اچھا اثر پڑتا ہے۔

بقراط نے یہ بھی کہا ہے کہ نفس کی قوت بدن کے مزاجوں کے تابع ہوتی ہے اور بدن کے مزاج ہوا کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ ہوا کے مزاج بھی مختلف ہوتے ہیں، وہ کبھی تیز و تند ہوتی ہے، کبھی نرم رو، کبھی سرد ہوتی ہے کبھی گرم، ہوا کے یہی تغیرات انسان کے مزاج پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر ہوا میں اعتدال ہو تو انسان کا مزاج بھی معتدل رہتا ہے لیکن یہ زمین کے مختلف حصوں کی ہوا پر منحصر ہے۔

انسانی اشکال پر ہوا کی تاثیر

انسانی اشکال کے اختلاف کے بارے میں بھی اہل علم کا استدلال یہ ہے کہ ان کا اختلاف زمین کے مختلف خطوں کی ہوا کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا کی ہفت اقلیم کے باشندوں کی نہ صرف شکل وصورت بلکہ ان کے قد و قامت، ڈیل ڈول وغیرہ بھی ہوا کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں۔ سرد خطوں کے افراد پر وہاں کی ہوا کا اور گرم خطے والوں کے مزاج بلکہ اخلاق و عادات تک پر وہاں کی ہوا کا اثر پڑتا ہے۔ مصر ہو یا کوئی اور جگہ سب کا یہی حال ہے۔ سرد ملکوں کے مردوں کے مزاج بھی عورتوں کے مزاج کی طرح نرم و نازک ہوتے ہیں۔ وہاں کے مردوں کی شکل وصورت میں بھی نزاکت پائی جاتی ہے جب کہ گرم ملکوں کے مردوں کی طرح وہاں کی عورتیں بھی گرم مزاج ہوتی ہیں۔ لوگوں کا رنگ روپ بھی ہواؤں کے زیر اثر ہوتا ہے۔ سرد ملکوں کے لوگوں کا رنگ سفید ہوتا ہے، ان کی انگلیاں بھی گرم ملکوں کے لوگوں کے برخلاف نرم و نازک ہوتی ہیں اور ان کی ساخت بھی گرم ملکوں کے باشندوں کی انگلیوں کی ساخت سے مختلف ہوتی ہے۔ یہ سب ہوا ہی کے اثرات ہیں۔

حکیم بقراط نے یہ بھی کہا ہے کہ ہوا کا اثر نہ صرف انسانی اجسام تک محدود ہے بلکہ اس کا اثر نباتات اور اشجار تک پر ہوتا ہے جہاں جہاں کی ہوا معتدل ہے وہاں کے لوگوں کے اجسام ہی میں توازن و اعتدال نہیں پایا جاتا بلکہ وہاں کے حیوانات بھی اسی نسبت سے ڈیل ڈول میں خوب صورت ہوتے ہیں۔ ایسی خوش گوار ہوا کا اثر پانی تک پر ہوتا ہے جو اس ہوا کے اثر

سے خوش گوار اور شیریں اور خنک ہوتا ہے۔

اس نے حفظان صحت کے سلسلے میں بھی آب و ہوا کے اثرات کا ذکر کیا ہے اور اس کا استدلال علم و تجربے کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہے۔

ہوائے جنوب کے اثرات

حکیم بقراط نے جنوب کی ہوا کے بارے میں یہ کہا ہے کہ اس ہوا سے سمندروں اور دریاؤں کی طغیانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہاں کے لوگوں کے رنگ و روپ پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ لوگوں کے اجسام و اعصاب بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اعصاب میں کسلمندی پیدا ہوتی ہے اور ثقل سماعت کی وجہ بھی وہاں کی ہوا ہی ہے۔ آنکھوں کی بینائی بھی اسی وجہ سے کم ہو جاتی ہے کہ رطوبت کی کمی جملہ اعصاب کی حرکات کو کم کر دیتی ہے کیونکہ اعصاب حس کی کمی بیشی سے متاثر ہوتے ہیں۔

ہوائے شمال کے اثرات

ہوائے جنوب کے برعکس ہوائے شمال میں اجسام مقوی اذہان قوی تر، رنگ صاف، حواس مجتمع، قوت رجولیت میں اضافہ، حلق صاف اور سینہ مکدر سے خالی رہتا ہے۔

حکمائے اسلام نے عراق کے حوالے سے ہوا کے اثرات پر جو گفتگو کی ہے وہ کم و بیش اس سلسلے میں بقراط کے اقوال سے مطابقت رکھتی ہے۔

بقراط نے چوطرفہ ہواؤں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے بھلے بُرے اثرات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور مشرقی، مغربی جنوبی اور شمالی ہواؤں کے اثرات اور ان کی نرمی و گرمی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں ہوا کے مختلف اثرات کے اجمالی ذکر کے علاوہ ان کا ذکر اپنی دوسری کتابوں میں کسی قدر تفصیل سے کیا ہے۔ اب زیر نظر باب کے اختتام سے پہلے ہم سطح ارضی کی مساحت پر گفتگو کرتے ہوئے فرازی مصنف کتاب "الزیج والقصیدہ فی ہیئت النجوم والفلک" کے حوالے سے دنیا کے مختلف حصوں کے درمیان قرب و بُعد پر روشنی ڈالیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

مساحات ممالک اور ان کے مابین مسافت کا قُرب و بُعد

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی حکومت کے ممالک میں جو پیمائش کرائی گئی تھی اس کی رُو سے فرغانہ سے اقصائے خراسان اور وہاں سے مغرب میں طنجہ تک طول میں تین ہزار سات سو فرسخ ٹھہری تھی اور عرض میں باب الابواب

سے لے کر جدہ تک چھ سو فرسخ نکلی تھی۔ اس کے علاوہ باب الابواب سے بغداد تک تین سو فرسخ اور مکے سے جدہ تک ۴۲ میل ٹھرائی گئی تھی۔

اسی زمانے میں دوسرے ممالک محروسہ کی مساحت حسب ذیل ٹھرائی گئی تھی۔

علاقہ	طول		عرض
چین کی مساحت : مشرق سے شروع کر کے	۳۱ ہزار فرسخ	×	۱۱ ہزار فرسخ
ہندوستان کی مشرقی مساحت :	۱۱ ہزار فرسخ	×	۷ ہزار فرسخ
تبت کی پیمائش :	۵ سو ″	×	۲۳۰ ″
کابلشاہ کی پیمائش :	۴ سو ″	×	۹۰ ″
تغزغز کا ترکی علاقہ :	۱۰۰ ″	×	۵۰۰ ″
ترکستان کا خاقانی علاقہ :	۷۰۰ ″	×	۵۰۰ ″
خزولان :	۷۰۰ ″	×	۵۰۰ ″
برجان :	۱۵۰۰ ″	×	۳۰۰ ″
صقالیہ :	۳۵۰۰ ″	×	۴۲۰ ″
رومی مساحت قسطنطنیہ میں :	۵ ہزار ″	×	۴۳۰ ″
شہر روم کی مساحت :	۳ ہزار ″	×	۷۰۰ ″
عبدالرحمٰن بن معاویہ کے زمانے میں اندلسی مساحت :	۳ سو فرسخ	×	۸۰ ″
ادریس فاطمی کی قلمرو :	بارہ سو فرسخ	×	۱۲۰ ″
ابنیہ کی مساحت :	۲۵۰۰ ″	×	۷۰۰ ″
ساحل سجلماسہ بنی منتصر کے زمانے میں :	۴۰۰ ″	×	۸۰ ″
غانہ (بلاد الذہب) :	۱۰۰۰ ″	×	۸۰ ″
ودام کی مساحت :	۲۰۰ ″	×	۸۰ ″
نخلہ ″ ″ :	۱۲۰ ″	×	۶۰ ″
واح ″ ″ :	۹۰ ″	×	۴۰ ″
بجہ ″ ″ :	۲۰۰ ″	×	۸۰ ″
علاقۂ نجاشی :	۱۵۰۰ ″	×	۴۰۰ ″
زنجبار کی مساحت : (مشرق میں)	۷۰۰ ″	×	۵۰۰ ″

اُسطولا (احمد بن منتصر کے زمانے میں): ۴۰۰ فرسخ x ۲۰۰ فرسخ

اس طرح اسلامی ممالک محروسہ کی مساحت مجموعی طور پر طول میں ۴۸۰ ر ۷۲ فرسخ اور عرض میں ۲۵۰ ر ۲۵ فرسخ بتائی گئی تھی۔

جہاں تک زیرِ نظر باب میں اصول طب پر گفتگو کا تعلق ہے اس کی خبریں ریاضی وقیاس وغیرہ پر مبنی ہیں، اس میں لوگوں میں باہم اختلافات کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے اور اس باب میں اس کی صحت پر ہمیں کوئی تامل نہیں ہوا کیونکہ ہم نے جو کچھ یہاں درج کیا ہے وہ واثق باللہ کے زمانے کی ان اطلاعات پر مبنی ہے جس کی توضیح جزری نے اس کے سامنے کی تھی۔ واثق باللہ کی مجلس میں اس وقت حنین بن اسحٰق ابن ماسویہ، بختیشوع اور میخائیل جیسے ماہر فلاسفہ اور ماہرین طب موجود تھے۔ لہٰذا ہم نے ان کی تصدیقات پر اعتماد کیا ہے اور ان مذاکرات کو بلا تامل اس باب میں شامل کر لیا ہے۔

ان مذاکرات کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں بھی انہیں تصدیقات پر اعتماد کرتے ہوئے دی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب (۲۹)

متبرک عبادت گاہیں، مقدّس ہیکل، شمس و قمر اور بتوں کی پرستش گاہیں، کواکب اور دیگر عجائب عالم

ہندوستان میں عبادت اور اس کے اصنام

ہندوستان، چین اور ان کے اطراف کے اکثر لوگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا جسم رکھتا ہے اور فرشتے بھی جسم رکھتے ہیں جن کی اقدار مختلف ہیں۔ ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ چونکہ باری تعالیٰ آسمان پر مخفی ہے اس لیے انہوں نے اس کی خیالی صورت پر بُت تراش لیے تھے اور ان کے لیے بُت خانے تعمیر کر رکھے تھے۔ بعض بُت انہوں نے ملائکہ کی خیالی صورتوں پر بھی تراش کر انھیں بُت خانوں میں رکھا تھا اور دونوں کی ان دیکھے خدا کی طرح پرستش کرتے تھے۔ کچھ بُت انہوں نے انسان کی شکل و شباہت کے بھی بنائے تھے اور ان کی بھی اسی طرح پرستش کرتے تھے۔ ان کے خیال میں قربِ خداوندی کے حصول کا یہی طریقہ تھا۔ وہ اس طریقے پر مدتوں چلتے رہے اور ان کے تمام شہروں میں عبادت کا یہی طریقہ رائج رہا۔

کواکب کی پرستش اور ان کے لیے اصنام تراشی

ان کے کچھ حکماء نے انہیں یقین دلایا کہ پتھروں کے بتوں کے علاوہ ستارے بھی معبودِ حقیقی کی شکل رکھتے ہیں اور ان کی شکلیں زمین سے نظر بھی آتی ہیں۔ چنانچہ ان کی یقین دہانی پر اہلِ ہند اور چین نے ستاروں کی شکل کے بُت بھی تراش لیے اور ان کے لیے عبادت خانے انہیں ستاروں کے نام پر تعمیر کر کے وہاں ان کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو گئے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ستارے خدا کے حکم سے حرکت کرتے ہیں اس لیے وہ انہیں بھی قربتِ خداوندی کا ذریعہ سمجھتے رہے۔ وہ اس طریقے پر مدتوں چلتے رہے لیکن جب انہوں نے محسوس کیا ستارے دن کے وقت اور رات کے بعض اوقات

میں روپوش ہو جاتے ہیں تو انہوں نے کچھ بڑے ستارے خصوصاً سات ستارے عبادت کے لیے مخصوص کر لیے اور ان کے نام پر عظیم بت خانے تعمیر کر کے وہاں ان کے بت تراش کر رکھ دیے۔ انہوں نے پرستش کے لیے مختلف ستارے انتخاب کیے تھے، اس لیے ان کے بت خانے یا منادر بھی ان ستاروں کے نام پر مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے تھے۔

اپنے حکماء، منجموں اور ہیئت دانوں کے اقوال کے مطابق وہ زحل کو سب سے بڑا اور متبرک ترین ستارہ سمجھتے تھے، اسی لیے انہوں نے اس کی شکل کے بت تراش کر ان کی پرستش کے لیے جو عبادت گاہیں تعمیر کی تھیں وہ انہیں بیت الحرام سمجھ کر ان کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ یہ عبادت گاہیں انہوں نے قریب ہر بڑے شہر میں تعمیر کر رکھی تھیں۔ وہ ستارہ زحل کے جو اوصاف بیان کرتے تھے ہم نے اسے ایک فعل شنیع سمجھ کر اس کے ذکر سے یہاں احتراز کیا ہے۔

پہلا خدا پرست مہاتما بدھ

مذکورہ بالا طور پر بت پرستی کرتے ہوئے ہندیوں اور چینیوں کو مدتیں بیت گئی تھیں کہ وہاں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے بت پرستی سے منہ موڑ کر خدا پرستی کی تلقین کی۔ وہ ہندوستانی تھا جسے ہندی و چینی دونوں مہاتما بدھ[1] کے نام سے یاد کرتے تھے۔ وہ سرزمین ہند سے پہلے سندھ کی طرف گیا پھر سجستان و زابلستان گیا جو اس وقت فیروز بن کبک کی قلمرو میں تھے، وہ پھر کرمان ہوتا ہوا سندھ میں داخل ہوا۔ وہ اپنے نزدیک خود کو خدا کا فرستادہ انسان سمجھتا تھا جسے خدا نے اس کے بقول اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان ہدایات کا واسطہ بنایا تھا۔

جب وہ سرزمین فارس میں پہنچا تو اس وقت طہمورث[2] وہاں کا حکمران تھا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس وقت وہاں جمشید کی حکومت تھی۔ بہرکیف بوداسف (بدھ) پہلا شخص تھا جس نے ان اطراف میں خدا کی پرستش اور زہد و عبادت کی لوگوں کو تلقین کی بلکہ اس لحاظ سے اسے ساری دنیا میں بت پرستی کے اس دور میں بت پرستی چھوڑ کر خدا کی پرستش کی تلقین کرنے والا پہلا شخص سمجھنا چاہیے۔

---

[1] عربی نسخے میں اس کا نام بوداسف لکھا ہے (شادانی)
[2] ایک نسخے میں طیموث لکھا ہے (مرتب)

بعض لوگوں نے بوداسف (بدھ) کو بھی خدا کا اوتار سمجھ کر اس کے نام پر بُت تراش لیے اور ان کی پرستش کے لیے اب تک مختلف حیلے بہانے تراش رکھے ہیں۔

جمشید اول جس نے لوگوں کو آتش پرستی کی ترغیب دی

ان اہل خبر نے جنہوں نے اس دنیا کے حالات اور اس کے حکمرانوں کا ذکر کیا ہے یہ بھی بتایا ہے کہ جمشید پہلا بادشاہ تھا جس نے دنیا میں پہلی بار آگ کی تعظیم و تکریم شروع کی اور اپنی رعایا کو بھی اس کی تعظیم و تکریم کی جانب رغبت دلائی۔ اس نے یہ کہا کہ آگ روشنی میں سورج اور ستاروں سے مشابہ ہے اور چونکہ نور کو ظلمت پر بہرحال ترجیح ہے اس لیے نور قابل تعظیم ہے۔

اس کے بعد لوگوں نے ناموں کی مناسبت سے قربت الٰہی کے حصول کے لیے نوری اشیاء کی پرستش شروع کر دی تاہم لوگ ایک وقت تک اس بارے میں مختلف الرائے رہے۔

عمرو بن لحی کا مکے میں اصنام لانا

عمرو بن لحی نے مکے میں بیت اللہ پر تسلط کے سلسلے میں لوگوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھا تو وہ جب سرزمین شام میں شہر بلقاء گیا اور اس نے وہاں لوگوں کو بتوں کی پرستش کرتا پایا تو ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ وہ بولے۔

"ہم نے انھیں پرستش کے لیے اس لیے منتخب کیا ہے کہ ہم جب بھی ان سے مدد کے خواستگار ہوتے ہیں تو وہ ہماری مدد کرتے ہیں۔ جب ہم ان سے پانی کے لیے دُعا کرتے تو وہ ہمیں پانی بھی دیتے ہیں اور جو بھی کچھ ہم ان سے مانگتے ہیں وہ مل جاتا ہے۔"

وہاں کے لوگوں سے یہ سُن کر اس نے ان سے ایک بُت مانگا جسے وہ ہُبل کہتے تھے اور ان سے وہ بُت لے کر وہ مکے آیا اور اسے خانہ کعبہ میں نصب کر دیا۔ ہُبل کے ساتھ ہی وہ بلقاء سے اساف اور نائلہ نام کے بُت بھی لایا تھا اور اس نے ہُبل کے ساتھ انہیں بھی خانہ کعبہ میں نصب کر کے اہل مکہ کو ان کی پرستش کی دعوت دی۔ مکے میں یہ بُت پرستی ظہورِ اسلام اور بعثت نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہوتی رہی لیکن آپؐ نے مکے کے بُت خانے سے بُت ہٹا کر اسے پاک کر دیا اور خدائے واحد کی عبادت گاہ بنا دیا۔

بیت الحرام

اہل خبر نے یہ بھی بتایا ہے کہ لوگوں کے نزدیک ان لائق تعظیم سات عبادت گاہوں میں سے جو چاند، سورج اور باقی پانچ بڑے ستاروں کے نام پر تعمیر کی گئی

تھیں ایک عبادت گاہ تھی جسے کچھ دوسرے ممالک کے باشندوں کی طرح اہل عرب بھی تعظیماً بیت الحرام کہتے تھے۔

اصفہان میں مجوسیوں کی عبادت گاہ

مکّے کی عبادت گاہ کے علاوہ ایک دوسری عبادت گاہ اصفہان کے اس پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کی گئی تھی جسے "مارس" کہتے تھے۔ اس عبادت گاہ میں بھی اصنام پرستی ہوتی تھی۔ وہاں اصنام پرستی اس وقت ختم ہوئی جب فارس کے بادشاہ بیتاسف[ن] نے اپنے مجوسی ہونے کا اعلان کیا اور وہاں سے بُت نکال کر اصنام پرستوں کی اس قدیم عبادت گاہ کو آتش کدہ بنا دیا۔ مجوسی[1] اس عبادت گاہ کی آج تک تعظیم کرتے ہیں۔

ہندی معبد

اصنام پرستی کے لیے دُنیا میں تیسری عبادت گاہ ہندوستان میں تھی جسے مندوسان[2] کہا جاتا تھا۔ اس عبادت گاہ میں مقناطیسی پتھروں اور دُوسرے خصوصی خواص سے متّصف پتھروں سے تراشیدہ بُت نصب کیے گئے ہیں۔ ان بُتوں کی پرستش کی وجہ یہی قربت الی اللہ بتائی جاتی ہے۔ ان بتوں کے بھی طرح طرح کے اوصاف بیان کیے جاتے ہیں جن کے بارے میں کوئی بحث میں پڑنا چاہے تو پڑے۔ ہم نے زیرِ نظر باب کے موضوع کے لحاظ سے یہ کہنا ضروری سمجھا کہ بُت پرستوں کی مشہور تیسری عبادت گاہ ہندوستان میں ہے۔

بلخ میں برامکہ کی عبادت گاہ

دنیا میں چوتھا بُت کدہ بلخ میں تعمیر کیا گیا تھا جو بلادِ خراسان میں ہے۔ یہ بُت خانہ بیت البرامکہ کہلاتا تھا۔ اسے "نوبہار" بھی کہتے تھے۔ اسے چاند کے نام پر فارس کے بادشاہ منوچہر نے تعمیر کرایا تھا اور اسی کے حکم سے وہاں اہلِ فارس بتوں کی پرستش کرتے تھے، اس بُت خانے میں کچھ سندات بھی رکھی گئی تھیں جن میں تحریر کردہ احکام کی پیروی اطراف وجوانب کے ہر حکمران کے لیے لازم تھی اور وہ اس تبکدے کے ساتھ ان کی تعظیم بھی کرتے تھے۔ اس بُت خانے میں ان حکمرانوں کے علاوہ جو وہاں اموال کثرت سے بھیجتے تھے عوام کی طرف سے بھی چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے نیز اس معبد کے لیے ایک (بہت بڑا) وقف بھی تھا۔ اس کا نام بیت البرامکہ اس لیے پڑا کہ اس کا پہلا متولی خالد بن برمک تھا، اس نے اس معبد کی بنیاد بھی رکھی تھی اور اس کی بنیادوں میں سینکڑوں گز حریر

---

[1] ایک نسخے میں یہودی لکھا ہے (مرتّب)

[2] " " " "سندوساب" درج کیا گیا ہے (مرتّب)

ڈالا گیا تھا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ جن عمارتوں کی بنیادوں میں کثرت سے حریر ڈالا جائے ان پر تیز و تند ہوائیں اثر نہیں کرتیں بلکہ اس سے سو گز سے زیادہ دور ہی رہ جاتی ہیں۔ اس فاصلے کے متعلق اختلاف رائے بھی تھا۔ بہرکیف یہ کاروائی تیز و تند ہواؤں سے تحفظ کے علاوہ اس سمندری علاقے میں آنے والے طوفانوں سے تحفظ کے لیے بھی کی گئی تھی جس سے یہ معبد گھرا ہوا تھا۔ ہم نے ان مشہور ترین باتوں کا ذکر کرنا یہاں ضروری نہیں سمجھا جو اب تک زبان زد خاص و عام چلی آتی ہیں۔

اہل روایت و تفسیر کا کہنا ہے کہ اس عبادت خانے کے دروازے پر جو نوبہار کہلاتا تھا فارسی زبان میں یہ لکھا تھا: "بوداسف کا قول ہے کہ بادشاہوں میں تین خصائل ہونا ضروری ہیں: عقل، صبر اور جمع مال و دولت۔" لیکن اس عبارت کے نیچے عربی میں یہ لکھا ہوا تھا کہ بوداسف نے غلط کہا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ بندگان آزاد میں ان تین باتوں یا چیزوں میں سے ایک بھی ہو ان میں بوداسف کی بیان کردہ وہ تینوں خصائل یا چیزیں ہونا ضروری نہیں ہیں جو عبارت بالا میں اس باب السلطان پر تحریر کی گئی ہیں۔

غمدان صنعاء دنیا کا پانچواں قدیم بت خانہ بلاد یمن کے شہر صنعاء میں تھا جسے ضحاک نے ستارے زہرہ کے نام پر تعمیر کرایا تھا۔ اسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ کے حکم سے منہدم کرا دیا گیا تھا اور اب ہمارے زمانے یعنی ۳۳۲ ہجری میں وہاں مٹی کا ایک عظیم ٹیلہ اور کچھ کھنڈرات رہ گئے ہیں۔

جب وزیر علی بن عیسیٰ بن جراح یمن آیا اور اس نے صنعاء میں یہ ٹیلہ اور اس کے اطراف یہ کھنڈرات دیکھے تو اس نے وہاں لوگوں کے پانی پینے کے لیے ایک بڑا تالاب کھدوا کر اس جگہ کنواں بھی کھدوا دیا تھا۔

میں نے اُس غمدان کو دیکھا ہے جو ایک عظیم ٹیلے کی شکل میں باقی رہ گیا ہے اور وہاں کچھ کھنڈرات بھی ہیں جہاں بت کدۂ غمدان کی بنیاد رکھی گئی تھی جو اب منہدم ہو چکی ہے۔ قلعہ کحلان کا حاکم اسعد بن یعفر اور اس کے ساتھ یمن کے کچھ معززین بھی غمدان آئے تھے۔ اسعد بن یعفر نے غمدان کو از سرِ نو آباد کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن لوگوں نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ اس جگہ کو ارضِ سبا کے ایک شخص نے آباد کیا تھا اور یہاں کے شہر کی بنیاد بھی اس نے رکھی تھی۔ اب خدا جانے یہ جگہ کن اثرات کی حامل ہو کیونکہ اس قدیم زمانے کے اثرات دُنیا پر اب تک حاوی چلے آ رہے ہیں۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس معبد کی بنیاد اُمیۃ بن ابی صلت کے جدامجد نے رکھی تھی۔ اس کا نام ابو

صلت اُمیہ تھا جو ربیعہ کے نام سے بھی مشہور تھا۔ اس کی مدح سیف بن یزن نے کی ہے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیف بن یزن کا ممدوح درحقیقت معدی کرب بن سیف تھا۔ ابو اُمیہؓ زمانہ جاہلیت میں تھا اور اس کا نام اصحاب فیل کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ یمن کے حکمران معبد غمدان کی چھت پر رات کے وقت شمعیں لے کر بیٹھتے تھے اور وہاں کے باشندے مسلسل تین راتوں تک یہ منظر دیکھا کرتے تھے۔

فرغانہ (خراسان) کا بُت خانہ

ازمنۂ قدیم کا چھٹا بُت خانہ جو بُت کدہ کاوسان کے نام سے مشہور ہوا اسے کاؤس نے سبعہ سیارگاں میں سب سے بڑے ستارے سُورج کے نام پر تعمیر کرایا تھا اور اسے معتصم باللہ نے منہدم کرا دیا تھا۔ اس کے انہدام کی دلچسپ کہانی ہم نے اپنی کتاب اخبار الزماں میں تفصیل سے بیان کی ہے۔

چین کا بُت خانہ

یہ بُت خانہ چین کے بالائی علاقے میں تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ بُت خانہ ازمنۂ قدیم کا ساتواں بُت خانہ تھا۔ اسے عامور ابن سوبل بن یافث بن نوح نے اسی بناء پر تعمیر کیا تھا جو ابھی بیان کی گئی یعنی کواکب کی حرکات وغیرہ کا اس میں خیال رکھا گیا تھا۔ سُورج اور چاند کے علاوہ پانچ دوسرے بڑے ستاروں کی شکل پر وہاں رکھنے کے لیے بُت تراشے گئے تھے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسے قدیم ترکوں نے تعمیر کیا تھا۔ بہرکیف اس بتکدے کی ترصیع میں جواہرات استعمال کیے گئے تھے۔ اور اس میں ان جواہرات کی تاثیر کا خیال رکھا گیا تھا ان کے خیال میں جواہر ستاروں کے رنگ پر ہوتے تھے جیسے یاقوت، عقیق اور زمرد وغیرہ۔ اس بُت خانے کی اس طرح تعمیر کو اسرار چین میں شمار کیا جاتا تھا۔ انہوں نے اس کی بنیاد کا بڑا سبب اپنی عقلی رسائی کو ٹھہرایا تھا۔ انہوں نے اس میں حریر و دیبا اور ریشم سے جو ترصیع کی تھی اس کا سبب بھی وہ اجسام سماوی کی حرکات کو ٹھہراتے تھے۔ فرش سے لے کر چھت تک جو رنگ استعمال کیے گئے تھے اسے وہ کسی طائر سماوی کے پروں کا نمونہ قرار دیتے تھے جس کے پُر دُم سے لے کر اس کے سر تک مختلف الوان ہوتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ صانع عالم نے کواکب کو جس طرح تخلیق کیا ہے ہم نے بھی اسی نمونے پر اس بُت خانے کی تعمیر کی ہے۔ ان کے خیال میں جس طرح کسی طائر کی تخلیق کی گئی ہے۔ پھر اس سے انڈا وجود میں آتا ہے اور پھر جوزہ، یہی کیفیت ساری دنیا کی ہے جملہ اشیاء کا اتصال و انفصال اور تفرق و اجتماع یا کمی بیشی اس ایک اصول پر ہے۔ اس میں انسان حیوان، نباتات و جمادات سب شامل ہیں۔ ان کے خیال میں ان چیزوں کا وجود عدم اور ان کے

تغیرات سب کواکب کی حرکات پر مبنی تھے۔ انہوں نے اس بتکدے کی دیواروں پر دیبا وحریر وسرج کے استعمال میں بھی یہی خیال کیا تھا کہ ان کپڑوں میں لہروں کا انداز بھی ستاروں کی حرکات کے مشابہ رہے۔ ان کی خیالی تصویریں زہرہ، مریخ، زحل، عطارد، مشتری نیز سورج اور چاند کی عطا کردہ قوتوں کی مظہر تھیں۔

ہم نے ان کے اقوال وعقائد بجنسہ یہاں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

باب (۳۰)

یونانیوں کے نزدیک لائق تعظیم عبادت گاہیں

یونانیوں نے قدیم تبکدوں میں مندرجہ ذیل تین اور عبادت گاہوں کا اضافہ کیا تھا:-

معبد انطاکیہ مذکورہ بالا تین یونانی عبادت گاہوں میں سے ایک عبادت گاہ سرزمین شام کے شہر انطاکیہ میں تعمیر کی گئی تھی جو شہر کے سرے پر واقع تھی۔ مسلمانوں نے پہلے پہلے وہاں ایک اقامت گاہ بنادی تھی تاکہ جو لوگ روم سے اس کی زیارت کے لیے بری و بحری راستوں سے آئیں تو وہاں قیام کر کے اپنے مراسم عبادات ادا کر سکیں۔ لیکن جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو اس معبد کو خود ہی منہدم کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قسطنطین اعظم نے عیسائیت قبول کرنے کے بعد جب اپنے ملک میں دین عیسوی کی اشاعت شروع کی تھی تو انطاکیہ کی اس عبادت گاہ کو منہدم کرا دیا تھا۔ اس عبادت خانے میں سونے، چاندی کی بنی ہوئی اور مختلف جواہرات سے مرصّع مورتیاں رکھی ہوئی تھیں۔

لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ انطاکیہ کا یہ بُت کدہ اس میدان میں واقع تھا جہاں آج کل انطاکیہ کی جامع مسجد ہے اور وہ ایک عظیم ہیکل تھا۔ صابی (کفار) کہتے ہیں کہ اس عظیم ہیکل کو سقلا بیوس (یونانی) نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ ہیکل آج کل اس بازار کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے جسے آج کل بازار جزادین کہا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب معتضد باللہ ۲۳۹ھ ہجری میں انطاکیہ گیا تھا تو اسے اس عظیم عبادت گاہ کی عظمت رفتہ کی کہانی ثابت بن قرۃ ابن کرانی صابیٔ حرانی نے سنائی تھی۔

اہرام مصر یونانیوں کی دوسری عبادت گاہ ان اہرام مصر میں واقع ہے جو فسطاط کے شہر یعنی میلو

دُور سے نظر آتے ہیں۔

بیت المقدّس

یونانیوں کا تیسرا معبد بیت المقدس تھا۔ اہل شریعت کہتے ہیں کہ اس کی بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام نے ڈالی تھی اور اس کی تکمیل ان کی وفات کے بعد ان کے لائق احترام فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی تھی۔

مجوسیوں کا کہنا ہے کہ اس مقدّس عبادت گاہ کو ضحاک نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کی آئندہ تجاویز کا ذکر جو اس عبادت گاہ کے بارے میں ضحاک کے پیش نظر تھیں بڑے طول طویل قصّوں اور حکایات میں ملتا ہے جن کے بیان سے بخوف طوالت ہم نے یہاں احتراز کیا ہے۔

باب (۳۱)

قدیم رومیوں کی مقدس عبادت گاہیں

معبد قرطاجنہ قدیم رومیوں کی نظر میں نصرانیت کے ظہور سے قبل جو پہلی عبادت گاہ لائق تعظیم و تکریم تھی وہ شہر قرطاجنہ میں تعمیر کی گئی تھی۔ یہی درحقیقت ٹیونس ہے جو بلاد قیروان سے آگے سرزمین مغرب یعنی سرزمین افرنگ میں شامل ہے۔ اس معبد کو ستارے زہرہ کے نام پر سنگِ رخام سے تعمیر کیا گیا تھا۔

فرنگی عبادت گاہ رومیوں کی دوسری عبادت گاہ یورپ میں ہے اور ان کے نزدیک اب تک حد سے زیادہ لائق تعظیم و تکریم سمجھی جاتی ہے۔

مقدونیہ کی عبادت گاہ رومیوں کی تیسری عبادت گاہ مقدونیہ میں تھی اور اسے بھی ستاروں کی اشکال پر تعمیر کیا گیا تھا۔

اس عبادت گاہ کا تفصیلی ذکر ہم اپنی پہلی کتابوں میں کر چکے ہیں۔

باب (۳۲)

صقالبہ کی عبادت گاہیں

پہلی عبادت گاہ

صقالبہ کے نزدیک ان کی پہلی مقدس عبادت گاہ دیارِ صقالبہ کے ایک پہاڑ پر تھی جسے فلاسفہ نے دنیا کا بہت بلند پہاڑ بتایا ہے۔ اس کی بنیاد رکھنے، اس کے لیے مختلف اقسام کے پتھر جمع کرنے اور اس عمارت کے رنگ برنگ قطعات کے بارے میں بہت کچھ کہا جاتا ہے۔ اس کی عجوبۂ روزگار چھت کی بلندی اور اس کی صنعت کاری کے بارے میں بھی بہت سی حکایات مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس عبادت گاہ کی چوٹی پر طلوع سحر کے بعد سورج کی پہلی کرن پڑتی تھی اور اس عمارت میں جو جواہرات استعمال کیے گئے تھے ان کی قیمت کا اندازہ زمانہ مستقبل میں بھی مشکل ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ سے جس پر یہ عبادت گاہ تعمیر کی گئی تھی مختلف آوازیں آتی تھیں اور لوگ انہیں سُنتے (اور سمجھتے) تھے۔

دوسری عبادت گاہ

اس عبادت گاہ کو صقالبہ کے بعض بادشاہ بھی مقدس سمجھتے تھے۔ یہ عبادت گاہ صقالبہ کے "جبل اسود" پر تعمیر کی گئی تھی اور اس کے چاروں جانب خندق بنا کر اس میں عجیب طریقے سے پانی لایا گیا تھا۔ اس طرح یہ عبادت گاہ اس پر آبِ خندق سے گھری رہتی تھی۔ اس خندق میں جو پانی بہہ کر آتا تھا اس میں کھانے کی اشیاء کے علاوہ لوگوں کے لیے بہت سی دوسری مفید اشیاء بھی نکل آتی تھیں۔

اس عبادت گاہ میں جو ایک عظیم بُت رکھا گیا تھا اس کی شکل سیاہ فام حبشیوں یا زنگیوں سے ملتی جلتی تھی، ویسے اسے مجسمے میں بوڑھا دکھایا گیا تھا، اس کے ہاتھ میں جو عصا تھا اس میں

مُردوں کی ہڈیوں کے ہار لٹکتے رہتے تھے۔ اس کے پاؤں میں بھی دھات سے بنے ہوئے حبشیوں کے چھوٹے چھوٹے مجسّے اور مورتیاں پڑی رہتی تھیں۔

تیسری عبادت گاہ

صقالبہ کی تیسری عبادت گاہ بھی ایک پہاڑ پر تعمیر کی گئی تھی اور ایک سمندری خلیج سے گھری ہوئی تھی۔ اسے مرجان کے رنگ کے سُرخ اور زمرّد کے رنگ کے سبز پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے درمیان میں ایک عظیم گنبد رکھا گیا تھا۔ جس کے نیچے ایک بہت بڑا بُت نصب کیا گیا تھا۔ اس بُت کے اعضاء چار اقسام کے جواہرات سُرخ یاقوت، سبز زمرد، زرد عقیق اور سفید ہیرے سے بنائے گئے تھے۔ اس کا سر خالص سونے سے بنایا گیا تھا۔ اس بُت کے پہلو میں کسی لونڈی باندی یا خادمہ کی شکل کا ایک بُت تھا جو اس بڑے بُت کے احکام کی تعمیل کے لیے ہر وقت مستعد نظر آتی تھی۔ اس بُت کے سامنے ہر وقت خوشبوؤں کا دھواں اُٹھتا رہتا تھا۔ اس بُت کو صقالبہ کے ایک بہت قدیمی حکیم کے نام سے منسوب کیا گیا تھا۔ اس حکیم کے احکام کی باتیں اور بہت سی دوسری باتیں اہل صقالبہ سے سُننے میں آتی ہیں جنہیں ان کی ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی ہی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ ان باتوں سے ان لوگوں کی عقول، عادات واخلاق وغیرہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اس پر ہم نے اپنی پہلی کتابوں میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

باب (۳۴)

صابئہ کے مقدس بت خانے وغیرہ اور ان سے متعلقہ باتیں

صابئہ کا ہیکل عقل

صابئہ نے اپنے جو بت خانے تعمیر کیے تھے انہوں نے ان کی بنیادیں اپنے نزدیک عقل کے تصورات اور مختلف کواکب کی اشکال و حرکات پر رکھی تھیں۔ انہوں نے جہاں تک میں سمجھا ہوں عقل اوّل یا عقل ثانی کے بارے میں جو تصورات قائم کر رکھے تھے وہ جیسا کہ المنطق کے مصنف نے کتاب النفس کے تحت تیسرے مقالے میں لکھا ہے اور اس سے قبل ناسطیس نے علم النفس کی تشریحات اپنی ایک تصنیف میں پیش کی تھیں وہ انہیں تصورات سے مستعار تھے۔ عقل اوّل اور عقل ثانی کا ذکر اسکندرا فرودسی[1] نے اپنے اس مقالے میں کیا ہے جو علم النفس کی تشریحات پر مبنی ہے۔ اس مقالے کا عربی ترجمہ اسحاق بن حنین نے کیا ہے۔

صائبین کی مجموعی ہیکلیں

صائبین کی جملہ ہیکلیں حسب ذیل ہیں:-

ہیکل صورہ، ہیکل نفس، ہیکل زحل، ہیکل مشتری، ہیکل مریخ ہیکل شمس، ہیکل عطارد، ہیکل زہرہ اور ہیکل قمر۔

ان ہیکلوں میں ہیکل صورہ و ہیکل نفس گول بنائی گئی تھیں، ہیکل زحل شش پہلو تھی، ہیکل مشتری مثلث، ہیکل مریخ مربع مستطیل، ہیکل شمس مربع، ہیکل عطارد کی شکل مثلث، ہیکل زہرہ بیچ میں مثلث ویسے مربع مستطیل اور ہیکل قمر شمس الشکل تھی، لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں صائبین

---

[1] ایک نسخے میں "افرودلیس" لکھا ہے (مرتب)

ان ہیکلوں کی ان اشکال پر تعمیر کے اسرار و رموز کو دریافت کرنے پر بھی) کسی کے سامنے بیان نہیں کرتے تھے۔

بہرکیف اہل حرّان کے ایک نصرانی نے جو حارث بن سنباط کے نام سے مشہور تھا اور صابئین کے قریب ترہا تھا۔ بیان کیا ہے کہ صابئین کے ہیکلوں کی یہ اشکال مختلف حیوانات کی شکلوں پر تعمیر کی گئی تھیں اور دھواں کر کے وہ بعض کو ایک کی دھندلاہٹ کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ حارث بن سنباط کی بیان کردہ باقی تفصیلات ہم نے یہاں بخوف طوالت چھوڑ دی ہیں۔

آج کل یعنی ۳۳۲ھ ہجری تک مذکورہ بالا ہیکلوں میں سے جو باقی ہیں ان میں سے ایک شہر حرّان کے باب رقہ میں مغلتیا کے نام سے مشہور ہے۔ وہ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آذر کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ وہ آذر اور اس کے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بہت سے قصے بیان کرتے ہیں جن کو دہرانے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ ویسے ابن عیشون[1] نے جو کافی ذی فہم و ذی شعور النسان تھا اور جس کی وفات ۳۰۰ھ ہجری کے بعد ہوئی حرانیوں کے مذہب کے بارے میں جو صابئہ کے نام سے موسوم تھے ایک طویل نظم لکھی ہے۔ جس میں اس نے مذکورہ بالا جملہ ہیکلوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ان آوازوں کے اسرار و رموز سے بھی پردہ اُٹھایا ہے جو ان ہیکلوں میں نصب شدہ مختلف شکل کے بتوں کے منہ میں سے نکلتی تھیں اور جنہیں صابئین اسرار غیب میں شمار کرتے تھے۔ اس نے صابئین کے حوالے سے ان بتوں کے بارے میں اور بہت سی باتیں بیان کی ہیں جن میں ان بچوں کا بھی ذکر ہے جنہیں صابئین کے بتوں کے سامنے لے جاتے تھے تو ان کے رنگ بدل جاتے تھے یعنی صاف ہو جاتے تھے۔ اس راز کے بارے میں صابئین فلاسفہ یونان خصوصاً افلاطون کے اقوال کا حوالہ دیتے تھے نیز دوسرے فلاسفہ میں ہندی فلاسفہ کے اقوال بھی بیان کرتے تھے اور پھر ان اقوال کے مطابق ان بتوں کا سلسلہ آسمانی اجرام سے جا ملاتے تھے۔

وہ رُوح کے نقل مکانی کے بارے میں بھی فلاسفۂ یونان و ہند کی طرح کچھ اپنے حکماء کے اقوال بھی بیان کرتے تھے مثلاً یہ کہ جسم اور رُوح الگ الگ چیزیں ہیں اور روح نفس ہے جو قابل انتقال ہے جب کہ جسم میں رُوح کے جوہر کا کوئی حصہ نہیں ہے فنا ہو جاتا ہے۔

---

[1] ایک نسخے میں ابن عیسون لکھا ہے (مرتب)

اس سلسلے میں افلاطون کی بیان کردہ بہت سی باتیں بتائی جاتی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اس علم اور دیگر علوم میں مہارت حاصل کرنے کے لیے اس کی ان موضوعات پر لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعے کے علاوہ خود بھی غور و فکر کی عادت ڈالنا چاہیے۔ ویسے فلسفے کی کتب میں پانچ الفاظ کی معرفت ضروری ہے وہ الفاظ جنس، فصل، نوع، خاصہ اور عرض ہیں۔ اس کے بعد مقولات کی پہچان ضروری ہے جو شمار میں دس ہیں اور وہ جوہر، کمیت، کیفیت، اضافہ وغیرہ ان میں اضافی یا نسبتی چار بسائط ہیں جن میں الست آخری ہے۔ اس کے علاوہ زمان و مکان جدّہ، وضع، فاعل، منفعل آتے ہیں جن پر عبور حاصل کرنے کے بعد طالب علم ترقی کر کے علم مابعد الطبیعات کی معرفت اوّل و ثانی کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔

میں نے شہر حرّان کے باب مجمع الصائبہ میں سریانی زبان میں لکھا ہوا ایک خط دیکھا ہے جو افلاطون کے اقوال پر مشتمل ہے اور اس کی توضیح مالک بن عقبون[1] نے کی ہے۔ افلاطون کے بقول انسان بنات سماوی میں سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مشہور ترین شجر منکوسہ آسمان میں ہے جس کی جڑیں آسمان ہی میں ہیں لیکن اس کی شاخیں زمین میں ہیں۔ اسی طرح افلاطون کے نفس ناطقہ کے بارے میں اور بہت سے اقوال بیان کیے جاتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ سوال کرتا ہے کہ نفس بدن میں ہے جیسے شمس کے متعلق بتایا جائے کہ وہ گھر میں ہے یا گھر اس میں ہے۔ اس سلسلے میں افلاطون کے اقوال پر استدلال کثرت سے کیا گیا ہے۔ روح کے انتقال کے بارے میں سطور بالا میں گفتگو ہو چکی ہے۔

اب ہم پھر مذہب صابئین کی طرف آتے ہیں جس پر حرانیوں نے اکثر کتابیں لکھی ہیں اور ان کے احوال و کوائف تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

ان کتابوں میں سے فیلسوف ابی بکر بن زکریا رازی کی تصنیف کردہ ایک کتاب "المنصوری" میری نظر سے بھی گزری ہے۔ اس کتاب کے اصل موضوعات تو طب وغیرہ ہیں لیکن مذکورہ بالا مصنّف نے اس میں صابئین کے مذہب، حرانیوں اور انھیں میں سے جن لوگوں نے ان کے مذہبی عقائد کی مخالفت کی تھی ان کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ مخالفین کیمیاری کہلاتے تھے۔ ابی بکر محمد بن زکریا رازی نے اپنی مذکورہ کتاب میں بہت سی ایسی باتوں اور اشیاء کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے جن کا ذکر اکثر لوگوں کے نزدیک بُرا سمجھا جائے گا۔ اسی لیے ہم نے اپنی زیر نظر کتاب میں ان کے ذکر سے

---

[1] ایک نسخے میں مالک بن عفنون لکھا ہے (مرتب)

اجتناب برتا ہے، خصوصی طور پر اس لیے بھی کہ وہ جملہ چیزیں ہماری اس کتاب کے موضوع سے خارج ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ ان پر اظہار رائے ایک مؤرخ کے دیانت دارانہ اصول کے خلاف ہے۔

ہم نے اپنی دوسری کتابوں میں حرانیوں کے بارے میں مالک بن عقبون[1] وغیرہ کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اس سے بعض مؤرخین نے اتفاق کیا ہے اور بعض نے اس کی صحت سے انکار کیا ہے مثلاً ثور اسود (سیاہ بیل) کے بارے میں ان کے عمل کا ذکر کہ وہ اس سیاہ بیل کے منہ پہ پہلے تو نمک ملتے تھے جس سے اس کی آنکھیں خراب ہو جاتی تھیں، پھر وہ اسے ذبح کر کے اس کے ایک ایک عضو پر نظر رکھتے تھے اور اس میں مختلف ستاروں اور دوسرے اجرام سماوی کی مماثلت تلاش کرتے تھے۔ وہ اس سے سال کے مختلف اوقات کا حال جاننے کے علاوہ احوال قرابین اور عالمی اسرار و رموز نیز امکانات و محالات کا پتہ لگانے کی بھی کوشش کرتے تھے۔

حرّانیوں کی عبادت گاہوں کے علاوہ چین کے کچھ اطراف میں بھی مختلف الشکل قدیم عبادت گاہیں بھی سننے میں آئی ہیں۔ ان میں سے ایک کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ شکل میں گول تھی اس کے سات دروازے تھے۔ اس میں داخلے کا جو مرکزی دروازہ تھا اس پہ ایک عظیم گنبد تعمیر کیا گیا تھا اور اس کی برجی پہ بہت بڑی مچھلی بنائی گئی تھی۔ اس گنبد کے چاروں طرف بیش قیمت جواہرات جڑے گئے تھے جن میں سے اب کوئی باقی نہیں ہے کیونکہ مختلف حکمرانوں نے ان کی جگہ نیزے بھالے نصب کر دیے تھے جو منعکس ہوتے تھے اور دور سے چمکتے نظر آتے تھے۔ خدا جانے انھوں نے یہ سب کچھ کیوں کیا تھا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس ہیکل میں جو مختلف مقناطیسی پتھر استعمال کیے گئے تھے ان کے اثرات کو ملکی دفاع کا سبب سمجھا جاتا تھا نیز اُن نیزوں بھالوں کو بھی وہ ملکی و قومی دفاع کی علامت سمجھتے تھے۔ اب یہ سب کچھ کرنے والے تو فوت ہو چکے ہیں لہٰذا انھوں نے جن اسباب کی بناء پر یہ قدم اُٹھایا تھا اب اُن پر کون روشنی ڈالے؟ ویسے اس ہیکل میں ایک کنواں بنایا گیا تھا جس کا منہ ہفت پہلو تھا۔ کہتے ہیں اس کنویں میں جو حد درجہ گہرا تھا جن لوگوں نے اُترنے کی جسارت کی تھی اُنھوں نے بتایا تھا کہ اس کے دہانے سے کچھ نیچے اُترنے کے بعد ایک تختی جو اس کی گولائی کے نصف دائرے

---

[1] ایک نسخے میں "مالک بن عقنون" لکھا ہے (مرتب)

میں نصب کی گئی تھی اس پر بہت قدیم زبان میں ایک تحریر ملی تھی جس کا مضمون یہ تھا :۔

"اس کنویں میں (بیش قیمت و منزلت) کتابوں کا ایک خزانہ ہے۔ جو شخص اس کنویں میں اُتر کر ہماری طرح اس کی تہ تک پہنچے گا وہ یقیناً ہماری طرح اہل علم و اہل حکمت میں سے ہو گا تو وہ ان کتابوں میں تحریر شدہ اس ہیکل کے اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کر لے گا ورنہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہم آئندہ نسلوں سے کہیں زیادہ کائنات کے اسرار و رموز سے واقفیت رکھتے تھے اور ہم میں تحقیق و تجسّس کا ان سے زیادہ ذوق و شوق تھا۔ اگر ہماری جیسی ہمّت و جرأت والا کوئی شخص اتنا کر سکا تو اسے اس ہیکل، اس کے قصّے اور اس کنوئیں کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ اگر وہ اس ہیکل کے انہدام کے بعد اس کنوئیں کو تلاش کر سکا تو اسے اس نادرِ روزگار ہیکل کے انہدام کا افسوس بھی ضرور ہو گا۔"

باب (۳۴)

سورج اور چاند وغیرہ کے نام پر تعمیر کردہ عبادت گاہیں

نار و نور کے بارے میں ان ہیکلوں کے معماروں کی رائے

ان ہیکلوں کی تعمیر اور ان میں عبادت کی رسوم کے

سلسلے میں دورِ اوّل و ثانی کے جن شاہانِ فارس کا نام آتا ہے ان میں سرِ فہرست فریدون کا نام ہے اس نے اور اس کے اہل و عیال نے سب سے پہلے ایک آتش کدہ تعمیر کرانے کے بعد وہاں آگ کی پرستش شروع کی تھی اور وہ اس کی حد درجہ تعظیم بجا لاتے تھے۔ ان سے جب اس کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا تھا کہ آگ جو نار ہے وہ خالق کائنات اور اس کی مخلوق کے درمیان ایک واسطہ ہے جو نوری اشیاء میں بھی شمار ہوتی ہے۔ نقل کفر کفر نباشد کا مفہوم سمجھنے کے باوجود ان کے نزدیک آگ کے اوصاف عالیہ کا ذکر ہم نے بمنزلۂ معصیت سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ انہوں نے نور کے بھی درجات اور مراتب مقرر کر رکھے تھے۔ وہ نار و نور کے طبائع میں فرق بھی بیان کرتے تھے، آگ کے متعلق وہ کہتے تھے کہ اس میں جاذبیت ہے، مثال میں وہ اس طائر کو پیش کرتے تھے جو رات کے وقت اپنے چار جانب آگ محسوس کرتا ہے اور اس کی جاذبیت کی بنا پر اس میں جل کر بھسم ہو جاتا ہے، وہ اس سلسلے میں شمع اور پروانوں کی مثال بھی دیتے تھے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ شکاری رات کے وقت جو آگ روشن کرتے ہیں اس میں کچھ پرندے جاذبیت محسوس کرتے ہیں اور اس کی کشش سے خود شکاریوں کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ وہ مثال میں ان مچھلیوں کو بھی پیش کرتے تھے جو کشتیوں کے پیندوں میں لوہے کی کیلوں کی چمک دمک سے ان کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور پھر خود ان کے نیچے جا کر ہلاک ہو جاتی ہیں۔ نور میں وہ کل کائنات کی بھلائی کے

قائل تھے، انہوں نے عناصر کے مراتب پہ بھی اظہار خیال کیا تھا۔ وہ آگ کے متعلق کہتے تھے کہ اسے ظلمت پر ترجیح ہے اس لیے وہ قابل تعظیم ہے لیکن پانی چونکہ آگ کو بجھا دیتا ہے اس لیے اسے آگ پہ فوقیت حاصل ہے اور پانی ہی کائنات کے وجود کی اصل اور اس کا مبداء ہے۔ اسی لیے وہ اب بھی ہر ذی رُوح کی حیات کا ذریعہ ہے بلکہ نباتات اور پودوں کی نشوونما کا انحصار بھی اسی پہ ہے۔

آتش کدے اور ان کے اماکن

فریدوں نے آگ کے مذکورہ بالا اوصاف بیان کرنے کے بعد حکم دیا کہ اس کے تعمیر کردہ آتش کدے سے کچھ آگ خراسان لے جائی جائے۔ اس نے اس کے لیے طوس میں ایک آتش کدہ بھی تعمیر کرا دیا تھا۔ یہاں سے آگ بخارا لے جائی گئی تھی اور وہاں جو آتش کدہ تعمیر کیا گیا تھا اسے "بردسورہ" کہتے تھے۔ اس کے بعد ایک آتش کدہ سجستان میں بھی تعمیر کیا گیا تھا جسے "کراکرکان" کہتے تھے۔ وہاں تک آگ کو بہمن بن اسفندیار بن بستاسف نے پہنچایا تھا۔ اس کے بعد آگ شہر شیزدان (شیراز) تک پہنچائی گئی تھی۔ اور اس کے لیے وہاں جو آتش کدہ تعمیر کیا گیا تھا اس میں آگ کے ساتھ بُت بھی رکھے گئے تھے جہاں سے اسے (آگ کو) نوشیرواں نے نکال دیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نوشیرواں خود بھی آگ کی تعظیم کرتا تھا اور شیزدان میں آتش کدہ اس نے تعمیر کرایا جہاں سے آگ اس مقام تک لے جائی گئی تھی جسے برکہ[1] کہتے تھے۔

مذکورہ بالا آتشکدوں کے علاوہ ایک آتش کدہ جسے "کوسجہ" کہتے تھے۔ کیخسرو نے تعمیر کرایا تھا۔ ان اہل فارس کے نزدیک لائق تعظیم ایک اور آتش کدہ قومس میں بھی تھا لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ اسے فارس کے بادشاہوں میں سے کس نے تعمیر کرایا تھا۔

زردشت اور اس کے آتش کدے

اب تک جن دس آتش کدوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ زردشت سے پہلے جسے مجوسی نبی کہتے ہیں تعمیر کیے گئے تھے۔ ان میں آخری آتش کدہ وہ تھا جسے "جرنیش" کہتے تھے۔ اسے ایک بہت بڑے شہر میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس کی عجیب و غریب عمارت بھی نادر روزگار تھی اور اس میں بڑی عجیب شکلوں کے بُت بھی رکھے گئے تھے اور کہا جاتا ہے کہ جب یہ شہر تباہ ہوا تو وہ آتش کدہ بھی تباہ ہو گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہاں ایک اور آتش کدہ تعمیر کر کے وہاں آگ رکھی گئی تھی۔ بعض لوگ کہتے

---

[1] ایک نسخے میں "جو برکہ کے قریب تھا" لکھا ہے (مرتب)

ہیں کہ آخری آتش کدہ زردشت (زرتشت) سے پہلے فارس میں سیاوخس نے تعمیر کرایا تھا جسے "کنجدہ" کہتے تھے۔ اسکندر نے فارس پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد بھی اسے جوں کا توں رہنے دیا تھا۔ ویسے آگ مشرقی چین میں بھی جو برکند سے متصل ہے اسی کے زمانے میں لے جائی گئی تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ ارض فارس سے ارجان تک آگ بہراسف (بہراسپ) کے زمانے میں پہنچائی گئی تھی اور وہاں بھی اس کی پرستش کی جاتی تھی۔

مجوسیوں کے نبی زرتشت بن اسبیحان کے حکم سے جو آتش کدے تعمیر کیے گئے ان میں پہلا آتش کدہ خراسان کے شہر نیشاپور میں تھا۔ اس کے زیر فرمان ایک دوسرا آتش کدہ سرزمین فارس کے شہر "نسا والبیضا" میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس موقع پر زرتشت نے فارس کے بادشاہ بیستاسف کو حکم دیا تھا کہ وہ اس آگ کو جسے فارس کا بادشاہ جمشید معظم و مکرم سمجھتا تھا کہیں سے منگوائے۔ چنانچہ وہ آگ شہر خوارزم میں ملی اور بیستاسف نے اسے وہاں سے منگوا کر پہلے شہر دارابجرد میں رکھا پھر وہاں سے اسے نیشاپور کے آتش کدے میں منتقل کیا گیا جسے اب تک "آذرجوی" کہا جاتا ہے جس کا مطلب "دریا کی آگ" ہوتا ہے۔ آذر آگ کا ایک دوسرا نام ہے اور جوی پہلے سرزمین فارس کے ایک دریا کا نام تھا۔ اس کی تعظیم تمام مجوسی ہر اس آگ سے زیادہ کرتے ہیں جو دوسرے آتش کدوں میں ہیں۔

اہل فارس کہتے ہیں کہ جب کیخسرو ترکستان میں جنگ کرتا ہوا خوارزم پہنچا تو اس کا گزر وہاں کے آتش کدے کی طرف بھی ہوا۔ جب اس نے اس کے اندر جا کر آگ جلتی دیکھی تو اسے تعظیماً سجدہ کیا۔ اہل فارس یہ بھی کہتے ہیں کہ کیخسرو ہی نے اس آگ کو کاریان میں منتقل کیا تھا لیکن ظہور اسلام اور فارس پر مسلمانوں کے تسلط کے بعد مجوسیوں نے اس خوف سے کہ کہیں مسلمان اس آگ کو بجھا نہ دیں اس کا کچھ حصہ فارس کی ایک گمنام بستی "نسا والبیضا" منتقل کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں نے ان دونوں جگہوں میں سے اگر ایک جگہ کی آگ بجھا بھی دی تو دوسری جگہ باقی رہ جائے گی۔

اصطخر کا آتش کدہ

اہل فارس میں مجوسیوں کا ایک آتش کدہ اصطخر میں بھی تھا جو زمانہ قدیم سے چلا آتا تھا۔ اس جگہ حمایہ بنت بہمن بن اسفندیار نے ایک نیا آتش کدہ تعمیر کرایا تھا اور پہلے آتش کدے کی آگ وہاں نکلوا کر اس نئے آتش کدے میں رکھوائی تھی۔ یہ دوسرا آتش کدہ بھی اب ویران ہو چکا ہے۔ ہمارے زمانے کے لوگ کہتے ہیں کہ اس جگہ سلیمان بن داؤد کی مسجد تھی۔ اور وہ اب تک اس نام سے مشہور ہے۔ جب میں اس عمارت میں داخل ہوا تو وہاں ایک عظیم عمارت اور عجیب و غریب ہیکل کے آثار دیکھے۔ یہ جگہ شہر اصطخر سے کوئی دو

میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس عمارت میں سنگِ صخر کے ستون نادرروزگار ہیں۔ اس عمارت میں جو کبھی ایک بڑا بُت خانہ ہوگی اب بھی آثارِ قدیمہ کے طور پر حیوانات کی شکل کے بڑے عجیب وغریب اور عظیم الجُثّہ بُت رکھے ہوئے ہیں جو بیش قیمت پتھروں سے تراشے گئے ہیں۔ اس کی دیواروں پر بھی انہیں حیوانات وغیرہ کی روغنی تصاویر بنائی گئی ہیں۔ جو تصویریں ان میں انسانوں کی ہیں ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس قدیم عبادت گاہ میں آچکے ہیں۔ اس عمارت کا جو حصّہ پہاڑ کے زیریں حصّے میں ہے وہاں رات اور دن کے کسی حصّے میں ہوا کا گزر نہیں ہوتا۔ اہلِ فارس کے علاوہ مسلمانوں کا بھی یہی خیال ہے کہ یہاں حضرت سلیمان نے کبھی ہوا کو محبوس کر دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اب یہ ہوا صبح کو بعلبک میں رہتی ہے اور رات کو اس مسجد میں آجاتی ہے کہا جاتا ہے کہ اس مسجد کے لیے ملبہ بھی بعلبک سے لایا گیا تھا۔ بعلبک ارضِ شام میں عراق و دمشق اور حمص کے قریب ہے۔ شام کے علاقے سے اس کا فاصلہ پانچ یا چھ دن کے پیدل سفر کا ہے۔ یہاں عظیم پتھروں بلکہ بڑی بڑی چٹانوں سے تراشیدہ بلند وبالا مینار و ستون اور محرابیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہاں اب قحطانی قبائل کے عرب کثرت سے آباد ہیں۔

سابور کا آتش کدہ

سرزمین فارس کے شہر شاہ پور (عربی سابور) میں ایک عظیم آتش کدہ تعمیر کیا گیا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اسے دارا ابن دارا نے تعمیر کرایا تھا۔

جور کا آتش کدہ

سرزمین فارس کے شہر جُور میں بھی ایک آتش کدہ ہے۔ یہ وہ شہر ہے جہاں سے عرق وَرد یانی ملاکر باہر بھیجا جاتا ہے۔ یہ پانی اور وہاں کا عرق وَرد نہایت لطیف اور مصفا ہے۔ وہاں کے لوگ تو عرق ورد کو بھی پانی کی جگہ استعمال کرتے ہیں جس سے ان کے چہرے کے سفید رنگ میں سُرخی جھلکتی ہے۔ باہر والے عرق ورد دوا کے لیے منگواتے ہیں۔ وہاں سے پانی بھی ساری دنیا میں منگوایا جاتا ہے کیونکہ یہ نہ صرف انسان کو تندرست رکھتا ہے بلکہ نباتات پر بھی خوش گوار اثر ڈالتا ہے۔

فارس کے قصبے کوار سے ایک دُوسرے قصبے شیراز تک بیس میل کا فاصلہ ہے۔ کوار، شیراز اور جُور کے بارے میں اہلِ فارس بہت سی باتیں بیان کرتے ہیں جو طوالت سے خالی نہیں ہیں۔ فارس کے ایک اور قصبے میں جو "ماء النار" کے نام سے مشہور ہے ایک آتشکدہ پایا جاتا ہے۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس وقت فارس میں بادشاہ کورش کا زمانہ

تھا۔ اس نے آپ کی ولادت کی خبر سُن کر آپ کی والدہ مکرمہ حضرت مریم (علیہ السلام) کے پاس تین آدمی روانہ کیے، ان میں سے ایک کو دُودھ کی تھیلی، دوسرے کو پھلوں کی تھیلی اور تیسرے کو سونے کے ٹکڑے بھر کر ایک تھیلی دی۔ انہوں نے جیسا کہ کورش نے انہیں ہدایت کی تھی ستاروں کی سمت دیکھ دیکھ کر راستہ طے کیا حتیٰ کہ وہ شام میں حضرت مریم (علیہ السلام) اور آپ کے بیٹے بشر خوار پیغمبر خدا حضرت مسیح علیہ السلام کی خدمت میں جا پہنچے۔ ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ کورش نے آسمان پر ایک نیا ستارہ دیکھا تھا اور اس نے اس ستارے کی رہنمائی میں سفر کرنے کی ہدایت کی تھی ممکن ہے اس میں کچھ مبالغہ آرائی بھی ہو لیکن انجیل میں بھی اس کا ذکر موجود ہے کہ جب وہ لوگ سفر کرتے تھے تو وہ ستارہ آسمان پر ایک سمت کو چلتا تھا اور جب وہ کہیں قیام کرتے تھے تو وہ ستارہ بھی ٹھہر جاتا تھا گویا وہ ستارہ حضرت مسیح کی جائے ولادت کی طرف برابر نشاندہی کرتا رہا حتےٰ کہ کورش کے بھیجے ہوئے لوگ آپ کی جائے ولادت باسعادت تک جا پہنچے ہم نے یہ باتیں اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں بیان کرتے ہوئے کچھ لوگوں کے حوالے سے یہ بھی بتایا ہے کہ کورش کے فرستادہ لوگوں کے لیے حضرت مریم (علیہ السلام) نے روٹی اس طرح تیار کی کہ اسے صخرہ کے نیچے رکھ کر مٹی میں دبا دیا تھا لیکن وہاں قدرتی طور پر آگ پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت مریم (علیہ السلام) کے پاس پانی خود بخود آ جانے کا واقعہ بھی انہیں لوگوں سے منقول ہے۔ فارس کے مجوسیوں اور نصاریٰ کے بقول حضرت مریمؑ کے لیے پیدا شدہ آگ کورش کے لیے فارس لائی گئی تھی اور اس نے اسے مذکورہ بالا آتش کدے میں رکھا تھا۔

ایک اور آتش کدہ

ایک اور آتش کدے کی جو بارنوا کے نام سے مشہور ہے اُردشیر نے فارس پر تسلط حاصل کرنے کے اگلے روز ہی بنیاد ڈالی تھی اس کے علاوہ ایک اور آتش کدہ روم میں خلیج قسطنطنیہ پر سابور بن اُردشیر بن بابک نے تعمیر کرایا تھا سابور کو مؤرخین عام طور سے سابور الجنود لکھتے ہیں کیونکہ جب اس نے روم میں قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تھی تو اس کے ساتھ فارسی اور ترکی عساکر کے علاوہ کمک کے طور پر بہت سے دُوسرے بادشاہوں کے لشکر بھی تھے۔ اس لیے ان عساکر یا جنود کی کثرت کی بناء پر لوگ اسے سابور الجنود کہنے لگے تھے۔

حضر کا قلعہ

جب سابور بلاد جزیرہ کی طرف روانہ ہوا تھا تو سیدھا راستہ چھوڑ کر ایک قلعے میں جا اُترا تھا جو حصن حضر کے نام سے مشہور تھا دراصل یہ قلعہ سریانیوں

کے ایک بادشاہ ساطرون بن اسیطرون نے استاق میں تعمیر کیا تھا جسے موصل والے اباجرہ کہتے تھے عربی شعراء نے بھی ساطرون کا اس کو شان وشوکت اس کے عساکر کی کثرت، ملکی نظم ونسق خصوصاً قلعہ حضر کی پختگی وخوبصورتی کی وجہ سے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے۔ ان شعراء میں ابو دواد[۱] جاریہ بن حجاج ابادی بھی شامل ہے۔

نعمان بن مُنذر کا نسب

کہا جاتا ہے کہ نعمان بن مُنذر ساطرون بن اسیطرون کی اولاد میں سے تھا۔ اس کا نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔

"نعمان بن مُنذر بن امری القیس بن عمرو بن عدی بن ساطرون بن اسیطرون۔" ساطرون اور اسیطرون (درحقیقت) سریانی بادشاہوں کے القاب ہیں۔

جب یہ ملک جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا اور اس کے حکمران موت کی نیند سو گئے یعنی جیزن بن جہلہ اور اس کی ماں جہلہ وغیرہ اور جیزن بن معاویہ سب ختم ہو گئے تو اس ملک پر تنوخ بن مالک بن فہم بن تیم الات بن اسد بن دبرہ بن تغلب ابن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ قابض ہو گیا۔ درحقیقت یہی جیزن ابن معاویہ ابن عبید بن حرام بن سعد بن ملیح بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ تھا۔ اس کے پاس کافی لاؤ لشکر تھا۔ اس نے روم پر چڑھائی کی تھی اور اپنے ساتھیوں کو اِدھر اُدھر لیے پھرتا رہا تھا، عراق اور اس کے اطراف پر بھی اسی نے فوج کشی کی تھی، وہی دراصل سابور تھا۔ جب اس نے اوّل الذکر جیزن کے مذکورہ بالا قلعے پر حملہ کیا تو وہ قلعہ بند ہو گیا۔ سابور ایک مہینے تک قلعے کا محاصرہ کیے پڑا رہا لیکن اس نے قلعے کو فتح کرنے یا اس میں کسی اور طرح داخلے کی کوئی صورت نہ دیکھی۔ اتفاقاً ایک روز اس نے دیکھا کہ ایک پیکر حسن وجمال عورت اس کے پڑاؤ کی طرف چلی آ رہی ہے، وہ عورت یقیناً حسن صورت میں اپنی مثال آپ تھی۔ سابور اسے دیکھتے ہی اس پہ فریفتہ ہو گیا تھا۔ جب وہ قریب آئی تو اس نے اس سے پوچھا:

"اے قتالۂ عالم تو کون ہے؟"

وہ بولی:۔ "میں نضیرہ بنت جیزن ہوں۔"

سابور بولا:" ارے! مگر میرے پاس آنے کی کیا وجہ ہے؟"

نضیرہ نے کہا: میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ اگر آپ مجھ سے شادی کرنے اور

---

[۱] ایک نسخے میں ابو داؤد بن خمران بن حجاج ایادی لکھا ہے (مرتّب)

دوسری تمام عورتوں پر مجھے ترجیح دیتے ہوئے مجھے اپنی ملکہ بنانے کا وعدہ کریں تو میں آپ کو قلعے میں داخلے کا خفیہ راستہ بتا سکتی ہوں اور وہاں قبضہ کرنے میں بھی آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔"

چنانچہ سابور نے اس سے وعدہ کر لیا اور نضیرہ بنت خیزن نے دنیاوی اقتدار اور جاہ و مال کے لالچ میں آکر خود اپنے باپ سے غداری کی۔ اس نے نہ صرف سابور کو قلعے میں داخلے کا خفیہ راستہ بتایا بلکہ اپنے باپ خیزن کو کھانے میں بے ہوشی کی ایسی دوا دی کہ وہ دنیا و ما فیہا سے مطلق بے خبر ہو گیا۔

سابور خاموشی سے قلعے میں اس طرح داخل ہوا کہ خیزن کے کسی آدمی کو بھی اس کا پتہ نہ چل سکا۔ اس نے بغیر کسی مزاحمت کے قلعہ پر قبضہ کر کے خیزن کو قتل کرا دیا۔ اس نے نضیرہ سے شادی تو ضرور کی لیکن اس سے ہر وقت چوکنا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے نضیرہ سے کہا:۔

"تم نے مجھے قلعے میں داخلے کا خفیہ راستہ تو ضرور بتا دیا تھا لیکن اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم نے اپنے باپ کو اس میں میرے داخلے سے بے خبر کیسے رکھا تھا؟"

نضیرہ بولی:۔ "میں نے انہیں کھانے میں بے ہوشی کی دوا دے دی تھی۔"

سابور نے کہا: "اچھا! لیکن اتنی دیر تک بے ہوش رکھنے کی کوئی دوا تو ہمیں بھی آج تک معلوم نہ ہو سکی۔"

نضیرہ سابور کی بات کا اصل مقصد نہ سمجھتے ہوئے دھوکا کھا گئی اور اس نے ادویات کا وہ مرکب جس سے اس نے اپنے باپ کو رات بھر کے لیے غافل کر دیا تھا سابور کو بتا دیا۔ سابور نے خوش ہو کر اس کا شکریہ ادا کیا، اسے اپنی محبت کا یقین دلایا اور یہ بھی کہا کہ اسے اب یقین آیا ہے کہ وہ واقعی اس پر کتنا بھروسہ کرتی اور اس سے کس قدر محبت کرتی ہے۔

کچھ دن بعد نضیرہ کے پیٹ میں کھانا کھاتے ہی اتنی شدت کا درد ہوا کہ وہ کراہنے لگی۔ سابور نے اسی وقت موقع غنیمت جان کر اسے وہی بے ہوشی کی دوا کسی شربت میں ملا کر پلانا چاہی لیکن نضیرہ کند ذہن نہ تھی، وہ فوراً تاڑ گئی اور اس نے اپنے چند پرانے خادموں کو سابور کی گرفتاری کا حکم دیا اور اسے گرفتار کرانے کے بعد رات کے وقت خاموشی سے قلعے سے کافی دور لے جا کر قتل کرا دیا اور اس کی لاش دریا میں پھنکوا دی۔ اس طرح اس نے ہمیشہ کے لیے اپنے اقتدار کا راستہ صاف کر لیا۔

عرب کے کچھ شعراء حری بن دہماء عبسی وغیرہ نے نضیرہ کے ہاتھوں اس کے خیزن ابن معاویہ

اور شوہر سابورکے قتل کی داستان بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ تفصیل سے بیان کی ہے۔

مجوسیوں کے کچھ اور آتش کدے

مجوسیوں کے لیے ایک آتش کدہ بوران بنت کسریٰ پرویز نے عراق کے قریب مدینۃ السلام میں تعمیر کرایا تھا، وہ مقام استُنیا کے نام سے مشہور ہے۔

مجوسیوں نے لاتعداد آتش کدے عراق، فارس، کرمان، سجستان، خراسان، طبرستان اور کچھ پہاڑی علاقوں کے علاوہ آذربائیجان، اران، ہندوستان، سندھ اور چین میں تعمیر کرائے تھے۔ ہم نے انہیں چھوڑ کر صرف انہیں آتش کدوں کا یہاں ذکر کیا ہے۔ جو زیادہ مشہور ہیں۔

صنم خانہ بعل

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں مجوسیوں کے ان آتشکدوں کے علاوہ یونانیوں نے بھی بہت سے بُت خانے جگہ جگہ تعمیر کرائے تھے۔ انہوں نے ایک بُت بعل کے لیے ایک صنم خانہ تعمیر کیا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یوں فرمایا ہے:۔

"اتدعون بعلا وتذرون احسن الخالقین؟" (کیا وہ احسن الخالقین سے منہ موڑ کر اور اسے چھوڑ کر لوگوں کو بعل کی پرستش کے لیے بُلاتے ہیں؟ تشریحی ترجمہ)

یہ صنم خانہ دمشق کی قلمو وبعلبک میں سنیر کے قریب ہے۔ یونانیوں نے لبنان اور سنیر کے پہاڑی علاقے کے درمیان یکے بعد دیگرے دو عظیم صنم خانے تعمیر کرائے تھے۔ ان صنم خانوں کی دیواروں پر عجیب وغریب نقوش بنائے گئے تھے اور ان کے لیے جو بڑے بڑے رنگ رنگ کے پتھر فراہم کیے گئے تھے ان کی ساری دنیا کی زمینیں کھودنے کے بعد بھی مثال نہیں مل سکتی۔ ان کے ستونوں کی بلندی، دروازوں کی وسعت اور ان کے گرداگرد طول طویل دالانوں کی کثرت عجائب عالم میں شمار ہوتی تھیں۔ سابور کے قتل کی لرزہ خیز داستان کے ساتھ ان صنم خانوں کی الف لیلوی کہانی بھی کچھ کم جاذب توجہ نہیں ہے۔

دمشق میں صنم خانہ جیرون

دمشق کے اس صنم خانے کا ذکر جو "جیرون" کے نام سے مشہور تھا ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بھی کر چکے ہیں۔ اس صنم خانے کو جیرون بن سعد العادی نے تعمیر کرایا تھا اور اس کے لیے جگہ جگہ سے سنگِ رخام منگوایا تھا۔ اس میں ارم ذات العماد بھی تھا جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور ہم بھی اس کا ذکر پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں۔

ویسے جب کعب احبار معاویہ کے پاس آیا تو آخرالذکر نے اور باتوں کے علاوہ اس صنم خانے کے بارے میں بھی سوالات کیے تھے۔ معاویہ ابن ابی سفیان کے سوالات کے جواب میں اس نے اس صنم خانے کے بارے میں بتایا تھا کہ اس کی بنیادیں سونے اور چاندی سے بھری گئی ہیں اور ان میں مشک و زعفران ڈالا گیا ہے۔ اس نے اور بھی بہت سی عجیب و غریب باتیں اس صنم خانے کے بارے میں معاویہ ابن ابی سفیان کو بتائی تھیں۔ اس نے اہل عرب میں سے دو آدمیوں کے نام بھی بتائے تھے جو اس کی باتوں کی تصدیق کر سکتے تھے۔ جب معاویہ ابن ابی سفیان نے ان دونوں کو طلب کیا تھا تو کہا تھا کہ کعب احبار نے جو کچھ اس صنم خانے کے بارے میں بتایا ہے اگر اس کی تصدیق ہو گئی تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی باتوں کو قصّہ گویوں کی من گھڑت باتوں پر محمول کیا جائے گا۔ بہرکیف ان دو آدمیوں نے بھی اپنے بزرگوں سے سُنی ہوئی ان باتوں کی تصدیق کر دی تھی جو کعب احبار نے معاویہ ابن ابی سفیان کو سنائی تھیں لیکن لوگ اب تک اس بارے میں مختلف الرائے ہیں کہ یہ صنم خانہ اور اس میں تعمیر کردہ ارم ذات العماد اصل میں کس جگہ واقع تھے" تاہم عبید بن شریہ کی کتاب سے جو لوگوں میں اب تک متداول ہے اور جس میں ازمنۂ قدیم کے حالات تفصیل سے بیان کیے گئے اس صنم خانے اور ارم ذات العماد کا ذکر بھی کافی تفصیل کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔

کتاب الف لیلہ ولیلہ

جن مشہور کتابوں میں عجائب عالم کی داستانیں اور دوسری عجیب و غریب کہانیاں درج کی گئی ہیں انہیں میں ایک حد سے زیادہ شہرت یافتہ کتاب "الف لیلہ ولیلہ" بھی ہے۔ ان کتابوں میں مختلف بادشاہوں کے درباریوں نے ان کی تفریح طبع کے لیے عجیب و غریب افسانے لکھے ہیں۔ ہم تک کتاب "الف لیلہ ولیلہ" فارسی، ہندی اور رومی زبانوں سے ترجمہ ہو کر عربی میں "اَلفُ خُرَافہ" کے نام سے پہنچی ہیں۔ یہ کتاب فارسی میں "ہزار افسانہ" کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ عربی میں خُرافہ افسانے کو کہتے ہیں، اس لیے اس کا ترجمہ عربی میں "اَلفُ خُرَافہ" کے نام سے ہوا ہے لیکن عام لوگ اسے "اَلفُ لَیلہ و لَیلہ" کہتے ہیں۔ اس کتاب میں ایک بادشاہ، اس کی بیٹی، اس بیٹی کی ایک کنیز اور اس بادشاہ کے وزیر کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ بادشاہ کی بیٹی اور اس کنیز کا نام اس کتاب میں شہرزاد اور دینازاد لکھا ہے۔ اس کتاب کی کہانیاں بھی جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں عرض کیا "فرزہ وسیماس" کی کہانیوں کی طرح ہیں جو ہندوستانی بادشاہوں اور ان کے وزراء کے بارے میں

لکھی گئی ہیں - اس طرح کی کچھ اور کتابیں "سندباد" وغیرہ بھی ہیں -

دمشق کی جامع مسجد

نصرانیت کی اشاعت سے قبل دمشق کی جامع مسجد ایک عظیم بُت خانہ تھی جس میں بہت سے بُت رکھے گئے تھے - اس کے میناروں پہ بھی مورتیاں نصب کی گئی تھیں جو ستارۂ مشتری کے نام سے منسوب تھیں اور انہیں خوش قسمتی کی علامت سمجھا جاتا تھا - ظہور نصرانیت کے بعد اس بُت خانے کو گرجا کی شکل دے دی گئی تھی اور ظہور اسلام کے بعد اسے مسجد میں بدل دیا گیا جہاں سے آج بھی اذان کی آواز سنائی دیتی ہے - اس جگہ مسجد کی بنیاد ولید ابن عبد الملک نے رکھی تھی -

دمشق کا قصر بریص

دمشق میں ایک اور نادر روزگار عمارت تھی جسے "قصر بریص" کہتے تھے - یہ عمارت تا حال وسط دمشق میں موجود ہے - کہتے ہیں اس کے اندر کبھی ایسی چھوٹی چھوٹی نہریں تھیں جن میں شراب بہتی تھی - شعراء نے اس قصر کی تعریف میں مارب کے ملوک غسانی کے حوالے سے متعدد اشعار کہے ہیں -

آتشکدۂ دیماس

دمشق میں قصر بریص کے علاوہ فارس کے حکمرانوں نے انطاکیہ میں جب وہ ان کی قلمرو میں شامل تھا - ایک عظیم عمارت تعمیر کی تھی جسے "دیماس" کہا جاتا تھا - اس عمارت کو بہت مضبوط بنیادوں پہ تعمیر کیا گیا تھا اور اس میں عادی کی اینٹیں اور دوسرے پتھر استعمال کیے گئے تھے - فارس کے مجوسی حکمرانوں نے اسے بطور آتش کدہ تعمیر کیا تھا -

دنیا کے کچھ اور عجائب

ابو معشر منجّم نے اپنی کتاب "کتاب الالوف" میں مذکورہ بالا آتشکدوں اور عظیم ہیکلوں کے علاوہ بھی کچھ اور عظیم عمارتوں کا ذکر کیا ہے جو دنیا میں ہزار سال کے دوران میں تعمیر کی گئیں - ابو معشر کے شاگرد ماذیار نے بھی اپنی کتاب "المنتخب من کتاب الالوف" میں کچھ اور عجیب و غریب عمارتوں کا ذکر کیا ہے جو اس کے استاد اور اس کے زمانے سے بہت پہلے تعمیر کی گئیں اور اس کے بعد بھی آخر الذکر کے زمانے تک معرض وجود میں آئیں ہم نے زیر نظر کتاب میں ان سب کے فرداً فرداً ذکر سے بخوف طوالت گریز کیا ہے - ماذیار نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں دیوار اعظم کا بھی ذکر کیا ہے - اس دیوار کو یاجوج ماجوج کی دیوار کہا جاتا ہے - لوگ اس دیوار کی بنیاد اور اس کے تعمیر کنندہ کے بارے میں ہمیشہ مختلف الرائے رہے ہیں جس طرح وہ ارم ذات العماد اور اس کے محل وقوع کے بارے میں مختلف رائیں

رکھتے ہیں ہم نے اس کا ضمناً ذکر کر دیا ہے جیسے ہم نے اہرام مصر اور اس پر کندہ عبارتوں، ارض صعید وغیرہ کی تعمیرات وغیرہ، شہر عقاب، ان ستونوں کا جس سے پانی گرتا ہے اور جو ارض عماد میں واقع ہیں ذکر کر دیا ہے یا نمل اور وہاں کے بھیڑیوں اور کتوں کا یا سلجماسہ کے ذکر کے ساتھ "ارض ذہب" کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہاں سے لوگ سونا سمیٹ کر کس طرح لے جاتے تھے ہم اس نہر کا بھی ذکر کر چکے ہیں جہاں تک لوگ ارض ذہب سے سونا اکٹھا کر کے لے جاتے تھے بلکہ ارضِ مغرب تک ابھی اسی راستے سے تجارتی مال لے جایا جاتا ہے۔ یہ نہر درحقیقت بڑی وسیع اور گہری ہے۔ یہ اقصائے خراسان تک چلی جاتی ہے اور ترک مقبوضات سے بھی گزرتی ہے ہم پہلے اس عمارت اور اس کے عجیب و غریب کنویں کا بھی ذکر کر چکے ہیں جو بلاد احقاف میں حضرموت اور یمن کے درمیان واقع ہے۔ ہم نے قلعہ نحل، شہر رومیہ، اس شہر کی تعمیرات اور وہاں کے بُت خانوں اور عظیم ہیکلوں کا ذکر بھی پچھلے صفحات میں کیا ہے۔ ہم نے روم نحاس کے آباد کردہ شہر کا ذکر بھی کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ نحاس کے بسائے ہوئے سوڑانی علاقے سے شہد اور زیتون شام لے جاتے تھے۔ ہم نے اس طائر کا بھی ذکر کیا ہے جو یہ چیزیں اپنے پنجوں اور چونچ میں شام تک لے جاتا تھا جس کا ماخذ علاقۂ سوڑان تھا۔ البتہ یہ سب باتیں ہم نے کسی قدر تفصیل سے اپنی کتاب اخبار الزماں میں بلینوس کی کتاب "اخبار الطلسمات" کے حوالے سے بیان کی ہیں۔ اسی طرح ہم نے اندلس کے سات شہروں کا ذکر اور عبد الملک بن مروان کے وہاں ورود کا قصہ اور مسلمانوں کے عروج کی مختصر داستان بھی اپنی مذکورہ کتاب میں بیان کر دی ہے۔ ہم نے اس شہر کا ذکر بھی کیا ہے جہاں سے لوگ ساحل حبشہ تک آمد و رفت رکھتے تھے۔ ہم نے ہندوستان، سندھ اور ملتان وغیرہ کا ذکر بھی کیا ہے اور وہاں تعمیر کردہ معابد کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم ان سمندروں وغیرہ کا ذکر بھی کر چکے ہیں جہاں سے لوگ موتی نکالتے اور غذا بھی حاصل کرتے ہیں۔ ہم نے اطراف و اکناف عالم کی آب و ہوا، وہاں کی غذاؤں، لوگوں کی شکل و صورت کا ذکر بھی حتے الوسع کیا ہے۔ ان سب باتوں پر ہم کچھ اپنی پہلی کتابوں اور کچھ زیرِ نظر کتاب کی پہلی جلد میں روشنی ڈال چکے ہیں۔

بحرِ روم اور بحرِ احمر کے اتصال کی کہانی

روم کے حکمرانوں میں سے کسی نے بحرِ قلزم اور بحرِ روم کے درمیان آبی راستہ نکالا تھا حالانکہ یہ کسی انسان کے بس میں نہ تھا کیونکہ بحرِ قلزم کی سطح بلند ہے جب کہ بحرِ روم کی سطح اس سے

کہیں پیت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی بلند حوصلگی اور الوالعزمی کے پیشِ نظر قدرت نے اس کی مدد کی تھی جیسا کہ اس سلسلے میں قرآن میں بھی ذکر آیا ہے۔ جس جگہ بحرِ قلزم کے نزدیک کھُدائی کی گئی تھی وہ ساحل قلزم سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اور اسے "ذنب تماح" کہتے ہیں۔ اسی آبی راستے سے وہ لوگ سفر کرتے ہیں جو مصر سے حج کے لیے جاتے ہیں۔ اسی سمندر سے ایک اور خلیج اس لبستی تک جاتی ہے جسے محمد بن علی ماذرانی نے آباد کیا تھا اور "ہامہ صنیعہ" کے نام سے مشہور ہے یہ خلیج مصر سے شروع ہو کر مذکورہ لبستی تک پھیلی ہوئی ہے لیکن بحر روم و بحر قلزم کے اتصال سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک اور خلیج ٹیونس اور دمیاط کے قریب بھی ہے جس کے کچھ بحیرے بھی ہیں۔ اس خلیج کا نام "ذبرہ خلبیہ" ہے۔ اس خلیج میں پانی بحر روم سے آکر بحیرۂ تیونس سے گزرتا ہوا نعمان کی آبادی تک بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور مذکورہ بالا لبستی کے پانی سے جا ملتا ہے۔ ان سمندروں اور خلیجوں نیز بحیروں کے ذریعہ ساری دنیا میں حمل ونقل کا کام آسان ہو گیا۔

جب رشید نے چاہا کہ ان دو سمندروں کے اتصال سے فائدہ اُٹھا کر وہ دریائے نیل کا پانی صعید مصر اور اس کے ملحقہ علاقوں تک پہنچا دے لیکن اسے ممکن نہ پا کر وہ نیل کا بہاؤ جو بلادِ تیونس کے متصل ہے لے گیا تاکہ نیل بحر روم تک پہنچ کر حمل ونقل کا ذریعہ بن سکے۔ اسی وقت سے زائرین حرم نے یہ راستہ اختیار کر لیا تھا۔ یحییٰ بن خالد کہتا ہے کہ رومیوں نے اس راستے کے استعمال کی مخالفت کی تھی کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ بحرِ حجاز سے لوگ بآسانی بحر روم تک پہنچ سکیں گے، حالانکہ اس راستے پر بہت سے مسافر خانے پہلے ہی تعمیر کیے جا چکے تھے۔ چنانچہ یحییٰ نے بہ خیال رواداری اس راستے کو ترک کر دیا تھا۔

جب عمرو بن عاص مصر آیا تو اس نے بھی یہی راستہ اختیار کرنا چاہا تھا لیکن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے روک دیا تھا۔ عمرو بن عاص نے ویسے بہت سے دوسرے ترقیاتی کام کیے تھے۔

جن شاہانِ سلف نے سمندروں کے اتصال کا کام اور سواحل سمندر پہ سرائیں بنانے اور لبستیاں بسانے کا کام کیا تھا وہ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور اس کے لیے زندگی کی سہولتیں فراہم کرنا چاہتے تھے۔

باب (۳۵)

تخلیق کائنات سے ولادت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تک

زمانی احوال

ہم نے اپنی دوسری کتابوں میں جو زیرِ نظر کتاب سے قبل تصنیف کی ہیں بعض طبیعین کے اقوال ابتدائے آفرینش عالم اور اس کے حدوث واختتام کے بارے میں بیان کر دیے ہیں اور اس سلسلے میں فلاسفہ ہند و یونان اور فلکی وطبعی حضرات کے اختلافات آرا بھی پیش کر دیے ہیں اور ان حضرات کے بقول یہ بھی بتا دیا ہے کہ ورود فلکیہ، اشخاص محلّہ کی حرکت صانعہ، روح کا قطع مسافت را ابتدائے لے کر انتہا تک، پھر اس کا انفصال تا وجود ہیئت اشخاص وظہور شکل وصورت، ان کے وجود کے اسباب، ظہور اشیاء کی ابتدا وانتہا اور اس کا اعادہ نیز اس کی تکرار کی وجہ کیا ہیں۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں طبیعین کے اقوال کے مطابق حرکات طبائع اور ان کے اختلاط سے قبل اشیاء کا جسمانیہ و نفسانیہ وجود ان کی ابتدائی حرکات سے ظہور پذیر ہوا ہے اور پھر ان حرکات کے اختلاط سے حیوانات ونباتات اور دنیا کی تمام دوسری اشیاء وجود میں آئی ہیں اور یہیں سے توالد و تناسل کی ابتدا ہوئی ہے کیونکہ جب کسی کی جسمانی شخصیت کا اختتام ہوتا ہے تو وہیں سے نسل تسلسل شروع ہو جاتا ہے، طبائع مرکب سے بسیط کی طرف منتقل ہوتی ہیں اور اسی طرح بسیط سے مرکّب کی طرف حتیٰ کہ مرکب کا بسیط کی طرف انتقال در انتقال منتقل ہو جاتا ہے جب کہ وجود عالم کی ابتدا اس انتقال کا پہلا زینہ تھا۔ طبیعین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مذکورہ بار بار اور منتقل انتقال مرکب سے ظہور اشیاء کی بنیاد پڑتی ہے جیسے فصل ربیع میں ظہور نباتات جس کی نشو و نما کی قوت تحت الثریٰ میں ہوتی ہے۔ انہوں نے دوسری بات یہ کہی ہے کہ سورج فصل ربیع کے وقت راس حمل میں پہنچ جاتا ہے جو اس کا ابتدائی مرکز ہے اور اس کی درجہ بدرجہ حرکات

سے نباتات زندہ ہوتی ہیں، اشجار میں پھول پھل آتے ہیں جیسے موسم شتا میں برودت و یبوست کا اختلاط ہوتا ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ حرارت و رطوبت اور فساد برودت و یبوست ہوتی ہے یعنی جب وجود متمم منزل فساد میں داخل ہوتا ہے اور اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو یہ وہی وقت ہوتا ہے جب سورج راس الحمل میں داخل ہوتا ہے اور پھر وہی کون و فساد منزل بمنزل اپنے آغاز و انجام تک پہنچتے رہتے ہیں اور یہ انتقال منازل ایک حال سے دوسرے حال تک دائرہ زمانی کی شکل میں جاری رہتا ہے اور اشکال مختلفہ میں ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے۔ ان طبیعین کے نزدیک توحم و آبان کی یہی صورت ہے۔

حدوث عالم کی دلیل

اشیائے موجود کی ابتدا و انتہا پر گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی یا تو ابتدا و انتہا دونوں ہوں گی اور یہ دونوں منازل میں سے کسی ایک منزل میں ہوں گی یا ابتدا و انتہا کی دونوں منازل سے مبرا ہوں گی۔ اگر ان کی ابتدا / انتہا کے بغیر تسلیم کر لی جائے تو ضروری ہوگا کہ کسی شے کے بعض اجزاء حالت تغیر غیر متناہی میں ہوں گے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تغیر زمانی جملہ اشیاء پر اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ صرف بعض اشیاء پر علی التواتر دائمی شکل میں اثر انداز ہوتا رہتا ہے جب کہ ہمارا مشاہدہ اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ وجود و عدم وجود اشیاء دائرے کی شکل میں نہیں ہیں بلکہ ان کی ابتدا و انتہا لازمی ہے۔ اس استدلال سے ان لوگوں کا یہ دعوٰے یا خیال باطل ٹھہرتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اشیاء کی کوئی انتہا نہیں ہے بلکہ یہ بات بھی باطل قرار پاتی ہے کہ ان کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہا کیونکہ اگر ان کی شکل دائرہ بھی تسلیم کر لی جائے تو ان کی انتہا کے بعد از سر نو ابتدا تو لازمی ہوگی۔ پس اشیاء کی ابتدا اور ان کی انتہا کے لیے یہی ثبوت کافی ہے۔ لہٰذا جیسا ہم بیان کر چکے ہیں حدوث اجسام حدوث حس پر مبنی ہے جس سے عقل انکار نہیں کر سکتی۔

حدوث عالم

جب یہ ثابت ہو چکا کہ اشیاء کی ابتدا اور انتہا ضروری ہے تو پھر تغیر و ظہور اشکال کے لیے ثبوت فراہم کرنا ضروری نہیں رہتا البتہ اس ذات قدیم کی ابتدا و انتہا تلاش کرنا جس کی صفات تک کا عقل احاطہ نہیں کر سکتی بلکہ اشارات سے بھی اس کا ادراک ناممکن ہے منجملہ محالات کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ بس وہی ایک ذات ہے جس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔

اب ہم مختلف الخیال و عقائد لوگوں کے اقوال کے مطابق تخلیق عالم کی ابتدا و انتہا پر

پہ گفتگو کریں گے۔ ان لوگوں میں ہندی و یونانی وغیرہ سبھی لوگ شامل ہیں۔

دنیا کی عمر

مجوسیوں کے خیال میں دنیا کی عمر اب تک چھ ہزار سال ہو چکی ہے۔ وہ اپنی اس رائے کا ماخذ اپنے مذہبی بیانات بتلاتے ہیں اور یہی خیال نصرانیوں کا بھی ہے یعنی وہ بھی اپنے مذہبی بیانات کی بناء پر دنیا کی عمر چھ ہزار سال ہی بتاتے ہیں لیکن مذاہب صائبہ کے پیرو حرّانی اس سلسلے میں یونانی حکماء کے اقوال پر جاتے ہیں۔ تاہم کچھ مجوسی ابتدائے عالم کو اپنی اصطلاحات میں ہرمند و کیدہ کی قوت کے نفوذ کے آغاز پر مبنی سمجھتے ہیں جس کا آغاز نامعلوم ہے[1]۔ ہرمندہ و کیدہ ان کے ہاں شیطان کو کہتے ہیں۔ انہیں میں بعض لوگ عالمی حادثات اور دُنیا کی کلی تخریب کے بعد سے دنیا کی عمر کی دوبارہ ابتدا کر کے اس کا حساب لگاتے ہیں۔

مجوسیوں ہی کے نزدیک ان کے نبی زردتشت بن اسبیجان سے لے کر سکندر کے زمانے تک ۲۸۰ برس گذرے ہیں جب کہ سکندر کا دورِ حکومت صرف چھ سال رہا ہے۔ وہ سکندر سے لے کر اُردشیر کے دورِ حکومت تک ۵۱۷ سال بتاتے ہیں اور اردشیر کے زمانے سے سنِ ہجری تک ۵۶۴ سال کا عرصہ بتاتے ہیں۔ اس طرح ہبوطِ آدمؑ سے لے کر ہجرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ۶۱۲۶ سال بنتے ہیں ہبوطِ آدمؑ سے طوفانِ نوحؑ تک ۲۲۵۶ اور طوفانِ نوحؑ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کی ولادت تک ۱۰۷۹ سال ہوئے۔ اس حساب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سے حضرت موسیٰ ابن عمران (علیہ السلام) کے ظہور کو ۸۰ سال گزر جانے تک جب آپ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے تیہ تشریف لے گئے تھے۔ اس کے بعد آپ کے مصر سے خروج سے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے وقت تک چار سال اور بڑھا لیجیے۔ یہی وقت بیت المقدس کی ابتدائی بنیاد رکھنے کا ہے۔ گویا یہ درمیانی عرصہ ۶۳۶ سال کا ہوتا ہے اور بنائے بیت المقدس سے سکندر کے دورِ حکومت کا درمیانی فصل ۷۱۷ سال کا ہوا، اس طرح سکندر کے دور سے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کا درمیانی عرصہ ۳۶۹ سال ہوا اور ولادت مسیح علیہ السلام سے ولادت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ۵۲۱ سال کا عرصہ گزرا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور جناب مسیح علیہ السلام کے درمیانی عرصے میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صلیب سے بچا کر اپنی طرف اُٹھایا اس وقت آپ کی عمر شریف

---

[1] ایک نسخے میں حد نامعلوم کی جگہ حد معلوم لکھا ہے (مرتب)

۳۸ سال تھی اور اس وقت سے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ۶۴۵ سال کا عرصہ گزرا تھا جب کہ جناب مسیح علیہ السلام کی بعثت نبوت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا درمیانی عرصہ ۵۹۴ سال ہوتا ہے۔اس طرح حساب لگایا جائے تو زمانۂ ذوالقرنین سے وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ۹۳۵ سال کا عرصہ گزرا تھا۔اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے وقت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک ایک ہزار سات سو دو سال چھ مہینے اور دس دن ہوئے تھے۔اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہزار سات سو بیس سال چھ ماہ اور دس دن ہوئے تھے

اور حضرت نوح علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تین ہزار سات سو بیس سال دس دن ہوئے ہیں۔الغرض مذکورہ بالا قول کے مطابق یہ حضرت آدمؑ کے زمین پر اُترنے سے لے کر بعثت نبوی تک تاریخی لحاظ سے دنیا کی عمر کے اعداد و شمار ہیں جو مجموعی طور پر چار ہزار آٹھ سو گیارہ سال چھ ماہ اور دس دن ہوتے ہیں۔اس لحاظ سے اب تک یعنی ۳۳۲ ہجری تک جو خلافت متقی باللہ اور اس کے دیارِ مصر سے رقہ آنے کا زمانہ ہے۔دنیا کی مجموعی عمر پانچ ہزار ایک سو پینسٹھ (۵۱۶۵) سال ہوئی۔چونکہ ہم ان اعداد و شمار کی مزید تفصیل اس سے قبل اپنی پہلی کتابوں میں بیان کر چکے ہیں اس لیے یہاں اس کا اعادہ ضروری نہیں سمجھتے۔

مجوسیوں کے تاریخی قصوں میں دنیا کی عمر اور اس کی ابتدا و انتہا کے بارے میں طول وطویل تذکرے موجود ہیں اور ان میں سے بعض لوگوں نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ آیا دنیا کی کوئی ابتدا یا انتہا ہے بھی یا نہیں اور کچھ لوگوں نے اسے لا ابتدا و لا انتہا بھی بتایا ہے لیکن ہم پچھلے صفحات میں اس پر اپنی گفتگو کو کافی سمجھتے ہوئے اس سے گریز ہی کو بہتر سمجھتے ہیں۔

اہل نظر مسلمانوں کی رائے

مسلمانوں میں بھی کچھ اہل بحث و نظر نے تخلیق کائنات کی ابتدا، وجود عالم و اشیاء اور ان کے کون وحدوث پر بحث کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ تخلیق کائنات اور اشیاء کو وجود بخشنے والا خدائے عزوجل ہے۔اسی نے لاشئے سے یہ کائنات تخلیق کی ہے، وہی اسے فنا کرے گا اور پھر اسے ازسرنو وجود میں لائے گا یعنی قیامت میں بنی نوع انسان کو اور حیوانات وغیرہ کو دوبارہ زندہ کرے گا یعنی یہ قدرت صرف اسی کو حاصل ہے۔روز قیامت اس کے وعدہ وعید کے جاننے

کا دن ہے کیونکہ اپنے وعدہ وعید کے بارے میں وہ صادق القول ہے جس میں ردّوبدل نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس عالم کی ابتدا تخلیق آدم سے ہوئی لیکن کب ہوئی اور اس کے بعد جو زمانہ اب تک گزرا ہے اسے تاریخ وار گنا یا نہیں جا سکتا۔ اس لیے کہ تخلیق آدم کے بعد جو زمانے گزرے ان کا احصاء ناممکن ہے۔ قرآن میں اقوام وملل کے جو قصے بیان ہوئے اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہمارا علم بس اسی تک محدود ہے کیونکہ اقوام وملل کے ان قصوں کے مابین جو فصل ہے ہمیں اس کا علم بھی نہیں ہے جس سے ہم اس کے بارے میں کوئی ذاتی رائے قائم کر سکیں اور اس پر اس کے مطابق روشنی ڈال سکیں۔ جب ہمیں ان سب باتوں کا علم ہی نہیں ہے تو ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے؟ زمانوں کی کثرت وقلت پر بھی ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ تخلیق آدم اور ان کے زمین پر نزول کے بعد اللہ تعالےٰ نے کثرت سے انبیا کو معبوث فرمایا۔ یہ بھی ہمیں ارشاد باری تعالےٰ اور احادیث نبوی سے ہمیں معلوم ہوا تاہم اس کے سلسلے اور وقوف کی ہمیں کچھ خبر نہیں۔ ہمیں تو بس یہ معلوم ہے کہ بنی نوع انسان کے سطح ارضی پر منتشر ہونے کے بعد زمین پر بستیاں بستی اور شہر آباد ہوتے چلے گئے نیز یہ کہ اس دوران میں کتنے بادشاہوں نے دُنیا کے مختلف حصّوں اور خطّوں میں حکومت کی اور ان میں سے ہر ایک کا زمانہ حکومت کتنا تھا یا ان کے ہاتھوں کتنے عجائب دنیا میں وجود میں آئے لیکن ان سب باتوں کا احصاء بھی اس طرح نہیں کر سکتے جس طرح اللہ تعالےٰ نے بصورت قصص انہیں بیان فرمایا ہے۔ ہم یہود ونصاریٰ کے ان بیانات پر بھی کس طرح اعتبار کر سکتے ہیں جو وہ توریت وانجیل کے حوالے سے پیش کرتے ہیں کیونکہ قرآن پاک کے برعکس انہوں نے ان مقدس کتب آسمانی کے اندر بھی تحریفات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جو ایک امر واقعہ ہے اور اس پر کوئی بحث کرنا لاحاصل ہوگا۔ البتہ قرآن میں اقوام وملل کے متعلق بیانات، ان پر عذاب الٰہی کا نزول اور دیگر حوادث عالم کے بارے میں یکے بعد دیگرے جو کچھ ملتا ہے اس پر وجود باری تعالےٰ پر ایمان لانے اور اس کے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم پر کُلّی اعتماد کے بعد آپ کے ارشادات پر یقین نہ کرنا ہمارے لیے بمنزلہ کفر ہوگا۔ گذشتہ اقوام وملل کے بارے میں اللہ جل شانہ، نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے (الحاقۃ ما الحاقۃ؟ وما ادراک ما الحاقۃ کذبت ثمود والعاد بالقارعۃ، فاما ثمود فاھلکوا بالطاغیۃ، واما عاد فاھلکو بریح صرصر عاتیۃ) اس کے بعد ارشاد ہوا: (فھل تری لھم من باقیۃ)

اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "انساب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے۔" اس کے علاوہ آپ نے قوم عاد سے انساب کے بارے میں تجاوز کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی لیے ہم نے ازمنۂ ماضی کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کے قرآن و احادیث نبویؐ سے جا بجا حوالے بھی دیتے چلے گئے ہیں اس کے علاوہ ہم نے اپنی زیر نظر کتاب اور اس سے پچھلی کتابوں میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ صرف بہت ہی ثقہ مؤرخین اور مصدقہ تواریخ کے حوالے سے ہی نہیں لکھا بلکہ اس کی جہاں تک ہو سکا دوسرے ذرائع سے تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے اور کچھ اپنے ذاتی مشاہدات پر انحصار کیا ہے باقی ازمنۂ ماضی اور مستقبل کا علم خدا ہی کو ہے، اس لیے ہم نے دنیا کی عمر گذشتہ یا اس کے اختتامی زمانے کے بارے میں کچھ کہنے یا رائے زنی کرنے سے گریز کیا ہے۔ البتہ ہم نے اس کتاب اور اپنی دوسری کتابوں میں دنیاوی علوم و فنون رسم و رواج اور لہو و لعب روزگار کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ حتی الامکان تاریخی شواہد کے مطالعے کے بعد سپرد قلم کیا ہے اور وہ بھی جہاں تک ہو سکا اختصار کے ساتھ لکھا ہے اور اس پر بحث و رائے زنی سے گریز کیا ہے کیونکہ یہ حق بھی انہیں مؤرخین وغیرہ کو پہنچتا ہے جن کے حوالوں پر ہم نے انحصار کیا ہے۔

بہر کیف ہمیں امید ہے کہ جو کچھ بھی ہم نے لکھا ہے وہ تاریخ کے مبتدی و منتہی دونوں کے لیے مفید ہو گا۔ اب ہم آئندہ باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب، آپ کی ولادت باسعادت، آپؐ کی ہجرت و وفات نیز خلفائے راشدین اور دوسرے حکمرانوں کے بارے میں اپنے زمانے تک عہد بہ عہد تاریخی واقعات پیش کریں گے لیکن چونکہ مختلف شخصیتوں یعنی خلفائے راشدین کے بعد دوسرے حکمرانوں کی فطرت و جبلت کے بارے میں ہم کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتے اس لیے ان کے حالات و کوائف کے متعلق بھی کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے اس لیے ان کے بارے میں فیصلہ اہل شعور پر چھوڑتے ہیں، دوسرے تاریخی بیانات کے معانی بھی ان کے الفاظ کثیر المعانی ہونے کی وجہ سے ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے مطابق نکالتا ہے، اس لیے یہ کام بھی ہم نے اہل بصیرت پر چھوڑ دیا ہے۔ آئندہ باب میں قارئین کرام کو کچھ بیانات توضیحی اور کچھ اجمالی ملیں گے کیونکہ ہم نے حد درجہ ضرورت سے قطع نظر ہر جگہ اختصار کو پیش نظر رکھا ہے، تاہم ہمارے مختصر سے مختصر بیان کی وضاحت بھی اہل نظر پر خود بخود واضح ہو جائے گی کیونکہ اختصار بھی کبھی کبھی اور کہیں کہیں ایجاز کی جگہ اعجاز کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، ویسے جو کچھ ہم آئندہ باب میں اور اس کے بعد لکھیں گے اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے توفیق کے طالب ہیں۔

باب (۳۶)

ولادت باسعادت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم آپؐ کا نسب اور اس باب سے متعلق دوسری باتیں

ابتدائیہ ہم اپنی پچھلی کتابوں اور زیر نظر کتاب میں بھی اس سے قبل تاریخ عالم کی ابتدائی باتیں اخبار انبیاء و ملوک، عجائب بحر و بر، فارس و روم و قبط، روم و قبط کے شہروں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب کے کچھ حالات و کوائف اور آپؐ کی بعثت سے قبل آپؐ کی امانت و دیانت کے بارے میں اہل عرب کی رائے وغیرہ تاریخ کے حوالے سے تمام تر بیان کر چکے ہیں، ہم آپؐ کے اور جناب مسیحؑ کے زمانوں کے مابین رہنے والے اہل فترہ کی زندگی کے حالات بھی اس کتاب میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت طاہر و مطہر اور روشن و اظہر کے حالات بیان کرتے ہیں۔ جن سے آپ کی بعثت اور رسالت کی قبل از وقت علی التواتر نشانیاں ملتی ہیں اور آپ کی نبوت کے اعلان سے کہیں قبل اس کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔

آپؐ کا نسب شریف آپؐ کا نسب شریف درج ذیل ہے:۔
محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ابن عبد مناف بن قصّی بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مُضَر بن نزار بن معد بن عدنان بن اد بن ناخور ابن شود بن یعرب بن یشجب بن ثابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم خلیل اللہ بن تارح یعنی آذر بن ناخور بن ساروح بن ارعواء بن فالع ابن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلح ابن اخنوخ بن یرد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام [1]

[1] یہ کاتب امراللبنی نے اضافہ کیا ہے (مرتب)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نسب نامہ ہم نے ابن ہشام کی کتاب "المغازی والسیر" مرتبہ ابن اسحاق اور سلسلۂ نزار کے نسب نامے کے مختلف نسخوں سے اخذ کیا ہے۔

معد بن عدنان کے نسب کے متعلق اختلافات ﷺ

ایک نسخے میں بنی نزار کا نسب نامہ یوں درج کیا گیا ہے: "نزار ابن معد بن عدنان بن ادد بن سام بن یشجب بن لیعرب بن الہمیسع بن صالوزع بن یا مد بن قیدر بن اسماعیل بن ابراہیم بن تارح بن ناخور بن ارعواء بن اسروح بن فالغ بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن متوشلخ بن اخنوخ بن مہلاییل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم۔"

ابن عربی کا ہشام بن محمد کلبی سے روایت کردہ نزار کا نسب نامہ حسب ذیل ہے:۔

"نزار بن معد بن عدنان بن اُد بن الہمیسع بن بنت بن سلامان بن قیدر بن اسماعیل بن ابراہیم الخلیل بن تارح بن ناخور بن ارعواء بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ بن یرد بن مہلاییل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔"

توریت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام ۹۳۰ سال زندہ رہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام لمک کی ولادت کے وقت بقید حیات تھے جب کہ لمک حضرت نوح علیہ السلام کے والد بزرگوار تھے اور ان کی عمر ۸۶۴ سال ہوئی اور شیث کی عمر ۷۴۴ سال ہوئی۔ اس حساب سے حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے وقت ۱۲۶ سال کے تھے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معد سے پہلے اپنے نسب نامے کے افراد کے ذکر کو منع فرمایا ہے۔ ویسے بھی چونکہ آپؐ کے نسب نامے میں معد سے پہلے آپؐ کے نسب نامے کے ناموں میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کے علاوہ ان ناموں کے ذکر کے سلسلے میں آنحضرتؐ کے حکم کے پیش نظر اس سے احتراز واجب ہے اور آپؐ کے نسب نامے کو معد ہی تک بیان کرنا مناسب ہے۔

اس کے علاوہ معد بن عدنان تک آپؐ کے نسب نامے کے بیان پہ اکتفا کرنا یوں بھی ضروری ہے کہ معد بن عدنان کے اس سفر کے سلسلے میں یں بار وخ بن ناریا نے اس کی متابعت کی تھی

لہ عدنان کے بعد اس نسب نامے کے ناموں، ان کی تعداد اور ان کے سیاق وسباق میں کثرت سے اختلافات ہیں۔ ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام جلد اوّل (مرتب)

آپؐ نے کاتب ارمیاؑ[1] کے تحریر کردہ معد کے نسب نامے کو تحریف کردہ بیان فرمایا تھا جو یوں تھا:-

"معد ابن عدنان ابن اُدد بن الھمیسع بن سلامان ابن غوص بن برو بن مساویل بن ابی العوام بن ناسل بن حرا ابن یلدارم بن کالح بن ناجم بن ناخور بن ماحی بن عنسفی بن عنف بن عبید بن الرعاء بن حمران بن لیسن بن ہبری ابن بحری بن یلحی بن ارعوا بن عتقاء بن حسان بن عیسیٰ بن اقناد بن ابہام بن مُعصر بن ناجب بن رزاح بن سمائی بن مُرّ بن عوص بن عوام بن قیدر بن اسماعیل بن ابراہیم الخلیل علیہ السلام[2]۔"

اس سلسلے میں بھی کہ ارمیاء مذکورہ بالا سفر میں معد بن عدنان کے ہمراہ تھا بہت سے تذکرے پائے جاتے ہیں اور اس بارے میں بھی کہ شام میں ان کے ساتھ کیا گزری۔ متعدد حکایات مشہور ہیں جن کا تذکرہ ہم اپنی پچھلی کتابوں میں کر چکے ہیں۔ مندرجہ بالا نسب نامہ ہم نے یہاں اس لیے درج کر دیا ہے تاکہ ہمارے قارئین کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامے میں اختلافات کا علم ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے اپنے نسب نامے کے سلسلے میں مدت مدید کے پیش نظر اسے صرف معد تک بیان کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور اس سے پہلے کے ناموں کے ذکر کی ممانعت فرمائی ہے۔

آپؐ کی کنیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابو القاسم ہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے:-

"خالق صفات خدا ہی ہے — اس نے بنی ہاشم کو مجموعہ صفات بنایا ہے
بنو ہاشم کی صفات کا خلاصہ — محمدؐ ہیں، ابو القاسم نور ہی نور ہیں"

آنحضرتؐ کے اسمائے گرامی

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی یہ ہیں:- محمد، احمد، ماحی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جملہ گناہوں اور عواقب کو مٹا دیا، حاشر کہ آپ کے بعد اللہ تعالیٰ بنی نوع انسانی کو حشر میں جمع فرمائے گا صلی اللہ علیہ وسلم۔

---

[1] ایک نسخے میں "کاتب امر النبی" کی تحریف ہے (مرتب)

[2] جس طرح اس نسب نامے کے ناموں میں اختلاف ہے اسی طرح اس کتاب کے مختلف نسخوں میں بھی حد سے زیادہ اختلافات پائے جاتے ہیں اس لیے ہم نے تحقیق و تدقیق کے بعد صرف ایک ہی نسخے کو پیش نظر رکھا ہے (مرتب)

آنحضرتؐ کی ولادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا[1] عام الفیل اور عام الفجار[1] کے مابین ہوئی جب کہ عام الفیل کو بیس سال گزر چکے تھے فجار اس لڑائی کو کہتے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں قبیلۂ قیس عیلان اور بنی کنانہ کے درمیان ہوئی تھی جس میں حرم پاک کے اندر جدال و قتال کو مباح کر دیا گیا تھا یہ بات چونکہ بُری تھی اس لیے اس پورے سال کو "عامُ الفجار" کہنے لگے۔ کنانہ ابن خزیمہ بن مدرکہ درحقیقت عمرو بن الیاس بن مضر بن نزار کی عرفیت ہے۔ الیاس کے تین بیٹے عمرو عامر اور عمیر تھے جن میں سے عمرو مدرکہ کے نام سے عامر طانجہ کے نام سے اور عمیر قمعہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان تینوں کی ماں لیلےٰ بنت حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ تھی جو خود بھی اپنے بیٹوں کی عرفیت کی طرح اپنی عرفیت خندف سے زیادہ مشہور ہے۔ اسی طرح الیاس کی اولاد بھی اپنی نسبی نسبت بھی اپنے باپ کی بجائے اپنی ماں خندف سے کرتے ہیں جیسا کہ قصی بن کلاب بن مرہ کہتا ہے:۔

"میں نے صدہا لڑائیاں دیکھی ہیں اور زندہ ہوں میرے والد کو لوگ آلِ وھب میں گنتے ہیں
ویسے بھی وہ بڑے صاحب صولت و عالی نسب ہیں میری ماں خندف اور میرے باپ الیاس ہیں"

بطونِ قریش

قریش کی پچیس ۲۵ نسلیں ہوئی ہیں جو درج ذیل ہیں:۔
بنو ہاشم بن عبد مناف، بنو مطلب بن عبد مناف، بنو حارث بن عبدالمطلب بنو اُمیّہ بن عبد شمس، بنو نوفل بن عبد مناف، بنو حارث ابن فہر، بنو اسد بن عبد العزیٰ، بنو عبدالدار بن قصی ربہ حاجبین کعبہ ہیں، بنو زہرہ بن کلاب، بنو تیم بن مرہ، بنو مخزوم، بنو یقظہ، بنو مرہ، بنو عدی بن کعب، بنو سہم، بنو جمح۔ یہاں بطحا (مکہ) کے اہل قریش کی نسلیں جن کی تفصیل ہم اپنی پچھلی کتابوں میں دے چکے ہیں ختم ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ قریش کی باقی نسلیں یہ ہیں:۔

بنو مالک بن حنبل، بنو معیط بن عامر بن لوئی، بنو نزار بن عامر بنو سامہ بن لوئی، بنو ادرم یعنی تیم بن غالب کی نسل، بنو محارب بن فہر، بنو حارث بن عبداللہ ابن کنانہ، بنو عائذہ یعنی خذیمہ بن لوئی، بنو بنانہ یعنی سعد بن لوئی کی نسل اور قریش کی جو معلوم نسلیں ہیں ان میں بنی مالک کی وہ نسل جس پر قریشی قبائل کی نسلیں ختم ہوتی ہیں۔ ان سب کا تفصیلی ذکر ہم اپنی پچھلی کتابوں میں قریش کے کچھ برگزیدہ اشخاص کے ناموں کے ساتھ کر چکے ہیں۔

---

[1] جوہری کے بقول فجار ایامِ عرب میں سے ایک دن کا نام ہے (مرتب)

حلف الفضول

یہ عربی اصطلاح ان لڑائیوں کے سلسلے میں شہرت رکھتی ہے جن کا ہم سطور بالا میں حروف الفجار کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔ ان خونریز لڑائیوں کی تعداد چار تھی جن میں کشت و خون کا سلسلہ حرم پاک کی حدود تک جا پہنچا تھا اور یہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا پورے ایک سال تک چلی تھیں جن پر اہل عرب یعنی دونوں جانب کے لوگ اپنی شجاعت و بسالت کے ضمن میں فخر کرتے تھے۔ یہ لڑائیاں ایک حلفیہ معاہدے کے تحت ماہ شوال میں ختم کر دی گئی تھیں اور انہیں فضول اور فسق و فجور میں شمار کیا گیا تھا اس لیے ان کے اختتام کے لیے جو حلفیہ معاہدہ ہوا اسے بھی حلف الفضول ہی نام دیا گیا۔

حلف الفضول کی وجہ

حلف الفضول درحقیقت ماہ ذیقعدہ میں طے پایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قبیلہ زبید کے ایک شخص نے یمن سے مکے آکر عاص بن وائل سے کچھ سامان خریدا تھا اور اس کی قیمت بھی ادا کر دی تھی لیکن اس لین دین کی بات چیت جبل ابی قبیس پر طے ہوئی تھیں جس میں قبائل قریش کے لوگ بھی موجود تھے۔ چونکہ یہ جگہ بیت اللہ اور حرم پاک کے حدود میں ہے اس لیے اہل مجلس میں سے ایک شخص نے اُٹھ کر بلند آواز سے کہا:۔

"آپ لوگ یہاں تجارتی لین دین کی باتیں کر رہے ہیں لیکن اس لڑائی کی طرف کسی کی نظر نہیں جاتی جو خانہ کعبہ اور حرم پاک کی انہیں حدود میں اب تک جاری ہے حالانکہ یہاں جدال و قتال اور کشت و خون کی سخت ممانعت ہے۔ کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ یہاں خونریزی کوئی معمولی بُرائی نہیں بلکہ فسق و فجور میں داخل ہے۔"

جب وہ شخص اپنی حد درجہ مؤثر تقریر ختم کر چکا تو حاضرین مجلس نے قسم کھائی کہ وہ اس لڑائی کو جہاں تک ممکن ہو سکا جلد سے جلد ختم کرانے کی کوشش کریں گے۔ اس لڑائی کے خلاف حاضرین مجلس میں سے جس شخص نے سب سے زیادہ زور دار الفاظ میں آواز اٹھائی وہ زبیر ابن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھے۔ اس کے بعد قبائل قریش نے دار الندوہ میں جمع ہو کر باہم صلاح و مشورہ کیا کہ اس تباہ کن جنگ کو کس طرح ختم کیا جائے۔ اس اجتماع کے شرکاء میں جو قریشی قبائل کے لوگ موجود تھے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

بنو ہاشم بن عبد مناف، بنو عبد المطلب بن عبد مناف، زہرہ بن کلاب، تیم بن مُرّہ، بنو حارث بن فہر۔

ان سب لوگوں نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ لڑائی ختم کرائی جائے اور بطریق انصاف ظالم سے مظلوم کا حق دلایا جائے گا۔ چنانچہ یہ سب لوگ اس فیصلے کو عملی شکل دینے کے لیے عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور مذکورہ بالا حلف اٹھایا جو آج تک "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہے۔

ہم نے اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں حلف الفضول کے علاوہ عربی قبائل کی ان چاروں لڑائیوں کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے جو "حروب الفجارات" کہلاتی ہیں۔ ان میں سے پہلی لڑائی کو مؤرخین نے فجار الرجل یا فجار بدر بن معشر، دوسری کو فجار قرد، تیسری کو فجار مراۃ اور چوتھی کو فجار براض لکھا ہے۔ اس چوتھی لڑائی میں حد سے زیادہ کشت و خون ہوا تھا، اور یہی وہ لڑائی تھی جو خانہ کعبہ کی حدود میں لڑی گئی تھی۔ اس وقت خانہ کعبہ کی جدید تعمیر کو پندرہ برس گزر چکے تھے۔ اس چوتھی لڑائی کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس وقت ملاحظہ فرمایا تھا جب آپؐ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت لے کر شام تشریف لے جا رہے تھے۔ اسی سفر کے راستے میں آپ کو نصرانیوں یا یہودیوں کے مشہور راہب نسطور نے دیکھا تھا۔ وہ اس وقت ایک عبادت گاہ میں مقیم تھا۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہ رضؓ کا غلام میسرہ بھی سفر کر رہا تھا لیکن صرف آپ کے اوپر ایک بادل سایہ کرتا ہوا آسمان پر چل رہا تھا۔ نسطور نے یہ دیکھ کر کہا۔

"یہ خدائے تعالےٰ کے آخری نبی ہیں۔ آپؐ کی بعثت چار سال، نو مہینے اور چھ دن کے بعد ہو گی لیکن خدیجہؓ بنت خویلد سے دو مہینے چوبیس دن کے بعد آپ کی شادی ہو جائے گی۔ کعبے کی تعمیر جدید کو اس وقت دس سال گزر چکے ہوں گے جسے آپؐ بچشم خود دیکھیں گے اور خانہ کعبہ میں حجر اسود کی جگہ کا تعین کرنے اور اسے وہاں اٹھا کر رکھنے کے بارے میں قریش قبائل میں جو تنازعہ ہو گا اسے بھی آپ (اپنی خدا داد بصیرت سے) سب کے حسب منشا نمٹا دیں گے۔"

قریش کے ہاتھوں کعبے کی تعمیر جدید

ایک شدید سیلاب سے خانۂ کعبہ کی پہلی عمارت منہدم ہو گئی تھی اور اس کے کھنڈرات میں سے سونے کا ایک ہرن اور دوسرے طلائی زیورات نیز جواہرات چرا لیے گئے تھے جس پر قریشی قبائل میں جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

بیت اللہ کی پہلی عمارت منہدم ہو جانے کی وجہ سے عربوں کے بنائے ہوئے وہ نادر و نایاب مجسمے جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ مجسمہ بھی تھا جس کے ہاتھوں میں فال نکالنے کے وہ تیر دکھائے گئے تھے جو عرب باہمی تقسیم کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ اس کے مقابل حضرت اسماعیلؑ کا ایک مجسمہ تھا جس میں وہ گھوڑے پر سوار دکھائے گئے تھے اور ان کے گرد و پیش مجسموں کی شکل میں لوگوں کا ہجوم دکھایا گیا تھا جو حضرت اسماعیلؑ سے تقسیم کی چیزیں لے رہا تھا۔ ان دو مجسّموں کے علاوہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے مجسمے تھے جن کا سلسلہ قُصَیّ بن کلاب تک چلتا تھا اور ان کی تعداد ساٹھ تھی۔ ان مجسموں کے ساتھ ان سب کا سردار اور بہت بڑا مجسمہ رکھا گیا تھا۔ جس کے آگے عبادت کا طریقہ دکھایا گیا تھا اور اس کے وہ افعال بھی دکھائے گئے تھے جن پر اہل عرب ایمان رکھتے تھے۔

حجرِ اسود کی جگہ کا تعیّن

جب خانہ کعبہ کی نئی عمارت تیار ہو چکی تو اس کے صحن میں حجرِ اسود کا مقام متعیّن کرنے اور اسے وہاں رکھنے کے بارے میں قریشی قبائل میں اختلاف پیدا ہوا۔ قریش کا ہر سردار یہی کہتا تھا کہ اس کا حق صرف اسے اور اس کے قبیلے کو پہنچتا ہے۔ اس کے لیے وہ مختلف دلائل بھی پیش کرتے تھے۔ آخر کار یہ طے پایا کہ اگلے روز علی الصباح جو شخص خانہ کعبہ کے صدر دروازے سے اس میں داخل ہو وہی اس کا فیصلہ کرے جس کا ماننا سب کے لیے لازم ہوگا۔ اب قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ اگلے دن صبح ہی صبح جو شخص خانہ کعبہ میں اس کے صدر دروازے سے داخل ہوا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپؐ کو دیکھ کر جملہ سرداران قریش اس بات پر متفق ہو گئے کہ آپؐ جو فیصلہ فرمائیں گے وہ انہیں منظور ہوگا کیونکہ بعثت نبوت سے قبل بھی جملہ اہل مکّہ آپؐ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ اب اسے صرف آپؐ کی فہم و فراست اور بے نظیر خداداد بصیرت کہیے کہ آپ نے جو فیصلہ فرمایا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا موقع ہی نہ ملا کیونکہ آپؐ نے ایک چادر بچھا کر اس پر حجرِ اسود کو رکھوایا اور اس چادر کا ایک ایک کونہ قریش کے چار سب سے بڑے اہم اور معتمد سرداروں کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ پھر اس کے دونوں پہلوؤں کو سہارا دینے کے لیے کچھ اور بڑے بڑے سردار لگا دیے۔ اس طرح حجرِ اسود اس کی موجودہ جگہ لے جاکر نصب کر دیا گیا۔ اس پر نہ صرف ان سرداروں بلکہ جملہ قریشی قبائل نے آپ کی فراست و بصیرت کا اعتراف اور خوشنودی کا اظہار کیا۔ یہ آپ کی دوسروں پر فضیلت اور آپؐ کے احکام کے

بجا و برمحل ہونے کا پہلا ثبوت تھا۔

بقول شخصے جو قریشی قبائل کے سردار اس وقت وہاں موجود تھے انہیں سب کو اس بات پر تعجب تھا کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کی تجویز اور اس کا حکم کس طرح مان لیا جو ان سے عمر میں سب سے کم اور مال و دولت کے لحاظ سے بھی کمتر درجے کا تھا۔ بہرکیف ان کے بڑے اور بزرگ لوگ آپؐ کی تجویز اور حکم پر پہلے ہی سرِ تسلیم خم کر چکے تھے لیکن انہوں نے یہ ضرور کہا کہ وہ اپنے قدیم بتوں لات و منات اور عزّیٰ وغیرہ کی پرستش جو ان کے بزرگوں سے چلی آتی تھی نہیں چھوڑیں گے البتہ اس دن سے ان کے دلوں میں آپؐ کی عزت و تکریم پہلے سے زیادہ بڑھ گئی اور وہ بت پرستی کے علاوہ آپؐ کی جملہ تجویزوں اور احکام کو ماننے لگے۔ تاہم مذکورہ بالا شخص کے قول سے بعض لوگ یہ کہہ کر اختلاف بھی کرنے لگے تھے کہ میاں وہ تو ابلیس نے انسانی شکل میں ظاہر ہو کر شعبدہ بازی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اور کچھ لوگ اس کے بعد بھی یہ کہنے پر مُصر تھے کہ یہ سب ان کے بتوں لات و منات اور عزّیٰ کی کرشمہ سازی اور ان کی ماورائی طاقت کا ظہور تھا۔ اس کے باوجود قریش کے اکثر خردمند دانشور آپؐ کی فراست و دانائی کے قائل ہو چکے تھے۔

کعبے کا غلاف

جب خانہ کعبہ کی تعمیر جدید مکمل ہو چکی اور اس میں حجرِ اسود کی تنصیب بھی ہو چکی تو خانہ کعبہ کے غلاف اور اس میں قدیم بتوں کے رکھنے پر پھر بحث چھڑی۔ اس وقت وہاں حضرت عبدالمطلب موجود تھے۔ آپ نے فرمایا:۔

"ہمارے لیے اس کا ہر عادلانہ فیصلہ آخری ہوگا۔ ہم نے اس کی تردید کی کوشش میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی لیکن آخر کار ہمیں اس کا فیصلہ ماننا پڑا۔ اب ہم میں سے اکثر اس کا ہر حکم ماننے کے لیے تیار ہیں۔"

جب آپؐ کی بعثت مبارک کا زمانہ آیا تو خانہ کعبہ کی مذکورہ عمارت کو مکمل ہوئے پانچ سال گزر چکے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت آپ کی عمر شریف چالیس سال اور ایک دن ہو چکی تھی۔

تحدیدِ ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کے تعین اور اس کی صحیح تاریخ حد کا اندازہ لگانے کے لیے چند باتوں کا ذہن نشین رہنا ضروری ہے اور وہ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی ولادت مبارک کے وقت اصحاب فیل کے مکے میں داخلے کو پانچ دن ہوئے تھے اور وہ جس دن مکے میں داخل ہوئے تھے اس روز ماہِ محرم کے آغاز کو ۱۳ راتیں باقی تھیں جب کہ اس روز عہد ذی القرنین کو پورے ۸۸۲ سال گزر چکے تھے۔ اور ابرہہ کے مکے میں داخلے کے وقت ماہِ محرم کی سترہ تاریخ تھی جب کہ تاریخ عرب کا اس روز دوسو دسواں سال پورا ہوا تھا، اسی سال پہلا حجۃ الغدر ہوا تھا اور یہ کہ نوشیرواں کسریٰ کو حکومت کرتے ہوئے اس وقت پورے چالیس سال ہوئے تھے نیز یہ کہ آپ کی ولادت کے روز مکے میں ماہ ربیع الاوّل کی آٹھویں تاریخ تھی اور آپ ابن یوسفؑ کے گھر اس دنیائے آب وگل میں تشریف لائے تھے جہاں اس کے بعد عباسی خلفاء ہادی اور ہارون الرشید کی ماں خیزران نے مسجد بنائی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک اور آپ کی والدہ مکرمہ کے وضع حمل کے وقت آپؐ کے والد ماجد عبداللہ شام گئے ہوئے تھے۔ جب وہ شام سے واپس لوٹے تو بیمار تھے اور ابھی آنحضرتؐ کی ولادت مبارک کا مہینہ چل رہا تھا کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ کچھ لوگ اس بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ کچھ لوگ یہی کہتے ہیں کہ جب آپؐ کے والد ماجد فوت ہوئے تو آپؐ کی ولادت مبارک کا مہینہ چل رہا تھا لیکن کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی وفات کے وقت آپ کی ولادت کا دوسرا سال شروع ہو چکا تھا۔

آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ کا نسب

آپ کی والدہ مکرمہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرّہ بن کعب تھیں۔

آپؐ کی ولادت کے پہلے ہی سال میں آپ کو دودھ پلانے کے لیے حلیمہ سعدیہ بنت عبداللہ بن حارث کے سپرد کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت سے قبل کے واقعات

آپؐ کی ولادت کے چوتھے سال دو فرشتوں نے آپ کا شکم مبارک چاک کیا، پھر قلب مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک فاسد لوتھڑا نکال دیا۔ اس کے بعد انہوں نے آپؐ کے شکم مبارک اور قلب مبارک کو برف سے دھویا پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا:۔ اسے اس کی اُمت کے دس افراد سے زیادہ زینت بخشی گئی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کا وزن کیا اور ایک زبان ہو کر بولے: اس کا وزن اس کی اُمت کے مجموعی وزن سے خوبیوں میں ہزار گنا زیادہ ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے پانچویں سال حلیمہ سعدیہ نے آپ کی رضاعت

سے فارغ ہو کر آپؐ کو آپؐ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ چھٹے سال کا واقعہ ہے۔ اس وقت اور عام الفیل کے درمیان پانچ سال دو مہینے اور دس دن کا فصل ہے۔

آپؐ کی ولادت مبارک کے ساتویں سال آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر اپنے ماموؤں سے ملنے تشریف لے گئی تھیں لیکن ان کے میکے ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کو پانچواں دن گزرنے کے بعد اُمّ ایمن آپؐ کو لے کر مکّے واپس آئیں۔

آپؐ کی ولادت کے آٹھویں سال آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے وفات پائی تو آپؐ کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمّہ داری آپؐ کے چچا ابوطالب نے لے لی۔ اس وقت وہ حجر میں تھے۔ جب آپ کی عمر شریف تیرہ سال کی ہوئی تو آپؐ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام تشریف لے گئے اس وقت آپؐ کی عمر شریف پندرہ سال تھی اور اس وقت بھی حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ آپؐ کے ہمراہ تھا۔ ہم نے آپؐ کے اس سفر کا حال کافی شرح و بسط کے ساتھ اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں بیان کیا ہے۔

باب (۳۷)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے آپؐ کی ہجرت تک واقعات کا سلسلہ

بیت اللہ کی تعمیر جدید کے پانچ سال بعد جیسا کہ ہم اس سے قبل اجمالاً بتا چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت سے سرفراز فرمایا اور آپ کو اس کی جملہ خصوصیات عطا فرمائیں۔ اس وقت آپؐ کی عمر شریف پورے چالیس سال تھی۔ نبوت سے سرفرازی کے بعد آپؐ نے تیرہ سال تک مکے میں قیام فرمایا لیکن آپؐ نے بعثت نبوّت کو تین سال تک پردہ اخفا میں رکھا۔ اس سے قبل جب آپؐ کی عمر شریف ابھی پچیس سال تھی تو آپ حضرت خدیجہ رضؓ کو اپنے حبالۂ عقد میں لے آئے تھے۔ مکے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک کی ۸۲ سورتیں نازل ہوئیں لیکن باقی سارا قرآن شریف (وحی کے ذریعے) آپؐ پر مدینے میں اُترا۔ پہلی مرتبہ آپؐ پر قرآن کی جو آیت حضرت جبریلؑ کے ذریعے نازل ہوئی وہ یہ تھی :۔

"اقرأ باسم ربّک الذی خلق" یہ آیت آپؐ پر سنیچر کی شب میں اُتری تھی۔ پھر دوبارہ یہی آیت (آخر تک) اتوار کو اُتری اور پیر کے روز جبریلؑ نے آپؐ کو "رسول اللہ" کہہ کر مخاطب کیا۔ یہ واقعہ غارِ حرا میں پیش آیا۔ غارِ حرا ہی وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ قرآن کی ابتدا ہوئی۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے یہیں تک ارشاد فرمایا تھا کہ عَلَّمَ الانسان مالم یعلم۔ جس کے بعد آپ پر یہ پوری سورت اُتری۔ سفر کے مواقع پر آپؐ اس سورت کو دو حصّوں میں تقسیم فرما کر صرف فرض کی دو رکعتوں میں تلاوت فرماتے تھے لیکن قیام کے مواقع پر اس میں اضافہ فرما لیتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بعثت کا تعیّن | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم

کی بعثت کے وقت کسریٰ پرویز کی حکومت کے بیسویں سال کا آغاز تھا اور اس وقت زندہ کے معاہدات کو بھی دو سواں سال شروع ہو چکا تھا نیز اس وقت ہبوط آدم (علیہ السّلام) کو چھ ہزار ایک سو تیرہ سال گزر چکے تھے۔ جن حکمائے عرب نے صدر اسلام میں قدیم کتابوں کا مطالعہ کیا تھا انہوں نے یہ معلومات فراہم کی ہیں اور ہم نے انہیں کی بنیاد پر یہاں پیش کی ہیں۔ یہ ساری باتیں ایک عرب شاعر نے اپنی ایک طویل نظم میں بڑی خوب صورتی سے پیش کی ہیں جس کے ہمارے زیر بحث موضوع سے متعلق تین شعر درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

"جب یقینی طور پر ——— ! تیرھویں سال کا آغاز تھا !
اور اس سال کے آغاز سے قبل چھ ہزار ایک سو سال ختم ہو چکے تھے
اس وقت اللہ تعالےٰ نے ہم میں ایک پیغمبر بھیجا جو ہمارا رہنما تھا"

علی بن ابی طالب کا قبولِ اسلام

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بارے میں کچھ لوگ مختلف الرائے ہیں لیکن اکثر حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام لانے سے قبل بھی کوئی مشرکانہ فعل آپ سے سرزد نہیں ہوا بلکہ آپ شروع ہی سے ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی فرماتے تھے اور سنِ بلوغت تک آپ کا یہی حال رہا یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان فرما کر اپنے اعزہ واقارب کو دعوتِ اسلام دی تو آپ فوراً اسلام لے آئے۔ یہ کہیے کہ خود اللہ تعالےٰ نے آپ کو معصوم بنا کر اِدھر اُدھر بھٹکنے سے روک دیا تھا اور ہر معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ دونوں میں سے کوئی کسی اضطراری کیفیت میں کبھی مبتلا ہوا تھا نہ انہیں کسی بات کی مجبوری تھی بلکہ انہیں ہر بات کی قدرت حاصل تھی لیکن انہوں نے برضا و رغبت اطاعت خداوندی اختیار کی۔ چنانچہ ان دونوں نے صرف انہیں باتوں پر عمل کیا جس کا انہیں خداوند تعالےٰ نے حکم دیا اور ان جملہ باتوں سے پرہیز کیا جن سے اللہ تعالےٰ نے انہیں روکا تھا۔ بعض لوگوں کی رائے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لانے والوں میں سے سے پہلے شخص تھے اور وہ اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کے مطابق " وانذر عشیرتک الاقربین " کے مصداق اور ان لوگوں میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایمان لائے آپؐ کے قریب ترین عزیزوں میں تھے۔ کچھ لوگ اس سے جو ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف کے بارے میں بیان کیا اختلاف کرتے ہیں اور یہیں سے

شیعان علیؓ اور ان لوگوں میں اختلاف رونما شروع ہوا۔ یہ دونوں فریق اس سلسلے میں قرآن سے استدلال کرتے ہیں یعنی امامت و اختیار کے بارے میں آیات قرآنی پیش کرتے ہیں۔ بہرکیف یہ دونوں فریق آپ کے سب سے پہلے ایمان لانے اور اتباع سنت کے بارے میں متفق ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا قبول اسلام اور اس میں آپ کے متبعین

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف خود اسلام قبول کیا بلکہ اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ پہلے آپؓ کے سامنے اسلام قبول کرنے والے عثمانؓ بن عفان، زبیرؓ ابن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص اور طلحہؓ بن عبیداللہ تھے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سب نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام لائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپؐ پر ایمان لانے میں سبقت کی۔ صدر اسلام میں کچھ پہلے شاعروں نے انہیں حضرات کی مدح میں لاتعداد شعر کہے ہیں جن میں سے ایک شاعر کے کچھ اشعار درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

پوچھنے والے خیرالعباد کے بارے میں کیا پوچھتا ہے	انہیں سب اہل علم اور اہل خبر جانتے ہیں
یوں تو خیر العباد سارے قریش ہیں	لیکن ان میں سے ہجرت کرنے والے بہتر ہیں
ہجرت کرنیوالوں میں بھی وہ سابق الاسلام بہتر ہیں	جنہوں نے حضورؐ کی متحد ہو کر مدد کی
وہ علیؓ و عثمانؓ ہیں، پھر زبیرؓ ہیں	اور طلحہؓ نیز بنی زہرہ کے دو شخص ہیں
یہی دو نوں شیخین ہیں جو قبر تک ہیں	حضورؐ کے پڑوسی اور آپؐ ان کے پڑوسی ہیں
ان کے بعد جو بھی فخر کرتا ہے	وہ کبھی ان کے سامنے فخر نہ کر سکا

اوّلیت اسلام میں اختلاف

اس بارے میں کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا کچھ لوگ مختلف الرائے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام لانے والوں میں پہلے شخص حضرت ابوبکرؓ صدیق ہیں۔ اور اسی لیے وہ اس سلسلے میں سب پر سبقت رکھتے ہیں، ان کے بعد بلال بن حمامہ ایمان لائے اور ان کے بعد عمرو بن علبسہ نے اسلام قبول کیا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اور مردوں میں حضرت علیؓ نے اسلام قبول کیا لیکن بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلام پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے زیدؓ بن حارثہ ہیں، اس کے بعد حضرت خدیجہؓ اور اس کے بعد حضرت علیؓ ہیں۔ ہمارے لیے ان جملہ حضرات میں جن کا دعویٰ قابل قبول ہے ان کا ذکر ہم اس موضوع کے سلسلے میں اپنی پچھلی کتابوں میں بیان کر چکے ہیں۔

باب (۳۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے وفات تک کے مکمّل حالات

افتتاحیہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّے سے ہجرت کا حکم دیا اور آپ پر جہاد فرض فرمایا۔ یہ سن ہجری کا پہلا سال تھا۔ اسی سال اذان کا حکم نازل ہوا۔ ویسے یہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت نبوت کا چودھواں سال تھا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ کی جانب سے جب بعثت نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال تھی۔ اس کے بعد آپؐ نے مکّے میں تیرہ سال قیام فرمایا اور ہجرت کے بعد آپ مدینے میں دس سال تشریف فرما رہے اس طرح وفات کے وقت آپؐ کا سن شریف تریسٹھ سال تھا۔

تعیّن سال ہجرت ہجرت کا جب پہلا سال تھا تو اس وقت کسریٰ پرویز کی حکومت کو ۳۲ سال گزر چکے تھے، اسی طرح اس وقت نصرانی بادشاہ ہرقل کی حکومت کو نو سال اور سکندر مقدونی کے زمانے کو ۹۳۳ سال ہو چکے تھے۔

ہجرت کا حال ہم کتاب الاوسط میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مکے سے خروج غارِ ثور میں آپ کے داخلے اور حضرت علی رضؓ کی جانب سے آپؐ کے اونٹ کی نگہداشت اور آپؐ کے بستر مبارک پر رات کے وقت سونے کا حال بیان کر چکے ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے ہجرت فرمائی اس شب کو آپؐ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ اور ان کا غلام عامر بن فہیرہ تھے جب کہ عبداللہ بن اریقط دیلی راستہ بتا تا جا رہا تھا حالانکہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ حضرت علی رضؓ نے آپؐ کی مکے سے روانگی کے

بعد وہاں تین روز قیام فرمایا تھا اور جن چیزوں کے متعلق آپؐ انہیں حکم دے گئے تھے کہ فلاں فلاں کو واپس کر دی جائیں انہیں ان لوگوں کو واپس کرنے کے بعد وہ بھی مدینے میں آپ سے آملے تھے۔

مدینے میں داخلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں پیر کے روز جب کہ ماہ ربیع الاوّل کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں داخل ہوئے اور آپؐ نے وہاں پورے دس سال قیام فرمایا مکے سے روانگی کے بعد مدینے میں تشریف آوری سے قبل آپ نے قبائے علی سعد بن خیثمہ میں قیام فرمایا تھا اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔ قبا میں آپؐ کا قیام پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کے روز رہا اور جمعہ کے روز طلوعِ آفتاب کے بعد آپؐ مدینے کی جانب روانہ ہوگئے۔

مدینے میں داخلے سے قبل جملہ انصاری قبائل نے آپؐ کو خوش آمدید کہا اور انصاریوں میں سے ہر شخص نے آپؐ سے گذارش کی کہ آپ اس کے ہاں قیام فرمائیں اور اس درخواست کے ساتھ ہر شخص آپؐ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا۔ لیکن آپ نے اپنی اونٹنی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "ایک طرف ہٹ جائیے، اسے غیب سے حکم مل چکا ہے۔" اس وقت آپ قبیلہ بنی سالم میں تھے اور نمازِ جمعہ کا وقت ہو چکا تھا، چنانچہ آپ نے اس قبیلے کے لوگوں کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ وہ اسلام میں جمعہ کی پہلی نماز تھی۔ اس بارے میں کہ نمازِ جمعہ کہاں کہاں فرض ہوتی ہے کچھ لوگ مختلف الرائے ہیں۔ متاخرینؒ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب تک چالیس نمازی جمع نہ ہوں نمازِ جمعہ واجب نہیں ہوتی۔ تاہم کوفے کے فقہاء اور کچھ دوسرے فقیہوں نے اس کے خلاف رائے دی ہے۔ بہرکیف مذکورہ بالا نمازِ جمعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وادی کے بیچوں بیچ جسے آج تک وادی رانوناء کہا جاتا ہے ادا فرمائی تھی۔ اس کے بعد آپؐ اونٹنی پر سوار ہو کر آپ کسی مزاحمت کے بغیر اس جگہ پہنچے جہاں آج کل مسجد نبوی واقع ہے۔ وہ جگہ اس دن تک بنی نجار کے دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی جنہوں نے وہ جگہ آپ کی خدمت میں تعمیر مسجد کے لیے بخوشی پیش کر دی تو آپ نے ان کے لیے دعائے خیر و برکت فرمائی۔ اس کے بعد زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ آپ نے اسی جگہ سے وحی الٰہی کے مطابق لوگوں کو احکامِ خداوندی سنانے شروع فرمائے تھے۔ وہاں سے آپ سواری ہی پر تشریف فرما رہتے ہوئے آگے بڑھے اور ابی ایوب انصاری یعنی خالد بن کلیب ابن ثعلبہ بن عوف بن سحیم بن مالک بن نجار کے گھر تک تشریف لے گئے جہاں سواری سے اُتر کر آپؐ نے ایک مہینے تک قیام فرمایا۔ آپؐ کے ساتھ انصار بھی وہاں ٹھہرے اور اسی لیے ان کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔

آپؐ کے ایسے غزوات کی تعداد جن میں آپؐ باقاعدہ نبرد آزما ہوئے تھے گیارہ بتایا جاتا ہے۔ بہرکیف واقدی اور ابن اسحاق دونوں کی تعداد پر متفق الرائے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپؐ کا پہلا غزوہ ذات العشیرہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسفار و بعوث

آپؐ کے اسفار و بعوث کی تعداد کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مدینے میں تشریف آوری اور وفات کے درمیان آپؐ نے جو سفر فرمائے ان کی مجموعی تعداد ۴۸ ہے جب کہ بعض لوگ ان کی تعداد صرف ۶۶ بتاتے ہیں۔

آنحضرتؐ کے زمانے کے مشہور واقعات

جیسا کہ زیرِ نظر باب کی سطور بالا میں ہم ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں وفات کے وقت آپؐ کی عمر شریف ۶۳ سال تھی اور اس رائے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا کہ حضرت فاطمہؓ کی وفات آپؐ کی وفات کے ۷۰ روز بعد بتاتے ہیں جب کہ بعض لوگ اس رائے سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد ہجرت کے ایک سال بعد ہوا تاہم بعض لوگ اس سے کچھ کم یعنی کچھ پہلے بتاتے ہیں۔

سب سے پہلے جو خاتون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مناکحت میں آئیں وہ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات آنحضرتؐ کی بعثت کے قریباً تین سال بعد شوال کے مہینے میں ہوئی۔ تاہم ان کا آپؐ کے ساتھ رہنا اس وقت تک یقینی ہے جب آپؐ کی عمر شریف اکتالیس سال آٹھ مہینے اور بیس دن ہو گئی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی وفات جن کا اصل نام عبد مناف بن عبد المطلب تھا حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین روز بعد ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر انچاس سال آٹھ مہینے تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کا اصلی نام ابو طالب ہی تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے وفات کے بعد سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد ود ابن نضر بن مالک بن حسل سے شادی کی۔ حضرت عائشہؓ سے آپؐ کا نکاح ہجرت سے دو سال قبل ہو گیا تھا لیکن رخصتی ہجرت کے سات مہینے نو دن بعد ہوئی تھی۔ ہم چونکہ جملہ اُمہات المومنین کا ذکر اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں کر چکے ہیں اس لیے یہاں اس کا اعادہ

ضروری نہیں سمجھا گیا۔

جعفر بن محمد اپنے والد محمد بن علی اور اپنے دادا علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تادیب اللہ تعالےٰ نے بہترین طریقے پر فرمائی تھی اسی لیے آپؐ کے جملہ احکام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر مبنی تھے، آپؐ نے جاہلوں سے کنارہ کشی کا حکم بھی دیا۔ چنانچہ آپؐ کے انہیں اوصاف حسنہ کی بناء پر اللہ نے قرآن میں آپؐ کے متعلق فرمایا: "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم" اس سے قبل اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان کو یہ حکم دیا تھا: "وَمَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ فَانْتَھُوْا" یعنی رسول تمہیں جس بات کا حکم دے اس پر عمل کرو اور جس بات کی ممانعت کرے اس سے دُور رہو۔ آپؐ نے اسی لیے اللہ تعالےٰ کو ایسے لوگوں کے لیے جنت کا ضامن ٹھہرایا تھا جو آپؐ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز بھی تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پندرہ بیویاں تھیں لیکن آپؐ نے صرف گیارہ سے خلوت کی۔ آپؐ کی وفات کے وقت آپؐ کی نو بیویاں زندہ تھیں۔

آنحضرتؐ کی عمر کے بارے میں اختلاف آراء

لوگ آپؐ کی عمر شریف کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ ہم اس سلسلے میں ابن عباسؓ کی روایت پہلے پیش کر چکے ہیں۔ یہی حماد بن سلمہ نے علی الترتیب ابی حمزہ اور ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ ابن عباس کی طرح ابوہریرہؓ کی روایت بھی اس بارے میں یہی ہے البتہ یحییٰ بن سعید کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے سعید بن مسیب سے سُن کر یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ۴۳ سال کی عمر میں قرآن نازل ہوا، آپؐ مکے میں دس سال اور مدینے میں بھی دس سال قیام فرما رہے اور آپؐ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔

اس سلسلے میں حضرت عائشہؓ کی روایت یہ ہے کہ آپؐ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔ تاہم ابن عباسؓ کے حوالے سے جنہوں نے آخر عمر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف پایا تھا کچھ لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے ۶۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اسی طرح ابن ہشام راوی ہیں: "ہم سے علی بن زید نے علی الترتیب یوسف بن مہران اور ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۵ سال کی عمر پائی۔" یہی بات قتادہ نے علی الترتیب حسن اور دغفل یعنی ابن حنظلہ کے حوالے سے بیان کی ہے کچھ لوگ

یہ بھی کہتے ہیں کہ آپؐ نے ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ یہ لوگ بھی حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، اور عروہ بن زبیر کا حوالہ دیتے ہیں۔ حماد کا بیان یہ ہے: "ہم سے عمرو بن دینار نے عروہ بن زبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت چالیس سال کی عمر میں اور وفات ساٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔ اسی طرح شیبان نے یحییٰ بن ابی کثیر اور ابی سلمہ کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ آخر الذکر اور ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ بعثت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال تھی، اس کے بعد آپؐ نے مکے میں دس سال قیام فرمایا اور ہجرت کے بعد مدینے میں بھی دس سال قیام فرما رہے اور ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور آپؐ کی تجہیز و تکفین

ہم نے اس موضوع کے بارے میں اپنی زیر نظر کتاب کے برعکس یہ اصول برتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور تجہیز و تکفین کے بارے میں اہل خبر نے جو کچھ کہا ہے اس سے قطعاً صرف نظر نہ کیا جائے بلکہ قابل قبول کی حد تک اسے من و عن بیان کر دیا جائے۔ تاہم ہم نے اس سلسلے میں بھی طول کلام سے احتراز کیا ہے۔ البتہ جو کچھ کہا ہے اس میں اہل بیت علیہ السلام کے اقوال پر پورا پورا بھروسہ کیا ہے۔ انھیں کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔ غسل کے بعد آپ کو حسب معمول تین کپڑوں میں کفنایا گیا اور آپ کے جنازے پر ایک چادر کا اضافہ کیا گیا۔ آپؐ کو قبر میں حضرت علیؓ اور فضل نے اتارا اور عباس کے دو بیٹوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام شقران نے آپ کے مزار مبارک کو پاٹا اور اسے مٹی ڈال کر برابر کیا۔ کچھ ان کپڑوں کے بارے میں جن میں آپؐ کو کفنایا گیا مختلف الرائے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

اب ہم ان امور کا ذکر کریں گے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر آپ کی وفات تک وقوع پذیر ہوئے۔

باب (۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے وفات تک وقوع پذیر اہم امور

افتتاحیہ ہم پچھلے صفحات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، ہجرت اور وفات کے حالات اجمالاً بیان کر چکے ہیں جو ایک صاحب بصیرت عالم اور کسی طالب رشد وہدایت کے لیے کافی ہے، تاہم زیر نظر باب میں تفصیل کے ساتھ آپ کی ولادت سے وفات تک حالات کا سال بہ سال ترتیب وار ذکر کریں گے نیز وہ حالات و کوائف بھی بیان کریں گے جو آپ کو سنین کے لحاظ سے بالترتیب پیش آئے تاکہ دوسرے لوگ بھی ان سے بآسانی اخذ نتائج کر سکیں، اس طرح ہمارے نزدیک یہ کتاب شرح و بسط کے اعتبار سے بھی مکمل کہلا سکے گی، انشاء اللہ۔

آنحضرتؐ کی ولادت کا پہلا سال آپؐ کی ولادت کے پہلے ہی سال آپؐ کو دودھ پلانے کے لیے حلیمہ بنت عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن جابر بن رزام بن ناصر ابن سعد بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ ابن قیس عیلان بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان کے سپرد کیا گیا۔

آپؐ کی ولادت کا پانچواں سال آپؐ کی ولادت کے پانچویں سال جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں حلیمہ (سعدیہ) نے آپؐ کو واپس لا کر آپؐ کی والدہ مکرمہ کے حوالے کر دیا۔

ولادت کا چھٹا سال آپؐ کی ولادت کے چھٹے سال آپؐ کی والدہ ماجدہ آپؐ کو ساتھ لے کر آپؐ کے ماموؤں یعنی اپنے بھائیوں سے ملنے تشریف لے گئی تھیں کہ واپسی کے وقت مکے اور مدینے کے درمیان اپنے اجداد کی

سرزمین ہی میں اُنہوں نے وفات پائی۔ اس وقت آپؐ کو اُمِّ ایمن کی سپردگی میں دیا گیا جو آپؐ کی والدہ ماجدہ کی کنیز تھیں اور اب وراثتہً آپؐ کی کنیز ہو گئی تھیں۔

آپؐ کا سفرِ شام

نو سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ پہلی بار شام کے سفر پر روانہ ہوئے تھے، ویسے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپؐ کی عمر شریف اس وقت تیرہ سال تھی۔ ابو طالب آپؐ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کے بھائی تھے، لیکن چونکہ وہ آپؐ کی والدہ ماجدہ کے بھی رشتے دار ہوتے تھے لہٰذا اسی وجہ سے آپ کی کفالت کی ذمہ داری ان کے دوسرے بھائیوں عباس، حمزہ، زبیر، حجل، ضرار، مقوم، حارث اور ابو لہب سے زیادہ انہیں پر تھی حالانکہ مذکورہ بالا دوسرے لوگ بھی آپؐ کے سگے چچا اور عبد المطلب کے بیٹے تھے۔ حضرت عبد المطلب کی سولہ اولادوں میں سے دس تو لڑکے تھے جن کے نام ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور سات لڑکیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں: عاتکہ، صفیہ، اُمیمہ، بیضاء، برّہ اور اروی ان چھ لڑکیوں میں سے حضرت زبیرؓ بن عوام کی والدہ صفیہ کے علاوہ کوئی دوسری لڑکی مسلمان نہیں ہوئی تھی، البتہ اروی کے بارے میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گئی تھیں جب کہ بعض لوگ اس کے برعکس رائے رکھتے ہیں۔

بہر حال اس سال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ شام تشریف لے گئے تھے تو بحیرا راہب نے آپؐ کو دیکھ کر آپؐ کی رسالت کی پیشگوئی کی تھی حالانکہ وہ اسلام کے دشمنوں میں سمجھا جاتا تھا، ہم بحیرا راہب اور آپؐ کے سفر کا حال مختصر طور پر پہلے بیان کر چکے ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی زمانے میں اہل فترہ کے ذکر کے ساتھ ضمنی طور پر آ گیا تھا۔

جنگِ فجّار کا مشاہدہ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ فجار بچشم خود ملاحظہ فرمائی تھی جب کہ آپؐ کی عمر شریف گیارہ سال تھی۔ یہ جنگ قریش اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی تھی۔ اس جنگ کا نام جنگ فجار اس لیے پڑ گیا ہے کہ یہ لڑائی محرم الحرام کے مہینے اور خانہ کعبہ کے گرد و پیش اور اس کی حدود میں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ کا مشاہدہ فرمایا تھا جس میں ایک طرف قریش اور دوسری طرف جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا قیس عیلان تھے جب کہ فتح قریش کو ہوئی تھی۔ قریش کی طرف سے اس جنگ کی کمان عبد اللہ بن جُدعان تمیمی کر رہا تھا جو ان دو بڑے رئیسوں میں مالِ تجارت

کی فروخت کیا کرتا تھا۔ بہرکیف جب مذکورہ بالا دونوں فریقوں میں صلح ہوگئی اور وہ بھی آپؐ ہی کے درمیان میں آجانے کی وجہ سے تو اسے بھی آپؐ کی رسالت کی ایک بیّن دلیل سمجھا گیا تھا۔

آپؐ کی ولادت کا چھبیسواں سال آپؐ کی عمر شریف اس وقت چھبیس سال تھی جب حضرت خدیجہؓ سے آپ کا عقد ہوا۔ اس وقت حضرت خدیجہ رضؓ کی عمر چالیس سال تھی جب کہ کچھ لوگ اس سے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔

آنحضرتؐ کی ولادت کا چھتیسواں سال آپ کی ولادت کے چھتیسویں سال قریش نے خانہ کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کیا اور اس میں حجرِ اسود نصب کیا گیا جس کا حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

آپؐ کی ولادت کا اکتالیسواں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال ہو چکی تھی اور آپؐ کی ولادت مبارک کا اکتالیسواں سال شروع تھا جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ یہ پیر کا دن تھا اور ماہِ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ تھی۔ تاہم جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کچھ لوگوں کو اس سے اختلاف بھی ہے۔

چھیالیسواں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا چھیالیسواں سال تھا جب قریش نے آپؐ کو بلکہ جملہ بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب کو مکّے کے قریب ایک پہاڑ کی گھاٹی تک محدود رہنے پر مجبور کر دیا تھا اور اس جگہ کو محصور بھی کر لیا تھا۔

پچاسواں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچاس سال ہو چکی جب آپ اور جملہ بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب مذکورہ پہاڑ کی گھاٹی سے نکل کر مکّے میں واپس آئے۔ اسی سال حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات ہوئی اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں آپؐ مکّے سے طائف تشریف لے گئے تھے۔

اکیاونواں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر شریف کے اکیاونویں سال قرآن شریف کے مطابق مسجدِ حرام سے بیت المقدس تشریف لے گئے۔ (یعنی اس سال کی ایک شب میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرفِ معراج سے سرفراز فرمایا گیا۔)

چوّنواں سال اپنی ولادت کے چوّنویں سال سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے

مکے سے مدینے ہجرت فرمائی اور وہاں مسجد نبوی تعمیر فرمائی اور اسی سال حضرت عائشہؓ جن سے آپ کا عقد مکے میں ہو چکا تھا، اپنے باپ کے ہاں سے رخصت ہو کر آپؐ کے خانہ مبارک میں داخل ہوئیں جب کہ ان کی عمر نو سال تھی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر آپؐ سے نکاح کے وقت چھ سال تھی نیز یہ کہ مسجد نبوی آپؐ نے ہجرت کے سات مہینے بعد تعمیر فرمائی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی (عائشہؓ کی) عمر اٹھارہ سال تھی اور آپؐ کی عمر شریف ہجرت کے وقت پچاس سال تھی۔ وہ یہ بھی ارشاد فرماتی ہیں کہ معاویہؓ کے زمانے میں ابوہریرہؓ نے آپؐ پر درود بھیجا تھا جب کہ اُن کی عمر کا سترواں سال تھا نیز یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا حکم دیا تو ان کی عمر (یعنی عائشہؓ کی عمر) سترہ سال تھی۔ عبداللہ بن زید کے قول کے مطابق انھیں یعنی عبداللہ بن زید کو خواب میں کیفیت اذان کا پتہ چلا تھا نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق ان کی اپنی عمر کے سترھویں سال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی تھی۔ ان کی شادی کی تاریخوں میں اختلافات کے متعلق ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

ہجرت کا دوسرا سال

ہجرت کے دوسرے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض ہوئے اور اسی سال بیت المقدس سے نماز کا رُخ فرمانِ نبیؐ کے مطابق خانہ کعبہ کی طرف کر دیا گیا۔ اُسی سال آپؐ کی بیٹی رقیہ کی وفات ہوئی۔ اور اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جناب سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ہوئی، نیز اسی سال بدر کا واقعہ پیش آیا وہ جمعہ کا دن تھا اور ماہِ رمضان کی سترہ راتیں گزر چکی تھیں۔

ہجرت کا تیسرا سال

ہجرت کے تیسرے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ المومنین حضرت زینبؓ سے شادی کی لیکن صرف دو مہینے بعد وہ وفات پا گئیں۔ پھر اسی سال آپؐ نے حضرت حفصہؓ بنت عمر بن خطابؓ سے شادی کی اور اس سال آپ کی بیٹی اُم کلثوم سے حضرت عثمانؓ بن عفان کی شادی ہوئی۔ پھر اسی سال حضرت حسن ابن علی بن ابوطالب پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ پیدائش کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ اسی سال غزوۂ اُحد پیش آیا جس میں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب شہید ہوئے۔

ہجرت کا چوتھا سال

اس سال مشہور غزوہ ذات الرقاع پیش آیا اور اسی سال آپؐ نے لوگوں کو ساتھ لے کر "صلاۃ الخوف" ادا فرمائی۔ جس کی تاریخ کے متعلق لوگوں میں اختلاف آراء پایا جاتا ہے۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ بنت ابی امیہ سے شادی کی۔ اسی سال بنی نضیر کے یہود کے ساتھ وہ غزوہ پیش آیا تھا جس میں انہیں قلعہ تعمیر کرنے سے روک دیا گیا تھا اور ان کے درخت وغیرہ کاٹ دیے گئے تھے اور ان میں آگ لگا دی گئی تھی جسے دیکھ کر وہ صلح پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اسی سال بنی مصطلق کا غزوہ پیش آیا تھا اور ہجرت کے اسی چوتھے سال حضرت امام حسین ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے آٹھ سال قبل پیدا ہوئی تھیں۔

ہجرت کا پانچواں سال

ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ خندق کا واقعہ پیش آیا جس میں مدینے کے گرد خندق کھودی گئی تھی۔ اسی سال بنی قریظہ کے یہودیوں کے ساتھ ایک غزوہ پیش آیا تھا جو ایک مہینے تک ٹھہر ٹھہر کر جاری رہا تھا۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش سے شادی کی تھی اور اسی سال اہل افک نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام عائد کیا تھا۔

ہجرت کا چھٹا سال

اس سال جب لوگ قحط آب کے عذاب میں مبتلا ہو گئے تھے اور سخت تکلیف میں مبتلا تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے استسقاء فرمائی تھی اور اسی سال آپؐ نے وہ عمرہ ادا فرمایا تھا جو عمرۂ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے اور اسی میں مشرکین سے صلح نامہ مرتب ہوا تھا۔ اسی سال آپؐ نے باغِ فدک لیا تھا اور اُمِّ حبیبہؓ بنت ابی سفیان سے عقد کیا تھا۔ اسی سال آپؐ نے قیصر و کسریٰ کے پاس سفیر روانہ فرمائے تھے جن کو دیے جانے والے خطوط کی کتابت جُوَیریہ بنت حارث نے کی تھی اور اسی سے خوش ہو کر آپؐ نے انہیں اپنے سلسلۂ مناکحت میں لے لیا۔

ہجرت کا ساتواں سال

ہجرت کے ساتویں سال غزوۂ خیبر پیش آیا تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں صفیہ بنت حیی بن اخطب نے آپ کی جان لینے کی کوشش کی تھی، اسی سال آپؐ نے جب کہ آپ عمرۂ قضا کے لیے تشریف لے گئے تھے، عبداللہ بن عباس کی خالہ میمونہ بنت حارث ہلالیہ سے عقد کیا تھا۔ آپؐ کے اسی نکاح سے لوگوں میں یہ اختلاف پیدا ہوا اور فقہائے اسلام اس کے متعلق مختلف الرائے ہوئے کہ احرام

باندھنے کے بعد نکاح جائز ہے یا نہیں ؟ اسی سال بادشاہ مصر مقوقس کی جانب سے حاطب بن ابی بلتعہ تحائف لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ان کے ہمراہ ماریہ قبطیہ بھی آئی تھیں جن کے ساتھ آپؐ نے عقد کر لیا تھا اور انہیں کے بطن سے فرزندِ رسولؐ ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ اسی سال جعفر بن ابی طالب اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ حبشہ سے واپس آئے تھے اور انہیں کے ہمراہ وہ سب مسلمان جو حبشہ میں باقی رہ گئے تھے۔

ہجرت کا آٹھواں سال

ہجرت کے آٹھویں سال شام کی سرزمین بلقاء میں مؤتہ کے مقام پر جو اس وقت دمشق کے ماتحت تھا جعفر بن ابی طالب، زیدؓ بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہؓ نے رومیوں سے جنگ کرتے ہوئے شہادت پائی تھی۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینب نے وفات پائی تھی، البتہ ان کی تاریخ وفات کے متعلق مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

فتح مکہ

ہجرت کے آٹھویں ہی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ فتح ہوا۔ البتہ اس کے متعلق لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ اسے بزورِ شمشیر فتح کیا گیا تھا یا مشرکین مکہ نے صلح نامے کے بعد ہتھیار ڈالے تھے۔ بہرکیف اس فتح کے بعد بہت سے بتوں کے ساتھ عُزّیٰ بھی توڑ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: "اے قریش! اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے قبضے میں دے دیا ہے تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اور قریش نے جواب دیا تھا: "آپؐ ہمارے اہل کرم بھائی اور اہل کرم بھائی کے بیٹے ہیں، اس لیے ہم آپؐ سے کرم ہی کی اُمید رکھتے ہیں۔" اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:۔

"جاؤ تم سب آزاد ہو۔" اسی سال غزوہ حنین ہوا تھا جس میں ہوازن کی طرف سے مالک بن عوف نصری اور دُرَید بن صِمّہ شریک تھے اور ان کی کمان مالک بن عوف کر رہا تھا۔ اسی سال غزوۂ طائف پیش آیا تھا جہاں آپ صرف تالیف قلوب کے لیے تشریف لے گئے تھے اور وہیں ابوسفیان بن حرب اور اس کا بیٹا معاویہ مسلمان ہوئے تھے نیز اسی سال ماریہ قبطیہ کے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔

ہجرت کا نواں سال

ہجرت کے نویں سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دُوسرے لوگوں کے ہمراہ مکے جا کر فریضہ حج ادا فرمایا اور اسی دوران میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کی سورت براۃ تلاوت فرمائی تھی اور یہ حکم بھی دیا تھا کہ کوئی مشرک حج میں شریک نہیں ہو سکتا نیز یہ کہ عُریانی کی حالت میں حج بیت اللہ جائز نہیں ہے۔ اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اُم کلثوم کی وفات ہوئی۔

ہجرت کا دسواں سال

ہجرت کے دسویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا اور وہاں یہ ارشاد فرمایا کہ زمانہ گردش کرتا رہتا ہے البتہ اس کی ہیئت اس وقت تک وہی تھی جو اس وقت تھی جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو تخلیق فرمایا تھا۔ اسی سال آپؐ کے فرزند ابراہیم نے ایک سال دس مہینے اور آٹھ دن کی عمر میں وفات پائی اگرچہ اس تاریخ کے متعلق مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی سال آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرمایا تھا اور انھیں خود اپنی طرح احرام باندھنے کی ہدایت فرمائی تھی۔

ہجرت کا گیارہواں سال

ہجرت کے گیارہویں سال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی جس کا مختصر ذکر ہم زیر نظر باب سے قبل کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر شریف کیا تھی اور یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ آپؐ کی وفات کے دن اور تاریخ کے متعلق لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اسی سال بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ان کی وفات کے دن، تاریخ اور وفات کے وقت ان کی عمر کے بارے میں بھی لوگ مختلف الرائے ہیں اور یہ کہ وہ آپؐ کی وفات کے بعد کتنے عرصے تک بقید حیات رہیں۔ البتہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ ان کی وفات کے وقت نہ صرف ان کے بچے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شدید ترین گریہ و زاری میں مصروف رہے تھے اور انھوں نے بطور مرثیہ یہ اشعار کہے تھے:۔

"تمام دوستوں کا جُدا ہونا فطری ہے — لیکن موت کے سوا ایسا کم ہی ہوتا ہے
احمدؐ کے بعد فاطمہؓ کی جُدائی، — اس بات کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ ساتھ نہیں رہ سکتے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد

ابراہیم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بطن سے ہوئی۔ ان میں قاسم سب سے بڑے تھے جو صغر سنی ہی میں وفات پا گئے تھے، ان کے علاوہ رقیہ اور اُم کلثوم بھی آپ کی بیٹیاں تھیں جن سے حضرت عثمانؓ بن عفان رضی اللہ عنہ نے یکے بعد

دیگرے شادی کی تھی۔ لیکن وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہروں عتبہ اور عتیبہ کے صلب سے تھیں جو دونوں ابی لہب کے بیٹے تھے۔ وہ ان سے طلاق کے بعد آپؐ کے نکاح میں آئی تھیں۔ ان کی ایک بیٹی زینب بھی تھیں جو ظہور اسلام سے قبل ابوالعاص ابن ربیع کی بیوی تھیں اور وہ بھی حضرت خدیجہؓ کے ایک پہلے شوہر سے تھیں جو ان کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ ابوالعاص بن ربیع اور زینبؓ میں مفارقت کی وجہ اوّل الذکر کا اسلام نہ لانا اور آخر الذکر کا اسلام قبول کرنا تھی۔ البتہ یہ بات اہل علم کے نزدیک متنازعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی العاص کے اسلام لانے کے بعد ان سے زینبؓ کا نکاح کر دیا پہلے ہی نکاح کے تحت ان کی زوجیت میں رہنے دیا تھا یا نہیں؟۔ ابوالعاص کی ایک بیٹی امامہ بھی تھیں جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نکاح کیا تھا۔ نبی کریم کی بعثت کے بعد آپؐ کی جو اولاد ہوئی ان میں پہلے عبداللہ تھے اس نام کے علاوہ ان کے دو نام طیب اور طاہر بھی تھے۔ ان کے ان تین ناموں کی وجہ یہ تھی کہ وہ ظہور اسلام کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ آپؐ کی اولاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ابراہیم تھے۔

ہم نے اپنی دو پچھلی کتابوں اخبار الزماں اور کتاب الاوسط میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بعثت تک اور بعثت سے ہجرت اور ہجرت سے آپؐ کی وفات تک جملہ حالات کافی تفصیل کے ساتھ قلم بند کر دیے ہیں اور مذکورہ کتابوں میں آپؐ کی وفات کے بعد سے آج تک یعنی ۳۳۲ھ ہجری تک جو حالات وقوع پذیر ہوئے وہ بھی بیان کر دیے ہیں البتہ ہم انھیں زیر نظر کتاب میں آگے چل کر کسی قدر تفصیل سے بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب (۴۰)

آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے ادا شدہ کلام جس کی مثال دُنیائے علم و حکمت پیش کرنے سے قاصر ہے

★

افتتاحیہ اللہ تعالٰے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ، آپ کو ساری دُنیا کے لیے مبشّر بنایا جس کے لیے آیات قرآنی میں بیّن دلائل پیش کیے ، آپ پہ قرآن نازل فرمایا جو اپنی جگہ آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ قرآن میں نوع انسانی کو آپؐ کے ذریعہ جس فصیح و بلیغ انداز میں ہدایت دی گئی اس کا عبارت کے لحاظ سے بھی جو مصفّٰی بھی ہے اور مسجع بھی کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ اس میں خطابت بھی ہے اور علم و حکمت بھی۔ تہدید بھی ہے اور وعدہ وعید بھی ، برائیوں کو بُرا بتایا گیا ہے اور خوبیوں کو سراہا گیا ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام نے جو بصورت وحی الٰہی آپؐ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا ، تمام لایعنی لاف زنی ، خطابت و شاعری اور دیانات کے دعاوی ختم کر دیے۔ اہل عرب اور ان کے حوالے سے ساری دنیا کو قبیح افعال و اعمال سے روکا گیا ، اعمال خیر کی حوصلہ افزائی کی گئی اور ان کے لیے بہترین جزا کی بشارت دی گئی۔ ایسا کلام آپ سے پہلے نبی نوع انسان کے کسی فرد کے ذہن میں محفوظ تھا نہ اس کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ اسی وجہ سے خالق کائنات جل شانہٗ نے عربی زبان پہ قدرت رکھنے والوں سے فرمایا کہ تم سے ہو سکے تو اس جیسی ایک دو آیات ہی پیش کرو اور چاہو تو دوسروں سے مدد بھی لے لو لیکن تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے اور واقعتہً آج تک دنیا کے علم و حکمت بہر لحاظ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے حالانکہ وہ روشن ترین فصیح عربی ہے۔

قرآن کے بارے میں دنیا کے کچھ لوگ مختلف الرائے ہیں لیکن ہم یہاں اس پر بحث نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ہماری زیرِ نظر کتاب کا موضوع تاریخ ہے نہ کہ بحث و نظر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منجانب اللہ عطائے حکمت

آپ کی ذات پاک میں بعثت کے بعد انبیاء علیہم السلام کی جملہ علمی وراثت جمع ہو گئی تھی لیکن آپ کی ذات قدسی صفات سے اس سے قبل بھی جو باتیں ظہور میں آئیں وہ بھی آپؐ کی رسالت اور اس کی صداقت کا بیّن ثبوت تھیں جن پر بعد بعثت اہلِ علم و نظر کو غور کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت آپؐ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو معجزات ظہور پذیر ہوئے انہوں نے بھی آپؐ کی رسالت و نبوّت پر مہر تصدیق ثبت کر دی جو خداوند کریم کی طرف سے خلق اللہ کے لیے آپؐ کی رسالت کی نشانیاں تھیں۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا "مجھے اللہ تعالیٰ نے کلام بالا تمام اور اس کی جملہ خوبیاں عطا فرمائی ہیں" لیکن اس کے ساتھ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "کلام الٰہی کے علاوہ علم و حکمت کے سلسلے میں میری زبان سے جو کچھ نکلے اسے مختصر طور پر بیان کیا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ماسوائے چند دیگر ہدایات آپؐ کا جملہ کلام الٰہی ہے جو اپنی جگہ خود علم و حکمت کا خزانہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کا اختصار بھی اپنی جگہ اتمام ہے یعنی معجزہ بلاغت ہے جس کے معنی "کم الفاظ میں معانی کثیر" ہوتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا شدہ ایک ایک لفظ اس کی صداقت کا شاہد عادل ہے۔

آپؐ کا اعجاز کلام

ایک بار جب آپؐ نے قبائل مکہ کے سامنے اپنی ذات والا صفات کو پیش کیا تو اس وقت آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) بھی تھے اور آپؐ بکر بن وائل کے قبیلے میں قیام فرما تھے۔ پہلے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ان لوگوں کے پاس گئے اور ان کے اور دغفل کے مابین جب گفتگو نے انساب کے سلسلے میں طول پکڑا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا "اَلْبَلَاءُ مُوَکَّلٌ بِالْمَنْطِقِ۔" یعنی بعض باتیں مصیبت پر منتج ہوتی ہیں، مطلب یہ کہ زیادہ بحث و مباحثہ کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جنگ کے بارے میں آپ کا قول مبارک یہ ہے: "اَلْحَرْبُ خَدْعَۃٌ" یعنی جنگ کا نتیجہ تباہی اور گریہ زاری ہوتا ہے۔ آپؐ سے قبل جیسا کہ اہلِ علم جانتے ہیں۔ یہ معجز نما جملہ بنی نوع انسان میں سے کسی شخص کی زبان پر نہیں آیا تھا جس کی تصدیق جملہ صحیح الرائے اہلِ ریاست و سیاست آج تک

کرتے چلے آرہے ہیں ۔

آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا: "ہبہ کردہ شے میں سے واپس لینا ایسا ہے جیسا کہ کل شے واپس لے لی گئی ۔" اس کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی چیز ہبہ کر دی جائے تو اس میں سے تھوڑا حصہ واپس لیا جائے یا زیادہ ، برابر ہے ۔ یہ جملہ تنبیہی ہے جس میں خطابت و معانی کی ایک دنیا آباد ہے اور صرف اسی ایک بات پر صدہا کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ ہم نے آپ کے یہ اقوال یہاں اس لیے پیش کیے ہیں کہ آپؐ سے قبل دنیا میں کسی کی زبان پر یہ بے مثال الفاظ نہیں آئے ۔

آپؐ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ سطح ارضی پر مداحین کی مدح میں انہیں معذور سمجھو ۔ اس بات کا مقصد یہ ہے کہ ایک انسان جب کسی دوسرے انسان کا شکریہ ادا کرتا ہے تو اس کے اسباب مختلف ہوتے ہیں لہٰذا تم اس کے اسباب میں ردو قدح نہ کیا کرو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممکن ہے اس کے علاوہ ان الفاظ کا کچھ اور مفہوم پیشِ نظر رکھا ہو ۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اسی جملے میں صدق وکذب کے بارے میں تنبیہ بھی موجود ہے ۔ جہاں تک مدح کے بارے میں قرآن سے رجوع کیا جا سکتا ہے ۔ وہ موقع وہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا: "اجْعَلْنِی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم" اس آیت میں خالق کائنات ، قادر مطلق اور اس کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام دونوں کی صفات یکجا موجود ہیں ۔

ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا: "ارتکاز مال و زر ظلم ہے ، جو شخص اس فعل کے مرتکب کی اتباع کرتا ہے وہ بھی ظالم ہے[1] ۔"

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: "ارواح جنود در جنود ہیں ، جو ان کی معرفت کا دعوے کرے وہ بھی ضیاع وقت کا مرتکب ہے اور جو ان سے بے خبری پر اصرار کرے وہ بھی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے (یعنی بے جا اختلاف رائے کا شکار ہے) راس الحکمت معرفت الٰہی ہے[2] ۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے بے شمار بے مثال اقوال میں سے چند درج ذیل ہیں ۔

(۱) "اے اللہ کے بندو ، میرے ہم رکاب رہو ، میں تمہیں جنت کی بشارت دیتا ہوں (۲) ایک لمحہ ساری عمر پر حاوی ہے ۔ (۳) دو وحشیوں میں رسہ کشی کبھی ختم نہیں ہوتی (۴) مومن ایک سوراخ

---

[1] ترجمہ مفہومی (رشادانی)

[2] ″ ″ ″ ″

سے دو مرتبہ نہیں کاٹا جاتا (۵) آدمی پر جو گزرتی ہے اس کے اپنے ہاتھوں گزرتی ہے (۶) دید و شنید برابر نہیں ہوتیں (۷) زورآور وہ ہے جو کسی کے نفس پر غالب ہو (۸) میری اُمّت کے لیے بابرکت وقت ان کی صبحیں ہیں (۹) قوم کا ساقی وہ ہے جو سب سے آخر میں پیئے (یعنی اپنی پیاس سب سے آخر میں بجھائے (۱۰) مجالس کا انحصار امانتوں پر ہے (۱۱) ایک پہاڑ اگر دُوسرے پہاڑ پر چڑھ دوڑے تو ان میں سے جو باغی فساد و بغاوت ہوگا (لازمًا) سطحِ ارضی کے برابر ہو جائے گا (۱۲) جس کی کوئی بیماری (بدی) طول پکڑے وہ اس سے اپنی ناک کٹوا کر مرے گا۔ (۱۳) میری کارِ خیر میں بھی امانت کو مالِ غنیمت اور زکات کو اپنے لیے جائز نہیں سمجھنی (۱۴) علم کو لکھ کر محفوظ کرلو (۱۵) بھلائی وہ ہے جو چھپا کر کی جائے (۱۶) ایک مسلمان دُوسرے مسلمان کا آئینہ ہے (۱۷) بھلی بات کہنے والے پر اللہ رحم فرمائے کہ اس کے لیے یہی غنیمت ہے لیکن شر سے اجتناب کرنے والا مسلمان ہے (۱۸) مروت کے حق دار زیادہ تر اپنے بھائی ہوتے ہیں (۱۹) اُوپر کا ہاتھ نیچے کے (کھُلے یعنی پھیلے ہوئے) ہاتھ سے بہتر ہے (۲۰) ترکِ شرک صدقہ ہے (۲۱) علمی فضیلت عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے (۲۲) غنی وہ ہے جو دل کا غنی ہو یعنی "تونگری بدل است نہ بمال۔" (۲۳) اعمال نیتوں پر منحصر ہیں (۲۴) اے مریضو بخل سے اجتناب تمہاری دوا ہے (۲۵) حیا نیکیوں کا مجموعہ ہے (۲۶) بھلے لوگ بھلے لوگوں سے ملتے ہیں (۲۷) نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت پکڑے (۲۸) مومن اپنے ہاتھ کی کمائی کو حد سمجھتا ہے (۲۹) شعر میں حکمت اور بیان میں جادو ہوتا ہے (۳۰) بادشاہ کے لیے عفو میں اس کے مُلک کی بقا ہے (۳۱) اہلِ زمین پر رحم کرنے والوں پر خدا رحم کرتا ہے (۳۲) آدمی انہیں سے میل جول رکھتا ہے جنہیں وہ چاہتا ہے اور اسے وہی ملتا ہے جو وہ کماتا ہے (۳۳) وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بزرگوں کا حق نہ مانے (۳۴) شر سے اجتناب کرنے والا امن میں رہتا ہے (۳۵) جس کے قتل میں اس کی اپنی کوئی غرض حائل نہ ہو وہ شہید ہے (۳۶) مومن کے لیے جائز نہیں ہے کہ ان تین وجوہ کے بغیر اپنے بھائی کو چھوڑے (۱) عملِ خیر کے لیے (۲) توبہ نہ کرے اور گناہوں پر نادم نہ ہو (۳) بھائی کا حق مارے اور اس پر ظلم بھی کرے (۳۷) ہر نیکی صدقہ کے برابر ہے (۳۸) جس نے انسان کا شکر ادا نہیں کیا اس نے گویا خدا کا شکر ادا نہیں کیا (۳۹) گمراہی کی تائید صرف گمراہ کرتا ہے (۴۰) کسی چیز کی (بے جا) محبت آدمی کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے (۴۱) سفر ذہنی و جسمانی عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے (۴۲) آپؐ نے انصار سے فرمایا، آپ لوگوں

نے طمع میں کمی اور نیکی میں زیادتی کی ہے (۴۳) مومن جملہ شرائط قبول کر سکتا ہے سوا اس کے کہ ان میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھانے پر اصرار کیا جائے (۴۴) "صدر ہر جا کہ نشیند صدر است" (۴۵) آدمی بجائے خود سونے چاندی کی کانوں کی طرح ایک کان ہے (۴۶) ظلم روز قیامت کی ظلمت ہے (۴۷) مصافحہ جملہ موجبات کا مجموعہ ہے (۴۸) آدمی کی پسند و ناپسند اس کی جبلّت پہ منحصر ہے (۴۹) تم جس کی اتباع کرو گے وہی تمہارے امن کا ضامن ہے (۵۰) نقص مال صدقہ ہے۔ (۵۱) گناہ سے تائب ہونا ایسا ہے جیسا کبھی گناہ نہ کیا ہو (۵۲) مشاہدہ کنندہ جو کچھ دیکھتا ہے وہ غیر مشاہدہ کنندہ نہیں دیکھ سکتا (یعنی عینی شاہد اور غیر عینی شاہد برابر نہیں ہو سکتے) (۵۳) جو تمہارا حق ہو وہ لے لو جو تمہارا حق نہ ہو اسے چھوڑ دو (۵۴) مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل مزدوری دے دو (۵۵) دنیا کے نیک روز قیامت بھی نیک سمجھے جائیں گے (۵۶) جنّت تلواروں کے سائے میں ہے (۵۷) وہ مومن نہیں ہے جس کا پڑوسی اس کے ظلم سے خائف ہو (۵۸) جہنم کی آگ سے ڈرو خواہ اس کا خوف کھجور چھیلنے جیسے معمولی کام ہی سے کیوں نہ ہو (۵۹) حجاب عورتوں کے لیے لوازمات میں سے ہے (۶۰) خوش کلامی صدقہ ہے (۶۱) اس کی صحبت اچھی نہیں جو اپنی طرح تمہارے آرام کا خیال نہ رکھے (۶۲) دُنیا مومن کے لیے قیدخانہ اور کافر کے لیے جنت ہے (۶۳) صداقت تاجر کی کمائی ہے (۶۴) دُعا مومن کا ہتھیار ہے (۶۵) خیرالامور اعتدال ہے (۶۶) جب کوئی ملاقات کے لیے آئے اس کا احترام کرو (۶۷) شفاعت کرو، صلے کے لیے ہو یا صرف تعریف کے لیے (۶۸) صبر و تحمل ایمان کی نشانی ہے (۶۹) افضل وہ ہے جو علم و معرفت میں افضل ہو (۷۰) ہلاکت (عموماً) اپنے ہاتھوں ہوتی ہے (۷۱) اولاد کی کثرت) اقتصادی مسائل پیدا کرتی ہے (۷۲) ہلاک ہونے والا اپنی قدر سمجھ لیتا ہے (۷۳) آنکھ کی بدی قلب کی بدی ہوتی ہے (۷۴) جھوٹ خلافِ ایمان ہے (۷۵) تھوڑے پہ قناعت کرنے والا زیادہ لے کر رونے والے سے بہتر ہے (۷۶) حیا کی کمی کفر ہے (۷۷) مومن زندہ رہنے کے لیے کھاتا ہے (۷۸) بدترین ندامت روز قیامت کی ندامت ہے (۷۹) بدترین معذرت وہ ہے جو مرتے وقت کی جائے۔ (۸۰) بزرگوں کی لغزشوں کی گرفت نہ کرو (۸۱) صبحدم طالب خیر ہوا کرو (۸۲) دنیا ظاہری آرائش ہے (۸۳) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کے مطابق تم سے کام لیتا ہے (۸۴) انتظار کشائش (فراخ دستی) عبادت ہے (۸۵) فاقہ کفر کو قریب لے آتا ہے (۸۶) (ایک دن) دُنیا میں فتنے اور بلا کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا (۸۷) مکر میں کمی محبت میں زیادتی کا باعث ہوتی ہے

(۸۸) صحت اور فارغ البالی دو نعمتیں ہیں جو اکثر (ممکن ہے آپؐ نے "اکثر" کی جگہ "سب" فرمایا ہو) لوگوں کو نہیں ملتیں۔ (۸۹) (قیامت میں) اللہ سے ملنے والا ہر شخص اپنی جگہ نادم ہوگا۔ (۹۰) نیکی کے بارے میں آپؐ نے فرمایا: "کاش میں اس سے زیادہ کر سکتا" (۹۱) عملِ خیر کے علاوہ جو کچھ آپؐ سے ظہور میں آیا وہ بطور عدل اور شاذ ہی سہی اس کے متعلق آپؐ نے فرمایا: "کاش میں اس میں کمی کر سکتا" (۹۲) آپؐ کا یہ قول مبارک ضرب المثل بن چکا ہے: "افسوس اور آرزو کی طوالت ہی تمہارا کارنامہ ہے (حالانکہ) یہی دو باتیں قوموں کی ہلاکت کا سبب ہوتی ہیں" (۹۳) "وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے کلام الٰہی یا میرے اقوال میں تحریف کی (آپؐ کے اس قول کی بہت سے لوگوں نے تاویلات پیش کی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ آپ نے یہ جملہ منافقین کے بارے میں فرمایا ہے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپؐ کا یہ ارشاد ان اہلِ کتاب کے متعلق ہے جنہوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کر لی ہے) چنانچہ یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ ٹھہرایا ہے، ویسے یہ مسلمانوں کے لیے ایک طرح سے تنبیہ بھی ہے۔ بہرکیف آپؐ کے اس قول کی تصریحات میں اختلافات ہیں جس طرح ابو مسعود بدری کی آپؐ سے روایت کردہ آپؐ کے اس قول میں ہے (۹۴) (ہر) سو سال بعد زمین پر کوئی چیز باقی نہیں رہتی (آپؐ کے اس قول کی تصریحات مختلف مفسرین نے الگ الگ بیان کی ہیں۔ بہرکیف جو کچھ آپؐ نے فرمایا اور اس سے جو کچھ مراد لیا وہ خود آپ کو معلوم ہوگا یا اسے اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے اسی طرح آپؐ کا ایک اور قول ہے (۹۵) تمہارے امور کی کامیابی کا (سب سے بڑا سبب) ان کی پردہ پوشی میں ہے اور بہتر یہی ہے کہ ان میں کامیابی تک اسرار اسرار ہی رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے بارے میں اہلِ خبر نے اپنے اپنے خیال کے مطابق مختلف تصریحات پیش کی ہیں۔

آپؐ کے مندرجہ بالا اقوال مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر بے شمار اقوال شریف بے مثال کی طرح کُتُبِ سیر میں موجود ہیں۔ ہم نے ان میں سے یہ چند اہلِ طلب کے استفادے کے لیے یہاں ایک جگہ جمع کر دیے ہیں۔ آپؐ کے جملہ اقوال زرّیں ابو محمد بن حسن بن درید کی کتاب "المجتبیٰ" اور ابو اسحٰق زجاجی نحوی کی سیرت پر کتاب "ابی العباس المبرد" اور ابو عبد اللہ نفطویہ، جعفر بن حمدان موصلی وغیرہ کی تصنیف کردہ کتابوں میں مل سکتے ہیں۔ ہم نے بھی وہ تمام کے تمام اپنی دوسری پچھلی کتابوں میں ترتیب وار پیش کیے ہیں جن کا اعادہ اختصار کے پیش نظر اس کتاب میں نہیں کیا گیا۔

باب (۴۱)

ذکرِ خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دن جو دوشنبہ کو ہوئی تھی لوگوں نے خلافت کے لیے سقیفہ بنی ساعدہ بن کعب بن خزرج انصاری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی وفات جب ہوئی اس دن ماہ جمادی الآخر کے آٹھ آخری دنوں میں تین راتیں باقی تھیں اور یہ ہجرت کا تیرھواں سال تھا۔ اس وقت ان کی عمر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ۶۳ سال تھی جس پر جملہ اہلِ سیر و مورخین کا اتفاق ہے۔ ان کی ولادت عام الفیل کے تین سال بعد ہوئی تھی۔ ان کا دورِ خلافت دو سال تین مہینے اور دس دن رہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت یہی ہے لیکن بعض لوگ اس میں دس دن کا اضافہ کرتے ہیں یعنی ان کے دورِ خلافت کی مدّت دو سال تین مہینے اور بیس دن بتاتے ہیں۔ ہم آگے چل کر ان کے دورِ خلافت اور اس زمانے کے احوال کوائف کا تفصیلی ذکر کریں گے۔ اس ذکر کو ہم نے بنی اُمیہ اور بنی عباس کے ادوارِ حکومت کے احوال و کوائف کے بعد اس کتاب کے اُس حصّے کے لیے مخصوص کیا ہے جس میں ہم زمانۂ ہجرت سے لے کر آج تک یعنی ۳۳۲ ہجری تک جو ابی اسحٰق المتقی للہ کی حکومت کا زمانہ ہے اس پورے دَور پر مفصّل گفتگو کر کے اپنی زیرِ نظر کتاب کا اختتام کریں گے۔ بہرکیف ہم نے مذکورہ بالا احوال و کوائف کے بارے میں مؤرخین کا اختلافِ رائے بیان کر کے اصحابِ زیجات کا قول نقل کیا ہے اور انہیں کے حسابِ نجوم پر بھروسہ کر کے اس زمانے کے برسوں، مہینوں اور دنوں کا حساب لگایا ہے۔

آپؓ کا نسب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا نام عبداللہ بن عثمان تھا۔ مؤرخین

اور اہل سیر سے آپ کا نسب حسب ذیل بیان کیا جاتا ہے۔

"ابو قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب"۔ مُرّہ تک پہنچ کر آپ کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کا لقب عتیق تھا کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق اللہ تعالےٰ نے آپ کو آگ سے یعنی آتش جہنم سے بچایا تھا۔ آج تک آپ کو اسی لقب سے یاد کیا جاتا اور یہ صحیح بھی ہے۔ اس کی دوسری وجہ آپ کی اپنی ماں اور سوتیلی ماؤں کی آپ کے والد محترم کی زندگی بھر اور بعد از مرگ بھی پاک دامنی اور عصمت مآبی ہے جس کا آپ نے بھی نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ تائید کی ہے۔

آپ کے اوصاف

آپ لوگوں میں سب سے زیادہ زاہد و عابد تھے اور ان میں سب سے بڑھ کر متواضع، با اخلاق تھے۔ آپ اپنے لباس اور خوراک کے معاملے میں اپنے دورِ خلافت میں بھی حد سے زیادہ سادگی پسند تھے۔ اس وقت بھی آپ کا لباس ایک پگڑی اور معمولی عباء ہی پر مشتمل تھا۔

آپ کی تواضع اور زہد و انکسار

جب عرب کے زعماء، اشراف اور یمن کے حکمران آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو ان کا لباس زرق برق اور مذہّب و مطلّا ہوتا لیکن جب وہ آپ کے لباس کی سادگی، آپ کی تواضع اور زہد و انکسار کو دیکھتے تو بہت شرمندہ ہوتے اور واپس جا کر ایک دوسرے کو اپنے امیرانہ لباس کے بارے میں سخت و سُست کہتے تھے اور آپ کے لباس کی سادگی کے باوجود آپ کے وقار اور دبدبے سے مرعوب نظر آتے تھے۔

آپ کی خدمت میں عربی وفود کی حاضری

عرب کے جو وفود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں یمن کے دوسرے حکمرانوں کے علاوہ حِمیر کا حکمران ذوالکلاع بھی تھا، اس کے ساتھ عیش و عشرت کے دوسرے ساز و سامان کے علاوہ ایک ہزار غلام بھی تھے اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس کا لباس بھی زرتار اور زرق برق تھا اور اس کے سر پر ایک مرصع و زرنگار تاج بھی تھا۔ اس کی یمنی زرنگار یمنی چادریں اور مطلّا عبائیں اس کے علاوہ تھیں، لیکن آپ کا سادہ لباس دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا۔ ایک روز جب آپ بازار تشریف لیے جا رہے تھے تو آپ کے کُرتے میں شانوں کے قریب معمولی چمڑے کے پیوند لگے ہوئے دیکھ کر آپ کے عزیزوں میں سے کچھ لوگوں نے آپ سے عرض کیا:۔

"ہم نے آپ کو جملہ مہاجرین و انصار پر فضیلت دی ہے۔"

(اس جملے سے ظاہر ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اس کے باوجود کہ ہم نے آپ کو خلافت کے لیے منتخب کیا ہے لیکن آپ نے اپنا یہ کیا حال بنا رکھا ہے)

آپ نے جواباً فرمایا: "کیا آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت کے حکمرانوں کی طرح (عیش پرست اور) ظالم و جابر حکمران بن جاؤں؟ خدا کی قسم میں ایسا کبھی نہیں بنوں گا، میرا کام اطاعت خداوندی زہد و تقویٰ اور تواضع و انکسار کے علاوہ مخلوق خدا سے نرمی و ملاطفت سے پیش آنا ہے۔"

جب یمن کے حکمران آپ کی خدمت میں باریاب ہو کر واپس لوٹے تو وہ درحقیقت اپنی جگہ بڑے نادم تھے۔ یہ اس تجربے کا نتیجہ تھا جو انہیں آپ کی خدمت میں حاضری اور آپ کی انتہائی سادہ زندگی دیکھ کر حاصل ہوا۔

آپ کے اور ابی سفیان کے درمیان گفتگو

آپ کو ابی سفیان کی سرکشی و تمرّد کی خبریں ملیں تو آپ نے اسے طلب فرمایا۔۔۔ جب ابی سفیان آپ کے پاس آیا تو آپ کو محسوس ہوا کہ وہ تملق کی باتوں کے باوجود اپنے آپ کو آپ سے بڑا سمجھ رہا ہے اور غرور و نخوت ابھی تک اس کے دماغ میں موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے اسے کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ اس پر وہ آپ کے قریب کھسک کر بولا: "اے بیٹے! کیا تو اپنے آپ کو ابی سفیان سے جو قریش کا بہت بڑا سردار ہے اپنے آپ کو برتر سمجھ رہا ہے جو اس سے بلند آواز میں گفتگو کر رہا ہے اور اسے نصیحتیں بھی کر رہا ہے؟ کیا ایک بیٹا اپنے باپ کو نصیحت کرنے کا اہل ہے؟ کیا تو نے اپنے طور طریق بدل ڈالے ہیں۔

یہ سن کر مہاجرین و انصار مسکرانے لگے لیکن آپ نے جواب دیا: "بزرگوار! زمانۂ جاہلیت کی باتوں کو بھول جائیے۔ اسلام نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے ایک قوم کو برتر کیا اور اس کے مقابلے میں دوسروں کو کمتر ٹھہرایا ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا نسب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی والدہ ماجدہ کا نام سلمیٰ اور ان کی کنیت ام الخیر تھی۔ وہ صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ کی بیٹی تھیں۔

آپ کی اولاد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں تین بیٹے عبداللہ، عبدالرحمٰن اور محمد تھے۔ عبداللہ طائف کی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوکر زخمی ہو گئے تھے۔وہ اپنے باپ کی خلافت کے زمانے تک زندہ رہے اور اپنے پیچھے وفات کے وقت کل سات دینار چھوڑے تھے جن میں ان کے والد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اضافہ کر دیا تھا (یعنی اضافہ کرکے وہ سب خیرات کر دیے تھے) عبداللہ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تھی۔عبدالرحمن غزوہ بدر میں مشرکین کے ساتھ شریک ہوکر مسلمانوں سے لڑے تھے لیکن جب بعد میں مسلمان ہوئے تو ان کا بہترین مسلمانوں میں شمار ہوتا تھا۔عبدالرحمن کے بارے میں مؤرخین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ان کے ساتھ ان کی پیروی کے لیے بہت سے بدو، نواح حجاز میں جمع ہو گئے تھے یہ جگہ عراق کے راستے کے قریب ایک مشہور مقام تھا جیسے صفینیات اور سح کہا جاتا ہے۔محمد کی ماں کا نام اسماء بنت عُمیس خثعمیہ، جعفر بن ابی طالب انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ان کے بعد جعفر بن ابی طالب کے دو بیٹے عون اور محمد حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے اور وہیں شہید ہوئے تھے۔عبداللہ بن جعفر کے چار بیٹے علی، اسماعیل، اسحاق اور معاویہ تھے۔عبداللہ کے انتقال کے بعد ان کی زوجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا تھا اور انہیں کے بطن سے محمد پیدا ہوئے تھے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا تھا اور ان کی کئی اولادیں ہوئیں لیکن کوئی زندہ نہیں رہی۔جب اُمِ اسماء کا وقت پیری وضعیفی تھا اس وقت ان کی چار بیٹیاں زندہ تھیں۔ان کی یہ چاروں بیٹیاں مختلف لوگوں سے بیاہی گئی تھیں جن میں سے ایک میمونہ ہلالیہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئی تھیں اور ایک دوسری ام فضل کی عباس بن عبدالمطلب سے شادی ہوئی تھی۔ان کی ایک بیٹی سلمیٰ کی شادی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب سے ہوئی تھی اور انہوں نے اپنے پیچھے ایک لڑکی چھوڑی تھی اسماء جو جعفر، ابی بکر اور علی سے ان کے یکے بعد دیگرے تین شادیوں کے باوصف وہی اکلوتی اولاد تھی۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں اُم فَروہ بھی تھیں جو قاسم بن محمد کی بیٹی تھیں محمد کو ان کے زُہد و تقویٰ اور منکسر المزاجی کی وجہ سے "عابد قریش" کہا جاتا تھا۔ان کی پرورش حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی تھی۔ان کے دیگر حالات اور قتل کا ذکر ہم اس کتاب میں آگے چل کر معاویہ بن ابی سفیان کے ذکر کے ساتھ چل کر کریں گے۔

آپ کی وفات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کے لیے نامزد کرنے کے بعد وفات پائی۔اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔یہ سال ہجرت کا تیرھواں اور بعض مورخین کے نزدیک چودھواں سال تھا۔

یوم سقیفہ

سقیفہ بنی سعدیہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر عام لوگوں نے تین دن تک بیعت کی لیکن تیسرے روز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مکان سے باہر تشریف لائے اور ان سے اس طرح مخاطب ہوئے :"کیا آپ ہم لوگوں میں باہم فساد پیدا کرنا چاہتے ہیں ؟ آپ نے ہمارے حق کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے ۔" اس پر آپ نے جواب دیا :"مجھے فتنے ہی کا خوف تھا ۔" یوم سقیفہ کے بارے میں مہاجرین و انصار کی بے شمار روایات ہیں جن میں حق خلافت کا ذکر آیا ہے ۔ سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کبھی بیعت نہیں کی ، وہ پہلے دن مدینے سے شام روانہ ہو گئے تھے اور وہیں پندرہ سال کے بعد قتل کر دیے گئے تھے ۔ بہر حال ہماری زیر نظر کتاب کا موضوع جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس قبیل کے مباحث نہیں ہیں ۔ ویسے بنی ہاشم میں سے کسی نے حضرت فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کسی فرد واحد نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی ۔

عدی بن حاتم طائی

ان دنوں جب بیت اللہ اور مسجد نبوی میں جمع ہونے والوں کے سوا بہت سے عربی قبائل جو حرمین شریفین کے درمیان آباد تھے اسلام نہیں لائے تھے ، عدی بن حاتم طائی خلیفہ اوّل کی خدمت میں صدقے کا اُونٹ لے کر حاضر ہوا تھا ۔ اس کے متعلق حارث بن مالک کہتا ہے :۔

"ہم میں جو وفا ہے جیسی آج تک کسی نے نہیں دیکھی ہمارے جد امجد عدی بن حاتم نے ہمیں سر بلند کیا ہے"

آپ کا مرض الموت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہودیوں نے کھانے میں زہر دے دیا تھا ۔ اس کھانے میں حارث بن کلدہ بھی شریک تھے جو یہ کھانا کھا کر نابینا ہو گئے تھے مگر آپ پر اس زہر کا اثر ایک سال تک رہا اور اسی کے اثر سے آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے جو پندرہ دن تک چلتا رہا اور اسی مرض میں آپ نے وفات پائی ۔

آپ کا کلام

آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا : میں نے تین خطاؤں کے سوا کسی امر میں خطا نہیں کی ، وہ تین باتیں بھی ایسی تھیں جن کے سرزد ہونے کے بعد میں نے انہیں فوراً ترک کر کے توبہ کر لی تاہم مجھے افسوس رہا کہ ایسی تین خطائیں بھی سرزد کیوں ہوئیں اور یہ بھی افسوس رہا کہ ایسے معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک معلوم نہ کر سکا تھا ۔ ان تین خطاؤں میں سے ایک خطا تو یہ ہے کہ میری زندگی میں فاطمہ

زہراؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ توڑا گیا (اس کے متعلق بہت سی مختلف روایات ہیں) دوسری خطا میری یہ ہے کہ میں نے فجار کو یا تو قتل کر دیا یا قطعًا معاف کر دیا، تیسری بات یہ ہے کہ میں نے یوم سقیفہ کی ذمہ داری ایک ایسے شخص پر چھوڑ دی جو خود امیر اور میں اس کا نائب تھا۔ ان پہلی تین فروگزاشتوں کے علاوہ تین اور باتیں یہ ہیں جن پر مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا ایک بات تو یہ ہے کہ جب اشعث بن قیس کو قید کر کے میرے سامنے لایا گیا تو میں نے فورًا بغاوت کے الزام میں اس کی گردن مروا دی حالانکہ وہ بانئ شر نہیں تھا بلکہ اس نے اہل شر کی اعانت کی تھی۔ ایک بات یہ ہے کہ میں عمر بن خطاب کے ساتھ مشرق کی طرف گیا اگرچہ مشرق و مغرب یا شمال و جنوب میں میرا کہیں آنا جانا صرف فی سبیل اللہ ہی ہونا چاہیے تھا۔ ان دو باتوں کے علاوہ تیسری بات یہ ہے کہ جب میں نے جیش ردّہ کے لیے سامان فراہم کر کے اسے روانہ کر دیا تو خود اپنے مکان پر واپس آ کر صرف مسلمانوں کے سلام لیتا رہا، حالانکہ مجھے اس لشکر میں نہ صرف شریک بلکہ اس کے آگے آگے ہونا چاہیے تھا۔

حضرت ابوبکرؓ جہاں تک مذکورہ بالا لشکر کے ساتھ مدینے سے گئے تھے اس جگہ کا نام ذی قصّہ ہے۔ اسی لیے آپ نے یہ بھی فرمایا: "کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں (آپ کی وفات سے قبل) دریافت کر لیتا اور مسئلہ خلافت کے بارے میں بھی آپؐ سے دریافت کر لیتا تاکہ آپؐ کے اہل بیت اس سلسلے میں مجھ سے کوئی تنازعہ نہ کرتے!" آپ نے یہ بھی فرمایا: "کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چچی اور بھتیجی کی میراث کے بارے میں بھی دریافت کر لیتا کہ ان کے حقوق خود میری ذات سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا:- کاش میں مسئلہ خلافت کے سلسلے میں انصار کے متعلق آپ کی رائے معلوم کر سکتا!"

آپ کی لڑکیاں

آپ نے اپنی وفات کے وقت جو بیٹیاں چھوڑیں، ان میں ایک اسماء ذات النطاقین تھیں جو عبداللہؓ ابن زبیر کی والدہ تھیں اور دوسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

آپ سے حضرت علیؓ کی بیعت

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی بیعت کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے دس دن بعد بیعت کر لی تھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۷۰ اور نصف دن بعد لیکن بعض لوگ تین مہینے

بعد بتاتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ نے ان کی بیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد کی تھی اور بعض لوگ اس سے کچھ کم وبیش بتاتے ہیں۔

امرائے لشکر کو آپ کی وصیت

آپ نے شام کی طرف جو امرا یا گورنر یا امیر لشکر روانہ فرمائے ان میں یزید بن ابی سفیان بھی تھا جو آپ کا طرف دار سمجھا جاتا ہے۔ آپ نے اسے جو وصیت فرمائی تھی یہ تھی کہ جب تم اپنی عمل داری میں پہنچو تو فوراً ہی بھلائی کا کام شروع کر دو، اس میں تاخیر و تعویق سے کام نہ لینا، جب کوئی وعدہ کرو تو پہلے اس کا جواز دیکھ لو اور اس سے زیادہ باتیں نہ کرو کیونکہ لوگ بعض باتیں یاد رکھتے ہیں اور بعض کو بھول جاتے ہیں۔ اگر تم اپنی اصلاح کر لو گے تو لوگ تمہاری اصلاحی باتوں کو سنیں گے۔ جب تمہارے کسی دشمن کا قاصد پہنچے تو اس کے حسب مرتبہ اس کا بھی احترام کرو، یہی دشمنوں کے ساتھ تمہاری بھلائی کا آغاز ہو گا۔ انہیں اپنے پاس زیادہ نہ ٹھہراؤ کیونکہ وہ تمہارے بارے میں پھر بھی لاعلم ہی رہیں گے، ان کی ہر بات قابل قبول نہ سمجھا کرو لیکن یہ ظاہر کیا کرو کہ تم نے ان کی باتیں سمجھ لی ہیں، اپنی راز کی باتوں کو اپنی اعلانیہ باتوں میں شامل نہ کیا کرو بلکہ ان کا امتزاج عمل کے ساتھ ہونا چاہیے جب کوئی بات معلوم ہو تو اس کی تصدیق کر لیا کرو۔ اپنی ہر بات پر دوسروں سے مشورے سے قبل خود غور کر لیا کرو۔ جب تمہارے پاس کوئی چیز پوشیدہ طور پر بھیجی جائے تو اس کا بے وقت اظہار نہ کیا کرو بلکہ اس کے بارے میں کافی غور و خوض کر لیا کرو۔ اپنے لشکر سے اطلاعات پوشیدہ رکھا کرو کیونکہ یہ تمہاری ذاتی حفاظت کے لیے ضروری ہے اور ان کے لیے یہ اچانک خبریں انہیں پریشان کرنے کے علاوہ تمہارے لیے بھی رات دن کی بے چینی کا باعث بنیں گی اور ان کے تحفظ میں تمہیں دشواری پیش آئے گی۔ بظاہر کھلی باتوں کی بھی تصدیق کر لیا کرو۔ دوسروں کے سامنے اپنے خوف کا اظہار نہ کیا کرو، ویسے دوسروں سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

آپ کے زمانے میں نبوت کے مدعی

ہم نے اس کتاب میں بخوف طوالت اور اختصار کے پیش نظر ان جملہ نبوت کے دعوے داروں کا تفصیلی ذکر نہیں کیا ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نبوت کے مدعی تھے مثلاً نبوت کا ایک جھوٹا مدعی عبہلہ تھا جس کے دعویٰ نبوت کی خبریں یمن اور صنعا میں بہت پھیلی تھیں اور بعد میں اسے قتل کر دیا گیا تھا یا طلیحہ اور اس کے دعویٰ نبوت کا ذکر اور اسی طرح یا اس کی پیروی میں سجاح بنت حارث بن سوید کا دعویٰ نبوت۔ لوگ اسے بنت غطفان بھی بتاتے ہیں، ممکن

ہے وہ اُمّ صادر ہو، جیسا کہ کچھ لوگ بیان کرتے ہیں۔ ایک شاعر نے آخر الذکر کے بارے میں کہا ہے:۔

شعر

"ہم ہیں ایک عورت نبوت کی دعوے دار تھی ویسے ہم نے نبوت کے مرد دعوے داروں کا ذکر بہت سنا ہے"

ایک اور شاعر سجاح بنت حارث بن سوید کے بارے میں کہتا ہے:۔

شعر

"بنی تمیم کو اللہ نے گمراہ کیا تھا! ان میں سجاح نے گمراہی پھیلائی تھی"

نبوت کے ان جھوٹے دعوے داروں میں ایک مُسیلمہ کذاب بھی تھا۔ اس کے دعویٰ نبوت سے قبل سجاح نبوت کا دعوے کر چکی تھی۔ اس کے اس دعوے کے لیے مسطیح، ابن سلمہ، ماموں حارثی اور عمرو بن لُحی وغیرہ کاہنوں نے راہ ہموار کی تھی۔ سجاح جب مسیلمہ کذاب کے پاس پہنچی تو اس نے یعنی مُسیلمہ نے اس سے نکاح کر لیا تھا۔ نبوت کے ان دعوے داروں کے واقعات کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کی تفصیلات میں جانے سے اختصار کے پیشِ نظر یہاں گریز کیا ہے اور انھیں مجملاً بیان کر دیا ہے۔

مثلاً: مثلاً خالد بن ولید (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) سے مسیلمہ کا مقابلہ اور اس کا قتل، ایک انصاری کا اس میں ملوث ہونا۔ یہ ہجرت کے گیارہویں سال کے واقعات ہیں۔ ان کے علاوہ سقیفہ کا قصہ ہے نیز یہ کہ اس سلسلے میں حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی بیعت میں کس کس نے سبقت کی تھی اور کیوں کی تھی؟ اس سلسلے میں منذر بن حباب کا قول بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس نے بیعت ابوبکر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کے بارے میں کہا تھا: "میں نے اس کی خوشبو سُونگھی اور جب اسے چکھا تو دونوں حالتوں میں پسندیدہ پایا۔ اب خدا کو گواہ کر کے بتاؤ کہ اسے بُرا بھلا کہنے سے کیا فائدہ ہے؟" اس کے علاوہ اس بارے میں سعد بن عبادہ اور بشر ابن سعد کی باہمی تکرار اور قبیلہ اوس کا یہ خوف کہ اگر عبادہؓ نے حد سے تجاوز کیا تو وہ خزرج میں باہمی تنازعہ کا باعث بن جائے کیونکہ یہ بات اس قبیلے تک پہنچے بغیر نہ رہے گی۔ اس کے علاوہ بنی ہاشم کی بیعت ابوبکر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کے متعلق باتیں اور مفسرین و مؤرخین کی اس بارے میں بحث وتمحیص اور حقوق امامت کے متعلق ان کی رائیں، اس کے علاوہ بیعت اور امامت مفضول کے متعلق لوگوں میں چہ چے اور چہ میگوئیاں نیز اپنی بیماری کے دوران میں بنت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا اپنے والد بزرگوار کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر گریہ گستری کے لیے استدعا اور اس سلسلے میں صفیہ بنت عبد المطلب کا قول۔ بہر کیف جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا بخیال وخوف طوالت اور بخیال اختصار ہم نے ان واقعات کی تفصیل میں جانے سے یہاں گریز کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم ان واقعات کو اپنی دو پچھلی کتابوں "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

باب (۴۲)

ذکرِ خلافت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے بیعت اس وقت لی گئی تھی جب تیرھویں سال ہجری کے آغاز میں آپ حج سے والیسی پر مدینے میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنی جانشینی کے لیے نامزد ضرور کیا تھا لیکن یہ نامزدگی مجلسِ شوریٰ کے متفقہ فیصلے کے بغیر نہیں ہوئی تھی۔ مجلس شوریٰ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف پر مشتمل تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی خلافت کے دوران ہی میں مغیرہ کے غلام ابولوٗلوٗہ نے قتل کر دیا تھا۔ اس وقت سن ہجری کا تیئیسواں سال تھا اور بدھ کا دن تھا جب کہ ماہ ذی الحجہ کے اختتام میں چار روز باقی تھے۔ اس وقت تک آپ کے دورِ خلافت کو دس سال چھ مہینے اور چار راتیں گزر چکی تھیں۔ آپ کو صبح کی نماز میں شہید کیا گیا تھا، اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قبروں کے پاس دفن کیا گیا اور آپ کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی طرف رکھا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں ایک قطار میں ہیں یعنی آپؐ کی قبر کے پہلو میں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو دفن کیا گیا ہے۔ آپ نے نو حج کیے تھے، آپ کے جنازے کی نماز عبدالرحمٰن بن عوف نے پڑھائی تھی۔ آپ کی شہادت کے تین روز بعد مذکورہ بالا مجلس شوریٰ کا دوبارہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔

آپ کا نسب، کردار اور احوال و آثار

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا نسب نویں پشت میں جا کر یعنی کعب پر پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے نسب سے مل جاتا ہے جو یہ ہے :۔

"عمر بن خطاب بن نُفَیل بن عبدالعزیٰ بن قرط بن رباح بن عبداللہ بن رزاح بن عادی بن کعب۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ حَنتمہ بنت ہشام ابن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم تھیں جو سوداء کے نام سے مشہور تھیں۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو فاروق اس لیے کہا جاتا تھا کہ آپ نے حق و باطل کے درمیان حد فاصل قائم کی تھی یا فرق بتایا تھا۔ آپ کی کنیت ابوحفص تھی۔ آپ پہلے خلیفہ تھے جنہیں امیرالمومنین کہہ کر پکارا گیا۔ آپ کا نام عُمر عدی بن حاتم نے رکھا تھا، البتہ اس بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں، واللہ اعلم۔ جس شخص نے آپ کو امیرالمومنین کہہ کر بلایا وہ مغیرہ بن شعبہ تھا، ویسے ابوموسےٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) نے منبر سے آپ کو امیرالمومنین کہہ کر یاد کیا پھر آپ کو حسب ذیل ایک خط بھی اس طرح لکھا: "ابوموسےٰ اشعریؓ کی طرف سے عبداللہ عمر امیرالمومنین کے نام۔" جب آپ کو یہ خط پڑھ کر سُنایا گیا تو آپ نے فرمایا: "میں اللہ کا بندہ ہوں، عُمر ہوں اور الحمدللہ امیرالمومنین بھی ہوں۔"

آپ کے اوصاف

آپ حد درجہ متواضع تھے، موٹا لباس پہنتے تھے لیکن جب اللہ اور لوگوں کے درمیان کوئی معاملہ ہوتا تو اس میں حد درجہ سختی برتتے تھے۔ آپ کے جملہ عُمّال افعال و اخلاق میں آپ کی پیروی کرتے تھے، وہ سب کے سب آپ کے سامنے آپ ہی کی طرح نظر آتے تھے۔ آپ کی عبا موٹے اُون کی ہوتی تھی جس میں چمڑے کے پیوند لگے ہوتے تھے۔ وہ چیزوں کو اپنے کاندھے پر اس طرح رکھتے تھے جیسے وہ رزق ہو لیکن آپ کے چہرے سے ہیبت و جلال کا اظہار ہوتا تھا۔ آپ کی سواری اکثر و بیشتر اونٹ ہوتا تھا جس پر معمولی کپڑا پڑا ہوتا تھا۔ اور یہی حال آپ کے جملہ عُمّال کا بھی تھا۔ آپ کے اس تمام عجز و انکسار اور سادگی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں بہت سے ملک فتح کرائے اور مملکت اسلامیہ کو وسعت بخشی اور دولت سے مالا مال کر دیا۔

آپ کے عُمّال یا گورنر

آپ کے عمّال یا گورنروں میں ایک گورنر سعید بن عامر بن خریم بھی تھے، حمص کے کچھ لوگوں نے جہاں کے وہ گورنر تھے حضرت عمرؓ کے پاس ان کی شکایت بھیجی کہ وہ طلوع آفتاب کے بعد عوام سے ملتے ہیں، رات کے وقت کسی سے نہیں ملتے اور ہفتے میں ایک دن اپنے گھر سے باہر نہیں آتے۔ آپ کو جب یہ شکایات پہنچی تو آپ نے فرمایا: اللہ مجھے عدل کی توفیق دے اور تیری فراست کم نہ کرے۔ پھر سعید بن عامر اور شکایت

کرنے والوں کو مدینے طلب فرمایا اور شکایت کرنے والوں سے فرمایا: "اب ان کے سامنے اپنی شکایات بیان کرو۔" چنانچہ انہوں نے مذکورہ بالا تینوں شکایتیں من وعن دہرا دیں۔ آپ نے سعید بن عامر کو حکم دیا کہ ان شکایات کا جواب دیں۔ وہ بولے: "یا امیر المومنین! میرے پاس کوئی نوکر نہیں ہے اس لیے میں صبح کا کھانا خود ہی تیار کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس کے بعد لوگوں سے ملاقات کرتا ہوں۔ دوسری بات یعنی رات کے وقت لوگوں سے ملاقات نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے رات کا وقت صرف عبادت الٰہی کے لیے مخصوص کر رکھا ہے، تیسری بات یہ کہ میں ہفتے میں ایک روز گھر سے باہر نہیں نکلتا اُس کی وجہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے جو میرے کپڑے دھو دیا کرے اور چونکہ میرے پاس عموماً صرف ایک ہی جوڑا کپڑوں کا ہے اس لیے میں اسے خود ہی دھو کر سکھانے کے لیے ڈال دیتا ہوں اور جب وہ سُوکھ جاتا ہے تو اسے پہنتا ہوں، اس کام کے لیے میں نے ہفتے میں ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔" آپ نے سعید بن عامر کے یہ جوابات سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ بحمد اللہ عُمّال کے تقرر میں میری فراست کم نہیں ہے۔ پھر اہل حمص سے مخاطب ہو کر فرمایا: "آپ لوگ بھی خدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو ایسا امیر دیا ہے، لہٰذا اس کے متعلق گمان نیک رکھا کرو اور اس سے بھلائی کے ساتھ پیش آیا کرو۔" اس کے کچھ عرصے بعد آپ نے سعید بن عامر کو ہزار دینار بھیجے اور انہیں اپنے تصرف میں لانے کی اجازت دی۔ سعید کی بیوی بولیں: "خدا نے ہمیں اب فارغ البال کر دیا ہے، اب آپ اپنے اور میرے کچھ کپڑے بنا لیں اور گھر کے لیے کچھ تھوڑا بہت سامان خرید لیں۔" اس کے جواب میں سعید بولے: "دوسرے لوگ ہم سے بھی زیادہ اس کے مستحق ہیں۔" چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی سے کہہ کر ان دیناروں کو ایک تھیلی میں ڈالا اور نام بنام غریبوں، ناداروں اور یتیموں میں انہیں تقسیم کرنے کا حکم دیا تاہم ان میں سے پھر بھی جب کچھ دینار بچ گئے تو ان کی بیوی بولیں: "ان باقی دیناروں سے آپ ایک خادم اپنی خدمت کے لیے رکھ لیں۔" سعید نے جواب دیا! کیا آپ کے خیال میں مجھے واقعی کسی خادم کی ضرورت ہے جب کہ کچھ اور لوگ ہم سے زیادہ ان دیناروں کے مستحق ہیں۔

سلمان فارسی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقررہ ایک اور عامل سلمان فارسی تھے جو مدائن کے گورنر مقرر کیے گئے تھے۔ وہ موٹے صوف کا لباس پہنتے تھے اور گدھے کی ننگی پیٹھ پر سواری کرتے تھے، جو کی روٹی کھاتے تھے اور ہمیشہ ریاضت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ جب سعد

بن ابی وقاص نے ان سے مدائن میں ملاقات کی تو ان سے کہا: "اے ابو عبداللہ! مجھے کچھ نصیحت کیجئے" سلمان فارسی بولے: "جب کسی کام کی ہمت کرو تو خدا کا نام لیا کرو اور اس کا زیادہ سے زیادہ ذکر کیا کرو، حکمت کی باتیں بیان کرتے وقت زبان کا لحاظ رکھا کرو، جب کچھ تقسیم کرنے لگو تو ہاتھ پر نظر رکھا کرو۔" یہ کہہ کر سلمان فارسی رونے لگے۔ سعد بن وقاص نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو بولے: "آپ دیکھتے ہیں کہ میرے گھر میں طہارت اور لوازم عبادت کے آرام و آسائش کا کوئی سامان نہیں ہے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ترک آرائش بڑی بات نہیں خدا کا خوف سب سے اہم چیز ہے، بس اس لیے روتا ہوں کہ دنیاوی معاملات میں جو میرے سپرد ہیں مجھ سے کوئی کوتاہی نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بن جائے۔"

ابو عبیدہ رضؓ

ابو عبیدہ بن جراح حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے شام کے گورنر مقرر کیے گئے تھے۔ وہ کھردرے اون کا موٹا لباس پہنتے تھے۔ ایک بار ان کے کچھ قریب تر لوگوں نے ان سے کہا:۔

"ہمارے گرد و نواح میں دشمن رہتے ہیں، آپ ماشاءاللہ امیر المومنین حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے گورنر ہیں، آپ بھی اس نواح کے حکمرانوں کی طرح ذرا ٹھاٹھ باٹھ اور شان و شوکت سے رہا کریں تاکہ ان پر آپ کا اچھا اثر پڑے۔" عبیدہ بن جراح رضؓ نے جواب دیا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں میں جس طرح زندگی بسر کرتا تھا کیا اسے ترک کر دوں؟"

جہاد کے لیے آپ کی تاکید

جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) جہاد کے لیے مسلمانوں کو طلب فرماتے تو اس کے ساتھ ہی جہاد کے اسلامی اصولوں سے انہیں بڑی شد و مد کے ساتھ خبردار فرماتے تھے۔ واقدی اپنی کتاب فتوح الامصار میں لکھتا ہے:۔ جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے جہاد کا ارادہ فرمایا تو مسجد میں تشریف لا کر اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کو جہاد کی دعوت دی اور انہیں اس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: تم حجاز کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بہت سے دن گزار آئے ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے قیصر و کسریٰ کے ممالک کی فتح کا وعدہ فرمایا تھا چنانچہ اب تم سرزمین فارس کی طرف روانہ ہو جاؤ۔" چنانچہ سب سے پہلے ابو عبیدہ کھڑے ہو کر بولے: "یا امیر المومنین! میں اس کے لیے حاضر ہوں۔" جب ابو عبیدہ رضؓ نے جہاد کے لیے

بڑی سرگرمی کے ساتھ اپنی آمادگی کا اظہار کیا تو دُوسروں نے بھی آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ جب سب لوگ جہاد کے لیے اپنی آمادگی کا اظہار کر چکے تو ابو عبید نے آپ سے عرض کیا: "یا امیر المومنین! آپ مہاجرین یا انصار میں سے بنی ثقیف کے جس شخص کو حکم دیں گے وہی مجاہدین کا سردار ہوگا۔" آپ نے یہ سُن کر فرمایا: "جس نے سب سے پہلے جہاد کے لیے آمادگی کا اظہار کیا ہے میں اسی کو اب کے مجاہدین کا سردار مقرر کرتا ہوں۔" چنانچہ ابو عبید کو مجاہدین کا امیر مقرر کیا گیا۔ کچھ روایات کے مطابق آپ نے یہ فرمایا کہ جس نے سب سے پہلے جہاد پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا ہے وہی اس لشکر کا سردار ہوگا یعنی ابو عبید۔ پھر انہیں خبردار کیا کہ وہ ماضی سے اپنا رشتہ نہ توڑیں اور مسلمہ بن اسلم بن حریش اور سلیط بن قیس کا پہلے کی طرح احترام کرتے رہیں کیونکہ وہ دونوں اہل بدر میں سے ہیں۔ بہرکیف آپ نے مجاہدین کے اس لشکر کو کچھ ایسے انداز سے روانہ فرمایا کہ گویا سارا عجم اس کے سامنے تھا اور وہ اس کی فتح کا ارادہ کرکے نکلا تھا —— مگر بقول جالینوس "اس نے سارے عجم کو دیکھا لیکن لاعلمی کی بناء پر شکست سے دوچار ہوا۔"

چنانچہ ابو عبیدہ نے مدینے سے روانہ ہوکر دریائے فرات عبور کیا جہاں کے کسانوں نے ان کے لیے وہاں ایک پُل بنا دیا تھا لیکن جب انہوں نے دریا پار کرکے پلٹ کر پُل پر نگاہ ڈالی تو اسے منہدم کرنے کا حکم دے دیا۔ اور وہ پُل توڑ دیا گیا۔ اس پر مسلمہ بن اسلم نے ان سے کہا: "اے مردِ خدا! جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ تیری نظر سے پوشیدہ ہے۔ تو نے اس پل کو تڑوا کر اچھا نہیں کیا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ اپنی سوئے تدبیر سے خود بھی ہلاک ہو اور اپنے ساتھی مسلمانوں کو بھی ہلاکت میں ڈال دے۔ اس پُل کو دوبارہ بنوا دے کیونکہ اگر یہ ٹوٹا رہا تو مسلمانوں کو واپسی کے لیے کوئی راستہ نہیں ملے گا کہ وہ اس صحرائے لق ودق سے کہیں پناہ حاصل کر سکیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تو مسلمانوں کو ہلاک کرانا نہیں چاہتا لیکن آنے والے حالات سے واقف نہیں ہے تو ہماری مخالفت کر رہا ہے چنانچہ جلد ہی اس کا انجام دیکھ لے گا۔" اس پر ابو عبیدہ نے مسلمہ بن اسلم کو جواب دیا: "اے بندہ خدا! آگے بڑھ کر جنگ میں شریک ہو اور دشمنوں کو قتل کر، انجام تیرے سامنے خود آجائے گا۔" یہ سُن کر سلیط بولے: "عربوں اور اہل فارس کی جنگ کے طریقے الگ الگ ہیں، تم ان مقامات پر جنگ کرنے کا تجربہ نہیں رکھتے، بہتر یہی ہے کہ خدانخواستہ اگر مسلمانوں کو شکست ہو جائے تو وہ یہاں سے بچ کر نکل سکیں۔" سلیط بن قیس کی زبان سے یہ سُن کر ابو عبیدہ بولے: "اے سلیط میں بُزدل نہیں ہوں نہ بُزدلی کا مظاہرہ کرتا

چاہتا ہوں ۔" سلیط نے کہا : "بخدا میں تمہیں بُزدل نہیں سمجھتا لیکن تمہاری اور دُوسرے مجاہدین کی ہلاکت دیکھنے کی بھی مجھ میں تاب نہیں ہے ، میرے خیال میں پُل توڑنے کا جو تم نے حکم دیا ہے وہ غلط تھا ۔" اس کے بعد جب فارسی فوجوں سے لڑائی کا موقع آیا اور گھمسان کی جنگ شروع ہوئی تو عربوں نے دیکھا کہ ہاتھی بڑھے چلے آرہے ہیں اور ان پر فوجی سوار ہیں یہ منظر ان کی نظر سے پہلے کبھی نہیں گزرا تھا اس لیے وہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے اور ان میں جو قتل ہونے سے بچ گئے وہ دریائے فرات میں ڈوب کر ہلاک ہوگئے ، ابوعبید نے سلیط کی رائے کی مخالفت کی تھی حالانکہ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے انہیں مسلمہ اور سلیط دونوں سے مشورہ کرنے کا حکم دیا تھا ۔ سلیط کا مشورہ یہ تھا کہ ابوعبید دریا کو عبور نہ کریں بلکہ دشمن کو دریا عبور کر کے اپنی طرف آنے دیں اور اگر دریا عبور بھی کرلیں تو پل نہ توڑا جائے لیکن ابوعبید نے ان کے مشورے پر عمل نہیں کیا ۔ سلیط نے کہا تھا : "میں مشورہ دینے والوں کی مخالفت کو بُرا سمجھتا ہوں ، اگر مشورہ لیتا ہوں تو اس پر عمل بھی کرتا ہوں کیونکہ میری خودسری لوگوں کو ہلاکت میں ڈال سکتی ہے ۔" بہرحال ابوعبید نے ان کے مشورے پر عمل نہیں کیا بلکہ نیزہ لے کر شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے بڑھے اور ایک ہاتھی کی آنکھ میں نیزہ گھونپ دیا مگر اس ہاتھی نے غصے میں آکر انہیں سونڈ میں پکڑ کر اُٹھایا اور واپس لوٹا دیا جہاں فارس کے فوجیوں نے انہیں قتل کر دیا ۔ اس کے بعد بکر بن وائل کا ایک شخص اور پھر بنی حارثہ کے دو آدمی آگے بڑھے لیکن ان کا انجام بھی وہی ہوا جو ابوعبید کا ہوا تھا ۔ یہ دیکھ کر مجاہدین پلٹے لیکن چار ہزار کے قریب قتل ہوئے یا دریا میں ڈوب گئے ۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے قبل مجاہدین فارس کی فوج کے چھ ہزار افراد کو موت کے گھاٹ اُتار چکے تھے ۔ اس روز فارس کی فوج کے پاس وہ غیر معمولی طویل و عریض پرچم بھی تھا جو فارس کے ایک سابق بادشاہ فریدون نے تیار کرایا تھا ، اس کی بلندی بارہ گز اور عرض آٹھ گز تھا اور اسے موصل لمبی تانوں پر ایستادہ کیا گیا تھا ، اسے درفش کاویانی کہا جاتا تھا ، اور اہل فارس کے نزدیک وہ نیک شگون کی علامت تھا ۔ یہ سب باتیں ہم اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں ۔

جب مذکورہ بالا پُل پر ابوعبید ثقفی کی شہادت کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی تو اسے سُن کر آپ کو اور دُوسرے مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا ۔ بہرکیف آپ نے مسلمانوں کو دوبارہ جہاد کے لیے تاکیداً آمادہ کیا ۔ جب لشکر عراق کے لیے روانہ ہونے لگا تو آپ نے اس کی ترتیب کا

خاص خیال رکھا۔ آپ نے مقدمۃ الجیش کے لیے طلحہ بن عبید اللہ کو منتخب کیا، میمنہ کے لیے زبیر بن عوام اور میسرہ کے لیے عبد الرحمٰن بن عوف کو مقرر کیا۔ پھر آپ نے کچھ خاص خاص لوگوں سے یہ مشورہ بھی کیا کہ آیا انھیں بہ نفس نفیس اس لشکر کے ساتھ جانا چاہیے یا نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ انہیں لشکر کے ساتھ جانا چاہیے تاکہ دشمن پر ان کے ہیبت وجلال کا اثر ہو۔ اس کے بعد آپ نے عباس بن عبد المطلب کو قریش کے کچھ چیدہ چیدہ لوگوں کے ساتھ طلب کر کے ان سے مشورہ لیا۔ ان کی متفقہ رائے یہ تھی کہ سردار لشکر کسی اور کو منتخب کر کے بھیجا جائے اور آپ کو مدینے ہی میں ٹھہرنا چاہیے کیونکہ اگر مسلمانوں کو خدانخواستہ شکست بھی ہوئی تو اس کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے عبد الرحمٰنؓ بن عوف سے مشورہ کیا۔ وہ بولے: "میں اور میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں آپ کو یہیں ٹھہرنا چاہیے اور کسی اور شخص کو لشکر کی کمان دی جائے کیونکہ اس صورت میں اگر مسلمانوں کو شکست بھی ہوئی تو اس کا الزام آپ پر نہیں آئے گا لیکن اگر آپ لشکر کے ہمراہ گئے اور خدانخواستہ دشمن کے ہاتھوں شہید ہو گئے تو کسی اور جگہ تو کیا شاید عرب میں کوئی کلمہ گو باقی نہ رہے۔" یہ سن کر آپ نے فرمایا: "پھر تم علی (رضی اللہ عنہ) سے مشورہ کرو کہ اس لشکر کی کمان کس کے سپرد کی جائے؟" اس پر عبد الرحمٰنؓ بن عوف بولے: "میرے خیال میں یہ ذمہ داری سعدؓ بن ابی وقاص پر ڈالی جائے۔" یہ سن کر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ سعد بڑے بہادر آدمی ہیں لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ تدابیر حرب کے لحاظ سے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے۔" اس کے جواب میں عبد الرحمٰن بن عوف نے عرض کیا: "وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کبار میں سے ہیں، شجاعت میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کسی سے کم نہیں ہیں غزوۂ بدر میں شریک رہ کر اس کا تجربہ کر چکے ہیں لیکن آپ مناسب خیال فرمائیں تو ان سے فرمائیں کہ وہ موقع بموقع ہم سے مشورہ کر لیا کریں۔ مجھے امید ہے کہ وہ آپ کے اس حکم سے سرتابی ہرگز نہیں کریں گے۔" اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی آپ کو مدینے میں ٹھہرنے کا مشورہ یہی کہہ کر دیا کہ وہ یہ کبھی نہ چاہیں گے کہ ان کے بعد عرب اسلام کے منکر ہو جائیں۔ پھر جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے ان سے امیر لشکر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ کسی ایسے شخص کو امیر لشکر مقرر کیا جائے جو بہادر ہونے کے علاوہ جنگ کا ضروری تجربہ بھی رکھتا ہو۔ اس پر حضرت عمرؓ بولے کہ میں

ایک اسے شخص کو جانتا ہوں جو بہادر تو بہت ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اسے جنگ کا جتنا چاہیے تجربہ حاصل نہیں ہے۔ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے جب آپ سے اس شخص کا نام پوچھا تو آپ نے سعدؓ بن ابی وقاص کا نام لیا۔ اس پر حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) بولے کہ وہ تو یہاں موجود نہیں ہیں۔ ان سے دریافت کیے بغیر آپ انھیں امیر لشکر کس طرح مقرر کر سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا: میں انھیں یہاں بلالوں گا یا انھیں لکھ دوں گا کہ جب لشکر روانہ ہو جائے تو وہ راستے میں اس میں شریک ہو جائیں اور میرے حکم سے سارے لشکر کو آگاہ کر دیں۔ چنانچہ جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے دیکھا کہ اکثر لوگوں کا مشورہ یہی ہے کہ وہ مدینہ میں ٹھہریں اور کسی اور کو لشکر کا امیر بنا کر عراق بھیجیں نیز یہ کہ کسی نے سعدؓ بن ابی وقاص کو امیر لشکر مقرر کیے جانے کی مخالفت نہیں کی تو آپ نے انہیں امیر لشکر مقرر کر کے انہیں اطلاع دے دی کہ وہ راستے میں لشکر میں شامل ہو جائیں یا تنہا ہی عراق پہنچ جائیں۔

اس کے بعد بن عبداللہ بجلی جبلہ کو ساتھ لے کر آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے انہیں بھی عراق روانہ کر دیا اور تاکید کر دی کہ وہاں کے حالات سے سعدؓ بن ابی وقاص کو آگاہ کرتے رہیں چنانچہ جریر پہلے سعدؓ سے ابلہ میں ملے اور پھر ان کے آگے آگے مرزبان مدائن کی قیام گاہ تک جا پہنچے اور یہ معلوم کر گئے آئے کہ وہاں دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج جمع ہے۔ یہ سن کر بجیلہ نے جریر سے کہا کہ ایسی صورت میں ہمیں دجلہ عبور کر کے مدائن کی طرف بڑھنا چاہیے تو وہ بولے: "تم اس سے قبل دریا عبور کر کے دشمن سے مقابلہ کرنے کا نتیجہ دیکھ چکے ہو لہٰذا تمہاری یہ رائے صائب نہیں ہے بلکہ یہ بہتر ہوگا کہ جب فارس کی بہت سی فوج مدائن میں جمع ہو جائے تو اسے دجلہ عبور کر کے ہمارے مقابلے میں آنے کا موقع دیا جائے۔ ایسی صورت میں انشاء اللہ میدان ہمارے ہاتھ رہے گا۔" چنانچہ جریر کے مشورے پر عمل کیا گیا، جب فارس کی تمام فوج مدائن میں جمع ہوگئی تو مرزبان کی سرکردگی میں اس نے دریائے دجلہ عبور کرنا شروع کیا لیکن وہ ابھی دریا کے بیچ میں پہنچے تھے کہ اس کنارے سے جریر نے اپنا رسالہ لے کر اس فوج پر حملہ کر دیا جبلہ نے بھی جریر کی مدد کی یہاں تک کہ ان دونوں اور ان کے رسالوں نے مل کر اوراچانک حملہ کر کے فارسی فوج کے ٹکڑے اڑا دیے، مرزبان مارا گیا اور اس کی تلوار بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ فارسی لشکر کی کثیر تعداد دریائے دجلہ میں غرق ہوگئی اور اس کا سارا ساز و سامان بطور مالِ غنیمت مسلمانوں کے حصّے میں آیا۔ اس کے بعد جریر آگے بڑھ کر بجلہ میں مثنّیٰ بن حارثہ

شیبانی سے جا ملا۔ مہران جو فارسی لشکر کا ایک سردار تھا ان کے مقابل آیا تو اس وقت بھی مسلمان دریا عبور کرنے سے رُکے رہے چنانچہ مہران خود ہی دریا عبور کر کے مسلمانوں کی اس جماعت پر حملہ آور ہوا لیکن میدانِ جنگ میں مہران مارا گیا اور مسلمانوں کو یہاں بھی فتح حاصل ہوئی۔ مہران کو جریر بن عبداللہ بجلی اور حسان بن منذر بن ضرار ضبی نے مل کر قتل کیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ حسّان نے اسے گھیرا تھا جس کے بعد جریر نے اس کو زخمی کیا تھا اور پھر حسان ہی نے اس کا سر قلم کیا تھا لیکن بعد میں جریر اور حسّان اس بارے میں جھگڑتے رہے کہ مہران کو کس نے قتل کیا تھا۔ حسّان نے اس کے متعلق کچھ اشعار بھی کہے ہیں۔ اس کے علاوہ مؤرخین اور اہل سیر میں اس کے متعلق بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے جس لشکر نے مہران کے لشکر کا مقابلہ کیا تھا اس کا سردار جریر تھا یا مثنیٰ؟ بعض جریر کا نام لیتے اور بعض مثنیٰ کا اور کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دونوں الگ الگ اپنے اپنے قبائل پر مشتمل رسالوں کی کمان کر رہے تھے۔

مہران کے قتل کا اہل فارس نے بہت زیادہ سوگ منایا۔ اس کے بعد شیرزاد جس کی کنیت بوران تھی فارس کا ایک عظیم لشکر جمع کر کے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آئی۔ اس کے آگے آگے سردار لشکر رستم تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سارے اہل فارس کو اپنے ساتھ لے آئی ہے کوفے اور زبالہ کے درمیانی علاقے میں جو کم سے کم تین میل ہے اور جس کے قریب منزل واقصہ اس کے لشکر کا ساز و سامان پھیلا ہوا تھا۔ اس سے مقابلے کے لیے جریر جب کاظمہ پہنچا تو وہ وہاں ٹھہر گئی، دوسری طرف سے مثنیٰ اپنے قبیلے بکر بن وائل کے جنگجو سپاہیوں کو لے کر اس کے مقابلے کے لیے سیراف میں آ کر ٹھہرا لیکن مثنیٰ کے جسم پر یوم الجسر میں متعدد زخم آ چکے تھے اور وہ ابھی تک مندمل نہیں ہوئے تھے چنانچہ وہ سیراف ہی میں وفات پا گیا۔

سعد بن ابی وقاص جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط سعد بن ابی وقاص کو ملا تو وہ آپ کے حکم کے مطابق زبالہ میں قیام کے بعد سیراف کی طرف روانہ ہو گئے جہاں شامی افواج بھی ان سے آملیں۔ سیراف سے چل کر وہ عذیب پہنچے جو اس میدانی علاقے کے سرے پر ہے جہاں سے قادسیہ کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر مسلمانوں کا وہ لشکر دیکھا جسے مدینے سے روانگی کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا طریقے سے ترتیب دیا تھا اور فارس کے اس لشکر پر بھی نظر ڈالی جو رستم کی کمان میں تھا۔ انہیں بتایا گیا کہ مسلمانوں کا لشکر اٹھاسی ہزار افراد پر مشتمل ہے جب کہ دشمن کے فوجیوں

کی تعداد ساٹھ ہزار ہے لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کی گنتی کرائی تو وہ درحقیقت تیس ہزار ہی نکلے جب کہ دشمن کے پاس ہاتھی بھی بے شمار تھے۔ تاہم مسلمانوں میں ایک سے ایک بڑھ کر جہاد کا شائق تھا۔ بہرکیف جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تو فارسی لشکر نے اسلامی لشکر سے مبارز طلب کیا جس پر ادھر سے غالب بن عبداللہ اسدی نکلے اور ادھر سے ان کے مقابلے کے لیے ہُرمز آیا جو باب الابواب کے حکمرانوں میں سے تھا۔ اس کے مقابلے کے لیے غالب کے بعد سعد بن مالک کو اور پھر عاصم بن عمرو کو آنا پڑا۔ عاصم نہ صرف ہرمز پر غالب آئے بلکہ فارسی لشکر میں آگے بڑھ کر گویا اس کی صفوں میں تیرتے چلے گئے۔ یہ دیکھ کر لوگ ان سے کترانے لگے۔ وہ اسی طرح قلب لشکر سے اس کے دونوں بازوؤں میں گھستے رہے، اس دوران میں سعد بن مالک بھی عاصم بن عمرو کے ساتھ ساتھ تھے۔ انہوں نے اپنے پہلو میں ایک سواری دیکھی جس پر بڑا قیمتی اور خوب صورت ساز و سامان لدا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسری سواری پر بڑا زرق برق لباس پہنے ایک شخص چل رہا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ فارس کے امیر لشکر کا خانساماں تھا اور دوسری سواری پر امیر لشکر کے کھانے پینے کا سامان تھا جو شہد کے علاوہ فواکہات اور بہت سی نایاب اشیائے خوردنی پر مشتمل تھا۔ جب سعد بن مالک نے یہ دیکھا تو اس سامان پر قبضہ کرنے کی بجائے دشمن کے جو سپاہی ان کے قریب تھے ان سے بولے: "ہم تم سے یہ سامان نہیں چھینیں گے، تم جا کر اسے ہمارے امیر لشکر کی طرف سے اپنے امیر لشکر کو پیش کر دو اور کہو کہ کھائے پیئے اور موج کرے۔"

جنگِ قادسیہ کے ایّام

قادسیہ کا واقعہ ہجرت کے چودھویں سال ماہ محرم میں پیش آیا تھا۔ دشمن کی فوج میں اس وقت ستّرہ ہاتھی تھے اور ہر ہاتھی پر بیس سپاہی سوار تھے۔ ہاتھیوں پر فولادی اسلحہ کے علاوہ بڑا قیمتی سامان بھی بار تھا جب کہ ان پر دیبا و حریر کی مرصع جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور وہ بجیلہ کی طرف جا رہے تھے ان ہاتھیوں کے گرد فارس کی فوج کے جھنڈ کے جھنڈ تھے اس لیے انہیں ٹڈی دل کہا جا سکتا تھا۔ چنانچہ سعد نے بنی اسد کی طرف فوراً ایک قاصد روانہ کیا تاکہ وہ بجیلہ کی فوج کی مدد کے لیے آئیں۔ فارس کی فوج کے قلب میں دیکھا گیا تو صرف وہیں ہیں ہاتھیوں کے قریب نکلے۔ بہرحال طلحہ بن خویلد اسدی اسلامی لشکر سے اپنے رسالے کے علاوہ بنی اسد کے سواروں کو لے کر آگے بڑھے اور آناً فاناً دشمن پر ٹوٹ پڑے اور فارس کی فوج کے چھ سو سپاہی دیکھتے ہی دیکھتے

قتل کر ڈالے جن کے علاوہ پسپا ہوتے ہوئے سپاہیوں کی تعداد بے شمار تھی اور ان میں سے بھی اکثر مارے گئے۔ ہاتھیوں کو نیزوں سے روکا گیا اور ان کے سواروں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اس روز جنگ میں سب سے زیادہ شجاعت اور جذبۂ جہاد بنی اسد کے جوانوں نے دکھایا اور اس دن کو اسی لیے یوم اغواث کہا گیا۔

جب دوسرا دن ہوا تو شام کی طرف سے مسلمانوں کا ایک عظیم لشکر آکر پہلے لشکر سے مل گیا ان میں پانچ ہزار سوار بنی ربیعہ اور مضر کے اور ایک ہزار یمن کے بھی تھے جن کی کمان ہاشم بن عتبہ بن وقاص کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے ہمراہ قعقاع بن عمرو کا رسالہ بھی تھا۔ ان دنوں فتح دمشق کو ایک مہینہ گزر چکا تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہؓ بن جراح کو جو شام میں اس وقت گورنر تھے لکھ دیا تھا کہ خالد بن ولید کے ساتھیوں کو عراق روانہ کر دیا جائے لیکن اس خط میں آپ نے خالدؓ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ چنانچہ ابو عبیدہ کو خالد کے نہ جانے سے خوشی ہوئی اور جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا اس لشکر کے ساتھ جو شام سے روانہ کیا گیا۔ تھا ہاشم بن عتبہ بھی مل گئے تھے۔ ویسے مالک بن نویرہ کے قصے کی وجہ سے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیش آیا حضرت عمرؓ خالدؓ سے کچھ کھنچے کھنچے سے تھے حالانکہ خالد آپ کے ماموں تھے۔

جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بیان کیا قادسیہ میں اسلامی لشکر کی مدد کے لیے سب سے پہلے پہنچے اور انہوں نے اہل قادسیہ کو بھی اپنے رسالے کی مدد کے لیے آمادہ کر لیا تھا حالانکہ وہ ایک روز پہلے اپنے قریبی مقام پر جنگ کی قیامت خونریزی دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ اس روز وہی دشمن کے لشکر کے سامنے سب سے پہلے پہنچے اور مبارز طلب ہوئے۔ اُدھر سے ایک لحیم شحیم عظیم الجثہ شخص نکل کر صف لشکر سے باہر آیا تو قعقاع نے اس سے پوچھا: "تو کون ہے؟" وہ بولا: "میرا نام بھمن بن جادویہ ہے، میں ذی حاجب کے نام سے مشہور ہوں۔" اس پر قعقاع نے کہا: "اچھا فرات کے پل پر جسے ہم "یوم الجسر" کہتے ہیں تو نے ہی ابی عبید، سلیط اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا تھا۔" یہ کہہ کر انہوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ایک ہی وار میں اسے قتل کر دیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس روز قعقاع نے فارس کی سپاہ کے کم سے کم تیس۳۰ ممتاز جنگجو قتل کیے اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ہی وار میں یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتارا۔ انہوں نے جن مشہور و معروف لوگوں کو قتل کیا تھا ان میں اعور بن قطبہ شہر یار سجستان بھی تھا اور فارس کا ایک بہت

بڑا پہلوان بھی۔ لڑائی کے پہلے روز جس میں فارس کے فوج کے بے شمار سپاہی اور افسر قتل ہوئے جب سعد بن ابی وقاص عذیب کے قلعہ کی بالائی منزل میں رات کے وقت لڑائی بند ہو جانے کے بعد واپس آکر ٹھہرے اور لوگوں سے ملاقات کرنے لگے تو وہ لوگ یعنی جن سے وہ ملاقات کر رہے تھے اپنے اپنے آباؤ اجداد کے شاندار کارناموں کے ساتھ اس روز اپنی جنگی قابلیت کا بھی اظہار کرنے لگے۔ اس وقت انہوں نے (سعد نے) دروازے پر آہٹ سن کر نظر اٹھائی تو وہاں سلمیٰ بنت حفصہ مثنیٰ ابن حارثہ شیبانی کی زوجہ کو جن سے آپ نے ان کے انتقال کے بعد عقد کر لیا تھا کھڑے دیکھا اور پوچھا! سلمیٰ! خیریت تو ہے؟ کوئی خاص کام؟ وہ بولیں:۔ "میں ابھی برابر کے کمرے سے آپ کی اس مجلس میں موجود حضرات کی آج کی جنگ کے بارے میں لاف زنی سن رہی تھی لیکن کسی نے اس شخص کا ذکر نہیں کیا جس نے آج دشمن کی فوج کے ہر شخص کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا۔ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں کہ آج کی جنگ میں حد درجہ جم کر لڑنے اور داد شجاعت دینے کے بعد دشمن کی فوج جو شام ہوتے ہی پسپا ہونا شروع ہو گئی تھی اس کا سہرا صرف اور صرف ہمارے ایک اور شخص کے سر ہے۔"

یہ سن کر سعد بن ابی وقاص چونکے، پھر بولے:"سلمیٰ سچ کہہ رہی ہیں۔ میں نے آج کی جنگ میں اس شخص کو دیکھا تھا۔ واقعی وہ میدان جنگ میں بجلی کی طرح کوندا اور اِدھر اُدھر لپک رہا تھا، وہ ابھی قلب لشکر میں تھا تو پلک جھپکتے ہی کبھی میمنہ اور کبھی میسرہ میں جا نکلتا تھا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ہر طرف دُور دُور تک دشمنوں کی صفوں کے بحر ذخار میں تیرتا پھر رہا ہے۔" اپنے امیر لشکر سعد بن ابی وقاص کی زبان سے یہ سن کر حاضرین مجلس نے بھی یک زبان ہو کر اس کی تائید کی اور ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ وہ عجیب و غریب خوب صورت سا نوجوان تھا جو گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار برق رفتاری سے دشمن کی صفوں میں اِدھر سے اُدھر جا رہا تھا۔" یہ سن کر ایک اور صاحب نے اپنے امیر لشکر اور اس دوسرے شخص کی تائید کرتے ہوئے کہا:" اور یہ بھی دیکھیے کہ اس کے جسم پر زرہ تک نہ تھی، بس ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرا ہاتھ جس میں سپر ہونا چاہیے تھی خالی تھا، کبھی اس کی شجاعت اور جوانمردی کی داد نہ دینا حقیقت سے روگردانی کرنا ہے۔" جب حاضرین مجلس خاموش ہوئے تو سعد بن ابی وقاص نے حاضرین مجلس میں سے یکے بعد دیگرے ہر شخص سے دریافت کیا کہ آیا ان میں سے کوئی شخص اس بہادر نوجوان کو پہچانتا ہے؟ تو سب نے نفی میں جواب دیا اور یہی کہا کہ وہ

مشکل سے کبھی کبھی اس کی ایک جھلک دیکھ پاتے تھے کیونکہ وہ تو دشمن کی فوج کے سمندر میں لمحہ بہ لمحہ ڈوب ڈوب کر اُبھر رہا تھا۔ حاضرین مجلس کا یہ جواب سُن کر سلمیٰ بولیں "سُنیے میں بتاتی ہوں وہ کون شخص تھا، وہ اس وقت بھی اسی قلعے کی نچلی منزل میں پابہ زنجیر قید میں پڑا ہوا ہے۔"

اپنی بیوی سلمیٰ کی زبان سے یہ سُن کر سعد بن ابی وقاص اُچھل پڑے، پھر بولے:۔

"قید میں! پابہ زنجیر! کون ہے وہ شخص؟ سلمیٰ بنت حفصہ نے اس سوال کے جواب میں کہا:۔

"آپ کے اس سوال کا جواب میں آپ کو تنہائی میں دے سکتی ہوں۔"

اپنی زوجہ سلمیٰ بنت حفصہ کا یہ جواب سُن کر سعد بن ابی وقاص کو فطری طور پر تجسس پیدا ہوا لیکن وہ مجلس برخاست ہونے تک خاموش بیٹھے صرف پہلو بدلتے رہے جب کہ دوسرے حاضرین مجلس کو اس کی کوئی کُرید نہ تھی، تاہم امیر لشکر کی بیوی کے جواب پر حیرت انہیں بھی ہوئی تھی۔

مجلس برخاست ہوتے ہی سعد بن ابی وقاص لپکتے ہوئے دوسرے کمرے میں پہنچے جہاں سلمیٰ خاموش بیٹھی کچھ سوچ رہی تھیں۔

سعد وہاں پہنچ کر ان سے بولے:۔

"اب بتاؤ وہ کون شخص ہے اور تم اسے کس طرح جانتی ہو؟"

سلمیٰ نے جواب دیا: آپ اطمینان سے تشریف رکھیے، بتاتی ہوں۔"

سعد! جلد بتاؤ، میں اس کا نام سُننے کے لیے بے تاب ہوں۔"

ابو محجن ثقفی

سلمیٰ سعد کی بے تابی دیکھ کر بولیں: "اس کا نام ابو محجن ثقفی ہے، وہی ایک جوان اور لاُابالی سا شاعر جس کی شاعری کی آج کل سارے عرب میں دھوم ہے۔"

سعد یہ سُن کر ایک بار پھر اُچھل پڑے، پھر بولے:۔

مگر اسے تو شراب نوشی کے الزام میں قید کیا گیا ہے اور جلد ہی اسے قرار واقعی سزا دی جائے گی لیکن اسے رہا کس نے کیا؟"

سلمیٰ: "میں نے۔"

سعد: "تم نے! کیا تم شرعی معاملات میں بھی دخل دینے لگی ہو؟"

سلمیٰ: "مجھ سے ایسی غلطی آج تک کبھی نہیں ہوئی۔"

سعد: "پھر؟"

سلمیٰ: بات یہ ہے کہ جب طلوعِ آفتاب کے بعد جنگ شروع ہوئی اور آپ بھی میدان میں تشریف لے گئے تو میں نے نیچے کی منزل میں کسی کی بڑی دردناک آواز سُنی، مجھے اس پر تجسس پیدا ہوا تو میں نیچے گئی، وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ یہ آواز محبس (قید خانہ) سے آ رہی ہے۔ میں ذرا اور قریب گئی تو میں نے سُنا کہ وہاں کوئی شخص بڑی پُرسوز آواز میں رو رو کر یہ شعر گا رہا تھا:-

"اے وائے قسمت، میری قوم — میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دے رہی ہے
جب کہ میں یہاں پابہ زنجیر پڑا ہوں — رہا ہوتا تو میں ثابت کرتا کہ میں بھی بزدل نہیں ہوں"

سعد: یہ اشعار سُن کر آپ نے اسے فوراً رہا کر دیا؟ کیا یہ صحیح ہے؟ لیکن کیا آپ جانتی ہیں کہ اس کی شرعی سزا کیا ہو سکتی ہے؟"

سلمیٰ: "جی نہیں میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ میں نے قید خانے کے دروازے پر جا کر سلاخوں سے اسے دیکھا اور دریافت کیا "تم کون ہو اور تمہیں کیوں قید کیا گیا ہے؟" میری آواز سُن کر اس نے سر اُٹھایا تو میں نے دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہا تھا۔ جب میں نے اصرار کیا تو اس نے اپنا نام ابو محجن ثقفی بتایا۔ میں نے اس کا نام سُنا تھا۔ میں نے پوچھا: "تمہاری قید کا کیا سبب ہے؟" پھر میرے بار بار پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ ایک دو دن قبل قہوہ پی رہا تھا اور اس میں خوشبو کے طور پر عرق ملا رکھا تھا جو قطعاً شراب نہیں تھی لیکن میں نے قہوے کی خوشبو سے متاثر ہو کر اس کی تعریف میں فی البدیہہ کچھ اشعار کہے تو مجھ پر لوگوں نے شراب نوشی کا الزام لگا کر امیر لشکر جناب سعد بن ابی وقاص کے روبرو پیش کیا اور انہوں نے تا حکمِ ثانی مجھے قید رکھنے کا حکم دیا لیکن میں آپ سے رب العزت خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ زمانہ جاہلیت سے قطع نظر جب میں شراب پیا کرتا تھا اسلام لانے کے بعد میں نے شراب کو کبھی منہ نہیں لگایا۔ نہ میں نے اس قبیح چیز کی کبھی تعریف کی۔ رو میں اس لیے رہا ہوں کہ میں جنگ میں شرکت سے مجبور ہوں یعنی حکم خداوندی کے خلاف جہاد کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ سُن کر مجھے اس پر ترس آ گیا کیونکہ اس کے زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ سے مجھے صداقت کی خوشبو آ رہی تھی۔"

سعد: "خیر تم نے اسے رہا تو کر دیا لیکن گھوڑا اور تلوار اسے کس نے دی؟"

سلمیٰ: میں نے اپنا گھوڑا اور اپنی ہی تلوار اسے دی تھی، میں اس کے لیے زرہ بکتر

بھی اور ڈھال بھی منگواتی مگر وہ تو ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا، اس نے گھوڑے پر زین تک نہیں رکھی، میں نے اسے اس قلعہ کی پشت پر ڈھلوان پر سے اُچھل کر گھوڑے پر سوار ہوتے دیکھا مگر اس کے بعد وہ مجھے نظر ہی نہ آیا، بہرکیف میں نے جذبہ جہاد سے سرشار اس لاابالی شاعر کے لیے دُعائے خیر ضرور کی تھی۔"

کہتے ہیں کہ اس واقعے کے چند روز بعد تک سعد بن ابی وقاص اپنی بیوی سلمٰی سے ناراض رہے اور ان سے بات چیت تک بند رکھی لیکن جب تحقیق کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ابومحجن نے اسلام لانے کے بعد شراب نوشی قطعاً ترک کر دی تھی اور کچھ ثقہ لوگوں نے اس بات کی گواہی بھی دی کہ وہ واقعتہً قہوہ ہی پی رہا تھا اور اس کی تعریف میں اس کی زبان پر ارتجالاً بلکہ عادتاً چند شعر بھی آ گئے تھے تو آپ نے اسے رہا کر دیا اور اس کے جذبۂ جہاد کی تعریف کر کے اس کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ اپنی بیوی سلمٰی سے انہوں نے کہا: "تمہارا عمل اگرچہ درحقیقت عمل خیر ہی تھا لیکن میں ضروری تحقیق سے پہلے اسے عمل خیر سمجھنے سے قاصر تھا میں جو چند روز آپ سے ناراض رہا اس میں میں شرعی نقطۂ نظر سے حق بجانب تھا لیکن اب میں شرمندہ ہوں۔ اس کے علاوہ ابومحجن کی تعریف کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ اس نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا یعنی جنگ بند ہوتے ہی پھر قید خانے میں خود ہی آ پہنچا۔"

یوم عماس جنگ کے تیسرے دن جسے عموماً "یوم عماس" کہا جاتا ہے جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہوئے تو تھوڑی ہی دیر بعد گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی جس کے نتیجے میں پندرہ سو مسلمان شہید ہوئے لیکن دشمن کی فوج کے مقتولین بے شمار تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مسلمان مقتولین کے ورثا سے کہا کہ جو شخص چاہے اپنے عزیزوں کی تجہیز و تکفین اور تدفین کرے اور چاہے تو انہیں ان کے خون آلود کپڑوں ہی میں دفن کر دے۔ یہ سُن کر کچھ مسلمان اپنے اپنے عزیزوں کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں مصروف ہو گئے۔ زیادہ تر عورتیں شہیدوں کی لاشیں اُٹھا کر لاتی تھیں اور ان کی چھوڑی ہوئی چیزیں ان کی رشتہ دار عورتوں کے سپرد کر کے انہیں صبر و شکر کی تلقین کرتی تھیں۔

میدان جنگ جو قادسیہ کے بالکل قریب تھا اور قلعہ عذیب کے درمیان جو کسی قدر فاصلے

پر تھا ایک نخلستان پڑتا تھا۔ جب کسی مسلمان زخمی سپاہی کو اس نخلستان میں لایا جاتا اور اس کے ہوش وحواس قائم ہوتے تو وہ خود کو اُٹھا کر لانے والی عورتوں سے کسی سرسبز کھجور کے درخت کو دیکھ کر کہتا: "مجھے اس کھجور کے درخت کے نیچے کچھ دیر لٹا کر اس کی خوشبو سونگھنے دو۔" اس کے بعد اس کے قریب لایا جانے والا آہستہ آہستہ کہتا: "اے قادسیہ اور غدیب کے درمیانی علاقے کے نخلستان تیرے اردگرد تو دوسرا کوئی نخلستان نہیں ہے (یعنی تو واحد نخلستان ہے جو ہم جیسے دور کے مسافروں کے لیے سایہ فراہم کر رہا ہے)"

وہاں اس وقت وہ اکیلا نخلستان تھا جہاں اب اس کے اردگرد بہت سے نخلستان پائے جاتے ہیں۔

وہیں قریب ہی بنی تیم کا ایک ایسا زخمی بھی تھا جس کے پیٹ سے اس کی انتڑیاں باہر نکل آئی تھیں مگر اس حالت میں اس کی زبان سے دھیمی آواز میں یہ شعر سُنا گیا ؎

"اے پُرآب وادی لعیب کے نخلستان کے درختو! خدا تمہیں حوادث سے بچا کر دیر تک سرسبز و شاداب رکھے"

اعور بن قطبہ بھی میدان جنگ میں سخت زخمی ہو گیا تھا۔ جب اسے اُٹھا کر اس نخلستان میں لایا گیا تھا تو اس کی زبان سے بھی کچھ ایسے ہی الفاظ نکلے تھے۔

جس رات کی اگلی صبح کو قادسیہ میں ہر دن سے زیادہ گھمسان کی جنگ ہوئی وہ رات وہاں کے موسم سرما کی سرد ترین رات تھی، صبح کے وقت بھی دونوں طرف کی فوجیں سردی سے ٹھٹھری جا رہی تھیں۔ لیکن مقابلے کے جوش نے ان کا لہو گرم کر رکھا تھا۔ کہتے ہیں اس روز فارسی فوج کے تیس ہزار سے زیادہ آدمی میدان جنگ میں کھیت رہے۔ مسلمان مقتولین کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی لیکن ادھر کی فوج کا ہر سپاہی جذبۂ جہاد کی صہبائے کہنہ و پُرسرور سے سرشار تھا۔ مسلمان دشمن کی فوج کے قلب اور میمنہ و میسرہ پر ہر طرف سے دباؤ ڈالتے اور اسے پسپا کرتے ہوئے دُور تک چلے گئے جہاں سردار لشکر رستم کے اس زرنگار تخت کے قریب جا پہنچے جس پر ایک ریشمی مرصع چھتر تنا ہوا تھا اور اس کے تخت کے پیچھے وہ غیر معمولی طویل و عریض پرچم درفش کاویانی لہرا رہا تھا جس کا ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں اس پرچم میں یاقوت سچے موتی اور دوسرے بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اسلامی فوج کے کچھ باحوصلہ و بہادر سوار لڑتے بھڑتے رستم کے اس تخت کے قریب جا پہنچے تو اس نے وہاں سے اُٹھ کر راہ فرار اختیار کی، یہ دیکھ کر قعقاع اس کے پیچھے لپکے تو اس نے پلٹ کر نیزے سے

ان پر حملہ کیا لیکن انہوں نے اس کا وار خالی دے کر اسے تلوار سے زخمی کر کے زمین پر گرا دیا۔ وہ اُٹھ کر نہر عتیق کے کنارے پہنچا اور زخموں کی تاب نہ لا کر اپنا ہی نیزہ اپنے سینے میں گھونپنا چاہا، قعقاع بھی اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے، وہ نہر میں کودا تو انہوں نے بھی اس کے پیچھے نہر میں چھلانگ لگا کر بہتے پانی میں اسے قتل کر دیا۔

جنگ قادسیہ کے اس آخری روز سب سے زیادہ گھمسان کی جنگ ہوئی اس جنگ میں اسلامی لشکر کے کم سے کم دس ہزار افراد شہید ہوئے لیکن اس نے دشمن کی فوج کے ایک ایک فرد کو چُن چُن کر موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ رستم کے قاتل کے بارے میں مؤرخین مختلف الرائے ہیں۔ اکثریت کا خیال ہے کہ اسے ہلال بن علقمہ نے قتل کیا تھا جن کا تعلق تیم الرباب سے تھا اور جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں لیکن بعض لوگ یہ بھی کہتے کہ اسے بنی اسد کے ایک شخص نے قتل کیا تھا۔

وہ پرچم جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ضرار بن خطاب کے ہاتھ آیا تھا اور انہیں کو ملا۔ اس زرنگار درفش کا دیانی کی قیمت کا اندازہ اس وقت تیس ہزار دینار لگایا گیا تھا لیکن درحقیقت اس کی اصل قیمت لاکھوں کروڑوں دینار تھی۔

جنگِ قادسیہ کی تاریخوں کا صحیح تعین

جنگِ قادسیہ اور عذیب کی لڑائی کی تاریخوں کے تعین کے سلسلے میں مؤرخین میں اختلاف آراء پایا جاتا ہے۔ متاخرین میں واقدی اسے ہجرت کا سولھواں سال بتاتا ہے جب کہ کچھ دُوسرے اسے پندرھواں اور باقی لوگ اسے ہجرت کا چودھواں سال بتاتے ہیں جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں بتا چکے ہیں۔ بہرکیف حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز ماہِ رمضان کی نمازِ تراویح سے قبل اس سال کو ہجرت کا چودھواں سال فرمایا تھا اور جو لوگ جنگِ قادسیہ و عذیب کی تاریخوں کا تعین کرتے ہوئے اسے ہجرت کا چودھواں سال بتاتے ہیں وہ اس کے ثبوت میں حضرت عمرؓ کا مذکورہ بالا قول پیش کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اسی سال آپ نے مختلف شہروں کو نمازِ تراویح کی اقامت کا حکم بھیجا تھا۔ وہ لوگ جن میں مدائنی بھی شامل ہے یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس سال یعنی سن چودہ ہجری میں عتبہ بن غزوان کو بصرہ بھیجا تھا جس نے اسے مزید آباد کیا تھا لیکن بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ جس سال عتبہ بن غزوان بصرے پہنچے ہیں وہ ہجرت کا سولھواں سال تھا اور ربیع الاوّل کا مہینہ تھا لیکن

حقیقت یہ ہے کہ جب عتبہ بن غزوان جنگِ قادسیہ کے اختتام کے بعد مدائن سے بصرے پہنچے ہیں اور اسے آباد کیا ہے وہ ہجرت کا پندرہواں سال تھا جب کہ سعد بن ابی وقاص جنگ جلولہ و تکریت سے فارغ ہو کر کوفے پہنچے اور اسے ابن نفیلہ بن غسانی کے بقول وہاں کی ایک سطح مرتفع پر آباد کیا تھا جہاں وہ آج تک آباد ہے۔ اس طرح یعنی ان واقعات کو دیکھتے ہوئے جنگ قادسیہ و عذیب کا سال جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں ہجرت کا چودھواں سال ہی ٹھہرتا ہے۔

مغیرہ بن شعبہ کا غلام ابولولوہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی عجمی کو مدینے میں داخل ہو کر وہاں مستقل قیام کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ نے انہیں لکھا کہ ان کے پاس ایک غلام ہے جو نجاری کے کام کے علاوہ لکڑی پر نقش و نگار بنانے میں ماہر ہے، لہٰذا اسے مدینے میں قیام کی اجازت دی جائے کیونکہ اس سے اہلِ مدینہ کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ چنانچہ آپ نے مغیرہ بن شعبہ کی اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے ان کے مذکورہ بالا غلام کو جو نہاوند کا ایک مجوسی تھا اور اس کا نام ابولولوہ تھا مدینے میں مستقل قیام کی اجازت دے دی۔ ایک روز اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بازار میں روک کر ان سے شکایت کی کہ اس کا آقا اس کی مزدوری میں سے بہت زیادہ حصہ لیتا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا: "وہ تم سے یومیہ کیا لیتا ہے؟" اس نے جواب دیا "دو درہم" آپ نے اس سے دریافت کیا: "اور تم کرتے کیا ہو؟" وہ بولا: "لکڑی اور لوہے پر نقش و نگار بناتا ہوں" آپ نے فرمایا: "اس کام کی اُجرت تو بہت ہوتی ہے اس لیے اگر تمہارا آقا تم سے دو درہم یومیہ وصول کرتا ہے تو وہ تمہارے اس کام کو دیکھتے ہوئے کچھ زیادہ نہیں ہیں۔" یہ کہہ کر آپ آگے بڑھ گئے۔

پھر ایک روز وہ آپ سے ملا تو وہ آپ کی دشمنی پر اُتر آیا تھا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا: "تم لوہے سے کیا کیا چیزیں بنا لیتے ہو؟" اس نے کہا: "میں لوہے سے خنجر بھی بنا لیتا ہوں اور آپ کے لیے ایسا خنجر بناؤں گا جسے آپ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔" ابولولوہ کے ان الفاظ کا حقیقی مطلب نہ سمجھتے ہوئے آپ نے فرمایا: "اچھی بات ہے" اور پھر آگے بڑھ گئے۔ اس کے بعد ابولولوہ آپ کو قتل کرنے کا موقع تلاش کرتا رہا۔ یہ موقع اسے ایک روز اس وقت ملا جب آپ علی الصبح لوگوں کے دروازوں پر دستک دے کر انہیں نماز کے لیے بلاتے ہوئے مسجد کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ اس نے اپنے پیراہن کے نیچے ایک بہت ہی تیز دھار والا خنجر چھپا رکھا تھا (جو زہر آلود بھی تھا) اس نے ایک جگہ چھپ کر موقع پاتے ہی پشت کی جانب

سے آپ پر حملہ کیا اور وہ خنجر آپ کی پشت کے پار کر دیا۔ آپ وہ کاری زخم کھا کر پلٹے لیکن اس وقت بارہ آدمیوں نے جو مسجد کی طرف آ رہے تھے اسے گھیرنا چاہا تو اس نے ان میں سے چھ آدمیوں کو اسی خنجر سے قتل کر دیا لیکن اس کے باوجود اسے گھیر کر پکڑ لیا گیا تاہم اس نے موقع پا کر اپنے ہی خنجر سے خودکشی کر لی۔

جس وقت آپ کو آپ کے گھر لایا گیا اس وقت آپ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے اور لوگ سمجھ رہے تھے کہ اس مہلک زخم سے آپ کا جانبر ہونا محال ہے۔ بہرحال اسی حالت میں بڑے صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے آپ کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضؓ نے آپ سے عرض کیا:۔
"بابا! آپ اپنا اونٹ اور بکریاں تو کسی رکھوالے یا چرواہے کی نگرانی کے بغیر چھوڑ دیا کرتے تھے لیکن یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت یعنی خلافت کا معاملہ ہے، اس امانت کا ضیاع آپ یقیناً پسند نہیں فرمائیں گے اس لیے ارشاد فرما دیجیے کہ اس سلسلے میں آپ کی وصیت کیا ہے؟"
اس کے جواب میں آپ نے بمشکل اور بہت ہی دھیمی آواز میں فرمایا: "جس طرح ابوبکر رضؓ نے یہ امانت چھوڑی تھی، میں بھی اسے اسی طرح چھوڑے جاتا ہوں۔" یہ سنتے ہی عبداللہ بن عمرؓ کچھ افسردہ و رنجیدہ ہو کر آپ کے پاس سے چلے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت سے چار سال قبل اسلام لائے تھے۔ آپ اپنی داڑھی میں حنا اور وسمہ کا خضاب لگایا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی اولاد

آپ کی اولاد میں عبداللہ، حفصہ زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاصم، عبیداللہ، زید، عبدالرحمٰن، فاطمہ جو آپ کی آخری صاحبزادی تھیں اور سب سے چھوٹے بیٹے عبدالرحمٰن اصغر تھے جو اکل و شرب میں مگن رہتے تھے۔ انہیں لوگ ابی شحمہ بھی کہتے تھے بلکہ وہ اسی نام سے مشہور تھے۔ زید اور اس عبدالرحمٰن اصغر یا ابی شحمہ کی ماؤں کے نام معلوم نہیں ہیں۔

حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ

عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس ایک ثقہ و معتبر شخص کے ذریعہ یہ کہلا کر بھیجا کہ "اے ابن عباس تمہیں معلوم ہوگا کہ حمص کا گورنر جو اہل خیر میں سے تھا ہلاک ہو چکا ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ اہل خیر دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں، البتہ میرے نزدیک تم ان میں سے ہو۔ بہرحال تمہارے بارے میں جو میرے خیالات ہیں اگرچہ آج تک تمہاری

طرف سے ظاہری طور پر ان کا اظہار تو نہیں ہوا ہے لیکن اب عملاً انہیں منظر عام پر لانے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ ویسے میں نے تمہیں اپنے ذاتی محاسن کو روبعمل لانے کے لیے تم سے اپنی خواہش کا اظہار تو نہیں کیا لیکن اب اس خواہش کا اظہار کر رہا ہوں۔ اس کے بارے میں تم مجھے اپنی رائے سے مطلع کر دو۔ تمہاری جانب سے اظہار رضامندی کے بعد میں تمہیں تمہارا تحریری تقرر نامہ بھیجوں گا لیکن تم اپنے زبانی جواب سے فوراً مطلع کر دو۔ ویسے مجھے اُمید ہے کہ جب تم اب کے میرے پاس آؤ گے تو بحیثیت عامل آؤ گے۔ بہر کیف یہ بات پہلے ہی سے اپنی گرہ میں باندھ لو کہ "ہر چہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں پسند" غلط نہیں ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپؐ نے تم جیسے لوگوں کو چھوڑ کر اوروں سے بھی کام لیا ہے لہٰذا اُمید ہے کہ تم مجھے اس کا موقع نہیں دو گے اور مجھے یہ بھی اُمید ہے کہ تم سے کوئی ایسی بات عمل میں نہیں آئے گی جس کی وجہ سے تم (شرعاً) میری ناراضگی (یا سزا) کے مستحق ٹھہرو، کیونکہ ایسی صورت میں سزا لازم ہو جاتی ہے۔ اگر تم میری اس رائے سے متفق ہو تو فوراً لکھ بھیجو۔" ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ "جب میں نے بحیثیت عامل اپنے تقرّر سے معذرت ظاہر کی تو حضرت عمرؓ نے مجھ سے کسی دُوسرے شخص کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا اور جب میں نے اس سلسلے میں یہ عرض کیا کہ آپ سے بہتر صائب الرائے اور کون ہو سکتا ہے، جسے آپ اس عہدے پر مقرر فرمائیں گے وہ آپ کے نزدیک یقیناً دُوسروں سے بہتر ہو گا تو آپ نے میرا تقرر نامہ مجھے بھیج دیا اور مجھے آپ کو یہ اطلاع دے کہ کہ جسے آپ جس کام کے لیے منتخب فرمائیں گے وہ آپ کے نزدیک اس کام کا اہل ہی ہو گا حضرت عمرؓ کے ارشاد پر سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔

فتح نہاوند کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کی نگاہِ انتخاب

جب فتح قادسیہ وعذیب اور مدائن کے بعد فارس کے علاقے نہاوند اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں اصفہان و آذربائیجان سے عربوں کے خلاف بغاوت کی خبریں حضرت عمرؓ کو ملیں تو آپ نے ان سب علاقوں کو فتح کرنے اور اس کے بعد وہاں کسی عامل کے تقرر کا ارادہ فرمایا تو آپ کی نگاہ انتخاب نعمان بن مقرن پر پڑی۔ چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لے گئے جہاں مؤخر الذکر اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ان کے پہلو میں بیٹھ گئے اور جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے فرمایا: جیسا کہ تمہیں معلوم ہو گا فارس

میں نہاوند وغیرہ سے بغاوت کی خبریں موصول ہو رہی ہیں، لہٰذا میں نہاوند اور اس کے قریبی علاقوں اصفہان و آذربائیجان کی فتح اور اس کے بعد وہاں کے ملکی انتظام کے لیے آپ کو بھیجنا چاہتا ہوں" یہ سُن کر نعمان بن مقرن بولے: "میں اس کے لیے آپ کا حد درجہ شکر گزار ہوں لیکن آپ جانتے ہیں کہ میں صرف ایک غازی یا مجاہد ہوں اس لیے مجھے جہاد کے علاوہ ملکی انتظام و انصرام کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔" نعمان کے اس جواب پر آپ نے فرمایا: "تم پہلے جا کر ان علاقوں کو فتح تو کرو، اس کے بعد دوسری باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔" اس پر نعمان بولے: میں تعمیل ارشاد کے لیے حاضر ہوں۔" چنانچہ فتح نہاوند وغیرہ کے لیے سردار لشکر کا انتخاب کرنے کے بعد آپ نے اہل کوفہ کو نعمان بن مقرن کی مدد کے لیے لکھا اور ان کے ساتھ زبیر بن عوام عمرو بن معدیکرب، حذیفہ، ابن عمر اور اشعث بن قیس کو بھی روانہ کر دیا۔ جب نعمان بن مقرن فارس میں داخل ہوئے تو انہوں نے پہلے نہاوند کے حکمران کے پاس اپنا قاصد بھیجا اور خود نہر نہاوند کے پار اس علاقے میں ٹھہرے جسے "ذی الجناحین" کہا جاتا ہے۔ قاصد کے بارے میں انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ وہ نہاوند کے حکمران سے سیاسی گفتگو کرے یا اس سے جنگ کی گفتگو چھیڑے تو انہیں یہ مشورہ دیا گیا کہ اس سے پہلے مصالحانہ گفتگو کی جائے لیکن اس کے مخالفانہ جواب کی صورت میں جنگ کے سوا اور چارہ کار ہی کیا رہ جائے گا۔ اس مشورے کے بعد مغیرہ کو بطور قاصد نہاوند کے حکمران کے پاس بھیجا گیا اور جب وہ اس کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ ایک مرصّع تخت پر بیٹھا ہے، اس کا بادشاہوں جیسا مُذہّب و مطلا ہے اور اس پر بیش قیمت جواہرات لگے ہوئے ہیں۔ اور اس کے علاوہ اس کے سر پر بے بہا مرصع تاج ہے۔ حکمران کے دائیں بائیں اس کے بیٹے زرنگار نشستوں پر بیٹھے ہیں اور وہ بھی زرق برق لباس میں ملبوس ہیں۔ اسی طرح اس کے اہل دربار بھی اپنے مرتبے کے مطابق دائیں بائیں اور سامنے اعلیٰ نشستوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ دربار ہال میں اس سرے سے اس سرے تک بیش قیمت قالین بچھے ہوئے ہیں۔ مغیرہ اور اُن کے دونوں ساتھی دربار ہال کے دروازے سے داخل ہو کر بڑی بے باکی کے ساتھ شاہی تخت تک جا پہنچے اور ان کے لیے جو نشستیں رکھی گئی تھیں نہیں چھوڑ کر تخت کے سامنے کھڑے ہو کر بادشاہ سے گفتگو شروع کرنا چاہی تو بڑی نخوت سے بولا: تم عرب لوگ بڑے غیر مہذب بلکہ اجڈ ہو تمہیں شاہی درباروں کے آداب سے واقفیت

نہیں ہے اور ہوتی بھی کیسے میں نے سُنا ہے کہ تم کھانے میں سئور اور کتوں تک کا گوشت کھا لیتے ہو، جنگلیوں کی طرح لڑتے ہو اور اسے اپنی بہادری سمجھتے ہو لیکن میں تمہارے دماغ سے بہت جلد یہ خناس نکال کر سارے عراق و شام پر پہلے کی طرح قبضہ کر لوں گا۔"

نہاوند کے حکمران کی یہ لاف و گزاف سُن کر مغیرہ بولے: "ایں خیال است و محال است و جنوں" جہاں تک ہمارے وحشی ہونے اور کھانے پینے کا سوال ہے تو وہ زمانۂ جاہلیت کا دور تھا۔ اب خدائے واحد کے فضل سے ہم نے اپنے عادات و اطوار درست کر لیے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کا کوئی شریک نہیں ہم میں اپنا آخری نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) مبعوث فرمایا ہے، اس نے ہمیں حلال و حرام میں فرق اور نیکی و بدی و حق و باطل میں تمیز کرنا سکھایا ہے۔ تم اگر ہماری مخالفت سے ہاتھ اٹھا لوگے تو ہم بھی تم سے درگزر کریں گے ورنہ تمہارا یہ تاج و تخت خاک میں ملا دیں گے تمہیں سفیروں سے بات کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا، ہم تمہارے سفیروں سے اس قسم کی گفتگو کبھی نہ کرتے اور ان سے اس متکبرانہ انداز کے ساتھ کبھی پیش نہ آتے۔ بہرکیف اب ہم تمہارا جواب سُننے کے منتظر ہیں۔"

نہاوند کے حکمران کو مغیرہ کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سُن کر سخت تعجب ہوا کیونکہ وہ انہیں اپنے نزدیک ایک جاہل عرب سمجھتا تھا۔ پھر بھی بڑی نخوت سے بولا:۔

"تم اس وقت کا انتظار کرو جب میں تمہاری حکومت اور تمہارے جملہ مقبوضات کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔"

یہ سُن کر مغیرہ بولے: اچھا تو ہمیں جانے کی اجازت دیجیے لیکن اتنا اور بتا دیجیے کہ آپ ہم پر حملہ آور ہوں گے یا ہم آگے بڑھ کر آپ کے بقول آپ کی حکومت بلکہ سارے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں؟" نہاوند کے حکمران نے اسی طرح اکڑ کر جواب دیا: "ہمیں تمہاری طرف آئیں گے۔" اس کے بعد مغیرہ اور ان کے ہمراہی فارس کے شاہی دربار سے رخصت ہو گئے۔

نعمان بن مقرن نہاوند کے بادشاہ کے ساتھ مغیرہ کی گفتگو سُن کر بہت خوش ہوئے، پھر بولے:۔ "میں جانتا ہوں تم صاحب اوصاف ہو، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہے ہو، بے شک خطابت کے علاوہ تمہاری جنگی مہارت بھی مسلمہ ہے تم نے طلوع سحر سے قبل جنگ کبھی شروع نہیں کی نہ رات کے وقت اور کمک آنے سے پہلے جنگ جاری

رکھی۔ تم نے جنگ سے کبھی منہ نہیں موڑا اور اکثر زخمی ہوئے ہو۔

مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ نہاوند کا بادشاہ اپنے وعدے کے مطابق ہم پہ آگے بڑھ کر حملہ آور تو کیا ہوتا اس کی طرف سے جب ہمیں کسی ایسے اقدام کی خبر نہ ملی تو خود ہم نے اس کے ملک میں پیش قدمی کی اور میدانِ جنگ میں جب اس کی فوج کے بے شمار سردار اور سپاہی مارے گئے تو اس نے ہتھیار ڈال دینے ہی میں بہتری سمجھی۔

نعمان بن مقرن کے بارے میں مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ وہ بے مثل مجاہد ہونے کے علاوہ بڑا متشرع شخص تھا، عدل و انصاف کے سلسلے میں اس کا پلّہ دُوسرے بہتوں سے بھاری تھا۔ اپنے بارے میں نعمان نے مغیرہ کے بقول صرف اتنا کہا: میں نے تین بار کے علاوہ اپنا جھنڈا کبھی نیچا نہیں کیا اور گھوڑے کی پیٹھ سے زمین کی طرف جُھکا نہیں یعنی گھوڑے سے نیچے نہیں اُترا، پہلی بار جب کسی شکستہ حال سائل نے مجھ سے کوئی سوال کیا، دوسرے جب اپنے کسی ساتھی مجاہد کو اس کے جوتے کے ٹوٹے ہوئے تسمے کی طرف جھکا ہوا پایا یا اسے تلوار وغیرہ کی ضرورت پیش آئی تیسرے جب کسی زخمی مجاہد کو میدانِ جنگ سے اُٹھانے کی ضرورت ہوئی کیونکہ اس کے دوسرے ساتھی اس کی طرف شدتِ جنگ کی وجہ سے متوجہ نہ تھے۔"

مغیرہ کہتے ہیں کہ جنگ نہاوند کے وقت میں نے سوچا تھا کہ اگر اس جنگ میں نعمان شہید ہو گئے تو میں ان کی جگہ اس وقت تک لڑوں گا جب تک مسلمانوں کی فتح اور ملک میں امن قائم نہ ہو جائے۔ اس کے بعد مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ اس روز میں نے مغیرہ کی مدد کے لیے اللہ تعالےٰ سے دُعا کی تھی تاکہ قوم کو امن حاصل ہو جائے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ نعمان نے واقعی جنگ نہاوند کے روز صرف تین بار اپنا جھنڈا انہیں تین حالتوں میں نیچا کیا جن کے بارے میں وہ مجھے بتا چکے تھے۔ اس روز کی جنگ نہر نہاوند کے دوسری طرف میدان "ذی جناجین" ہی میں ہوئی، نعمان نے حد سے زیادہ شجاعت کا ثبوت دیا اور دشمن کی فوج میں تن تنہا کشتوں کے پشتے لگا دیے، لیکن وہ ایک بزدل دشمن کے ہاتھوں میں جس نے چھپ کر ان پہ حملہ کیا شہید ہو گئے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ اب خلد نشین و جنت نشین ہوں گے۔ ان کی شہادت کے بعد لوگوں نے اشعث بن قیس کو ان کی والدہ کے خیمے میں بھیجا اور ان سے دریافت کرایا کہ حضرت عمرؓ کی طرف سے ان کی یعنی نعمان کی نیابت کا کوئی تحریری حکم ان کے پاس ہے تو انہوں نے نعمان کے نام حضرت عمرؓ کا ایک مکتوب دکھایا جس میں صریحی طور پہ تحریر یہ تھا کہ نعمان کی

شہادت کی صورت میں فلاں شخص امیرِ لشکر ہوں گے اور ان کے بعد فلاں فلاں اشخاص یکے بعد دیگرے امیرانِ لشکر ہوں گے۔

مغیرہ آخر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اسی روز مسلمانوں کو دشمنوں پر فتح عظیم بخشی۔

شہدائے نہاوند

جنگ نہاوند کا مختصر ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا۔ اس روز فارس کا عظیم ترین لشکر میدان میں آیا تھا لیکن اس کے اکثر و بیشتر سردار اور سپاہی جنگ میں کام آ گئے تھے جس کی وجہ سے دشمن کو پسپا ہونا پڑا اور اسلامی لشکر کو فتح نصیب ہوئی۔ اس جنگ میں جو مسلمان شہید ہوئے ان میں نعمان بن مقرن کے علاوہ عمرو بن معدیکرب وغیرہ بھی تھے۔ ان کی قبریں نہاوند سے ایک کوس کے فاصلے پر اب بھی موجود ہے۔ جنگ نہاوند کے تفصیلی واقعات ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بیان کر چکے ہیں۔

عربی قبائل کے بارے میں حضرت عمرؓ کے عمرو بن معدیکرب سے سوالات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عربی قبائل کے بارے میں عمرو بن معدیکرب سے جو مندرجہ ذیل سوالات کیے ان سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ ان کے متعلق لاعلم تھے بلکہ آپ ان کے بارے میں عمرو بن معدیکرب جیسے ماہر انساب اور باخبر شخص سے اپنی رائے کی تصدیق فرمانا چاہتے تھے۔

ابو مخنف لوط بن یحییٰ نے بیان کیا ہے کہ جب عمرو بن معدیکرب کوفے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سب سے پہلے ان سے سعد بن ابی وقاص کی خیریت دریافت کی تو عمرو بن معدیکرب نے ان کی خیر و عافیت کی اطلاع دینے کے بعد ان کی بہت تعریف کی۔ اس کے بعد آپ نے ان سے سلاح کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جو ان کے متعلق انہیں معلوم تھا آپ کے روبرو بیان کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے ان سے خود ان کی قوم کے بارے میں دریافت کیا اور یہ بھی فرمایا کہ جو کچھ کہیں مختصر کہیں لیکن اپنی قوم کی ہر کمزوری کو صاف صاف بیان کریں تو وہ بولے: "میری قوم کے کسی فرد میں کوئی کمزوری ہوتی تو میں اسے ضرور بیان کرتا۔" اس کے بعد آپ نے ان سے عِلّہ بن جلو کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے کہ اپنے سواروں کے ذریعہ ہماری مدد کرتے ہیں اور ہمیں کوئی تکلیف ہو تو اسے دُور کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں یعنی بیماریوں کے علاج معالجے میں بھی ہمارا ہاتھ بٹاتے ہیں اور وہ ان کا سارا قبیلہ ہتھیار بند ہے

چنانچہ جہاد کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان سے سعد بن ابی وقاص کے عزیزوں کے متعلق دریافت کیا تو وہ بولے کہ وہ سب کے سب بڑے عظیم کردار کے لوگ ہیں، بڑے سخی اور صاحب ایثار ہیں، ان میں سے ہر فرد کسی قوم کا رئیس ہونے کے قابل ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان سے مُراد کے باقی ماندہ لوگوں کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے کہ انہوں نے ہمارے گھروں کو وسعت دی ہے، وہ بڑے اچھے پڑوسی ہیں، دُوری و نزدیکی کا خیال نہیں کرتے، بڑے متقی اور پرہیزگار لوگ ہیں اور خیر و فلاح کے کاموں کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ان سے بنی زبید کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے: "مجھے ان کے بارے میں تو بہت کم معلوم ہے لیکن لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ وہ تمام اچھی باتوں کے علاوہ دیکھ بُری باتوں میں بھی سب سے آگے رہتے ہیں" اس کے بعد آپ نے ان سے بنی طے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ سخاوت میں سب سے بڑھ کر بلکہ سارے عرب کی انگیٹھی ہیں یعنی ساری قوم عرب کو فیض پہنچانے میں پیش پیش ہیں۔ اس کے بعد جب آپ نے ان سے بنی حمیر کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے:۔ "عفو و درگزر میں پیش پیش اور اکل و شرب میں پاک صاف۔" جب ان سے قبیلہ کندہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ بندگانِ خدا میں بھلا کہلانے کے مستحق نہیں ہیں کیونکہ ان کی وضع قطع اور گفتگو سے شہریوں کی طرح اظہار تمکنت ہوتا ہے۔ جب ان سے بنی ہمدان کے متعلق دریافت کیا گیا تو وہ بولے کہ وہ رات کے راہی اور اہل نیل ہیں، کسی کے پاس پڑوس میں رہنے کو اچھا نہیں سمجھتے بلکہ زیادہ سے زیادہ کی طلب میں اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے ہیں۔ جب ان سے بنی ازد کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ کثیر العیال ہیں اور انہوں نے بہت سی بستیاں بسائی ہیں۔ حارث ابن کعب کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ وہ بڑے دانا بینا ہیں، اہل دام و درہم ہیں، اپنے نیزوں کے پاس کسی کو پھٹکنے نہیں دیتے۔ بنی لخم کے متعلق انہوں نے کہا کہ وہ ہلاکت میں مقدم اور آبادکاری میں مؤخر ہیں۔ بنی جذام کے متعلق انہوں نے کہا کہ وہ بڑے بوڑھوں کی طرح جہاں دیدہ لوگ ہیں اور قول و عمل دونوں میں اچھے ہیں۔ جب ان سے قبیلۂ غسّان کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں سردار تھے اور زمانہ اسلام میں ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ جب ان سے اوس و خزرج کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے: "وہ انصار

ہیں انہوں نے ہمارے لیے گھر فراہم کیے اور ہمیں ہر تکلیف سے بچانے کا خیال رکھا۔ میں یا میرا قبیلہ ان کی تعریف میں کیا کہے گا جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف اس طرح کی ہے (والّذین تبوّو الدار والایمان۔ آیت) جب ان سے خزاعہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا: "وہ اور بنی کنانہ ایک ہی ہیں، اس لیے ہمارے ہم نسب ہیں، انہوں نے ہماری بہت مدد کی ہے۔" جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ ان کی دشمنی میں پہلے کون سے قبائل پیش پیش تھے جن میں سے کچھ اب بھی باقی ہیں تو انہوں نے ربیعہ کی چند شاخوں کا ذکر کیا۔ عمرو بن معدیکرب کے قبیلے اور بنی ربیعہ میں اختلافات اور بغض وحسد نیز حد درجہ عداوت کے بارے میں مؤرخین نے بہت کچھ لکھا ہے جس کی تفصیل ہم اپنی پچھلی کتابوں میں پیش کر چکے ہیں۔

حرب کے بارے میں سوال

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن معدیکرب سے حرب کے بارے میں سوال کیا تو وہ بولے: "اسے نیچے سے دیکھیے تو اچھی طرح اور اُوپر سے دیکھیے تو بُری۔" آپ نے پوچھا: "اس کا کیا مطلب ہے؟" وہ بے باکی سے بولے: "آپ اسے اپنی والدہ سے مماثلت دے سکتے ہیں۔" یہ سن کر حضرت عمرؓ ان کے سر پر اپنا دُرّہ لہرایا پھر تلوار کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولے: "بدتمیزی کو تو میں تمہاری زبان کاٹ ڈالوں گا۔" اس گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ عمرو بن معدیکرب سے کافی عرصے تک ناراض رہے تھے لیکن پھر انہیں معاف کر دیا تھا۔

اس کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عمرو بن معدیکرب ایک دوسرے سے مانوس ہوئے تو آپ نے ایک روز ان سے دریافت کیا: "تم زمانہ جاہلیت میں بہت سی لڑائیوں میں شریک رہے اور بہت سے مانوس ونا مانوس قبائل سے تمہیں واسطہ پڑا ہے اور اب بھی تم انہیں جانتے ہوگے، ان کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

وہ بولے: میں نے زمانۂ جاہلیت میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تو اب اسلام لانے کے بعد جھوٹ کیسے بولوں گا۔ مجھے ایک دفعہ زمانۂ جاہلیت میں حرب کی ایک شاخ سعد سے واسطہ پڑا تھا، وہ ایک خانہ بدوش بدوی قبیلہ تھا۔ میں نے ان کی عورتوں کو حسن وجمال میں لاجواب پایا تھا، اب زمانۂ اسلام میں بھی میرا اس قبیلے کی طرف گزر ہوا جسے اسلام کی خوبیوں کے بارے میں غالباً آگاہی نہیں رہی تو پہلے ایک شخص جو ان کا سردار معلوم ہوتا تھا ننگی تلوار لے کر میری طرف بڑھا، میں نے اسے بتایا کہ میں عمرو بن معدیکرب ہوں اور ان کا دشمن نہیں ہوں

تو وہ مجھے گھوڑے سے اُترنے کا اشارہ کر کے اپنے خیمے کی طرف ہو لیا، میں سمجھ گیا وہ قبیلہ سمعہ کا سردار تھا بہرحال جب میں اس کے پیچھے چلتا ہوا اس کے خیمے کے باہر رُک گیا تو اس نے بڑے نرم الفاظ میں مجھے خیمے میں داخلے کی اجازت دے دی اور اپنا نام ربیعہ بن مکدّم بتایا۔ وہاں ایک حد درجہ حسین و جمیل عورت بڑے خوبصورت کپڑے کے فرش پر بیٹھی ہوئی تھی اور ... " حضرت عمرؓ نے عمرو بن معدیکرب کا قطع کلام کرتے ہوئے پوچھا: " تم نے کیسے سمجھا کہ وہ قبیلہ سمعہ تھا؟" عمرو بولے: " وہاں ہر طرف طرح طرح کے کھانے پینے کا سامان ہو رہا تھا دیگیں چولہوں پر چڑھی ہوئی تھیں جن کی خوشبو اُڑ کر دُور دُور تک جا رہی تھی۔ قبیلہ سمعہ زمانہ جاہلیت میں بھی جنگجوئی کے علاوہ فیاضی اور تواضع میں مشہور تھا اور پہلے بھی اس کے پاس خانہ بدوش ہونے کے باوجود سامانِ عیش و عشرت سب قبیلوں سے زیادہ تھا اور آج کل بھی وہ اس لحاظ سے سارے عرب میں ممتاز ترین سمجھا جاتا ہے۔ اس سردار نے جب مجھے کھانے پر بٹھایا تو میں اس کے دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے دیکھ کر حیران ہوا اور سمجھ گیا کہ وہ سمعہ بنی حرب کے سوا کوئی دوسرا قبیلہ نہیں ہے۔" یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: " تم ابھی اس قبیلے کے سردار کے خیمے میں بیٹھی ہوئی ایک عورت کا ذکر کر رہے تھے۔" عمرو بولے: " جی ہاں اس عورت کی خوب صورتی نے بھی مجھے یہ سمجھنے میں مدد دی کہ اس کا تعلق سمعہ بن حرب سے ہے، اس نے مجھ سے بڑے نرم الفاظ میں میرا، میرے قبیلے اور دوسرے قبیلوں کی عورتوں کا حال پوچھا اور جب میں نے اسے ان کا مختصر حال بتایا تو وہ رونے لگی۔ میں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو وہ بولی کہ افسوس میں اپنی دوسری بہنوں کی طرح اسلامی طرزِ معاشرت اور اس قابلِ تعریف دین سے بہرہ یاب نہ ہو سکی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں بھی شام و عراق کے کئی بار سفر کیے تھے اور وہاں کے حکمرانوں سے ملاقات کی تھی، اسی طرح آپ نے اسلامی دور میں بھی متعدد سفر کیے آپ کے حُسنِ تدبّر، سیرت و اخلاق کے بارے میں نیز آپ کے دورِ خلافت میں فتوحِ فارس و مصر و شام و عراق اور دوسرے شہروں میں غلبۂ اسلام کے متعلق جو آپ کی بہترین سیاست کا نتیجہ تھا مؤرخین اور دیگر اہلِ سیر نے بہت کچھ لکھا ہے اور ہم نے بھی ان تمام حالات و کوائف اور آپ کی سیرت و کردار، فراست و تدبّر وغیرہ کے بارے میں اپنی پچھلی دو کتابوں " اخبار الزمان" اور " کتاب الاوسط" میں تفصیل کے ساتھ لکھا اور اظہارِ خیال کیا ہے۔

باب (۴۳)

ذکرِ خلافت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

خلاصہ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَورِ خلافت کا خلاصہ یہ ہے کہ ماہ محرم کی آخری تاریخ کو جب کہ ماہِ ذی الحجہ شروع ہونے میں صرف ایک رات باقی تھی اور وہ سن ہجری کا پچیسواں سال تھا آپ کی بیعت کی گئی۔ لوگوں نے ہمارے اس بیان سے اختلاف بھی کیا ہے لیکن ہم آگے چل کر اسی کتاب میں اس کا ثبوت پیش کریں گے کہ ہمارا یہ بیان صد فی صد صحیح ہے۔ بہرکیف آپ کی خلافت کا زمانہ آٹھ دن کم بارہ سال پر مشتمل ہے۔ آپ کو (شہادت کے بعد) مدینے میں اس جگہ دفن کیا گیا جو حَشِّ کوکب کے نام سے مشہور ہے۔

آپ کا نسب، حالات و کوائف اور سیرت

آپ کا نسب یہ ہے: عثمان بن عفان بن ابی العاص بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف آپ کی دو کُنیتیں تھیں جن میں سے ایک ابو عبد اللہ اور دوسری ابو عمرو تھی لیکن ابو عبد اللہ زیادہ مشہور ہوئی۔ آپ کی والدہ اَروی بنت کریز بن جابر بن حبیب بن عبد شمس تھیں۔ آپ کی اولاد میں عبد اللہ اکبر اور عبد اللہ اصغر تھے جو بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رقیہؓ کے بطن سے تھے۔ ان کے علاوہ آپ کی دُوسری اولاد یہ تھی: آبان، خالد، سعید، ولید، مغیرہ، عبد الملک، اُم ابان، اُم سعید، اُم عمرو اور عائشہ۔ ان میں عبد اللہ اکبر اپنے غیر معمولی حُسن و جمال کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتے تھے، انہوں نے کثرت سے شادیاں کیں اور طلاقیں بھی اسی طرح کثرت سے دیں۔ آبان مبروص اور بھینگے تھے۔ اہل حدیث کے مطابق ان کی عمر بہت کم ہوئی تاہم انہوں نے بنی مروان کی مکے وغیرہ میں نیابت کی یعنی وہاں ان کی طرف سے حکمران رہے۔ سعید بھینگے ہونے کے علاوہ

بخیل بھی تھے۔ وہ معاویہ کے زمانے میں قتل کر دیے گئے تھے۔ ولید شراب کے عادی تھے اور نشے کی حالت میں جنونیوں کی طرح اپنے والد کے قتل میں شریک ہو گئے تھے۔ عبداللہ اصغر ۶۷ سال کی عمر تک زندہ رہے۔ ان کی دونوں آنکھوں میں موتیا اُتر آیا تھا اور اسی کی تکلیف سے ان کی وفات ہوئی۔ عبدالملک کا انتقال کمسنی میں ہو گیا تھا، انہوں نے اپنے بعد اسی لیے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

آپ کے اوصاف

حضرت عثمان رضؓ بڑے سخی، فیاض اور کشادہ دستی میں دُور و نزدیک مشہور تھے۔ آپ کے مقرر کردہ عمّال اور آپ کے اکثر ہم عصروں نے بھی یہی چلن اختیار کیا جس کی وجہ سے لوگ انہیں بُرا بھلا کہتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے مدینے میں اپنا جو مکان تعمیر کیا تھا وہ پتھر کا تھا اور اس پر کلس بھی لگوایا تھا۔ آپ کے اس مکان کے دروازے سنگِ مرمر اور عرعر کی لکڑی سے تیار کیے گئے تھے۔ آپ نے ظاہر و باطن دونوں طرح مدینے میں اخراج مال و زر کے لیے دروازے کھول رکھے تھے۔

آپ کی ثروت

عبداللہ بن عتبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کے قتل کے دن آپ کے ذاتی خزانے میں ایک لاکھ پچاس ہزار دینار اور لاکھوں درہم موجود تھے جب کہ وادی قریٰ کے علاوہ حنین کی لڑائی میں اس سے قبل آپ نے ایک لاکھ دینار دیے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی ملکیت کا جب حساب لگایا تو مذکورہ بالا نقد درہم و دینار کے علاوہ بھیڑوں، بکریوں اور اُونٹوں کی تعداد بے شمار تھی۔

زبیر بن عوام کی ثروت

حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کی جو جماعت ضیاع مال و زر کی وجہ سے بدنام ہوئی ان میں زبیر بن عوام سرِ فہرست ہیں۔ انہوں نے بصرے میں جو اپنا ذاتی مکان تیار کرایا تھا وہ آج تک مشہور ہے (۳۳۲ھ) اس مکان میں تاجروں اور دُوسرے صاحبِ ثروت لوگوں کے علاوہ بحرین کے سمندری جہازوں کے مالک بھی ٹھہرا کرتے تھے اور مالِ تجارت کی ذخیرہ اندوزی بھی ہوا کرتی تھی اس کے علاوہ انہوں نے یعنی زبیر بن عوام نے اپنی گورنری کے زمانے میں اپنے لیے کوفے مصر اور اسکندریہ میں بھی ایک ایک مکان تعمیر کرایا تھا۔ ان کے متعلق اور ان کی فضول خرچی کے بارے میں ہم نے یہاں جو کچھ کہا ہے وہ تاریخی اعتبار سے اب کوئی ڈھکی چھُپی بات نہیں ہے۔ زبیر بن عوام کی وفات کے بعد ان کے ترکہ کا جب حساب لگایا گیا تو بصرہ، کوفہ، مصر

اور اسکندریہ کے مذکورہ بالا آراستہ و پیراستہ مکانوں اور ان کے بیش قیمت ساز و سامان کے علاوہ ان کے ترکے میں پچاس ہزار دینار، ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار لونڈیاں اور غلام پائے گئے۔

طلحہ بن عبید اللہ کی ثروت

اسی طرح طلحہ بن عبید اللہ تیمی نے کوفے میں ایک عالیشان مکان تعمیر کیا تھا جو "کناسہ دار البطحیین" کے نام سے آج تک مشہور ہے، عراق کی گورنری کے زمانے میں ان کی وہاں کی آمدنی ہر روز ہزار دینار ہوتے تھے، انہوں نے مدینے میں بھی پختہ اینٹوں چونے کے پتھر اور ساکھو کے درخت کی قیمتی لکڑی سے ایک مکان بنایا تھا۔

عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی ثروت

اسی طرح عبدالرحمٰن بن عوف زہری نے بھی ایک مکان بنایا تھا اور اسے بڑھا بڑھا کر حد سے زیادہ وسیع کر لیا تھا، ان کے اصطبل میں ہر وقت سو گھوڑے موجود رہتے تھے اور ان کے پاس ایک ہزار اونٹوں کے علاوہ دس ہزار بکریاں تھیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کے نقد مال کی چوتھائی قیمت کا اندازہ ۸۴ ہزار دینار لگایا گیا تھا۔

دُوسرے صحابہ کی ثروت

دوسرے صحابہ کی ثروت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص نے عقیق میں ایک عالی شان مکان بنایا تھا جس کی چھت اور دیواریں انتہائی بلند تھیں اور اس سر بفلک چھت پر بلند و بالا برجیاں بنائی گئی تھیں۔

سعید بن مُسیّب کہتے ہیں کہ زید بن ثابت نے اپنے انتقال کے وقت کثیر مقدار میں چاندی سونے اور دوسرے نمائشی سامان کے علاوہ ایک لاکھ دینار چھوڑے تھے۔

اس طرح مقداد نے مدینے سے چند میل کے فاصلے پر مشہور مقام جُرف میں ایک مکان بنایا تھا جس کی چھت پر بُرج بنوائے تھے اس کل مکان میں اندر اور باہر سُو کھے کی قیمتی لکڑی استعمال کی گئی تھی۔

اسی طرح یعلیٰ بن منیہ نے اپنے انتقال کے بعد پانچ لاکھ دینار نقد اور لوگوں پر قرضے اور زمینوں کے علاوہ جو قیمتی سامان چھوڑا تھا اس کی قیمت کا اندازہ کم سے پانچ لاکھ دینار لگایا گیا تھا۔

سطور بالا میں ہم نے جو کچھ بیان کیا اس سے ہمارا مقصد دورِ عثمانی میں مال کی ریل پیل اور

صحابہ تک میں جمع مال و دولت کے جذبے کا اظہار تھا جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ خود جب ایک بار حج کے لیے تشریف لے گئے تھے تو آمد و رفت پہ سولہ دینار خرچ ہوئے تھے، اس کے باوجود اپنے بیٹے سے فرمایا تھا: "اس سفر پہ ہم نے اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کر دیا ہے۔" اس سے دورِ فاروقی اور دورِ عثمانی کے فرق کا بہ لحاظ اسراف و تبذیر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ضمن میں حمص کے گورنر کا واقعہ پچھلے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ انہیں کے زمانے میں ایک اور قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ اہلِ کوفہ نے اپنے امیر سعد بن ابی وقاص کی شکایت حضرت عمرؓ کو لکھی تھی تو آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری، بنی عبد الاشہر کے حلیف کو وہاں بھیجا تھا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر باب کوفہ پہ وہاں کے گورنر سعد بن ابی وقاص کو طلب کیا تھا اور اس کے بعد انہیں مسجد میں لے جا کر ان کے خلاف اہلِ کوفہ کی شکایات سُنی تھیں تو بعض لوگوں نے ان کی تعریف کی تھی اور بعض نے ان کی شکایت کی تھی۔ اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ان کی جگہ عمار بن یاسر کو انتظامیہ کا اور عثمان بن حنیف کو محصولات کا ذمہ دار بنا کر کوفے بھیجا تھا۔ ان کے علاوہ عبد اللہ بن مسعود کو بیت المال کی ذمہ داری سونپی تھی اور انہیں یعنی ان تینوں کو یہ بھی حکم دیا تھا کہ وہ اہلِ کوفہ کو قرآن کی کم سے کم ایک ایک آیت کا درس دیا کریں۔ جہاں تک ان تینوں کی نشست گاہ میں فرش کا تعلق ہے تو عمار بن یاسر گورنر کوفہ کے لیے ایک علیحدہ فرش تھا جب کہ عبد اللہ بن مسعود اور عثمان بن حنیف کی نشست گاہ کا فرش مشترکہ تھا پس کہاں حضرت عثمانؓ اور کہاں حضرت عمرؓ فاروق۔

حضرت عثمانؓ کے عمال (گورنر)

حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہوتے ہی آپ کے پاس حکم بن ابی العاص اس کا بیٹا مروان اور بنی اُمیہ کے دُوسرے لوگ پہنچ گئے۔ حکم وہ شخص تھا جسے سرکشی کی وجہ سے مدینے سے نکال کر اپنے قریب پھٹکنے سے بھی منع کر دیا تھا لیکن حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں بنو اُمیہ کے جن لوگوں کو گورنری کے عہدے دیے گئے ان میں سے ولید بن عقبہ کو کوفے کا گورنر بنایا گیا (یہ وہ شخص تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناری (دوزخی) فرمایا تھا)، عبد اللہ بن ابی سرح کو مصر کی گورنری کا عہدہ دیا گیا اور معاویہ بن ابی سفیان کو شام کا گورنر مقرر کیا گیا۔ ان کے علاوہ عبد اللہ بن عامر کو بصرے کی گورنری دی گئی جب ولید بن عقبہ کو (اس کی بدعنوانیوں کی وجہ سے) کوفے کی گورنری سے علیحدہ کیا گیا تو

اس کی جگہ سعید ابن العاص کو بھیج دیا گیا۔

ولید بن عُقبہ

ہم نے ابھی ولید بن عقبہ کی کوفے کی گورنری سے علیٰحدگی کا سبب اس کی بدعنوانیاں بتایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ صبح سے شام تک اپنے ہم صحبت لوگوں کے ساتھ شراب پیتا اور اس کے نشے میں مدہوش رہتا تھا اور رات ہوتے ہی اس کی مجلس میں ارباب نشاط آدھمکتے جن سے وہ صبح تک گانا سُنتا رہتا تھا۔ جب مؤذن صبح کی اذان دیتا تو وہ اس مجلس عیش و نشاط سے جھومتا جھامتا بلکہ لڑکھڑاتا ہوا اُٹھتا اور مسجد میں داخل ہو کر محراب مسجد میں نماز فجر کی امامت کے لیے کھڑا ہو جاتا۔ ایک ایسے ہی موقع پر جب اس کے پیچھے چار صفوں میں مقتدی نماز پڑھ رہے تھے تو اس نے پہلی ہی رکعت میں سجدے سے اُٹھنے کا نام نہ لیا بلکہ لڑکھڑاتی زبان سے بولا تو یہ کہ "کیا اور زیادہ نماز پڑھاؤں ؟" یہ سُن کر پہلی صف کے مقتدیوں میں سے کوئی بولا: "خدا تجھے نیک ہدایت دے، اللہ تعالےٰ نے جتنی نماز فرض کی ہے تو اس سے زیادہ کیا پڑھائے گا؟ یوں تجھ سے کچھ بعید نہیں ہے، ہمیں اگر تعجب ہے تو صرف اس بات پر کہ تو ہمارا امیر کیسے بن گیا ہے!" جس شخص نے ولید بن عقبہ سے یہ بات کہی تھی اس کا نام عتاب بن عیلان ثقفی تھا۔

جب ولید اپنی مذکورہ بالا مضحکہ خیز نماز سے فارغ ہوا تو اس نے نمازیوں سے خطاب کرنا چاہا لیکن لوگ اسے گھیر کر لعنت ملامت کرنے لگے، اس لیے وہ کسی نہ کسی طرح ان سے پیچھا چھڑا کر اسی طرح جھومتا جھامتا قصرِ امارت میں جا گھسا اور شراب و موانعات شرعی کی تعریف میں زمانۂ جاہلیت کے شاعروں کی طرح عُریاں اشعار کہنے لگا۔ اس کے ایسے اشعار سُن کر حطیئہ نے بھی اس کی ہجو میں کچھ اشعار کہے تھے۔

جب اس کی شراب نوشی اور فسق و فجور کے چرچے عام ہونے لگے تو ایک دن مسجد سے کچھ لوگ اس کے پاس پہنچے جن میں ابوزینب بن عوف ازدی اور جندب بن زہیر ازدی وغیرہ بھی شامل تھے تو اسے شراب کے نشے میں دھت تخت پر اوندھا پڑا پایا۔ انہوں نے اسے جگانا چاہا تو اسی حالت میں مغلظات بکنے لگا اور برتن اُٹھا کر اس میں جو شراب تھی ان لوگوں پر اُلٹ دی۔ یہ دیکھ کر ان لوگوں نے بمشکل اس کے ہاتھ سے شراب کا برتن چھینا اور قصرِ امارت سے باہر نکل کر فوری طور پر خلیفہ وقت حضرت عثمانؓ سے اس کی شکایت کرنے اور اس کے خلاف شرع افعال کی گواہی دینے کے لیے کوفے سے مدینے روانہ ہو گئے۔ جب انہوں نے حضرت

عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ولید کی بداعمالیوں کی شکایت کی تو وہ بولے: "تم کس طرح سمجھے کہ اس نے شراب ہی پی رکھی تھی؟" ان لوگوں نے آپ کو سارا واقعہ سُنا کر کہا، اس نے جس شراب کا برتن اُٹھا کر اسے ہمارے منہ اور سینوں پر اُلٹا تھا اس میں وہی شراب تھی جو ہم زمانۂ جاہلیت میں پیا کرتے تھے۔" اس کے باوجود آپ نے انہیں جھڑک دیا اور بولے: "تم ایسے من گھڑت قصے سُنا کر ولید کے خلاف مجھ سے کسی کارروائی کی اُمید مت رکھو۔" وہاں سے مایوس ہو کر وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور انہیں سارا ماجرا سنایا۔ چنانچہ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا: "آپ نے گواہوں کو نکال کر حدودِ شرعی کا ابطال کیا ہے" اس پر وہ بولے: "آپ اس معاملے میں کس نتیجے پر پہنچے ہیں؟" آپ نے کہا: "میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ لوگ سچ کہتے ہیں تو ولید کو بلا کر اس کی تصدیق کی جائے اور ان کی شکایات درست ثابت ہوں تو اس پر شرعی حد جاری کی جائے۔" چنانچہ ولید کو کوفے سے طلب کیا گیا اور جب اسے اپنے خلاف شکایات کے سلسلے میں کوئی معقول جواب دینے کے بجائے خاموش پایا تو حضرت عثمانؓ نے اپنا کوڑا حضرت علیؓ کی طرف بڑھایا۔ آپ نے اپنے بیٹے حسن سے کہا: "اسے تھامے رہو، میں اسے خود حکم خداوندی کے مطابق کوڑے لگاؤں گا۔" جب آپ کوڑا لے کر اس کی طرف بڑھے تو وہ آپ کو گالیاں دینے لگا اور کہنے لگا کہ آپ چند لوگوں کی گواہی پر مجھے سزا دینا چاہتے ہیں نیز کچھ اور لوگ بھی حضرت عثمانؓ سے اس کی قرابت داری کا خیال کر کے حضرت علی رضؓ سے کہنے لگے کہ اسے کوڑوں کی سزا نہ دی جائے۔ لیکن جب حضرت علی رضؓ کوڑا لے کر اس کے پاس پہنچے تو اس نے آپ کو "صاحب مکس" یعنی محصول جمع کرنے والا کہہ کر خطاب کیا۔ اس پر عقیل بن ابی طالب نے جو اس وقت وہاں موجود تھے اس سے کہا: "تو دوسروں کو اے ابی معیط کے بیٹے کیا کہتا ہے، اپنے آپ پر نظر نہیں ڈالتا کہ تو خود کیا ہے، تو اہل صفوریہ (عکا دالجوف کے درمیان ایک گاؤں کا نام جو طبریہ میں اُردن کا علاقہ ہے جہاں ولید کے یہودی آباؤاجداد رہتے تھے) کا لدّو، گدھا ہے۔" جب حضرت علیؓ ولید کے اور قریب پہنچے تو وہ ان پر جھپٹ پڑا لیکن آپ نے اسے سر سے بلند کر کے زمین پر پٹک دیا اور جب اسے ضرب لگانے کے لیے کوڑا بلند کیا تو حضرت عثمان بولے: "آپ اس کے ساتھ ایسا سخت برتاؤ کرنے کا حق نہیں رکھتے۔" حضرت علی رضؓ بولے: "میں اسے کوڑے لگا کر فرمانِ خداوندی کی تعمیل کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ اس میں مزاحمت کرنا چاہتے ہیں۔"

سعید بن عاص

ولید بن عقبہ کے بعد سعید بن عاص کو کوفے کا گورنر مقرر کیا گیا تو اول اول تو اس نے بڑی صاف باطنی اور پاک طینتی کا ثبوت دیا۔ مثلاً جب وہ پہلے پہل کوفے پہنچا اور لوگوں سے خطاب کرنا چاہا تو اس نے مسجد کے منبر کو یہ کہہ کر دھلوایا کہ اس پر ولید جیسا نجس شخص بیٹھا تھا، اس لیے وہ ناپاک ہوگیا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے بھی ہاتھ پاؤں اور پر پرزے نکالنے شروع کیے تو اس کے خلاف بھی مدینے میں شکایات پہنچنے لگیں۔ اس کے خلاف شکایات یہ تھیں کہ اس نے ان ارضی قطعات کو اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے جو قریش کو دی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ وہ محصولات میں بھی خیانت کا مرتکب ہوا ہے۔ یہ شکایات پہلے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو زبانی پہنچائی گئیں لیکن پھر اس سلسلے میں انہیں متعدد خطوط بھی لکھے گئے۔

پہلے مالک اشتر بن حارث نخعی نے سعید بن عاص سے یہ بھی کہا کہ "آیا تو ان زمینوں کو ناجائز طور پر اپنے اور اپنے لوگوں کے لیے مخصوص کرنا چاہتا ہے جو ہم نے اپنی تلواروں کے سائے اور نیزوں کی نوک پر حاصل کی ہیں؟" مگر جب سعید نے ان کی اس دلیل کو رد کر دیا تو وہ اہل کوفہ کے ستر لوگوں کو ساتھ لے کر مدینے پہنچے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ذاتی طور پر سعید بن عاص کی بے اعتدالیوں اور بدعنوانیوں کے متعلق شکایات پیش کیں اور ان سے گزارش کی کہ سعید کو معزول کر دیا جائے۔ مالک اشتر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مدینے میں کافی عرصے تک ٹھہرے رہے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی شکایات کے سلسلے میں سعید کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا بلکہ اس اثناء میں ان کے دُوسرے گورنر مدینے آپہنچے۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر سے، معاویہ شام سے، عبداللہ بن عامر بصرے سے اور خود سعید بن عاص کوفے سے آئے اور کافی دنوں تک مدینے میں ٹھہرے رہے۔ جب سعید کافی عرصے تک کوفے نہیں پہنچے تو ان کے معزول ہونے کی اہل کوفہ کو کوئی خبر نہ ملی تو انہوں نے باقاعدہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی بدعنوانیوں کی ناقابل تردید ثبوت کے ساتھ تحریری اطلاع دی جس پر انہوں نے اپنے مذکورہ بالا عُمّال (گورنروں) سے پوچھا: "آپ لوگوں کی اس معاملے میں کیا رائے ہے؟" یہ سُن کر معاویہ نے کہا: "میں اپنے ساتھی گورنروں کی شکایات مقامی لوگوں سے موقع بے موقع یا جا بے جا سُننے کا روادار نہیں ہوں۔" عبداللہ بن عامر بن کریز بولے: "اس سے قبل بھی کوفے کے ایک گورنر کو معزول کیا جا چکا ہے، کیا اب اس کا اعادہ غلط نہیں ہوگا؟" عبدالرحمٰن بن سعد بن ابی سرح نے کہا "کیا گورنروں کی اس طرح بار بار اور جلد جلد معزولی مناسب ہوگی؟" خود سعید بن عاص نے اپنے

الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا: اس طرح تو کوفے میں گورنروں کا عزل ونصب تو آپ کے بجائے اہل کوفہ کی مرضی کے مطابق ہوجائے گا، وہ جب چاہیں گے انہیں یا تو خود معزول کردیا کریں گے یا آپ سے جا وبے جا شکائتیں کرکے معزول کرادیا کریں گے۔

حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا: "اچھا تم لوگ مسجد میں جاؤ اور معاملے میں عمرو بن عاص جو کچھ کہیں اسے غور سے سنو لیکن گفت وشنید کے علاوہ تمہیں فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔"

جب وہ لوگ مسجد کی طرف جانے لگے تو مالک اشتر بولے: "آپ لوگ کچھ ہی کہیں یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کچھ فیصلہ کریں ہم اس وقت تک سعید کو کوفے میں داخل نہیں ہونے دیں گے جب تک ہم میں سے ایک ایک آدمی زندہ رہے گا کیونکہ سعید صریحی طور پر بدعنوانیوں اور بے اعتدالیوں کا مرتکب ہوا ہے۔" بہرکیف جب سب لوگ مسجد میں پہنچے تو طلحہ وزبیر عمرو بن عاص کے قریب بیٹھ گئے اور ان دونوں نے انہیں اپنے اور قریب آنے کا اشارہ کرکے بولے: "آپ اس معاملے میں کیا کہنا چاہتے ہیں؟" عمرو بن عاص بولے: جب ہم منکرات سے پیچھا چھڑا رہے ہیں تو ان سے چمٹے رہنے سے کیا حاصل ہوگا؟ لیکن میں اس معاملے میں سعید کا ہم خیال ہوں۔" جب طلحہ و زبیر عمرو بن عاص کی رائے معلوم کرچکے تو اس کے بعد مالک اشتر کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا: "سعید نے تمہیں تمہاری زمینوں سے بے دخل تو نہیں کیا۔ اس کے برعکس اس نے اہل کوفہ کو مال ومتاع سے بھی نوازا ہے، لہٰذا تم اپنی شکایات سے قطع نظر کرکے کوفے واپس چلے جاؤ۔" اس کے بعد ان الفاظ کا بھی اضافہ کیا: "تم لوگوں کی آمد ورفت کے اخراجات کا جو اندازہ ہو وہ تم ہم سے لے لو۔" یہ سُن کر مالک اُشتر طنزاً بولے: "ہمارا اندازہ ایک لاکھ دینار ہے۔" اس پر طلحہ وزبیر دونوں نے پچاس پچاس ہزار دینار ان کے حوالے کرنا چاہے تو مالک اشتر ان کی یہ پیشکش رد کرتے ہوئے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ان کا رُخ کوفے کی طرف پھیر دیا لیکن سعید بن عاص تو ان سے پہلے ہی کوفے جا پہنچا تھا۔ اس نے کوفے پہنچتے ہی مسجد کا رُخ کیا تھا۔ جب لوگ مسجد میں جمع ہوگئے تو وہ ان سے خطاب کرتے ہوئے بولا: "آپ لوگوں نے دیکھ لیا کہ اہل کوفہ نے میرے خلاف جو شکایات زبانی یا لکھ کر دارالخلافہ بھیجی تھیں وہ غلط تھیں، اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں دوبارہ گورنر کی حیثیت سے کوفے لوٹ آیا ہوں۔" اتنا کہہ کر اس نے یہ بھی کہا کہ "جو شخص مجھ سے متفق ہو وہ از سر نو میری اطاعت کا اقرار کرکے میرے ہاتھ پر

بیعت کرے۔" چنانچہ اسی وقت اہل کوفہ میں سے کم از کم دس ہزار افراد نے اس کی بیعت کرلی۔
وہ اس طرف سے مطمئن ہو کر خفیہ طور پر مدینے یا مکے کے ارادہ سے کوفے سے نکلا لیکن ابھی واقعہ
پہنچا تھا کہ اسے اپنی معزولی کی خبر ملی۔ وجہ یہ تھی کہ مالک اشتر نے کوفے پہنچ کر حضرت عثمان رضؓ کو
صاف صاف لکھ دیا تھا کہ وہ سعید بن عاص کو اب کسی قیمت پر کوفے میں داخل نہیں ہونے دیں
گے۔ اس کی وجہ انہوں نے سعید کی پر معصیت زندگی اور خلافِ شرع حرکات بتائی تھیں۔ انہوں نے
حضرت عثمان رضؓ کو یہ بھی لکھا تھا کہ وہ سعید بن عاص کے علاوہ جسے چاہیں کوفے کا گورنر مقرر کر کے
بھیج دیں۔ چنانچہ اس تمام ردّ و قدح کے بعد آپ نے اہل کوفہ سے انہیں خط لکھ کر دریافت کیا کہ حضرت
عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کا امیر کون تھا اور جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے زمانے میں ابو موسےٰ
اشعری کوفے کے گورنر تھے تو انہوں نے انہیں کوفے کا دوبارہ گورنر مقرر کر دیا۔

حضرت عثمان پر طعن و تشنیع کی ابتدا اور اس کا سبب

ہجرت کے پینتیسویں سال حضرت عثمان رضؓ پر طعن و تشنیع اور الزامات کی بہتات ہوگئی اور اس کا سبب ان سے سرزد ہونے والے کچھ افعال کو بتایا گیا۔ اس کی ابتدا ان واقعات سے ہوئی جو آپ کے اور عبد اللہ کے مابین پیش آئے اور آپ سے ہذیل کے انحراف اور بیزاری کا سبب بنے۔ انہیں میں سے وہ واقعات ہیں جو عمار بن یاسر کے لیے جھگڑے فساد اور حرب و ضرب کا سبب بنے اور آپ سے بنی مخزوم کی بیزاری اور انحراف کا سبب بھی ٹھہرے۔

ولید بن عقبہ اور مشعوذ یہودی

آپ کے خلاف لوگوں کی شورش اور آپ سے بیزاری کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ولید بن عقبہ کے پاس ایک یہودی آیا جو مفصلات کوفہ میں جسر بابل کے قریب ایک گاؤں زرارہ میں رہتا تھا۔ اس کا نام بطرونی تھا اور وہ شعبدے اور جادو کے کھیل دکھایا کرتا تھا۔ ولید اسے کوفے کی مسجد میں لے آیا اور اس کے متعلق یہ خیالی قصہ سنایا کہ اس نے ایک عظیم الجثہ شخص کو گھوڑے پر سوار مسجد میں کل رات کے وقت ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک آتے جاتے دیکھا ہے پھر اس رات کو مذکورہ بالا یہودی نے مسجد میں ایک اونٹ کو رسّی پر چلا کر دکھایا۔ اس نے اس کے بعد ایک گدھا بنا کر دکھایا جو اونٹ کے منہ میں داخل ہو کر اس کے دُبر سے نکل گیا۔ اس نے اس کے بعد ایک آدمی کے تلوار سے دو ٹکڑے کر دیے اور جب تلوار کی نوک سے ان ٹکڑوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ شخص ان دونوں

ٹکڑے کے ملنے کے بعد زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

جو لوگ اس وقت مسجد میں موجود تھے ان میں جندب بن کعب ازدی بھی تھا۔ اس نے اس یہودی کے یہ شعبدے اور جادو کے کھیل دیکھ کر لاحول پڑھی اور انہیں اعمال رحمانی سے بعید اور اعمال شیطانی ٹھہرایا اور تلوار لے کر اس یہودی کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے پھر اس کی گردن سر سے الگ کر دی جس کے بعد قرآن کی یہ آیت پڑھی: ”جاء الحق وزھق الباطل، اِنّ الباطل کان زھوقاً۔

یہ بھی کہا جاتا کہ اس وقت دن تھا۔ جندب یہودی کے یہ شعبدے دیکھ کر مسجد سے نکلے اور جب بازار میں پہنچے تو لوگ اس یہودی کو گھیرے کھڑے تھے۔ جندب نے لوگوں کی بھیڑ میں گھس کر اچانک اپنی تلوار نکالی اور اس یہودی کی گردن پر ایک ہی وار کر کے اس کا سر تن سے جُدا کر دیا۔ پھر بولے: ”اگر تو سچا ہے تو اب زندہ ہو کر دکھا۔ یہ خبر جب ولید کو پہنچی تو اس نے جندب کو گرفتار کرا کے چاہا کہ اسی وقت اسے قتل کر دے اور اس کی دلیل یہ دی کہ ایسے افعال جو یہودی سے دیکھنے میں آئے اولیاء اللہ سے بھی ظہور میں آتے ہیں لیکن ازدی نے جندب کے قتل سے اسے باز رکھا جس پر ولید نے جندب کو قید کر دیا اور قید خانے کے پہرے دار کو حکم دیا کہ رات بھر اس پر کڑی نگرانی رکھے۔ صبح ہوئی تو ولید نے حکم دیا کہ جندب کو اس کے سامنے حاضر کیا جائے۔ ولید کا ارادہ جندب کو قتل کرنے کا تھا لیکن پہرے دار نے قید خانے سے جندب کے فرار کی اطلاع دی تو ولید نے طیش میں آکر پہرے دار ہی کو قتل کر کے اس کی لاش دار الامارت کے دروازے پر لٹکوا دی۔

حضرت عثمان اور ابوذرؓ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف الزامات، طعن و تشنیع اور شورش کا ایک سبب ان کے ساتھ آپ کا غیر منصفانہ سلوک بھی تھا۔ ایک روز ابوذر غفاریؓ آپ کی اس مجلس میں موجود تھے جس میں آپ یہ فرما رہے تھے: ”آپ لوگوں کا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ کسی کے جمع کردہ مال میں کسی دوسرے کا حق ہوگا یا نہیں؟“ اس سوال کے جواب میں کعب بولے: ”نہیں یا امیر المومنین اس میں کسی دوسرے کا حق نہیں ہوگا یعنی وہ شخص اسے جس طرح چاہے خرچ کرے۔“ جب ابوذرؓ نے کعب کی زبان سے یہ سُنا تو وہ اُٹھ کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بولے:۔

”اے یہودی کے بیٹے! تو نے جھوٹ کہا کیونکہ یہ حق العباد کا معاملہ ہے“ اس کے بعد ابوذرؓ

قرآن کی یہ آیت پڑھی : (لیس البرّان تولو وجوھکم قبل المشرق والمغرب) اس کے بعد حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا : اور اس بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ اگر ہم مسلمانوں کے بیت المال میں سے کچھ مال لے کر اسے خود استعمال کرلیں یا چاہیں تو تمہیں دے دیں ؟" اس سوال کے جواب میں بھی سب سے پہلے کعب ہی بولے : "یا امیر المومنین ! اس میں کچھ حرج نہیں ہے ۔" یہ سننا تھا کہ ابوذرؓ کعب کے سینے میں اپنا ڈنڈا چبھو کر غصّے سے بولے : "او یہودی کے بیٹے ! تجھے ہمارے دینی معاملات میں دخل دینے کی جرأت کیسے ہوئی ؟" ابوذرؓ کی زبان سے یہ سُن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا : "تو میرے لیے آج تک ہمیشہ تکلیف کا سبب بنا رہا لہٰذا میرے سامنے سے دُور ہو کر کہیں اور چلا جا ۔ کیونکہ یہ بات کہہ کر بھی تو نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے ۔" حضرت عثمان رضؓ کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر ابوذر شام چلے گئے ۔ وہاں سے معاویہ نے حضرت عثمان رضؓ کو لکھا : جب سے ابوذرؓ یہاں پہنچے ہیں ان کے پاس کثرت سے لوگ جمع ہو رہے ہیں مجھے ڈر ہے کہ وہ یہاں فتنہ و فساد کا باعث نہ بن جائیں ، اگر آپ قوم کو مطمئن رکھ کر اس سے کوئی حسب مراد کام لینا چاہتے ہیں تو ابوذرؓ کو مدینے بلا لیجیے ۔" حضرت عثمان رضؓ کی اجازت ملنے کے بعد معاویہؓ نے ابوذرؓ کو مدینے اس طرح روانہ کیا کہ اس اونٹ پر جس پر انہیں سوار کیا گیا صرف ایک سخت ترین پالان ڈالا گیا اور انہیں مدینے تک پہنچانے اور ان کی نگرانی کے لیے پانچ صقالبی سوار کر دیے جو مدینے پہنچنے تک ان کی نگرانی کرتے رہے ۔ جب ابوذرؓ مدینے پہنچے تو وہ سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئے تھے ۔ کہتے ہیں اس وجہ سے ان کی وفات ہوئی ۔ کہتے ہیں مرتے وقت ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تھے ! "افسوس ! اپنے فرائض کی بجاآوری سے قبل میری جان جا رہی ہے ۔" اس کے بعد ابوذرؓ پر جو گزری وہ ایک طویل داستان ہے جو مؤرخین نے تفصیل سے بیان کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی تجہیز و تکفین کس نے کی تھی ۔ بہرکیف حضرت عثمان رضؓ نے انہیں ایک مکان میں رکھ کر ان سے کچھ روز اچھا سلوک کیا اور جب آتے تو ان کے پاؤں کی طرف بیٹھ جاتے اور ان سے دیر تک باتیں کرتے رہے جس میں یہ بات بھی تھی کہ عمرو بن عاص کے بیٹے عبداللہ کو چالیس آدمی کس طرح گھیر گھار کر ان کے پاس لائے تھے ۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد حضرت عثمانؓ کے پاس عبدالرحمٰن بن عوف زہری کے ترکے کا مال پہنچا اور وہ اس شخص سے جو وہ مال لے کر آیا تھا اور ابھی ان کے سامنے کھڑا تھا بولے : میں عبدالرحمٰن کی آخرت میں بھلائی چاہتا ہوں ، وہ صدقہ خیرات بھی کیا کرتے

تھے اور مہمانوں کی خاطر تواضع بڑی فیاضی سے کرتے تھے، اس کے باوجود دیکھو انہوں نے ترکے میں کتنا مال چھوڑا ہے!" اس پر کعب احبار جو اس وقت وہاں حاضر تھا بولا: "امیر المومنین! آپ سچ فرماتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی ابوذر رضؓ نے اپنا ڈنڈا اُٹھا کر کعب کے سر پر رسید کیا اور یہ دیکھے بغیر کہ اس کے سر میں کتنی چوٹ آئی ہے کڑک کر بولے: "اے یہودی کے بیٹے! تو اس شخص کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر رہا ہے جو مرنے کے بعد اتنا ڈھیر کا ڈھیر مال و زر چھوڑ گیا، اللہ نے اسے دین و دنیا کی بھلائی عطا کی تھی لیکن اس نے خدا سے اپنا رشتہ تو مرنے سے پہلے ہی توڑ لیا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے: "میں چاہتا ہوں کہ جب میں واصل بحق ہونے لگوں تو ایک قیراط بھر وزنی سونا بھی میرے پاس نہ ہو۔" ابوذرؓ کی زبان سے یہ باتیں سُن کر حضرت عثمان رضؓ غصے سے بولے: "اب تو یہاں سے پھر دفع ہو جا!" یہ سُن کر ابوذر رضؓ نے پوچھا: "کیا آپ مجھے کتے بھیج کر وہاں نظر بند رکھنا چاہتے ہیں؟"

حضرت عثمان رضؓ نے جواب دیا: "نہیں، خدا کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا۔"

ابوذر بولے: "جہاں میں اپنے رب کی عبادت کرتا رہا ہوں وہیں میں اپنی موت کا بھی متمنی ہوں۔"

حضرت عثمان رضؓ نے دریافت کیا: "وہ کونسی جگہ ہے؟"

ابوذر بولے: "شام"

حضرت عثمان رضؓ: "میں تمہیں وہاں نہیں بھیجنا چاہتا۔"

ابوذر: "بصرے؟"

حضرت عثمان رضؓ: "نہیں وہاں بھی نہیں۔"

ابوذر رضؓ: "اگر ان تمام شہروں میں سے جن کا میں نے نام لیا مجھے آپ کہیں نہیں بھیجنا چاہتے تو کاش آپ مجھے وہیں رہ کر مرنے دیتے جہاں ہجرت کے بعد میں مدینے میں ٹھہرا تھا اور اگر یہ بھی نہیں چاہتے تو پھر آپ جہاں بھی چاہیں مجھے بھیج دیں۔"

حضرت عثمان رضؓ: "میں تمہیں ربذہ بھیجوں گا۔"

ابوذر رضؓ: "اللہ اکبر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا اور جہاں جہاں آپ کے بعد مجھے رہنا تھا یا جہاں مجھے موت آنا تھی اس کی خبر مجھے آپ نے دے دی تھی۔"

حضرت عثمانؓ: "آپ نے تم سے کیا کہا تھا؟"

ابوذرؓ: "آپ نے فرمایا تھا کہ تمہیں مکے یا مدینے میں قیام کرنے کی ممانعت کی جائے گی اور یہ کہ میری موت ربذہ میں ہوگی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ عراق کے کچھ مسافر جب نواح حجاز میں پہنچیں گے تو وہی میری تجہیز و تکفین کریں گے۔"

ابوذرؓ حضرت عثمانؓ سے اس گفتگو کے بعد اس اونٹ کے قریب گئے جو ان کے ربذہ بھیجنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ ابوذرؓ کے ساتھ اس اونٹ پر ان کی بیوی کو بھی سوار کیا گیا تھا لیکن بعض مورخین لکھتے ہیں کہ وہ ان کی بیٹی تھیں۔ حضرت عثمانؓ نے اگرچہ یہ حکم دے دیا تھا کہ ربذہ تک ابوذر کے ساتھ کوئی نہیں جائے گا لیکن جب وہ مدینے سے روانہ ہونے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے دونوں بیٹے حسنؓ اور حسین، ان کے بھائی عقیل، عبداللہ بن جعفر اور عمار بن یاسرؓ بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیے۔ اس پر مروان نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: "یا علی! امیرالمومنین کا حکم ہے کہ ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کوئی نہیں جائے گا نہ ان کی کسی قسم کی مدد کرے گا تا آنکہ وہ ربذہ پہنچ جائیں، اگر آپ کو امیرالمومنین کے اس حکم کی خبر نہ ہو تو میں آپ کو جتائے دیتا ہوں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مروان کی یہ بات سن کر اپنے کوڑے سے اس کی سواری کے کان پر ایک ضرب لگائی اور فرمایا: "خدا تجھے دوزخ میں ڈالے، دُور ہو جا یہاں سے۔" مروان سے یہ کہہ کر حضرت علیؓ اور ان کے مذکورہ بالا ہمراہی پھر ابوذرؓ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے، اور انہیں مدینے کے باہر تک پہنچایا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوذرؓ سے رخصت ہونے لگے تو ابوذر رو پڑے، پھر بولے: "اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ آپ لوگوں پر رحم فرمائے اے ابوالحسن (حضرت علیؓ) جب سے میں نے آپ کو اور آپ کی اولاد کو دیکھا ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ سب کا اکثر ذکر کرتا رہا ہوں۔"

مروان نے جب حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو آپ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا اے مسلمانو! تم علی (رضی اللہ) کے بارے میں میرے سامنے کیا عذر پیش کرو گے؟ میں ان کے حقوق کو سمجھتا ہوں لیکن تم نے سُنا کہ انہوں نے میرے حکم سے کس طرح سرتابی کی اور میرے بھیجے ہوئے آدمی (مروان) کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوذرؓ کو مدینے سے باہر تک پہنچا کر واپس لوٹے

تو اکثر اہل مدینہ نے ان کا استقبال کرکے کہا: "امیرالمومنین آپ سے سخت ناراض ہیں کہ آپ ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینے سے باہر تک پہنچانے اور ان کی مدد کے لیے ان کے ہمراہ تشریف لے گئے تھے۔" یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:۔

"اکثر لوگ ہوا سے بھی ناراض ہو جایا کرتے ہیں۔"

جب رات کے وقت حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے تو آخر الذکر نے ان سے کہا:۔

آپ نے میری حکم عدولی کے علاوہ میرے بھیجے ہوئے آدمی کو گالی دی اور اس کی سواری کے ماتھے پر کوڑا بھی مارا۔ آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

حضرت علیؓ بولے: وہ جس طرح میرے ساتھ پیش آیا تھا میں بھی اس کے ساتھ اسی طرح پیش آیا۔"

حضرت عثمانؓ: "لیکن آپ میرے حکم کے خلاف ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ اس کی مدد کے لیے مدینے کے باہر تک گئے تھے یا نہیں؟"

حضرت علیؓ: میں خلیفہ کی حیثیت سے آپ کا ہر حکم مانتا ہوں لیکن اسی وقت تک جب تک وہ حکم الٰہی کے خلاف نہ ہو۔ اگر آپ کا حکم فرمانِ خداوندی کے خلاف ہوگا تو خدا کی قسم میں اسے کبھی نہیں مانوں گا۔"

حضرت عثمانؓ: آپ نے مروان کو بُرا بھلا کہا اور اس کی سواری پر کوڑا مارا، اگر وہ بھی آپ کے ساتھ یہی سلوک کرے تو؟"

حضرت علیؓ: جو امر واقعہ ہے اگر اس میں مَیں غلطی پر ہوں تو وہ ضرور ایسا کرے۔"

حضرت عثمانؓ: میں مروان کو آپ سے افضل سمجھتا ہوں۔"

حضرت علیؓ: "اگر آپ اسے مجھ سے افضل سمجھتے ہیں تو میں خدا کی قسم اپنے آپ کو آپ سے افضل سمجھنے میں حق بجانب ہوں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ابوالفضل آپ کے باپ سے افضل اور میری ماں آپ کی ماں سے افضل ہے۔ اگر آپ کو اس سے انکار ہو تو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر خود فیصلہ کرلیں۔" حضرت علیؓ کی زبان سے یہ سن کر حضرت عثمانؓ کا چہرہ غصے سے سُرخ ہوگیا اور وہ اُٹھ کر اپنے مکان کے اندر چلے گئے۔ جب حضرت علیؓ اپنے مکان پر پہنچے تو وہاں آپ کے پاس آپ کے اہل خانہ کے علاوہ

بہت سے مہاجرین و انصار بھی آپ سے دریافت حال کے لیے جمع ہو گئے تھے۔

دُوسرے دن جب لوگ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان سے حضرت علیؓ کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ وہ مجھے عیب لگاتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ یقیناً میرے خلاف ہیں یہی حال ابوذر (رضی اللہ عنہ) کا تھا اور یہی حال عمار بن یاسر وغیرہ کا ہے۔ بہرکیف لوگوں نے بیچ میں پڑ کر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں صلح صفائی کرادی تو حضرت علیؓ نے کہا: "میں نے ابوذرؓ کی مدد کا ارادہ نہیں کیا تھا لیکن خدا نے میرے ذریعہ ان کی مدد کی ہے۔"

عمار بن یاسرؓ

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ان کے مکان میں کی جارہی تھی تو کچھ دیر بعد ابوسفیان صخر بن حرب نے عمار بن یاسر کو بھی ان کی بیعت کے لیے بلایا۔ جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان پہ پہنچے تو ان کے ہمراہ بنو اُمیہ کے ہی لوگ تھے۔ جب یہ لوگ مکان میں داخل ہونے لگے تو ابوسفیان بولا: تمہارے ساتھ تمہارے علاوہ بھی کوئی اور ہے؟ (ابوسفیان نابینا تھا) جب انہوں نے کہا کہ ہم دونوں کے سوا کوئی اور نہیں ہے تو وہ بولا: "اے بنی اُمیہ! اب تک بار بار تمہاری حق تلفی ہوتی رہی ہے۔ اب تمہیں اور تمہاری اولاد کو تمہارا حق ملنے والا ہے، سارے مہاجرین و انصار سے کہہ دو کہ وہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کریں۔"
ابوسفیان نے مہاجرین و انصار کو حضرت عثمانؓ کی بیعت کی ترغیب دلانے کے لیے اور بہت سی باتیں بھی کہیں جنہیں سُن کر عمار بن یاسر اُٹھ کر وہاں سے چلے گئے لیکن اس کے بعد جب بہت سے لوگ مسجد میں جمع تھے تو انہوں نے انہیں مخاطب کر کے کہا:۔

"اے قریشیو! تم نے اب تک بار بار وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے معاملے میں آپؐ کے اہل بیت کا حق مارا ہے، کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ آپؐ کے بعد آپ کے اہل بیت کے حقوق کے بارے میں باہم لڑتے جھگڑتے ہی رہو اور ہمیشہ ان کا حق ضائع کرتے رہو؟"

اس کے بعد مقداد اُٹھے اور حاضرین کو مخاطب کر کے بولے:۔

"جس طرح ہمارے لوگوں نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد آپ کے اہل بیت کو جتنی ایذا پہنچائی ہے اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔"

یہ سن کر عبدالرحمٰن بن عوف بولے: "اے مقداد بن عمرو! آپ کو اس سلسلے میں کس بات سے

تکلیف پہنچی ہے؟"

مقداد نے جواب دیا: "تکلیف؟" خدا کی قسم مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے صرف آپ ہی کی وجہ سے محبت ہے۔ جو ان کے حقوق سے انکار کرے گا خواہ انصار میں سے ہو یا قریش میں سے۔ میں انہیں اسی طرح قتل کروں گا جیسے میدان بدر میں آپ کے دشمنوں کو قتل کیا تھا۔"

مقداد کی اس گفتگو کے بعد حاضرین میں اس موضوع پر دیر تک گفتگو ہوئی جسے تفصیل و ترتیب وار ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں "ذکر شوریٰ والدار" کے عنوان سے پیش کیا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف شورش کے بارے میں کم و بیش جملہ مورخین نے یہی لکھا ہے کہ سن ہجری کے پینتیسویں سال مالک بن حارث نخعی کوفے سے دو سو آدمیوں کے ساتھ، حکیم بن جبلہ عبدی بصرے کے سو آدمی لے کر اور مصر کے چھ سو اشخاص مدینے کی طرف چلے، مصر کے لوگوں کی سربراہی عبد الرحمٰن بن عدیس بلوی کر رہے تھے۔ واقدی اور دوسرے اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ عبد الرحمٰن ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، دوسرے مصری لوگوں میں عمرو بن حمق خزاعی اور سعد بن حمران تجیبی تھے نیز ان لوگوں میں محمد بن ابوبکر صدیق بھی شامل تھے جن کے متعلق مصر میں یہ چرچے عام تھے کہ وہ وہاں کے گورنر بنائے جانے والے ہیں یہ لوگ مروان بن حکم کی لمبی چوڑی شکایات لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے چلے تھے۔ پہلے یہ سارے لوگ اس مقام پر جمع ہوئے جو "ذی خشب" کے نام سے مشہور ہے۔ جب حضرت عثمان رضؓ کو ان لوگوں کے وہاں پہنچنے کی خبر ملی تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے کہا کہ وہ ان لوگوں سے ان کی آمد کی وجہ سے باخبر ہو کر انہیں نرمی سے سمجھا بجھا کر واپس جانے پر آمادہ کر لیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس گئے اور انہیں بڑی طویل گفتگو کے بعد اپنے ارادے کی خبر دی۔ پھر وہ آپ کے سمجھانے پر "ذی خشب" سے واپس ہو کر اس مقام پر ٹھہرے جسے حسمی کہا جاتا ہے تو انہیں ایک اونٹنی سوار جوان شخص مدینے کی طرف سے آتا ہوا ملا۔ وہ مدینے کا رہنے والا اقبل تھا جو حضرت عثمان رضؓ کا خاص غلام تھا۔ اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے پاس سے ایک خط نکلا جو مصر کے گورنر کے نام تھا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ فلاں آدمی کے ہاتھ کاٹ دو، فلاں شخص کو قتل کر دو اور فلاں فلاں کے ساتھ وہ سلوک کرو جس کا حکم اس خط میں دیا گیا ہے۔ جب مدینے کے مُقبل پر سختی

کی گئی تو اس نے اقرار کیا کہ وہ خط اسے مروان بن حکم نے دے کر مصر روانہ کیا ہے۔ مزید تحقیق پہ معلوم ہوا کہ واقعی وہ خط خود مروان نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ اس خط میں مصر میں اسلامی لشکر کے بہت سے سرداروں کو قید کرنے کا حکم بھی دیا گیا تھا اور اس کے علاوہ بہت سے ناروا احکام تھے۔ اس خط کو پڑھ کر وہ سب لوگ مدینے کی طرف چل پڑے اور ان کی اور ان لوگوں کی جو عراق سے آئے تھے متفقہ طور پہ یہ رائے ہوئی کہ مسجد میں چل کر باہم مشورہ کیا جائے۔ انہوں نے مدینے کی مسجد میں جمع ہو کر ایک دوسرے کے سامنے وہ شکایات رکھیں جو انہیں اپنے اپنے عُمّال (گورنروں) سے تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور ان کے گھر پانی لے جانے کی ہر شخص کو ممانعت کر دی۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک کھڑکی سے منہ نکال کر فرمایا: "کیا کوئی شخص ہمیں پانی پلائے گا؟" پھر آپ نے ان سے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کو جائز طور پہ قتل کرنے کے تین اسباب ہو سکتے ہیں (۱) ایمان لانے کے بعد وہ پھر کافر ہو جائے (۲) اس نے شادی کے بعد زنا کیا ہو، یا (۳) کسی شخص کو کسی جرم کے بغیر قتل کیا ہو۔ اب بتاؤ کہ اگر تم میرے قتل کو جائز سمجھتے ہو تو ان تینوں اسباب میں سے اس کا کونسا سبب ہے کیونکہ میں ان تینوں افعال میں سے زمانۂ جاہلیت میں بھی کسی ایک کا مرتکب نہیں ہوا۔

جب حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے سامنے آئے تو انہوں نے آپ سے پانی مانگا تو آپ نے ان کے پاس تین مشکیں پانی کی بھیجیں لیکن وہ ابھی ان کے پاس پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان پہ دھاوا بول دیا۔ ان میں بنی ہاشم اور بنی اُمیہ دونوں کے طرف دار تھے اور حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کر رہے تھے کہ مروان بن حکم کو ان کے حوالے کیا جائے۔ وہ لوگ شور مچا رہے تھے لیکن مروان کو ان کے حوالے کرنے سے حضرت عثمانؓ نے انکار کر دیا۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے ان میں بنی زہرہ تھے جو عبداللہ بن مسعودؓ کے قتل کا مواخذہ چاہتے تھے کیونکہ وہ ان کے حلیف تھے، ہذیل بھی ان کے ساتھ تھے اور عبداللہ بن مسعود کے حلیف ہونے کی وجہ سے ان کے قتل کا مواخذہ و محاسبہ چاہتے تھے، بنی مخزوم عمار کے حلیف تھے، اس طرح غفار ابوذرؓ کے حلیف تھے جب کہ تیم بن مرہ محمد بن ابوبکرؓ کے ساتھ تھے۔ ان میں اور بہت سے لوگ تھے جن کا ہم نے اس کتاب میں نام بنام ذکر نہیں کیا ہے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ بلوائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اپنے دونوں بیٹوں حسن و حسین اور ان کے دوستوں کو ہتھیار دے کر آپ کے دروازے پر ان کی مدد کے لیے بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ انہیں حضرت عثمان رضؓ کو قتل کرنے سے روکیں۔ اسی طرح زبیر رضؓ نے اپنے بیٹے محمد کو اور دوسرے صحابہ نے بھی اپنے اپنے بیٹوں کو اسی غرض سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے کی طرف روانہ کیا لیکن یہ لوگ بلوائیوں کو آپ کے دروازے سے دُور رکھنے یا ہٹانے کے لیے جو تیر چلا رہے تھے ان میں سے کسی سے حسن زخمی ہو گئے، قنبر کے سر میں زخم آیا اور محمد بن طلحہ بھی زخمی ہو گئے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے سوچا کہ کہیں بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں لڑائی نہ چھڑ جائے اور صحابہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر لڑائی بند کر دی جائے۔ اس بارے میں مزید مشورے کے لیے صحابہ اور ان کے ساتھی وہاں سے ہٹ گئے۔ اس اثنا میں انصاریوں کا ایک شخص آگے بڑھا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس نے حضرت عثمان رضؓ کے گھر کا دروازہ توڑ ڈالا۔ سب سے پہلے جو شخص حضرت عثمان رضؓ کے پاس پہنچا وہ محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کی داڑھی پکڑی تو آپ نے فرمایا: "تیرا باپ اس داڑھی کی عزت کرتا تھا۔" یہ سُن کر محمد بن ابوبکر رضؓ شرمندہ ہو کر آپ کے مکان سے باہر آ گئے۔ اس کے بعد دو اور شخص آپ کے مکان میں داخل ہوئے یا محمد بن ابوبکر کے ساتھ گئے تھے آپ کی طرف بڑھے۔ اس وقت آپ کی زوجہ نائلہ تھیں اور آپ قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے جب کہ آپ کے غلام اور دُوسرے نوکر چاکر باقی بلوائیوں کو گھر میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ان سے دست بدست لڑ رہے تھے چنانچہ ان دو آدمیوں نے موقع پا کر آپ کو قتل کر دیا۔ یہ دیکھ کر آپ کی زوجہ چیخ چیخ کر کہنے لگیں: "امیر المومنین کو قتل کر دیا گیا۔" ان کی آواز سُن کر حسن و حسین اور ان کے ساتھ بنو اُمیہ کے جو لوگ تھے مکان میں داخل ہوئے لیکن اس وقت تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ یہ دیکھ کر یہ لوگ رو پڑے۔ جب آپ کے قتل کی خبر حضرت علی رضؓ، طلحہ رضؓ، زبیر رضؓ، سعد اور دوسرے مہاجرین و انصار کو ملی تو وہاں پہنچ کر اپنے بیٹوں کو جھڑکنے لگے کہ ان کی موجودگی میں حضرت عثمان رضؓ کو کیونکر قتل کیا گیا تو انہوں نے وہ واقعہ سُنایا جو ہم سطورِ بالا میں بیان کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے حضرت علی رضؓ رضی اللہ عنہ کو بھی رد کا جو اپنے بیٹوں حسن و حسین کے سینوں پر مکّے مار رہے تھے اور ان

سے قتل عثمانؓ کے سلسلے میں باز پُرس کر رہے تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی کہا کہ مروان بن حکم کو تلاش کیا جائے جو اس قتل کا ذمہ دار ہے چنانچہ اسے بہت تلاش کیا گیا لیکن اس کا کہیں پتہ نہ چل سکا کیونکہ وہ وہاں سے موقع پا کر پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔

حضرت عثمانؓ کی زوجہ نائلہ بنت فرافصہ سے حضرت عثمانؓ کے قتل کے بارے میں یہ کہہ کر پوچھا گیا کہ آپ تو اس وقت موجود تھیں تو انہوں نے پہلے محمد بن ابوبکر کا واقعہ سُنایا جس سے خود انہوں نے انکار نہیں کیا۔ پھر بتایا کہ ان کے مکان سے جانے کے بعد دو اور آدمیوں نے انہیں قتل کر دیا جنہیں میں نہیں جانتی۔ انہوں نے قسم کھا کر یہ بھی کہا کہ اس قتل میں ان کا ہاتھ تھا نہ اس کے اسباب کا انہیں علم تھا۔

حضرت عثمانؓ قتل سے پہلے اپنے مکان میں ۴۹ روز محصور رہے۔ بعض مؤرخین نے ان ایام کی تعداد زیادہ بتائی ہے۔

حضرت عثمانؓ کا مقتل اور ان کے قاتل

آپ کو جمعہ کی رات کو جب کہ ماہ ذی الحجہ کے تین دن باقی تھے قتل کیا گیا۔ اکثر مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان دو آدمیوں میں سے جن کا ذکر آپ کی زوجہ نائلہ نے کیا تھا ایک کنانہ بن بشر تجیبی تھا جس نے آپ کے چہرے پر گرز مارا تھا اور دوسرا شخص سعد بن حُمران مرادی تھا جس نے آپ کے حلقوم پر تلوار ماری تھی جس سے آپ کی شہ رگ کٹ گئی تھی اور آپ نے اسی وقت اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک عمرو بن حمق نے آپ پر تلوار سے نو وار کیے تھے اور دوسرا عمیر بن ضابی برجمی تمیمی تھا جس نے اپنی تلوار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں گھونپ دی تھی۔

آپ کا مدفن

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ آپ کو ایک مشہور جگہ بحش کوکب میں دفن کیا گیا تھا۔ یہاں بنو اُمیہ کی بہت سی قبریں ہیں۔ اس جگہ کو حلّہ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے جنازے پر فاتحہ جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام اور ابوجہم بن حذیفہ نے پڑھی تھی۔

جب حضرت عثمانؓ اپنے مکان میں محصور تھے تو مسجد میں پہلے ابو ایوب انصاری نے نماز پڑھائی تھی جب انہیں روک دیا گیا تھا تو نماز کی امامت سہل بن حنیف نے کی تھی اور قربانی کے روز حضرت علیؓ نے نماز پڑھائی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو اس وقت آپ کے

مکان میں بنی امیہ کے مروان بن حکم سمیت اٹھارہ آدمی موجود تھے۔

مراثی حضرت عثمانؓ کی شہادت پر کئی آدمیوں نے مراثی لکھے تھے جن میں آپ کی بیوی نائلہ کے علاوہ حسان بن ثابت بھی تھے جن کے ساتھ حضرت عثمانؓ نے بہت اچھا سلوک کیا تھا۔

متعدد مورخین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاسن سیرت بیان کیے ہیں جن کا ذکر ہم نے اپنی کتابوں "اخبار الزمان" اور کتاب الاوسط میں تفصیل سے کیا ہے اور آپ کے زمانے کے جملہ واقعات کے ساتھ رومیوں سے آپ کی جنگ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔

باب (۴۴)

ذکرِ خلافت امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

جزوی خلاصہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اسی روز کی گئی جس روز حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ آپ کا دورِ خلافت چار سال نو مہینے اور آٹھ دن رہا۔ اسے کچھ لوگ چار سال نو مہینے بتاتے ہوئے دنوں کا ذکر نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ آپ کی خلافت کے معاملے میں آپ کے اور معاویہ کے درمیان تنازعہ پیدا ہو گیا تھا کچھ مؤرخین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت پانچ سال تین مہینے اور سات راتیں بتاتے ہیں۔ آپ کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی تھی۔ مہلک زخم لگنے کے بعد آپ جمعہ اور شنبہ کو بقیدِ حیات رہے اور یکشنبہ کو وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ کچھ مؤرخین نے آپ کی عمر اس سے کم بتائی ہے۔ آپ کے مدفن کے بارے میں بھی مؤرخین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ آپ کی قبر کوفے کی مسجد میں بتاتے ہیں اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کو کوفے سے مدینے لے جا کر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ بعض لوگ یہ بھی بتاتے ہیں کہ آپ کی میت تابوت کی شکل میں ایک اونٹ کی پشت پر رکھ دی گئی تھی اور وہ اونٹ وادی طے کے پہاڑی علاقے میں لے جایا گیا تھا لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کے برعکس بہت سی دوسری باتیں بیان کرتے ہوئے ان کی وجوہ بھی پیش کرتے ہیں۔ ہم نے ان جملہ واقعات کو اپنی پچھلی کتابوں "اخبار الزمان" اور کتاب الاوسط کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

آپ کا نسب، آپ کے کچھ حالات اور سیرت

آپ کا نسب حسب ذیل ہے:۔

علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن

عبدمناف۔

آپ کی کنیت ابوالحسن تھی اور آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء میں خلیفہ متقی عباسی کے عہد یعنی ہمارے زمانے تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی خلیفہ کا نام مکتفی باللہ علی بن معتضد کے سوا علی نہیں ہوا۔ بنی ہاشم میں بھی آپ پہلے خلیفہ تھے۔ کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے لے کر چار روز تک عام لوگ آپ کی بیعت کرتے رہے۔ جس شخص نے سب پہلے آپ کی بیعت کی اس کا ذکر ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ آپ کے والد ابی طالب کے نام کے بارے میں لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ابو طالب کے چار بیٹے طالب، عقیل، جعفر اور علیؓ تھے اور دو بیٹیاں فاختہ اور جمانہ تھیں۔ یہ سب کے سب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کے بطن سے تھے۔ ابوطالب کے دو پہلے بیٹوں کی ولادت میں دس سال کا فرق تھا لیکن جعفر و علی کی عمروں میں صرف دو سال کا فرق تھا۔ طالب مشرکین قریش کے ساتھ مل کر جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے کے لیے طوعاً و کرہاً آئے تھے جو ان کے کہے ہوئے دو شعروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ ان اشعار میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگ بدر میں غالب رہنے اور قریش کے مغلوب ہونے کی دعا کی تھی۔ ان کے مذکورہ بالا دو شعروں کے علاوہ اس جنگ کے سلسلے میں ان کے مزید حالات دستیاب نہیں ہیں۔ فاختہ بنت ابو طالب کے شوہر کا نام ابو وہب ہبیرہ بن عمرو ابن عائذ بن عمرو بن مخزوم تھا۔ فاختہ کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھے فاختہ نے مکے سے مدینے ہجرت کی تھی لیکن ان کے شوہر نجران میں بحالت شرک انتقال کر گئے تھے۔ فاختہ نے جن کی کنیت ام ہانی تھی کافی طویل عمر پائی۔ اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔

جمانہ کی شادی سفیان بن حارث بن عبد المطلب سے ہوئی تھی اور وہ پہلی ہاشمی لڑکی تھیں ان کا ذکر زبیر بن بکار نے اپنی اس کتاب میں کیا ہے جو اس نے انساب قریش اور ان کے حالات و کوائف پر لکھی ہے۔ جمانہ نے مکے سے مدینے ہجرت کی تھی اور وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وفات پائی۔

آپ کا سفر بصرہ ۳۶ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سفر بصرہ واقعہ جمل کے سلسلے میں تھا۔ یہ افسوسناک واقعہ ماہ جمادی الاول کے دس روز بعد

جمعرات کو پیش آیا تھا جس میں بصرے کے تیرہ ہزار اصحاب جمل اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پانچ ہزار اصحاب کام آئے۔ اس جنگ میں کام آنے والے فریقین کے لوگوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ مُقلّل کے مطابق اس جنگ میں کام آنے والوں کی تعداد کل سات ہزار تھی جب کہ مُکثر ان کی تعداد دس ہزار بتاتا ہے جو اپنی حسب منشا فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو گئے تھے۔ بہرکیف یہ جنگ صرف ایک روز جاری رہی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آغاز خلافت سے واقعہ جمل تک پانچ مہینے اور اکیس دن کا عرصہ بتایا جاتا ہے جب کہ روز ہجرت سے واقعہ جمل تک ۳۵ سال پانچ مہینے اور دس دن بیان کیا گیا ہے اس واقعے کے ایک مہینے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے میں داخل ہوئے تھے۔ اس کے چھ مہینے اور تیرہ دن بعد صفین میں ان کا اور معاویہ کا مقابلہ ہوا تھا۔

جنگ صفین کی مدّت

جنگ صفین جس میں شام کے ۴۵ ہزار اور عراق کے ۲۵ ہزار افراد کام آئے تھے ایک سو دس دن جاری رہی تھی۔ اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شانہ بشانہ افواج معاویہ سے جنگ کرتے ہوئے جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے ان میں عمار بن یاسر ابوالیقظان جو ابن سمیّہ کے نام سے مشہور ہیں شامل تھے۔ ان کی عمر اس وقت ۹۳ سال تھی۔ صفین کے علاوہ اہل عراق اور اہل شام کے درمیان چھوٹی موٹی لڑائیوں کی تعداد نوّے بتائی جاتی ہے۔

دو ثالثوں کی گفتگو

حضرت علیؓ اور معاویہ کے درمیان خلافت کے معاملے میں جو تنازعہ تھا اس کے فیصلے کے لیے دو ثالث عمرو بن عاص اور ابوموسیٰ اشعری مقرر ہوئے تھے۔ ان دونوں کی باہمی گفتگو سرزمین دمشق کے مقام بلقا میں ہوئی تھی۔ کچھ لوگ اس گفتگو کا محل وقوع دومۃ الجندل بتاتے ہیں جو دمشق سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ہے اس گفتگو میں فیصلے تک پہنچنے تک ایک مہینہ لگ گیا تھا۔ مذکورہ بالا گفتگو کا حال ہم نے زیر نظر کتاب میں آگے چل کر بہ تمام وکمال بیان کیا ہے، البتہ اس کی جملہ تفصیلات ہم نے اپنی پہلی کتابوں میں درج کی ہیں۔

اسی سال فتنۂ خوارج نے سر اُبھارا تھا اسی لیے خوارج کو "شُرّاۃ" بھی کہا جاتا ہے۔

جنگ صفین میں حضرت علیؓ کا ساتھ دینے کے لیے جو اصحاب بدر شریک ہوئے تھے ان کی مجموعی تعداد ستاسی ۸۷ تھی جن میں سے سترہ مہاجرین اور باقی یعنی ستّر انصار تھے۔ یہ

سب کے سب ان لوگوں میں بھی شامل تھے جنھوں نے درخت کے نیچے مدینے سے مکے جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، یہ بیعت تاریخ میں "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے والوں کی مجموعی تعداد نو سو تھی جب کہ جنگ صفین میں جن صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا ان کی مجموعی تعداد دو ہزار آٹھ سو تھی۔

حضرت علیؓ کی خوارج سے جنگ

۳۸ھ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی نہروان کے خارجیوں سے جنگ ہوئی۔ یہ وہ عثمانی جماعت تھی جو حضرت علی رضؓ کی بیعت سے منحرف ہو گئے تھے، ان میں سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمرؓ بھی شامل تھے، انہوں نے بعد ازاں عبدالملک بن مروان کے حق میں بھی بیعت کی تھی۔ ان کے ساتھ بیعت کرنے والوں میں قدامہ بن مظعون، اہبان ابن صیفی، عبداللہ بن سلام، مغیرہ بن شعبہ ثقفی بھی تھے ان کے علاوہ انصار سے علیحدہ ہونے والوں میں کعب بن مالک، حسان بن ثابت (یہ دونوں شاعر تھے) ابو سعید خدری، بنی عبدالاشہل کے حلیف محمد بن مسلمہ، یزید بن ثابت، رافع بن خدیج نعمان بن بشیر، فضالہ بن عبید، کعب بن عُجرہ اور مُسلمہ بن خالد بھی تھے ویسے ان آخری لوگوں کا ہم نے عثمانی جماعت یا بنی اُمیہ کے انصار وغیرہ کے ساتھ کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔

اس املاک کے بارے میں بھی تنازعہ پیدا ہوا تھا جو عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دی تھی نیز اس نقد بیت المال کے متعلق بھی اختلافات پیدا ہو گئے تھے جو آپ نے لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا اور اس میں کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی گئی تھی یعنی واضح حقوق کا خیال نہیں رکھا گیا تھا۔

واضح رہے کہ اُم حبیبہ بنت ابوسفیان نے اپنے بھائی معاویہ کے پاس نعمان بن بشیر انصاری کے ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خون آلود قمیص اس وقت بھیجی تھی جب کوفے اور دُوسرے شہروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لی جا رہی تھی اور اہل کوفہ اس میں پیش پیش تھے جن کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بیعت لینے والے ابو موسےٰ اشعری تھے جو اس سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے وہاں کے گورنر رہ چکے تھے۔

بنو امیہ کی آپ کی خدمت میں حاضری

بنو اُمیہ کے کچھ لوگ جنھوں نے بیعت کے سلسلے میں

آپ کی مخالفت کی تھی آپ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے مختلف باتیں کیں ۔ ان آنے والوں میں سعید بن عاص ، مروان بن حکم اور ولید ابن عقبہ بن ابی معیط بھی شامل تھے ۔ ولید بولا " ہم صرف آپ کی بیعت کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ہماری طرف سے آپ کی مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ ساری قوم آپ کی مخالفت کر رہی ہے جب کہ ہم اپنے ذاتی معاملات کی وجہ سے بھی اب تک خاموش ہیں (یعنی ان کے باوجود کچھ نہیں کہتے) سعید بن عاص کے خاموش رہنے پر ولید پھر بولا :۔ آپ سعید ہی کو دیکھ لیجیے ، آپ نے اس کے بزرگوں کو قتل کر دیا ہے اور دوسرے عزیزوں کی اہانت کی ہے ، اس کے علاوہ آپ نے مروان کے بزرگوں کو بھی طعنے دیے ہیں جب کہ خود اسے پناہ دینے کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ذمہ داری لی تھی ۔"

ابو مخنف لوط بن یحییٰ کا بیان ہے کہ بنو اُمیہ کا جو عثمانی گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سب سے آخر میں آیا تھا اس میں حسّان بن ثابت ، کعب ابن مالک اور نعمان بن بشیر بھی شامل تھے ۔ آخر الذکر آپ کی خدمت میں حضرت عثمان رضؓ کی خون آلود قمیص شام پہنچانے سے قبل آیا تھا ۔ کعب بن مالک نے آپ سے کہا :" یا امیر المومنین ! ہم آپ کے عتاب کے سزاوار نہیں ہے ، ویسے ہم اس سے قبل آپ کی مخالفت کے سلسلے میں اگر کچھ عرض کریں گے تو وہ " عذر گناہ بدتر از گناہ " کا مصداق ہوگا ۔ کعب بن مالک نے اس کے علاوہ آپ سے اور بھی بہت سی باتیں کیں جس کے بعد ان تینوں نے آپ کی بیعت کر لی ۔

عمرو بن عاص

عمرو بن عاص حضرت عثمان رضؓ سے منحرف ہوگیا تھا کیونکہ آپ نے اس سے ناراض ہو کر اسے مصر کی گورنری سے علیحدہ کر دیا تھا جس کے بعد اس نے شام کا رُخ کیا تھا لیکن جب اسے حضرت عثمان رضؓ کے قتل اور کوفے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی خبر ملی تو اس نے معاویہ کو خون عثمان رضؓ کے مطالبے کے لیے لکھا اور یہ بھی لکھا کہ اس نے ہمیشہ معاویہ کی مدد کی تھی لہٰذا اب آخر الذکر کو اس کا صلہ ملنا چاہیئے جب معاویہ کو عمرو بن عاص کا یہ خط ملا تو اس نے اسے بلا بھیجا ۔ جب وہ معاویہ کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا !" کہو اب تم کیا چاہتے ہو؟" وہ بولا :" میں نے دینی امور میں اب تک ہمیشہ آپ کی اطاعت کی ہے ، اب آپ دنیاوی معاملے میں میری مدد فرمائیں "

معاویہ نے پوچھا :۔" وہ کیسے ؟" عمرو بن عاص نے کہا :" مصر کی گورنری چاہتا ہوں ۔" چنانچہ معاویہ نے اس کی خواہش کے مطابق اسے مصر کی گورنری پر مامور کر کے اس کے

لیے تحریری تقرر نامہ بھی اس کے حوالے کر دیا۔

مغیرہ بن شعبہ اور علیؓ

مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر ان سے عرض کیا "آپ کو حق پہنچتا ہے کہ آپ لوگوں کو نصیحت فرمائیں اور اپنی اطاعت کا حکم دیں۔ میں آج بھی آپ کا اطاعت گزار ہوں اور کل بھی رہوں گا لیکن جو لوگ آج آپ سے انحراف کرتے ہیں وہ کل بھی کریں گے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ معاویہ کو شام کا گورنر رہنے دیں، اس طرح دوسرے عمّال کو بھی جہاں جہاں وہ ہیں وہیں وہیں گورنری پر مامور رکھیں پھر جب لوگ سب لوگ آپ کے طرف دار ہو جائیں تو پھر آپ جیسا چاہیں ان عمال کے ساتھ سلوک کر سکتے ہیں۔ میری رائے جو کل تھی وہی آج بھی ہے۔ جو شخص آپ کے پاس آئے اس سے آئندہ کے لیے بات چیت کیجیے اور جلدی اسے اپنی اطاعت کا حکم دیجیے۔"

جب مغیرہ بن شعبہ آپ کے پاس سے اُٹھ کر باہر جا رہا تھا اس وقت اسی دروازے سے ابن عباسؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے اندر جا رہے تھے۔ جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچے تو عرض کیا! میں نے ابھی مغیرہ بن شعبہ کو یہاں سے جاتے دیکھا ہے، وہ آپ سے کیا کہنے آیا تھا؟ آپ نے فرمایا! "وہ کل رونا دھوتا آیا تھا اور آج پر جانے کے"۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا: وہ کل بھی دھوکا دینے آیا ہوگا اور یقیناً آج بھی مشورے کے پردے میں دھوکا دینے آیا تھا۔ آپ یہاں سے فوراً مکے تشریف لے جائیے اور وہاں اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھے رہیے کیونکہ فی الوقت عام لوگ آپ پر عثمان رضؓ کے قتل میں ملوث ہونے کا شبہ کر رہے ہیں جب کہ بنی اُمیہ اس شبُہے میں اضافہ کرنے اور انہیں بھڑکانے میں مصروف ہیں۔"

مغیرہ نے لوگوں سے کہا: "میں نے انہیں نصیحت کی تھی لیکن جب انہوں نے نہیں مانی تو میں انہیں دھوکا دینے پر مجبور ہو گیا لیکن سچ پوچھیے تو پہلے بھی میری نصیحت نصیحت نہیں تھی نہ اس کے بعد کبھی ہوگی۔"

آخری روایات یہ ہیں کہ ابن عباسؓ خود اپنے بقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے پانچ روز بعد مکّے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو معلوم ہوا کہ اس وقت مغیرہ بن شعبہ آپ کے پاس بیٹھا گفتگو کر رہا تھا، اس لیے وہ دروازے ہی پر تھوڑی دیر ٹھہر گئے اور جب مغیرہ باہر چلا گیا تو انہوں نے اندر جا کر حضرت علی رضؓ کو سلام کیا تو انہوں نے پوچھا۔

تم زبیرؓ اور طلحہؓ سے کب ملے تھے؟" وہ بولے: "تو اصف میں ملاقات ہوئی تھی، ان کے ساتھ قریش کے کچھ اور لوگ بھی تھے۔" یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا: وہ مجھ سے خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے اور ان کے قاتلوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کرنے کے بعد یہاں سے گئے ہیں۔" پھر اس کے بعد ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ میں مغیرہ کے متعلق گفتگو ہوئی اور وہی ہوئی جو سطور بالا میں بیان کی جا چکی ہیں۔ اس کے بعد ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ سے عرض کیا: "آپ کم سے کم معاویہ کو شام کی گورنری پہ مامور رہنے دیجیے، اس کے جواز میں آپ فرما سکتے ہیں کہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں کی امارت سونپی تھی۔" اس کے جواب میں ابن عباسؓ کے بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس اس کے لیے تلوار کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔" اس کے بعد آپؓ نے معاویہ کے کردار کے بارے میں بھی چند باتیں فرمائیں۔

عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں: "حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے میں نے عرض کیا: "معاویہ بڑا بے باک آدمی ہے، شام کے لوگ اس کی بات مانتے ہیں۔ آپ کی شجاعت میں اگرچہ کچھ کلام نہیں ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جنگ سے ہمیشہ تکلیف پہنچتی ہے۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "آپ نے صحیح فرمایا ہے لیکن معاویہ کا معاملہ اور ہے، اس سے نمٹنا ہی ہوگا۔" عبداللہ بن عباس نے عرض کیا:۔ "لیکن لوگ آپ کی ذاتی خوبیوں کے بجائے نتائج پہ زیادہ غور کریں گے۔" آپ نے فرمایا "میں تمہاری رائے سے اتفاق کرتا ہوں لیکن معاویہ کے بارے میں اگر تمہیں میری رائے سے اختلاف ہوگا تو میں تمہاری رائے سے اتفاق نہیں کروں گا۔" یہ سن کر عبداللہ بن عباس بولے اس صورت میں شاید میں آپ کی حمایت سے قاصر رہوں گا، البتہ اس کے لیے اللہ تعالےٰ سے توفیق کا طالب ضرور ہوں۔

یومِ جمل کی ابتدا اور اس لڑائی کا حال

حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت طلحہؓ و زبیرؓ نے مدینے سے مکے کے لیے روانگی سے قبل حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے کہا تھا کہ وہ عمرہ کرنے وہاں جا رہے ہیں، چنانچہ آپ نے انہیں اس کی اجازت دے دی تھی لیکن یہ بھی دریافت کیا تھا کہ آیا وہ بصرے یا شام جانے کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں۔ اس سوال کے جواب میں ان دونوں نے قسم کھا کر کہا تھا کہ وہ مکے کے علاوہ اور کہیں نہیں جائیں گے۔ اس زمانے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکے میں تشریف فرما تھیں۔ اسی زمانے میں عبداللہ بن عامر جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بصرے کا گورنر مقرر کیا تھا اپنی جگہ حارثہ بن قدامہ سعدی کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بیعت لینے کے لیے وہاں آئے ہوئے تھے۔

مکے میں سب سے پہلے عثمان بن حنیف انصاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انھیں مشورہ دیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہاں آمد سے قبل مکے سے روانہ ہو جائیں۔ انہیں دنوں یعلیٰ بن منیہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے یمن کے حاکم تھے مکے آئے تھے۔ انہوں نے وہاں پہنچتے ہی حضرت عائشہؓ اور طلحہ و زبیر کے علاوہ بنی اُمیہ کے مروان بن حکم سے ملاقات کی اور ان سب کو حضرت عثمانؓ کے قتل کا بدلہ لینے پر اکسایا نیز حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کو چار لاکھ دینار کے علاوہ اسلحہ مہیا کیا اور انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ یعلیٰ نے حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں ایک اُونٹ بھی بھیجا جس کا نام عسکر تھا۔ یہ اُونٹ یعلیٰ نے یمن میں دو سو دینار میں خریدا تھا

ان لوگوں نے پہلے شام جانے کا ارادہ کیا لیکن عبد اللہ بن عامر نے ان سے کہا کہ وہ لوگ وہاں نہ جائیں کیونکہ معاویہ ان کی اطاعت پر کمربستہ نہ ہوں گے۔ ابن عامر نے ان سے کہا کہ وہ شام کے بجائے بصرے چلیں جہاں ان کے لیے افرادی قوت کے علاوہ دوسرے سامان کی بھی کمی نہ ہوگی۔ ابن عامر نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم کے علاوہ ان سب کو سو اونٹ بھی دیے اور انہیں چھ سو دوسرے سواروں کے ساتھ بصرے روانہ کر دیا۔

ان لوگوں نے مکے سے روانگی کے بعد رات کے وقت بنی کلاب کے جس کنویں کے قریب قیام کیا وہ جگہ حوآب کے نام سے مشہور تھی۔ اس قافلے کے وہاں پڑاؤ ڈالتے ہی کتے بھونکنے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "اس جگہ کا نام کیا ہے؟" اس سوال کے جواب میں آپ کا ساربان بولا: "اسے حوآب کہتے ہیں۔" یہ سنتے ہی آپ نے وہاں سے واپسی کا قصد فرمایا اور اس جگہ کے بارے میں جو پہلے سن رکھا تھا وہ اپنے ساتھیوں کو بتایا اور یہ بھی فرمایا: میں یہاں سے آگے نہیں جاؤں گی، مجھے حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دو۔" اس پر زبیرؓ نے کہا: "میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ جگہ حوآب نہیں ہے آپ کے ساربان نے غلط کہا ہے۔" اس کے بعد طلحہ بھی جو لوگوں کے بیچ میں تھے باہر آئے اور آپ سے بولے: "میں بھی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ جگہ حوآب نہیں ہے۔" طلحہؓ اور زبیرؓ دونوں نے اپنی اپنی بات کی اپنے پچاس ساتھیوں سے گواہی بھی دلائی۔ یہیں سے اہل اسلام میں جھوٹی گواہی کی ابتدا ہوئی تھی۔

جب یہ لوگ بصرے میں داخل ہونے لگے تو انہیں عثمان بن حُنیف نے شہر سے باہر آکر روکا تو اس پر ان لوگوں نے لڑائی چھیڑ دی اور بصرے کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا لیکن پھر ان میں اس بات پر صلح ہو گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہاں تشریف لانے تک لڑائی بند رہے گی۔ اس کے باوجود یہ لوگ رات کے وقت عثمان بن حنیف کے گھر میں خفیہ طور پر داخل ہوئے، انہیں جگا کر زدوکوب کیا اور ان کی داڑھی نوچ لی لیکن پھر اس خوف سے کہ عثمان کے بھائی سہل بن حُنیف اور مدینے کے دوسرے انصار کے خلاف ہو جائیں گے وہاں سے نکل آئے۔ عثمان بن حنیف کے مکان سے نکل کر انہوں نے بیت المال لوٹنے کا قصد کیا۔ جہاں ان کے ہاتھوں پہرہ داروں کے علاوہ ستّر غیر مسلح مُوکّل بھی قتل ہوئے جنہوں نے مزاحمت کی کوشش کی تھی۔ ان ستّر میں وہ پچاس مُوکّل بھی شامل تھے جنہیں ان باغیوں نے رات کے وقت

گرفتار کر کے صبح کو اُن کی گردن ماری۔ ابتدائے اسلام کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب کوئی بے گناہ مسلمان یا دوسرا شخص بے گناہ صرف ظلم و تعدی کے تحت قتل کیا گیا۔ ان مقتولوں میں حکیم بن جبلہ عبدی بھی شامل تھے۔ جو عبدالقیس کے سرداروں اور بنی ربیعہ کے منتخب عبادت گزاروں اور پاکبازوں میں شمار کیے جاتے تھے۔

دوسری صبح زبیرؓ نے مسجد میں نماز کی امامت کی لیکن پھر زبیرؓ اور طلحہ میں کافی بحث و مباحثے کے بعد یہ طے پایا کہ ہر روز وہ یکے بعد دیگرے نماز پڑھایا کریں گے۔

حضرت علیؓ کا سفر عراق

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چار مہینے یا بقول کچھ لوگوں کے اس سے کچھ کم و بیش عرصے کے بعد مدینے سے عازم عراق ہوئے۔ آپ کے ہمراہ سات سو سواروں پر مشتمل رسالہ تھا جن میں چار سو مدینے کے مہاجرین و انصار، ستر اصحاب بدر اور دوسرے صحابہ بھی شامل تھے۔ آپ نے مدینے میں اپنی جگہ سہل بن حنیف کو مقرر کیا تھا۔ جب آپ عراق کے راستے میں پڑنے والے مقام ربذہ پہنچے تو طلحہؓ اور ان کے ساتھی خاموشی سے عراق کی طرف چل دیے، چنانچہ آپ بھی ان کے پیچھے بلا توقف عراق روانہ ہوگئے۔ ربذہ سے عراق کی جانب روانگی سے قبل آپ کے ساتھ انصار مدینہ کی ایک اور جماعت بھی آملی جن میں خزیمہ بن ثابت ذوشہادتین بھی شامل تھے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ آپ کی کمک کے لیے راستے ہی میں بنی طے کے سات سوار پہنچنے والے ہیں۔ آپ نے ربذہ سے کوفے کے گورنر ابو موسےٰ اشعریؓ کو کوفے کی طرف اپنی روانگی کی اطلاع دیتے ہوئے اہل کوفہ کو سمجھا بجھا کر اطمینان رکھنے اور پُرامن رہنے کی تلقین کے لیے پیغام بھیجا تھا لیکن اس کا جواب انہوں نے یہ دیا تھا کہ وہاں فتنہ و فساد کا غلبہ ہے اس لیے وہاں تشریف نہ لائیں۔ اس کے جواب میں آپ نے ابو موسےٰ کو سخت و سُست کہتے ہوئے لکھا کہ جب تمہارا طرز عمل ہمارے ساتھ روز اول ہی ایسا ہے تو آگے چل کر ہمیں تم سے تعاون کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے ابو موسےٰ اشعری کی جگہ قرظہ بن کعب انصاری کو کوفے کا گورنر مقرر کر کے وہاں روانہ کر دیا۔

جب آپ ربذہ سے ذی قار پہنچے تو آپ کے استقبال کے لیے سات ہزار اہل کوفہ وہاں آگئے تھے۔ بعض مورخین نے ان لوگوں کی تعداد چھ ہزار پانچ سو ساٹھ لکھی ہے

جن میں اُشتر بھی شامل تھے۔ بہرکیف آپ نے اپنے فرزند حضرت حسن اور ابن یاسر کو ان کے ساتھ کر کے انہیں کوفے واپس بھیج دیا تاکہ وہاں لوگوں کو امن وامان قائم رکھنے کی تلقین کریں۔ اس کے بعد آپ نے ذی قار سے بصرے کا رُخ کیا تو اس سے قبل اہل بصرہ کو احکام الٰہی اور ان کے اتباع کی تلقین کرتے ہوئے وہاں بھی امن وامان قائم رکھنے کے لیے پیغام بھیجا لیکن وہ لوگ آپ کے ساتھ جنگ کرنے پر اڑے رہے۔

آپ کا بصرے میں داخلہ

ابوخلیفہ فضل بن حُباب جمجی نے یکے بعد دیگرے حسب روایت ابن عائشہ، معن بن عیسیٰ اور منذر بن جارود کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرے میں داخل ہو کر اس جگہ پہنچے جو طف کے قریب ہے اور پھر زاویہ کی طرف بڑھے تو منذر بن جارود نے دیکھا کہ سب سے آگے اشہبی رنگ گھوڑوں پر قریباً ایک ہزار سوار سفید کپڑوں میں ملبوس چلے آرہے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں ہیں نیز ان کے ساتھ ایک پرچم بھی ہے۔ منذر نے کسی سے پوچھا کہ اس رسالے کا یہ سردار کون ہے جو سب سے آگے ہے تو جواب ملا :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابوایوب انصاری اور ان کے رسالے میں سب کے سب انصار ہیں۔ اس کے بعد ہزار سواروں کا ایک اور رسالہ تھا جس کے آگے آگے سفید کپڑوں ہی میں ملبوس، کاندھے پر کمان لٹکائے ایک ہاتھ میں شمشیر برہنہ اور دوسرے ہاتھ میں پرچم لیے اشقر گھوڑے پر سوار ایک اور شخص گزرا تو منذر نے اس شخص سے پوچھا:

"یہ شخص کون ہے ؟" جواب ملا "خزیمہ بن ثابت انصاری ذوشہادتین"۔ اس کے بعد منذر بن جارود بیان کرتے ہیں کہ ان کے سامنے سے اس دُوسرے رسالے کے بعد ایک اور سواروں کا رسالہ گزرا، وہ بھی ہزار سواروں پر مشتمل تھا، ان کے آگے کمیت گھوڑے پر ایک سوار چل رہا تھا، اس کا عمامہ آبی رنگ تھا، اس کا کرتہ سفید تھا اور اس کے اُوپر سفید چاک دار قبا تھی، اس کی پیٹی میں تلوار لٹک رہی تھی اور کاندھے پر کمان تھی اس کے پاس بھی پرچم تھا منذر نے اسی پہلے شخص سے پوچھا "یہ کون ہے ؟" وہ بولا: یہ ابوقتادہ بن ربعی ہیں۔ ابوقتادہ بن ربعی کے بعد ایک ہزار سواروں پر مشتمل ایک اور رسالہ گزرا۔ اس کے آگے آگے ایک بہت ہی تنومند شہابی رنگ گھوڑے پر جو شخص سوار تھا اس کا لباس بھی سفید تھا لیکن عمامہ اس کا سیاہ رنگ کا تھا۔ اس کے کاندھے پر بھی کمان پڑی تھی اور پہلو پر تلوار لٹک رہی تھی۔ اس کے پیچھے آنے والا سواروں

کا دستہ مختلف قبائل کے لوگوں پر مشتمل تھا۔ منذر نے اپنے ساتھی سے پوچھا: "یہ شخص کون ہے؟"
وہ بولا: "یہ اس رسالے کے سردار عمار بن یاسرؓ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو بلند آواز
سے قرآنی آیات کی تلاوت کر رہے ہیں۔ ان کے وقار کا عالم دیکھو! یہ بڑے عابد و زاہد ہیں،
ان کی پیشانی پر سجدوں کا نشان دیکھ رہے ہو؟ ان کے گرد و پیش جو پیر و جواں چل رہے ہیں
وہ بھی بڑے جلیل القدر صحابہ اور ان کے بیٹے ہیں جو سب کے سب ایک ہزار سواروں کو ساتھ
لیے ہوئے سفید لباس میں ملبوس اور آبی عمامہ سر پر باندھے ہیں اسی طرح مسلح ایک اور شخص گزرا
اس کا پرچم بھی سفید رنگ کا تھا۔ منذر نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے اس شخص سے پوچھا:
"یہ کون ہے؟" وہ بولا یہ قیس بن سعد ابن عبادہ ہیں اور ان کے رسالے میں متعدد انصار
اور ان کے بیٹے ہیں، باقی لوگوں کا تعلق بنی قحطان سے ہے۔ اس کے بعد ایک اشہل گھوڑے
پر سوار جو شخص گزرا منذر کے بقول اس سے زیادہ حسین شخص اس کی نظر سے پہلے کبھی نہیں گزرا
تھا۔ اس کا لباس سفید اور عمامہ سیاہ تھا اور وہ بھی پچھلے رسالے کے سردار کی طرح مسلح تھا
لیکن ایک ہاتھ میں کوڑا بھی تھا۔ منذر نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" وہ شخص بولا "یہ رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک اور مقتدر صحابی عبداللہ بن عباس ہیں اور ان کے ساتھ جو لوگ چل رہے
ہیں وہ بھی سب کے سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں۔" اس کے بعد ایک
تنہا سوار سامنے آیا جو اس سے پہلے آنے والے شخص کی طرح تھا۔ منذر نے پوچھا: "یہ کون ہے؟"
اس شخص نے جواب دیا: "یہ عبیداللہ بن عباس ہیں۔" اس کے بعد بالکل اس طرح کا ایک شخص
سامنے آیا تو منذر نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" وہ شخص بولا: "یہ قُثَم بن عباس یا معبد بن عباس ہیں"
اس کے بعد، ابن عائشہ کہتے ہیں، گروہ در گروہ لوگ آئے جو فولادی اسلحہ میں غرق تھے اور
ان کے پاس جُدا جُدا پرچم تھے۔ ان میں سب سے آگے جو گروہ تھا ان کے درمیان ایک بڑا
وجیہہ شخص بڑے ہی خوب صورت عربی گھوڑے پر سوار تھا، وہ اپنے حد درجہ جلال و
جبروت کے باوجود منکسر المزاج نظر آتا تھا۔ اس کی نظریں اوپر سے زیادہ نیچے کی طرف
تھیں اور یہ وہ وصف تھا جس کی اہل عرب حد درجہ تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے
لوگوں کے سروں پر طیور قدس کا سایہ ہوتا ہے۔ اس شخص کے دائیں بائیں دو بہت
خوبصورت جوان چل رہے تھے اور اس کے سامنے ویسا ہی ایک حسین و جمیل نوجوان
چل رہا تھا۔ اس سب کے آگے والے گروہ کے ساتھ عظیم ترین پرچم تھا جسے ایک

انتہائی قوی الجُثّہ اور تنومند شخص اُٹھائے ہوئے تھا۔ ابن عائشہ مُنذر کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے اس ساتھی سے پوچھا: "یہ کون شخص ہے؟" وہ شخص حیران ہو کر بولا: "ارے! آپ انہیں نہیں پہچانتے؟ یہ علی ابن ابی طالب ہیں اور جو دو جوان ان کے دائیں بائیں چل رہے ہیں وہ ان کے بیٹے حسن اور حسین ہیں اور وہ تیسرے انہیں جیسے خوبصورت جوان جو اُن کے گھوڑے کے عین مقابل یہ عظیم ترین پرچم لیے چل رہے ہیں محمد بن حنفیہ ہیں، یہ وہی ہیں جنہیں عبد اللہ ابن جعفر بن ابی طالب نے اپنا وارث بنایا ہے۔ اور یہ دُوسرے لوگ جو ان کے ساتھ ہیں وہ عقیل کے بیٹے وغیرہ ہیں جن کا نسبی تعلق بنی ہاشم سے ہے۔ ان کے علاوہ جو بزرگ لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ مہاجرین و انصار ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں حصّہ لیا تھا۔

مقام طَفّ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر زاویہ میں پڑاؤ ڈالا اور چار رکعت نماز خاک پر پیشانی رکھ کر ادا کی۔ اس کے بعد آپ نے ہاتھ اُٹھا کر اللہ تعالیٰ سے حسب ذیل دُعا کی:-

"اے رب السمٰوات! میں نے کبھی اپنے آپ کو دُوسروں سے بڑا نہیں سمجھا، نہ کبھی تیری ارضی مخلوق کو کمتر سمجھا، نہ کبھی غرور کیا، اے عرش عظیم کے مالک! یہ بصرہ ہے جس کے لیے میں تجھ سے خیر کا طالب ہوں اور اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اے اللہ! یہاں ہمیں بھلائی عطا فرما کہ تو بھلائی دینے والوں میں سب سے بہتر ہے، اے اللہ! یہاں کے لوگوں نے مجھ سے رُوگردانی کر کے میری بیعت توڑ دی ہے اور میرے خلاف بغاوت کی ہے، یا اللہ! مسلمانوں کو خونریزی سے بچا!"

اس کے بعد آپ نے اللہ کا نام لے کر باغیوں کے پاس گفتگو کے لیے ایک شخص بھیجا تاکہ باہمی گفت و شنید کے بعد کوئی مفاہمت کی صورت نکل آئے لیکن انھوں نے جنگ کے سوا ہر بات سے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود آپ نے اپنے اصحاب میں سے ایک اور شخص کو جس کا نام مسلم تھا "دعوت الی اللہ" دے کر ان باغیوں کی طرف بھیجا لیکن انھوں نے اسے راستے ہی میں تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ جب اس کی لاش اُٹھا کر آپ کے پاس لائی گئی تو اس کی ماں نے مرثیے کے طور پر اسی وقت فی البدیہہ مندرجہ ذیل دو شعر کہے:-

"اے اللہ! مُسلم ان کے پاس، قرآن کی تلاوت کرتا گیا تھا، ڈرانے کو نہیں (لیکن) انہوں نے اپنی داڑھیاں اس کے خون سے تر کر لیں ہیں جب کہ اس کی ماں (حیرت سے) انہیں دیکھ رہی ہے"

آغاز جنگ

مسلم کے قتل ہو جانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو باغیوں کے خلاف جنگ کی اجازت دے دی لیکن اس حکم کے ساتھ کہ جب تک وہ پیش دستی نہ کریں ان پر تلوار، تیر یا نیزے سے حملہ نہ کیا جائے۔ اس کے بعد اس طرف کے میمنہ سے عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی جن کے بھائی مسلم کو باغیوں نے قتل کر دیا تھا نکلے اور میسرہ سے ایک اور شخص آگے بڑھا لیکن آخر الذکر کو دیکھتے ہی باغیوں میں سے کسی شخص نے تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضؓ نے اللہ تعالےٰ کو یوں مخاطب کیا:۔

"یا اللہ! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اس کے بعد ان باغیوں کے خلاف ضروری قدم اُٹھانے پر میں تجھ سے معذرت خواہ ہوں۔"

اس کے بعد عمّار بن یاسر حضرت علی رضؓ سے اجازت لے کر دونوں طرف کے ایک دُوسرے کے مقابل صف آراء لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر باغیوں سے یوں مخاطب ہوئے:۔

"لوگو! آپ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انصاف کے ساتھ فیصلے کرتے ہوئے دیکھا ہے، آپ لوگ جانتے ہیں کہ آپؐ کے ان فیصلوں کے مطابق عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تلوار اُٹھانے سے قبل اسے یعنی عقل کو پوری طرح استعمال کیا جائے مگر اب میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگوں نے حضرت عائشہ رضؓ کو اُونٹ پر ہودج میں بٹھا رکھا ہے، آپ لوگوں نے اس اُونٹ پر گائیوں اور دُوسرے جانوروں کی کھالیں مڑھ رکھی ہیں اور اس کے گھٹنوں اور پنڈلیوں پر بھی موٹے کھردرے اُون کا کپڑا چڑھا رکھا ہے یعنی اس اُونٹ کو ہر طرح ایسے تیار کیا ہے جس طرح لڑائیوں میں تیار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ لوگ بھی مجھے ہر طرح مسلّح نظر آرہے ہیں، لہٰذا میں آپ لوگوں سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس سب تیاری سے آپ لوگوں کا مقصد کیا ہے؟"

عمّار بن یاسر رضؓ کی اس طویل تقریر کے جواب میں اُدھر سے کسی نے صرف یہ جواب دیا:

"ہم (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔"

اس کے جواب میں عمار بن یاسر بولے: "لیکن بدلہ کس سے لیا جائے جب کہ اصل قاتل

کا اب تک پتہ نہیں چل سکا۔"

یہ سُن کر باغیوں نے تیر چلانا شروع کر دیے، وہ کہتے جاتے تھے: "ہم بدلہ ضرور لیں گے تم اس میں تعویق و تاخیر کر رہے ہو، ہم اس سے بدلہ لیں گے جس نے امام یعنی خلیفۃ المسلمین کے قتل کا حکم دیا تھا۔ یہ کہتے ہوئے ان لوگوں نے عمار بن یاسر رضؓ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ وہ تیر بھی چلاتے جا رہے تھے۔ عمارؓ نے اپنا بچاؤ کرتے ہوئے گھوڑے کو موڑا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یا امیرالمومنین! اب ان لوگوں سے لڑائی کے سوا چارہ نہیں ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خُطبہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کے ساتھ آغاز جنگ سے قبل اپنے ساتھیوں کو حسب ذیل خُطبہ دیا:-

"لوگو! کسی زخمی پر دوبارہ ہاتھ نہ اُٹھانا، کسی قیدی کو قتل نہ کرنا، بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرنا نہ طالب امن کو کچھ کہنا، کسی مدبّر کو نہ بلانا۔ کسی کا لباس نہ اُتارنا، کسی عورت کو بے پردہ نہ کرنا، باغیوں کے کسی مال کو جنگی ہتھیاروں کے سوا انہیں شکست دینے کے بعد ہاتھ نہ لگانا البتہ ان کے لونڈی غلاموں کے ساتھ حکم خداوندی کے تحت جس کی اجازت ہو اس کے مطابق عمل کرنا۔"

حضرت علیؓ کا زبیرؓ سے خطاب

مندرجہ بالا خطبے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی پیروی کرتے ہوئے بہ نفس نفیس اپنی اگلی صف سے باہر نکل کر آگے بڑھے، اس وقت آپ بالکل غیر مسلح تھے، آپ نے زبیر رضؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"زبیرؓ میرے قریب آؤ۔" زبیرؓ اس وقت پوری طرح مسلح تھے، انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کے اُونٹ کی طرف رُخ کر کے کہا" علیؓ غیر مسلح ہیں اس لیے آپ مطمئن رہیے' میں بھی مطمئن ہوں۔" جب وہ آپ کے قریب آئے تو آپ نے ان سے فرمایا:- زبیرؓ اللہ تمہیں نیکی کی توفیق دے، تم یہاں کس لیے آئے ہو؟" وہ بولے: "خون عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینے۔" یہ سُن کر آپ نے فرمایا: کیا تم عثمانؓ کے قاتل یا قاتلوں کو جانتے ہو؟ اگر نہیں تو قصاص کس سے لوگے؟ تم لوگ ہمارے ایک شخص کو پہلے ہی قتل کر چکے ہو

کیا ساری اُمّت مسلمہ سے خونِ عثمان کا قصاص لینا چاہتے ہو؟ کیا تمہیں وہ دن یاد نہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی بضاعہ سے گزر رہے تھے تو ان کے ایک شخص نے آپؐ کی تضحیک کی تھی تو میں نے بھی جواباً اس کی تضحیک کی تھی، تم اس شخص کے ساتھ تھے، آپ نے تم سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایک روز تم ان سے جنگ کرو گے جس میں تمہاری حیثیت ظالم کی ہوگی" یہ واقعہ سنا کر آپ نے زبیر سے فرمایا: "بہتر ہے کہ تم ان باغیوں سے الگ ہو جاؤ" زبیرؓ بولے: "اب یہاں تک آکر مجھے ان سے الگ ہوتے ہوئے شرم آتی ہے۔" آپ نے فرمایا! "ابھی تو صرف شرم دامنگیر ہے لیکن ایک روز اس میں آگ د آتش جہنم ابھی شامل ہو جائے گی، اس سے قبل وہی راستہ اختیار کرو کہ ان دونوں سے بچ سکو۔" آپ کی زبان سے اتنا سن کر زبیر نے عذاب آخرت کے پیش نظر باغیوں سے الگ ہو کر اپنے گھوڑے کا رُخ دوسری طرف پھیرا تو ان کے بیٹے عبداللہ نے پوچھا: "آپ کہاں جاتے ہیں؟ جب کہ آپ ہی نے ہمیں بلایا تھا۔" اس کے جواب میں زبیر بولے: "مجھے ابوالحسن (حضرت علیؓ) نے ایک ایسا واقعہ یاد دلایا ہے جسے میں بھول گیا تھا۔" عبداللہ نے کہا: "مجھے یقین ہے کہ آپ بنی عبدالمطلب کی چمک دار اور لانبی لانبی تلواریں دیکھ کر بزدلی کا مظاہرہ کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔" بیٹے کی زبان سے یہ سُن کر زبیر بولے: "میں آتش جہنم کے مقابلے میں بزدلی کا طعنہ سُننے کے لیے تیار ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے اپنا نیزہ سامنے کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی صفوں کے میمنہ میں بڑھتے چلے گئے اور وہاں سے میسرہ کا رُخ کیا تو حضرت علی رضؓ نے فرمایا: "انہیں مجبوری ہو تو زخمی کر دینا لیکن قتل نہ کرنا۔" لیکن زبیرؓ اس تیز رفتاری سے آپ کے میسرہ سے گزرے اور وہاں سے لوٹ کر اپنے بیٹے عبداللہ سے بولے: "کیا تم اسے بزدلی کہو گے؟ میں بزدل ہرگز نہیں ہوں لیکن آتش جہنم سے ڈرتا ہوں اور اس سے بچنے کے لیے بزدلی کا طعنہ سُننا بھی گوارا کر لوں گا۔ ویسے یاد رکھو کہ میں تم جیسے بہادر بیٹے کا بہادر باپ ہوں۔" اتنا کہہ کر انہوں نے اپنا گھوڑا موڑا اور صبا رفتاری سے پہلے وادی سباع پہنچے اور وہاں سے قبیلہ احنف بن قیس سے گزر کر اپنے قبیلے بنی تمیم میں پہنچ گئے، وہاں انہیں ایک شخص نے دیکھ کر کہا: "دیکھو! یہ زبیر ہے جب دو جری لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہیں اور ایک دُوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔ تو یہ وہاں سے بھاگ نکلا ہے۔" زبیر بولے: "کیا تو مجھے قتل کرے گا یا میں تجھے قتل کروں؟" لیکن زبیرؓ نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اس کے تھوڑی دیر بعد جب وہ نماز پڑھ رہے تھے تو عمرو بن جرموز نے آگے

بڑھ کر انہیں قتل کر دیا جس کے بعد وہ زبیرؓ کا سر، ان کی انگوٹھی اور ان کی تلوار لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس توصیفی کلمات سُننے کے لیے آیا لیکن آپ نے فرمایا: "ابن صفیہ یعنی زبیرؓ کا قاتل جہنمی ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہ تلوار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں اُٹھ چکی ہے، کم بخت تجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک مقتدر صحابی کو قتل کرتے ہوئے شرم نہیں آئی؟" آپ کی زبان سے یہ کلمات سُن کر عمرو بن جرموز نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا: میں نے انہیں آپ کا دُشمن سمجھ کر سہواً قتل کر دیا جس کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔"

دوسروں کے علاوہ زبیر کے اس طرح قتل کیے جانے پر ان کی بیوی عاتکہ بنت زید بن عمرو ابن نفیل نے جو سعید بن زید کی بہن تھیں مراثی بھی کہے ہیں۔

قتل زبیر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے زجر و توبیخ کے بعد خود عمرو بن جرموز تمیمی نے جو چند اشعار کہے وہ درج ذیل ہیں:-

"میں نے زبیرؓ کا سر علیؓ کو اس لیے پیش کیا — کہ مجھے ان سے انعام و اکرام کی توقع تھی
لیکن مجھے اس کی قبولیت سے قبل — آتش دوزخ کی بدترین بشارت ملی،
تاہم میرے نزدیک زبیرؓ کا قتل — اس کے حالیہ اعمال کے پیشِ نظر بالکل جائز تھا"

علیؓ اور طلحہؓ

زبیرؓ کے واپس ہو جانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے طلحہ کو پکار کر فرمایا: "اے ابو محمد! تم میرے خلاف بغاوت پر کیوں آمادہ ہو؟"

طلحہ بولے: "خون عثمان کا انتقام لینے کے لیے۔"

حضرت علیؓ: تم ہمارا ایک شخص پہلے ہی قتل کر چکے ہو، رہ گئی میری بات تو میں نے اپنے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ "یا اللہ! جو اس سے محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جو اس سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی کر" جب کہ تم میری بیعت کرنے کے بعد اس سے پھر گئے ہو حالانکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ جو (قول و قرار کے بعد) اس سے پھر جائے وہ خود اپنی ذات کا منکر ہوتا ہے۔"

یہ سُن کر طلحہ نے کہا: "استغفر اللہ" اور یہ کہہ کر وہ باغیوں سے علیحدہ ہو گئے۔

جب طلحہؓ نے گھوڑا موڑا تو مروان بن حکم نے ان کی پشت پر تیر مارا جو مہلک ثابت ہوا اور انہوں نے گھوڑے سے گر کر دم توڑ دیا۔

حضرت طلحہؓ پر تیر چلانے سے قبل مروان بن حکم کے الفاظ یہ تھے :۔

"زبیر لوٹ گئے ، اب طلحہؓ بھی لوٹ رہے ہیں ، ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے ۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب طلحہ گھوڑا موڑنے لگے تو پہلے عبدالملک نے ان کے منہ پر تلوار ماری تھی جس کے بعد مروان بن حکم نے ان کی پشت پر تیر چلایا تھا اور ان کا انجام وہی ہوا تھا جس کی طرف قرآن پاک کے مندرجہ بالا الفاظ میں صریحی اشارہ کیا گیا ہے ۔عینی گواہوں کا بیان یہ بھی ہے کہ جب طلحہ گھوڑے سے گرے تو ان کا ہاتھ ان کی خاک و خون آلود پیشانی پر تھا اور زبان پر یہ الفاظ تھے :۔

"اللہ کی مرضی پوری ہوئی ، میں نادم ہوں کیونکہ مجھ سے ان باغیوں میں شامل ہو کر غلطی ہوئی تھی ، میرے آباء بھی اپنے کفر اور بنی ہاشم کے خلاف تلوار اُٹھا کر نادم ہوئے تھے ۔"

کہتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گاؤں قنطرہ میں ان کی قبر پر گئے تھے تو آپ نے فرمایا تھا : "انا للہ وانا الیہ راجعون" اللہ تم پر رحم کرے تم یقیناً باغیوں کے ساتھ طوعاً و کرہاً شامل ہو گئے تھے ۔

حضرت طلحہؓ کا نسب

حضرت طلحہؓ کا نسب درج ذیل ہے :۔

طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عبید اللہ ابن عمرو بن کعب بن تیم بن مرّہ ۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ابن عم (چچا زاد بھائی) تھے اور ان کی کنیت ابو محمد تھی ، ان کی والدہ کا نام صعبہ تھا جو ابوسفیان کے ایک تحتی رشتے دار صخر بن کعب سے تعلق رکھتی تھیں ۔طلحہؓ کا یہی نسب زبیر بن بکار نے اپنی کتاب انساب میں درج کیا ہے ۔ قتل کے وقت ان کی عمر ۶۴ سال تھی ۔کچھ لوگوں نے کم و بیش بتائی ہے اور ان کی قبر کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بصرے میں ہے جہاں ان کے نام سے ایک مسجد اب تک مشہور چلی آتی ہے ۔زبیرؓ کی قبر وادی سباع میں ہے ۔

مقتل محمّد بن طلحہ

محمد بن طلحہ بھی اسی روز قتل ہوئے تھے ۔ان کی لاش دیکھ کر حضرت علیؓ نے فرمایا تھا : یہ شخص اپنے باپ کے پیچھے چل کر اس کی اطاعت میں مارا گیا ہے ۔" محمد بن طلحہ کو سجاد بھی کہا جاتا تھا ، ان کی کنیت کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں ۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کی کنیت ابوسلیمان تھی ، واقدی نے بھی یہی لکھا ہے

لیکن کچھ لوگوں نے ابوالقاسم بتائی ہے۔

جنگ جمل میں باغی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جمعیت کے میمنہ اور میسرہ میں ادھر سے اُدھر تک گھس گھس کر آپ کے ساتھیوں کو قتل کر رہے تھے لیکن آپ اپنے گھوڑے کی زین پر جم کر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر عقیل کے بیٹوں میں سے کوئی ان کے قریب آکر بولا: "چچا جان! آپ ان لوگوں کی چیرہ دستیاں دیکھ رہے ہیں اور پھر بھی خاموش ہیں!" آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: "جانِ عم! جن لوگوں کو تم آج میری دشمنی پر تلا ہوا دیکھ رہے ہو وہ ایک دن میرے دشمن نہیں رہیں گے بلکہ مجھ سے دشمنی پر پچھتا رہیں گے، لہٰذا جب تک کوئی مجھ پر حملہ نہیں کرے گا میں کسی پر حملہ نہیں کروں گا، ویسے موت ہر شخص کو آنی ہے مگر میں یا تو اس پر غالب آجاؤں گا یا وہ مجھ پر غلبہ حاصل کرلے گی۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو بلا کر پوچھا: "کیا تم ان پر حملہ کر رہے ہو؟" وہ بولے: "جی نہیں، میں ان کے تیروں، تلواروں اور نیزوں سے صرف اپنا دفاع کر رہا ہوں۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا: اگر تم ان کے تیروں، تلواروں اور نیزوں سے بچ گئے تو فبہا اور اگر مارے گئے تو جنت میں جاؤ گے۔"

جب باغیوں کی طرف سے حملوں پر حملے ہوئے تو محمد حنفیہ بھی ان پر حملہ آور ہوئے اور ان کے ساتھ دوسرے بھی شریک ہوگئے۔ دونوں طرف سے رجزیہ کلمات کے ساتھ حملے ہوتے رہے۔ حضرت علی رضؓ نے محمد حنفیہ سے کہا: "اپنی ماں کا پسینہ یاد کرو جو اس نے محنت و مشقت میں اور تمہیں پالنے پوسنے میں بہایا تھا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اُونٹ کی طویل ترین مہار جو لوگ تھامے ہوئے تھے ان میں سے ایک ایک کرکے بنی ضبّہ کے ستر آدمیوں کے ہاتھ کٹ گئے، ان میں سعد بن سود القاضی بھی تھا جس کے ہاتھ میں قرآن تھا، ہاتھ کٹ کٹ کر گرتے رہے لیکن ان کے جوش و خروش میں فرق نہ آیا، جن کے ہاتھ کٹتے ان کی جگہ دُوسرے لے لیتے۔ آخر میں ایک شخص نے یہ کہہ کر اُونٹ کی مہار پکڑی کہ میں ضبی کا غلام ہوں لیکن وہ پہلے سے اس پر تیر چلاتا ہوا آرہا تھا مہار پکڑ کر اس نے ہودج کے علاوہ اُونٹ پر بھی نیزے اور تلوار سے بار بار حملہ کیا تو اس کے

پاؤں اور دوسرے اعضاء یعنی گردن وغیرہ کٹ گئے اور وہ گر پڑا ، البتہ اس کی پشت پر حضرت عائشہ رضہ کا ہودج بدستور قائم رہا۔ یہ دیکھ کر محمد بن ابوبکر رض نے محمل میں ہاتھ ڈالا تو حضرت عائشہ رض بولیں :"تو کون ہے ؟" وہ بولے :"آپ کا قریب ترین عزیز" آپ نے پوچھا :"وہ کون ہے ؟" وہ بولے :"آپ کا بھائی لیکن آپ سے سب سے زیادہ ناراض ، امیر المومنین (حضرت علی رض) دریافت فرماتے ہیں کہ آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی یعنی زخم وغیرہ تو نہیں آیا ؟" وہ بولیں "نہیں تو لیا نہیں ہوا ، صرف ایک تیر ہودج میں لگا تھا مگر میں اس سے بچ گئی ۔"

آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہودج پر ڈنڈا مار کر بولے :"اے حمیرا ! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس کا (یہاں آنے کا) حکم دیا تھا ؟ کیا آپ نے آپ کو گھر میں ہمیشہ ٹکے رہنے کا حکم نہیں دیا تھا ؟ اگر دوسرے لوگوں کی عقلیں ماری گئی تھیں تو آخر آپ نے ان کا ساتھ کیوں دیا ؟ آپ نے تو درحقیقت ان کے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا۔" پھر آپ نے ان کے بھائی محمد بن ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا کہ وہ انہیں صفیہ بن حارث بن طلحہ عبدی کے گھر لے جائیں جو طلحہ طلیحات کی ماں تھیں چنانچہ محمد بن ابی بکر رض نے ایسا ہی کیا۔ اُدھر خالی ہودج کے قریب اب تک جنگ جاری تھی ۔ اور لوگ قتل ہو رہے تھے کیونکہ ان پر ابھی تک دیوانگی طاری تھی ۔ جب عبداللہ بن زبیر رض اور اشتر بن مالک بن حارث نخعی کا آمنا سامنا ہوا تو دونوں دست بدست لڑائی کے بعد زخمی ہو کر گھوڑوں سے زمین پر گر پڑے ۔ تھوڑی دیر بعد اشتر مالک ہمت کر کے اُٹھے لیکن انہوں نے عبداللہ بن زبیر رض کو حالتِ کرب میں دیکھ کر قتل نہیں کیا ۔ حالانکہ آخر الذکر چیخ چلا کر کہتا رہا :"مجھے قتل کر دو اور میرے ساتھ مالک کو بھی قتل کر ڈالو مگر اس کی آواز پر کسی نے کان نہ دھرا کیونکہ وہاں تو تلوار سے تلوار ٹکرا رہی تھی اور فولاد سے فولاد کے ٹکراؤ میں ایسی تیزی تھی کہ کوئی دوسری آواز کسی کے کان میں پڑ ہی نہیں سکتی تھی ۔

اسی شدتِ جنگ میں ذوالشہادتین خزامہ بن ثابت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر بولے :"یا امیر المومنین ! آپ شاید اپنے بیٹے محمد حنفیہ کی جان کے خیال سے اس جنگ میں عملاً شرکت نہیں فرما رہے ہیں ۔" یہ سُن کر آپ بولے :"ایسی کوئی بات نہیں ، میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں ۔" اس کے بعد آپ نے محمد حنفیہ کو دوبارہ پرچم دے کر فرمایا : "لڑائی کچھ اچھی بات نہیں لیکن اگر کوئی کسی کو اس پر مجبور کر دے تو وہ بات الگ ہے

جاؤ لیکن جو کچھ میں تم سے پہلے کہہ چکا ہوں اُس کا خیال رکھنا اور اس اسلامی پرچم اور اسلام کی عزت و حرمت کے علاوہ اپنی اور ہماری ایمانی عظمت کا بھی لحاظ رکھنا۔"

پھر آپ نے اپنے بیٹے (محمد حنفیہ) کو پانی پلایا اور کچھ پانی کے علاوہ تھوڑا سا شہد بھی دیا۔ اس کے بعد اس شہد میں سے چکھ کر بولے: "یہ طائف کا تحفہ ہے، یہاں ایسا شہد دستیاب نہیں ہوتا۔" یہ سُن کر عبداللہ بن جعفر بولے: ہمیں معلوم نہ تھا کہ دنیا کی ایسی نادر و نایاب چیزیں بھی آپ اپنے پاس رکھتے ہیں۔" اس پر آپ نے فرمایا: دنیا کی نادر و نایاب چیزوں میں سے اگر کوئی چیز اگر ہمارے حصے میں آئی ہے اور وہ بھی تحفۃً ملی ہے تو بس یہ شہد ہے۔"

حضرت علیؓ کی بصرے میں آمد

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرے میں داخل ہو کر مقام خریبہ میں ٹھہرے تو وہ جمعرات کا دن تھا اور ۳۶ھ کے ماہ جمادی الآخر کے دس روز گزر چکے تھے جیسا کہ ہم اس سے قبل مجملاً بیان کر چکے ہیں۔ وہاں آپ نے اہل بصرہ کے ایک بڑے اجتماع میں بڑا ہی پُر اثر خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا اے اہل سبخہ! تم اپنے اعمال کے نتیجے میں تین باتیں دیکھ چکے ہو، اب اللہ تعالیٰ تمہیں چوتھی بات دکھانے والا ہے، تمہارے اخلاق خراب ہیں تمہارے اعمال میں نفاق اور تمہارے پانی میں کثافت (کدورت شامل) ہے۔ اے عورتوں کے گروہ! تم نے بغاوت پہ کمر بستہ ہو کر شکست کھائی اور بہائم کا کردار ادا کرتے ہوئے پسپا ہوئے۔ تمہارا دین بھی ایک ڈھوکا ہے جو خدا کے ہاں قابل قبول نہیں۔" آپ نے اسی طرح چند بار اور اہل بصرہ کو سخت و سُست فرمایا تھا۔

عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان گفتگو

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس مدینے کو واپسی کا حکم دے کر بھیجا۔ وہ ان کے خیمے میں بغیر اجازت داخل ہو کر ان کے سامنے فرش پہ بیٹھ گئے تو انہوں نے حیرت سے انہیں دیکھ کر کہا: کیا تمہیں سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم نہیں ہے؟ تم میری اجازت کے بغیر میرے خیمے میں داخل ہوئے ہو اور میری اجازت کے بغیر بیٹھ بھی گئے ہو۔" اس کے جواب میں ابن عباس بولے: "اگر آپ اس مکان میں ہوتیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو چھوڑا تھا تو آپ کی اجازت کے بغیر ہم میں سے کوئی آپ کے اس مکان میں

داخل نہ ہوتا اور نہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے فرش پر بیٹھتا۔ امیرالمومنین نے آپ کو فوراً مدینے واپسی کا حکم دیا ہے۔ وہ بولیں جو کچھ تم نے کہا مجھے اس سے بھی انکار اور مدینے کو واپسی سے بھی۔" یہ بات جب ابن عباسؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جا کر سنائی تو آپ نے انہیں ان کی خدمت میں دوبارہ بھیجا لہٰذا اُنہوں نے آپ کے حکم کے مطابق ان سے جا کر جب یہ کہا کہ امیرالمومنین آپ کو مدینے واپس کرنے کا ارادہ فرما رہے ہیں اور آپ کو یہی مشورہ دے رہے ہیں تو وہ راضی ہو گئیں۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے سامانِ سفر کا انتظام کر دیا اور اگلے روز اپنے بیٹوں حسن وحسین اور بنی ہاشم میں سے اپنے دوسرے عزیز و اقارب نیز اپنے ہمدانی حمائتیوں کو ساتھ لے کر ان کے پاس گئے۔ ان کے ساتھ جب انہوں نے کچھ عورتوں کو بھی حضرت علیؓ کے ساتھ دیکھا تو ان کے چہرے پر نظریں جما کر بولیں۔ "اے میرے احباء کے قاتل!" یہ سُن کر آپ نے فرمایا: اگر میں آپ کے احباء کا قاتل ہوتا تو آپ کے اس خیمے کے آس پاس دُوسرے خیموں میں جو لوگ چھپے بیٹھے ہیں ان سب کو اب تک قتل کر چکا ہوتا۔" اس سے آپ کا اشارہ مروان بن حکم، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عامر وغیرہ کی طرف تھا جو حضرت عائشہؓ کے خیمے کے ارد گرد دوسرے خیموں میں جان بچانے کے لیے آ چھپے تھے۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنے ساتھیوں سے یہ بھی فرمایا کہ وہ اپنی اپنی تلواریں نکال لیں اور اگر آس پاس کے خیموں میں چھپے ہوئے لوگوں میں سے کوئی باہر نکل کر ان پر اچانک حملہ کرے تو اسے فوراً قتل کر دیں۔ آپ کی زبان سے حضرت عائشہؓ یہ بات سُن کر بولیں: "میں آپ کے ساتھ قیام کرنے، مدینے تک آپ کی ہم سفر ہونے اور آپ کے دشمنوں سے مقابلے کے لیے آمادہ ہوں۔" اس پر آپ نے فرمایا: "میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ مدینے واپس ہو کر اس مکان میں قیام فرمائیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو چھوڑا تھا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حکم سُن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کے لیے امان طلب کی تو آپ نے انہیں امان دے دی۔ اس کے بعد حسن وحسین نے مروان بن حکم کے بارے میں عرض کیا تو آپ نے اسے بھی امان دے دی۔ آپ نے نہ صرف عبداللہ بن زبیرؓ اور مروان بن حکم نیز ولید بن عُقبہ اور حضرت عثمانؓ کی ساری اولاد بلکہ بنی اُمیہ کے سب لوگوں کو معاف فرما دیا۔ ویسے آپ نے

واقعۂ جمل کے روز ہی اعلان کرا دیا تھا کہ جو شخص ہتھیار ڈال کر ان کے خیمے میں حاضر ہوگا وہ مامون و مصئون ہوگا۔

مقتولوں پر حضرت علیؓ کا غم

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا شدید غم تھا کہ ان کے بصرے میں داخلے سے قبل بنی ربیعہ کے کچھ لوگ قتل کر دیے گئے تھے۔ بنی ربیعہ میں سے عبدالقیس اور دوسرے لوگوں کو طلحہؓ و زبیرؓ نے قتل کیا تھا۔ آپ زید بن صوحان عبدی کے قتل پر بھی بہت زیادہ رنجیدہ تھے جنہیں عمرو بن سبرہ نے یوم جمل میں قتل کر دیا تھا بلکہ آپ تو عمرو بن سبرہ کے مارے جانے پر بھی افسوس کرتے تھے جو عمار بن یاسر کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ ربیعہ کے بارے میں تو آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"مجھے ربیعہ کے قتل کا بڑا صدمہ ہے وہ سُنتا تھا اور اس پر عمل کرتا تھا۔"

عبدالقیس کے خاندان کی ایک عورت مقتولین کی لاشیں دیکھتی پھر رہی تھی کیونکہ یوم جمل میں اس کے عزیز بھی کام آ گئے تھے۔ پہلے اسے اپنے دو نوجوان بیٹوں کی لاشیں ملیں پھر اس کے شوہر کی اور آخر میں بھائیوں کی لاشیں بھی مل گئیں۔ ان سب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بصرے میں داخلے سے قبل ہی قتل کر دیا گیا تھا۔ درج ذیل اشعار اسی عورت کے ہیں:-

"میں نے جوانی میں اکثر لڑائیاں دیکھی ہیں لیکن یوم جمل جیسی لڑائی کبھی نہیں دیکھی
مومنوں پر نہ جانے کیا فتنہ نازل ہوا تھا کہ ایک شجاع دوسرے شجاع کو قتل کر رہا تھا
کاش ظعینہ اپنے گھر میں رہ کر ایسی ہولناک لڑائی کبھی نہ دیکھتی!"

اس طرح کے بہت سے افسوس ناک قصے یوم جمل کے بارے میں سُنے گئے ہیں۔

بصرے سے حضرت عائشہؓ کی روانگی

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرے سے مدینے روانہ ہوئیں تو حضرت علیؓ نے ان کے ہمراہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ کر دیا نیز ان کے ساتھ بنی عبدالقیس اور ہمدان وغیرہ کے تیس مرد اور بیس عورتیں بھی کر دیں۔ عورتوں کو آپ نے عمامے بندھوا کر اور ان کے پہلوؤں سے تلواریں لٹکا کر انہیں ہدایت کر دی کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کے سلسلے میں راستے بھر کسی قسم کا تغافل نہ برتیں لیکن یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں کہ وہ عورتیں ہیں۔ جب آپ مدینے پہنچیں تو آپ سے دریافت

کیا گیا کہ ان کا سفر کیسا گذرا؟ وہ بولیں "بہت اچھی طرح اللہ علی رضی اللہ عنہ کو بہت دے، انہوں نے مجھے زادِ سفر کے طور پر بہت سا سامان دیا تھا لیکن انہوں نے اتنے سارے مرد جو میرے ساتھ کر دیے تھے یہ بات مجھے کچھ پسند نہیں آئی۔" البتہ جب انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا گیا کہ ان کی بیرونی خدمات اور ان کے سامان کے حمل و نقل کے لیے صرف عورتیں بھیجی گئی تھیں لیکن انہیں ان کی حفاظت کے خیال سے مردانہ لباس اور ہتھیار فراہم کیے گئے تھے تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں مزید دعائے خیر فرمائی۔ زیرِ نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں ہم یوم جمل کا ذکر کرتے ہوئے پہلے بتا چکے ہیں کہ اس جنگ میں حضرت علی رضؓ کے پانچ ہزار ساتھی اور اصحاب جمل و اہل البصرہ میں سے تیرہ ہزار آدمی کام آئے تھے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ یوم جمل کے مقتولین میں سے عبد الرحمن بن عتاب بن اسید بن ابو العیص بن امیہ کی لاش کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا: "اے قریش کے یعسوب! مجھے تمہارا یہ انجام دیکھ کر افسوس ہوا ہے۔ تمہیں عبد مناف کے کوتاہ نظر لوگوں نے قتل کر دیا ہے جس سے میرے قلب و جگر پارہ پارہ ہو گئے ہیں۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سن کر اُشتر بولے: یا امیر المومنین! آپ ان لوگوں کے بارے میں خواہ مخواہ اظہار افسوس فرما رہے ہیں، ان کا انجام وہی ہوا جس سے وہ آپ کو دوچار کرنا چاہتے تھے۔" اشتر مالک نخعی کی یہ بات سن کر حضرت علی رضؓ نے فرمایا: "تمہیں میرے جذبات کا اندازہ نہیں ہو سکتا کیونکہ عبد الرحمن بن عتاب ہمارے ہی سلسلے کا شخص تھا جو لوگوں کے کہنے سننے سے فریب میں آ گیا تھا۔" واضح رہے کہ عبد الرحمن بن عتاب کو یوم جمل میں اشتر مالک نخعی ہی نے قتل کیا تھا۔ عبد الرحمن کے ہاتھ کسی عقاب کے پنجے سے گری ہوئی کوئی تھیلی جیسی چیز ہاتھ آ گئی تھی جس میں سے ایک انگوٹھی ملی تھی، اس انگوٹھی کے نگینے میں سے کف نکلتا رہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ یوم جمل کے بعد اس انگوٹھی کے نگ سے صرف تین روز تک وہ کف جیسا لیس برآمد ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ بصرے کے بیت المال میں تشریف لے گئے۔ وہاں بہت سا زر و مال دیکھ کر آپ نے فرمایا: اے مال تو وقتہً فوقتہً ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتا رہتا ہے (یعنی تیرا کیا بھروسہ) یہ کہہ کر آپ نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ اس بیت المال کا زر و مال آپ کے صحابیوں اور آپ کے دوسرے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا جائے جس کے لیے پانچ پانچ آدمیوں کی جماعتیں بنا لی جائیں،

جب یہ جماعتیں بنائی گئیں تو ان کے افراد کی مجموعی تعداد بارہ ہزار نکلی۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ جب بصرے کے بیت المال کی مجموعی رقم ان لوگوں میں تقسیم کی گئی تو سب کے حصے میں برابر برابر رقم آئی، کسی کا حصّہ ایک درہم کے برابر بھی کم نہ ہوا۔

اہل بصرہ کا اسلحہ قبضے میں لے کر اسے فروخت کیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ رقم اپنے اصحاب، ان کی اولاد اور دوسرے لوگوں میں برابر برابر تقسیم کرا دی، سب کے حصے میں پانچ پانچ سو درہم آئے۔ آپ کو بھی اتنا ہی حصہ ملا۔ جب تقسیم کا کام ختم ہو چکا تو ایک شخص دوڑتا ہوا آپ کی خدمت میں آیا اور بولا: "یا امیر المومنین! مجھے تو کچھ بھی نہیں ملا۔" آپ نے یہ سُن کر اپنے حصے کے پانچ سو درہم اس کے حوالے کر دیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ دامن دونوں زبانوں میں مذکورہ بالا جملہ اوصاف کے باوصف جب قبیلۂ ازد کے ایک شخص ابی لبید جہضمی سے پوچھا گیا "کیا تم علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہو؟" تو وہ بولا: میں ایسے شخص سے کس طرح محبت کر سکتا ہوں جس نے ایک ہی دن کے کچھ حصے میں میرے قبیلے کے ڈھائی ہزار آدمی قتل کر دیے جس کا انجام یہ ہوا کہ اکثر و بیشتر گھروں میں ایک دوسرے پر رونے والا بھی کوئی نہ بچا لیکن اب وہی شخص گھر گھر جا کر باقی لوگوں سے پُرسشِ احوال اور ان کے ساتھ اظہارِ ہمدردی بھی کرتا پھرتا ہے۔"

حضرت علیؓ کا سفر کوفہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عباس کو بصرے کا عامل مقرر فرما کر کوفے کا رُخ کیا، جب آپ کوفے میں داخل ہوئے اس روز ماہ رجب کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں۔ آپ نے کوفے میں پہنچ کر اشعث بن قیس کو آذربائیجان اور آرمینیا کی گورنری سے معزول کر کے واپس بُلا لیا، انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں مقامات کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اشعث کی جگہ آپ نے جریر بن عبد اللہ بجلی کو ہمدان سے بدل کر وہاں کا گورنر مقرر کیا حالانکہ وہ بھی ہمدان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر مقرر کیے گئے تھے۔ اشعث کو معزول کرنے کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک سب سے بڑی وجہ ان کا اپنی گورنری کے زمانے میں ذاتی مفاد میں مال و دولت اکٹھا کرنا تھا۔ جب اشعث آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت کیا: "وہاں اب تک کتنا مال جمع کر کے چھوڑ آئے ہو؟"

حضرت علیؓ کی طرف سے جریر بن عبداللہ کا سفر شام

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب جریر بن عبداللہ کو معاویہ کے نام پیغام دے کر شام بھیجنا چاہا تو اُشتر مالک نے اس کی مخالفت کی کیونکہ انہیں اس کام کے لیے جریر موزوں نہیں لگتے تھے جب کہ خود جریر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ انہیں شام بھیجا جائے تاکہ وہ معاویہ کو ان کی بیعت پر راضی کر کے شام کے سارے لوگوں کو آپ کی اطاعت پر آمادہ کر سکیں۔ اشتر مالک نے جریر کے بارے میں کہا تھا کہ "اسے ہرگز نہ بھیجا جائے کیونکہ اس کی نیت اور ارادے معاویہ اور اہل شام سے الگ نہیں ہیں" لیکن آپ نے یہ کہہ کر کہا کہ "چلو اس کی آزمائش تو ہو جائے گی" جریر کو معاویہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیج دیا کہ "جملہ اہل مدینہ، اہل بصرہ اور اہل کوفہ ان کی بیعت کر چکے ہیں لہٰذا انہیں بھی ان کی بیعت سے جس کے وہ سب سے زیادہ مستحق ہیں انکار نہیں ہونا چاہیے۔"

جب جریر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیغام لے کر معاویہ کے پاس دمشق پہنچے تو انہوں نے انھیں جواب کے لیے انتظار کا حکم دے کر دمشق میں ٹھہرا لیا اور دوسری طرف بالا ہی بالا عمرو بن عاص کو مشورے کے لیے بلا بھیجا۔ عمرو بن عاص نے معاویہ کو جو مشورہ دیا اس کے بارے میں ہم زیر نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں ذکر کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ عمرو بن عاص نے معاویہ کی حمایت کی کیا قیمت طلب کی تھی یعنی مصر کی گورنری۔ چنانچہ معاویہ نے انہیں فوراً مصر کی گورنری کا پروانہ دے دیا۔ عمرو بن عاص نے معاویہ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ خونِ عثمان رضؓ کا انتقام لینے پر مصر رہیں اور ضرورت پڑے تو حضرت علی رضؓ کے ساتھ اسی مطالبے کو سامنے رکھ کر جنگ کرنے سے بھی دریغ نہ کریں۔

مذکورہ بالا واقعات کے پیشِ نظر جریر بن عبداللہؓ کا شام سے ناکام واپس آنا ایک فطری امر تھا۔

جریر نے واپس آکر بیان کیا کہ "معاویہ اور ان کے ساتھ سارے اہل شام خونِ عثمان (رضی اللہ عنہ) کے انتقام پر بضد ہیں اور اب تک ان کے قتل پر گریہ و زاری کر رہے ہیں۔"

جریر کی زبان سے یہ باتیں سُن کر اُشتر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بولے: میں نے آپ سے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ یہ معاویہ کا پٹھو ہے اور آپ کے مخالفین کے ساتھ اس کی ملی بھگت ہے، اس لیے اسے معاویہ کے پاس ہرگز نہ بھیجا جائے بلکہ سازگار ہونے تک اسے

قید میں رکھا جائے۔" اشتر کی ان باتوں پہ جریر غصے سے آگ بگولہ ہو کر بولا "معاویہ کے بیٹھو تم خود ہو گئے اور امیر المومنین کے مخالفین میں بھی تم پیش پیش ہو بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ عثمان رضؓ کو تمہیں نے قتل کر کے یہ سارا فتنہ کھڑا کیا ہے۔"

حضرت علی رضؓ کے روبرو اشتر سے مندرجہ بالا جھڑپ کے بعد جریر خفیہ طور پہ فرات کے راستے رحبہ ہوتا ہوا قرقیسیا چلا گیا اور وہاں سے معاویہ کو ایک خط لکھا جس میں انہیں اپنی سرگزشت سنا کر معاویہ کی ہم نشینی اور ان کے پاس پناہ لینے کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ معاویہ نے اسے اپنے پاس دمشق بلا لیا۔

مغیرہ اور معاویہ

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ واقعہ جمل کے بعد بصرے سے کوفے آئے تو وہاں مغیرہ بن شعبہ ثقفی کو معاویہ کا ایک خط ملا جس میں لکھا تھا "تم نے علی رضی اللہ عنہ کا حال دیکھ لیا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ تم نے انہیں جو مشورہ دیا تھا اس پہ انہوں نے کہاں تک عمل کیا، میری بات الگ رہی خود طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ انہوں نے جو سلوک کیا وہ بھی تم سے پوشیدہ نہیں ہے، میرے ساتھ وہ جو سلوک کریں گے وہ تم خود سمجھ سکتے ہو"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی تو مغیرہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا تھا "یا امیر المومنین! میں آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں" اور آپ نے پوچھا تھا "وہ کیا ہے؟" مغیرہ نے آپ کو جو مشورہ دیا تھا یہ تھا کہ طلحہ بن عبید اللہ کو کوفے کا اور زبیرؓ کو بصرے کا گورنر بنا دیا جائے۔ معاویہ کے متعلق اس کا مشورہ یہ تھا کہ انہیں شام کی گورنری پہ بحال رکھا جائے تاکہ ان پہ اس حیثیت سے حضرت علی رضؓ کی اطاعت ناگزیر ہو جائے۔ مغیرہ کا یہ مشورہ سننے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا "طلحہؓ اور زبیرؓ کے متعلق تمہارے مشورے پہ غور کر دوں گا لیکن معاویہ کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا، میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، بہر کیف میں اسے بیعت کے لیے لکھوں گا، اگر وہ مان گیا تو خیر ورنہ اس کے بعد جو کچھ ہو گا وہ اللہ کی مرضی سے ہو گا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر مغیرہ ان کے پاس سے غضب ناک ہو کر رخصت ہوا تھا۔ اس کے بعد اس نے ہر شخص سے بس یہی کہا تھا "میں نے علی رضی اللہ عنہ کو بہترین مشورہ دیا تھا، میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ معاویہ کو شام کی گورنری پہ برقرار رہنے دیں

تاکہ اہل شام کو ان کی بیعت وخلافت کا یقین ہو جائے لیکن انہوں نے میری یہ بات نہیں مانی حالانکہ انہیں اس سے بہتر مشورہ دینے والا ساری دُنیا میں کوئی نہ ہوگا (اشعار)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مغیرہ کی رُوگردانی کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی۔ ہم اس کے بارے میں پہلے ہی بتا چکے ہیں۔

ہم نے سطور بالا میں یوم جمل کے ضروری حالات پیش کرنے پہ اکتفا کیا ہے اور طول طویل روایات سے جہاں تک ہو سکا صرفِ نظر کیا ہے۔

صفین میں اہل عراق و شام کے درمیان پیش آمدہ واقعات

حضرت علیؓ کا عزم صفین

جب معاویہ سے صلح وصفائی میں ناکامی ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کے سوا چارہ نہ دیکھ کر صفین کا رُخ کیا۔ آپ وہاں ۳۶ھ ہجری میں ماہ شوال کی چھٹی تاریخ کو پہنچے لیکن معاویہ اپنے لشکر سمیت آپ سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ کے عساکر کی تعداد مؤرخین نے علی الترتیب ۹۰ ہزار اور ۸۵ ہزار بتائی ہے۔ حضرت علیؓ ابو مسعود، عقبہ بن عامر انصاری کو کوفے میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے انبار اور رقہ ہوتے ہوئے صفین پہنچے تھے۔ معاویہ نے اپنے لشکر کو جہاں پڑاؤ کا حکم دیا تھا وہ فوجی نقطۂ نظر سے بہت اہم تھی کیونکہ وہاں سے دریائے فرات کے پانی کے حصول میں آسانی تھی اور عقبی علاقہ پہاڑی ہونے کی وجہ سے محفوظ تھا۔ ابوالاعور سلمی حضرت علیؓ کے لشکر سے چار ہزار سوار لے کر آگے بڑھے اور شریعت کا حوالہ دے کر معاویہ سے مطالبہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کو فُرات سے پانی لینے میں مزاحمت نہ کی جائے۔ عمرو بن عاص نے بھی معاویہ سے کہا کہ "از روئے شریعت یہ مطالبہ دُرست ہے لہٰذا ان سے کہہ دیا جائے کہ دونوں لشکر فُرات سے پانی لے سکتے ہیں، ویسے بھی علی رضی اللہ عنہ پیاسے تو رہ نہیں سکتے اس لیے وہ اپنے جسم میں خون کے آخری قطرے تک پانی کے ایک ایک قطرے کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہو جائیں گے مگر اس کے جواب میں معاویہ نے کہا: "ہرگز نہیں میں انہیں فرات سے پانی کا ایک قطرہ بھی لینے کی اجازت نہ دوں گا بلکہ انہیں اسی طرح پیاسا رکھ کر ماروں گا جس طرح انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو پیاسا رکھ کر قتل کیا ہے۔"

تجمی نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاویہ کے ارادے سے آگاہ کیا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ انہیں چار ہزار سواروں کے ساتھ معاویہ کے وسط لشکر میں پہنچ جائیں اور وہاں سے جس طرح ہو پانی تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان کے پیچھے اُشتر کو لے کر وہ بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔

حضرت علیؓ کے حکم پر عمل کیا گیا تو معاویہ کے وسط لشکر کی صفیں کائی کی طرح پھٹ گئیں اور نتیجۃً آپ کے چار ہزار سواروں کا رسالہ لبِ فرات جا پہنچا، اس کے بعد حضرت علیؓ اُشتر اور کچھ دوسرے سواروں کو لے کر وہاں پہنچ گئے اور اس طرح آپ کے لشکر کا وہاں مکمل قبضہ ہو گیا جہاں اس سے قبل معاویہ کا لشکر جما ہوا تھا۔

یہ دیکھ کر معاویہ عمرو بن عاص سے بولے: "اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جس نے ہمارے ساتھ پہلے ہی قدم پر وہ سلوک کیا ہے جو ہم اس کے ساتھ کرنے کا ارادہ کر رہے تھے؟" معاویہ کے اس سوال کے جواب میں عمرو بن عاص نے کہا: "اس شخص کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یا تو ہم اس کی اطاعت پر مجبور ہو جائیں گے ورنہ اس کی تلوار ہم میں سے کسی فرد کی رگ گلو تک پہنچنے سے پہلے نہیں رُکے گی، رہی پانی کی بات تو وہ حد سے زیادہ حق پرست اور دین دار شخص ہے، لہٰذا ہم میں سے کسی کو پیاسا رہنے پر مجبور نہیں کرے گا۔"

عمرو بن عاص کی آخری بات بالکل درست نکلی کیونکہ جب معاویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنے اور اپنے لشکر کے لیے دریائے فرات سے پانی لینے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں بخوشی یہ اجازت دے دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صفین پہنچے دو دن گزرے تھے کہ ماہ ذالحجہ شروع ہو گیا۔ آپ نے معاویہ کو اتحاد کلمہ کے حوالے سے اتحاد بین المسلمین کی دعوت دی اور ان دونوں کے درمیان طویل مراسلت کے بعد یہ طے پایا کہ آخر محرم تک فریقین بری یا بحری کسی علاقے میں ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔

معاویہ اور شاہ روم کے درمیان صلح نامے میں یہ شرط بھی شامل تھی کہ اگر اول الذکر کو علی (رضی اللہ عنہ) سے جنگ کرنا پڑی تو روم کی طرف سے شام کو زر نقد کے علاوہ سامانِ رسد بھی حسبِ ضرورت مسلسل ملتا رہے گا جب کہ معاویہ اور حضرت علیؓ کے درمیان

عارضی جنگ بندی صرف محرم کے آخر تک طے پائی تھی۔ چنانچہ ماہ محرم کے اختتام پر ان دونوں میں جنگ پھر شروع ہو گئی جس کی طرف حابس بن سعد طائی نے اپنے ایک شعر میں بھی اشارہ کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ماہِ محرم کے آخری دن غروب آفتاب سے قبل شامی لشکر کو یہ پیغام بھیجا:۔

"میں نے تم لوگوں کو کتاب اللہ سے رجوع کرنے کی دعوت دے کر اتمام حجت کر دیا ہے، نیکی کی طرف اقدام سے زیادہ میں تم سے اور کچھ نہیں چاہتا لیکن یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ امانت میں خیانت کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا پیغام کے جواب میں صرف یہ جواب آیا:۔

"ہمارے اور آپ کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی، جو کمزور ہو گا ہلاک ہو جائے گا۔"

آغازِ جنگ

ماہِ صفر کی پہلی تاریخ کو صبح ہوتے ہی شامی و عراقی لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہو گئے۔ عراقی لشکر کی کمان اُشتر کر رہے تھے جب کہ شامی لشکر کی سربراہی خود معاویہ کر رہے تھے۔ شامی لشکر میں حبیب بن مسلمہ فہری بھی شامل تھے ادھر سے اُشتر آگے بڑھے تو ان کے مقابلے کے لیے معاویہ اپنے لشکر سے نکل کر آگے آئے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی جو غروب آفتاب تک جاری رہی لیکن اس کے بعد دونوں طرف کے لوگ تھکن سے ایسے چور ہو گئے کہ انہیں اپنے اپنے پڑاؤ میں واپس جانا پڑا۔

اگلے روز جمعرات کا دن تھا۔ حضرت علیؓ نے اس روز سعد بن ابی وقاص کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص زہری عرف "مرقال" کو آگے بڑھایا۔ وہ حضرت علیؓ کے طرف داروں میں تھے اور تیز رفتاری کی وجہ سے مرقال کے نام سے مشہور تھے، جنگ یرموک میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی جس کا تفصیلی ذکر ہم اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں فتوح الشام کے تحت کر چکے ہیں۔ انہوں نے مذکورہ جنگ میں بڑی استقامت کے ساتھ داد شجاعت دی تھی۔

اُدھر سے معاویہ نے ابوالاعور سلمی کو جو معاویہ کے طرفداروں اور حضرت علیؓ کے مخالفین میں سے تھے آگے بڑھایا۔ اس روز بھی صفین کے میدان میں گھمسان کا رن پڑا لیکن غروب آفتاب کے بعد دونوں فریق اپنے اپنے ٹھکانوں کو واپس ہو گئے۔

تیسرے روز جمعہ تھا۔ اس روز حضرت علی رضؓ نے عمار بن یاسرؓ (ابی یقظان) کو کچھ اہل بدر صحابہ اور دوسرے مہاجرین و انصار کے ساتھ آگے بڑھایا۔ ان کے مقابلے کے لیے معاویہ نے عمرو بن عاص اور دوسرے اہل شام کو آگے بڑھایا جن کے تنوخ و بہراء میں شام کے چند بڑے آزمودہ کار جنگجو شامل تھے۔ عمار بن یاسر کے ایک ہی حملے میں عمرو بن عاص کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پسپا ہو کر لشکر معاویہ میں چلے گئے۔ اس روز کی جنگ میں بھی کشتوں کے پشتے لگ گئے جن میں شامیوں کی کثرت تھی لیکن اہل عراق بھی کچھ کم نہ تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہفتے کے روز جو جنگ صفین کا چوتھا دن تھا اپنے بیٹے محمد حنفیہ اور ان کے فوجی دستے کو آگے بھیجا تو اُدھر سے معاویہ نے عبید اللہ بن عمر خطاب رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا۔ عبید اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) اس اندیشے سے کہ علی (رضی اللہ عنہ) انہیں ہُرمزان کے معاملے میں پکڑ لیں گے، مدینے سے معاویہ کے پاس دمشق چلے گئے تھے کیونکہ ابولولوۃ نے جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا ان کے والد حضرت عمر رضؓ کو قتل کیا تھا مگر عبید اللہ نے اپنے باپ حضرت عمر رضؓ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے ابولولوہ کے سابق مالک ہُرمزان کو قتل کر دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ مدینے میں فارس کے کسی آدمی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے، یہی وجہ تھی کہ جب حضرت علی رضؓ خلیفہ ہو گئے تو عبید اللہ کو یقین ہو گیا کہ وہ ہرمزان کو بے سبب قتل کرنے کے جرم میں انہیں ضرور قتل کرا دیں گے اور وہ جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا اسی خوف سے معاویہ کے پاس دمشق چلے گئے تھے۔ بہر کیف اس روز بھی شام تک بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی لیکن عبید اللہ دوپہر کو زخمی ہو کر میدانِ جنگ سے واپس چلے گئے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لڑائی کے پانچویں روز جو اتوار کا دن تھا پہلے عبد اللہ بن عباس کو آگے بھیجا تو اُدھر سے معاویہ نے ان کے مقابلے کے لیے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو بڑھایا ولید وہ شخص تھا جو بنی عبد المطلب بن ہاشم کو اکثر گالیاں دیا کرتا تھا۔ عبد اللہ بن عباس نے اس سے دیر تک سخت جنگ کی اور آخر میں ولید کو قتل کر کے بولے: "اے صفوان اب اُٹھ کر مجھ سے بات کر!" صفوان ولید کا لقب تھا۔ اس روز کی شدید جنگ میں ابن عباس ہی کو غلبہ حاصل رہا۔

لڑائی کے چھٹے دن یعنی پیر کے روز حضرت علی رضؓ نے سعید بن قیس ھمدانی کو آگے بڑھایا وہ اس روز آپ کی طرف سے ہمدانی رسالے کی کمان کر رہے تھے۔ ان کے مقابلے کے لیے

معاویہ نے ذی کلاع کو بھیجا۔ان دونوں میں دوپہر تک مقابلہ ہوتا رہا لیکن اس کے بعد دونوں زخموں سے چور ہو کر اپنے اپنے لشکروں کی طرف چلے گئے تو ان کے دستے بھی لڑائی کے ساتویں دن پیر کے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اطاعت گزاروں اور میدان جنگ میں سب سے زیادہ دادِ شجاعت دیتے ہوئے دشمنوں کو کثیر تعداد میں قتل کرنے والوں میں سے اشتر کو آگے بھیجا تو اُدھر سے معاویہ نے ان کے مقابلے کے لیے حبیب بن مسلمہ فہری کو بھیجا۔ان دونوں میں اتنی شدید لڑائی ہوئی کہ موت کئی بار ان کے قریب سے ہو کر گزر گئی، البتہ شدید زخمی ہونے کے باوجود وہ دونوں لقمہ اجل ہونے سے بچ گئے۔جب شام کو وہ دونوں اور ان کے ساتھی اپنے اپنے لشکروں میں واپس ہوئے تو اس وقت تک اہل شام کثیر تعداد میں زخمی ہو چکے تھے بلکہ ان میں قریباً سبھی زخمی تھے۔

حضرت علیؓ کی جنگ

جنگِ صفین کا آٹھواں دن بدھ کا دن تھا۔اس روز حضرت علیؓ بدری صحابہ، دوسرے انصار و مہاجرین اور بنی ربیعہ کے علاوہ ہمدانیوں کو ساتھ لے کر بنفس نفیس میدانِ جنگ میں تشریف لائے۔ابن عباس کی روایت کے مطابق اس روز آپ کے سر پر سفید عمامہ تھا اور آپ کی دونوں آنکھیں دو روشن چراغ معلوم ہو رہی تھیں۔آپ نے اپنے ساتھیوں کی گنجان صفوں میں پہنچ کر انہیں مخاطب کر کے فرمایا:"مسلمانو! اپنی آوازیں برابر رکھو، اپنے کردار کی تکمیل بزرگانِ ملت کی طرح کرو، ایک دوسرے سے درختوں کی شاخوں کی طرح پیوست رہو، لڑائی سے قبل اپنی تلواریں سنبھال لو، نیزوں اور تیروں کو درست حالت میں رکھو، اپنی طرف سے دل میں صرف بھلائی کا خیال رکھو، اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے، تم اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی کے ساتھ ہو، لہٰذا لڑو تو جم کر لڑو، صبر و استقامت کا مظاہرہ کرو اور ہر حالت میں فرار سے قطعاً اجتناب کرو تاکہ آخر میں شرمندہ نہ ہونا پڑے اور روزِ حشر آتش جہنم کا سامنا نہ ہو، تمہارے سامنے دشمنوں کا جمِ غفیر ہے جس کا ہر فرد سرتاپا فولاد میں غرق ہے، انہیں بڑی سے بڑی ضرب لگاؤ کیونکہ ان کے سروں پر شیطان سوار ہے اور ذریہ قدم مکر و فریب کا فرش ہے، تم ان کے مقابلے کے لیے اس طرح آگے بڑھو کہ وہ ہمیشہ یاد رکھیں۔تاآنکہ حق روشن ہو کر سامنے آجائے، تم بہترین لوگ ہو، یہاں اپنے عمل نیک کو چھوڑ نہ بیٹھنا۔

مندرجہ بالا خطبے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بالکل رسول اللہ صلے اللہ علیہ کی طرح جنگ کے لیے آگے بڑھے۔ان کے مقابلے کے لیے معاویہ بہت سے شامیوں کو ساتھ لے کر

نکلے۔ شام کے وقت جب فریقین واپس ہوئے تو فاتح کوئی نہ تھا۔

جنگ کے نویں روز بھی جو جمعرات کا دن تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر میدان میں آئے تو ان کے مقابلے کے لیے خود معاویہ اپنی صفوں سے آگے آئے اور سُورج ڈھلنے تک دونوں میں جنگ ہوتی رہی۔ معاویہ کے لشکر کا ایک گروہ جو چار ہزار صخری جوانوں پر مشتمل تھا جن کا لباس سبز رنگ کا تھا۔ حضرت علی رضؓ کے مقابلے میں وہ یقیناً اپنی موت کو دعوت دینے آئے تھے لیکن ان کے لبوں پر خون عثمان رضؓ کے قصاص کا نعرہ تھا، ان کے آگے آگے عبید اللہ بن عمر رضؓ تھے جو رجز کے طور پر یہ اشعار پڑھ رہے تھے:۔

میں عبید اللہ بن عمر رضؓ ہوں جو نبیؐ اور شیخ بزرگ کے بعد قریش کے بہترین شخص تھے
قریش کے اسلاف و اخلاف دونوں میں میری عمر عثمان رضؓ کی اتباع و نصرت میں گزری ہے
پس اے بنی ربیعہ بارش کی پیاس مت بجھاؤ!"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن عمر رضؓ کو پکار کر کہا: "اے ابن عمر (رضی اللہ عنہ) مجھے تجھ پر افسوس ہے کہ تو مجھ سے لڑنے آیا ہے، اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو مجھ سے ہرگز نہ لڑتا۔"

یہ سُن کر عبید اللہ بولے: "میں حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے خون کے قصاص کا طالب ہوں۔"

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تو مجھ سے خون عثمانؓ کا قصاص چاہتا ہے مگر میں تجھ سے بجا طور پر قتل ہرمزان کا قصاص لینا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر آپ نے اشتر نخعی کو عبید اللہ بن عمر رضؓ کے مقابلے کا حکم دیا تو وہ بھی رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے عبید اللہ کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے لیکن آخر الذکر نے ان سے جنگ نہیں کی۔

اس روز کی جنگ میں بھی لوگ کثیر تعداد میں قتل ہوئے۔

عمّار بن یاسر رضؓ

عمّار بن یاسر نے روزِ جنگ جو کچھ کہا اور ان پر جو کچھ گزری وہ درج ذیل ہے۔

انہوں نے فرمایا: "میں ان لوگوں کے منہ کیا دیکھوں جن کے کردار کی پستی کا یہ عالم ہے کہ وہ حق سے روگردانی کر کے باطل کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ ہمیں شکست نہیں ہو سکتی جب تک ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نہ ہو لیکن یہ ناممکن ہے کیونکہ ہم حق پر ہیں اور یہ لوگ

باطل کی حمایت کر رہے ہیں۔"

جب عمار بن یاسرؓ میدان جنگ سے اپنی جگہ واپس آئے تو انہیں سخت پیاس لگ رہی تھی، اسی وقت کسی عورت نے انہیں دُودھ سے لبریز پیالہ پیش کیا جسے دیکھ کر وہ بولے: "اللہ اکبر اللہ اکبر، آج کا دن میری زندگی کا سب سے بہترین دن ہے، مجھے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دن کی خبر دی تھی اور بالکل سچ فرمایا تھا اور مجھ سے اس بہترین دن کے لیے ایک وعدہ بھی فرمایا تھا۔" اس کے بعد انہوں نے کہا: "اے لوگو! کیا آج زیرِ آسمان اللہ تعالٰی کی طرف سے بھیجی ہوئی خوشبو تم محسوس کر رہے ہو؟ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں ہم آپؐ کے دشمنوں سے لڑتے تھے آپؐ کی وفات کے بعد آپ کے احکام کا صحیح مفہوم سمجھتے ہوئے آج بھی دشمنانِ دین سے اسی طرح لڑیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ درج ذیل رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے پھر میدانِ جنگ کی طرف لوٹ گئے۔

جس طرح ہم رسول اللہ کے زمانے میں تم سے لڑتے تھے آج بھی ویسے ہی لڑیں گے
تاکہ آپؐ کے دوست دشمن متمیز ہو جائیں اور باطل کے مقابلے میں حق ظاہر ہو جائے"

جب عمارؓ دوبارہ میدان جنگ میں پہنچے تو ان پر مقابل فوج کی طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی لیکن وہ ان کی صفوں میں دلیرانہ بڑھتے چلے گئے اور اتنے بڑھے کہ ابوالعادیہ عاملی اور ابن جون سکسکی نے موقع پا کر انہیں قتل کر دیا۔ اس بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں کہ ان کے ہتھیاروں پر قبضہ کرنے کے بعد ان کے کپڑے تک اُتار لیے گئے تھے۔

جب عمارؓ بن یاسر کے قاتلوں کو عبد اللہ بن عمرو بن عاص کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ بولے:

"تم دونوں میرے سامنے سے دُور ہو جاؤ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُنا ہے کہ "میں قریش کو عمار کی وجہ سے چاہتا ہوں، قریش میں جو اچھے اوصاف ہیں وہ عمار کے اوصاف کا پرتو ہیں، یہ کسی دن اُنھیں جنت کی دعوت دیں گے لیکن وہ (قریش) انہیں دوزخ میں گھسیٹنا چاہیں گے۔" (حدیث کا مفہومی ترجمہ)

عمار بن یاسر کے جنازے کی نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی لیکن انہیں غسل نہیں دیا گیا نہ کفن پہنایا گیا بلکہ ویسے ہی دفن کر دیا گیا۔ ان کی قبر صفین ہی میں ہے۔

عمار بن یاسر کے نسب کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ انہیں بنی مخزوم سے

بتاتے ہیں جب کہ کچھ دوسرے لوگوں کی رائے ہیں وہ ان کے حلیفوں میں سے تھے لیکن کچھ اور لوگ اس رائے کے مخالف ہیں۔ ان کے مفصّل حالات وکوائف ہم اپنی ایک دوسری کتاب "مزاہر الاخبار وطرائف الآثار" میں ان پچاس اشخاص کے حالات وکوائف کے ساتھ بیان کر چکے ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے وقت ان کی حمایت میں جان دینے کی قسم کھائی تھی۔ عمار بن یاسر کی موت پر حجاج بن عزیہ انصاری نے ایک بڑا دردناک و پُر اثر مرثیہ بھی کہا ہے۔

اس روز کی لڑائی میں عمّار بن یاسرؓ کے کام آجانے کے بعد سعید بن قیس ہمدانی نے ہمدانیوں کی اور قیس بن سعد بن عبادہ نے انصار اور بنی ربیعہ کے لوگوں کی کمان سنبھالی اور عدی بن حاتم بنی طے میں سے اور سعید بن قیس ہمدانی نے آگے بڑھنے والوں میں پہل کی۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی اور ادھر اُدھر دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے کی صفوں میں گھُس کر دست بدست لڑنے لگے جس سے لڑائی میں حد درجہ شدّت پیدا ہو گئی۔ ادھر کا ہمدانی دستہ شامیوں کو دھکیلتا ہوا وہاں تک لے گیا جہاں معاویہ کھڑے تھے، وہاں معاویہ کے ساتھ سعید بن قیس کے بعض لوگوں کے علاوہ ہمدان کے بھی کچھ لوگ کھڑے تھے۔ حضرت علیؓ نے اُشتر کو حکم دیا کہ وہ اپنا پرچم لے کر اہلِ حمص وقنسرین کی طرف بڑھیں۔ اس کے نتیجے میں بہت سے اہلِ حمص وقنسرین قتل ہوئے جن میں متعدد قاری بھی شامل تھے۔

اس روز "مرقال" اس طرح تڑپ رہے تھے جیسے کوئی پرندہ پنجرے میں پھڑپھڑاتا ہے، وہ برق رفتاری سے ادھر اُدھر جا رہے تھے، کوئی انہیں چھیڑنے کو کہتا کہ "اسے بھنگے آج بزدلی نہ دکھانا تو وہ اس کا دوبدو "منہ توڑ" جواب دیتے۔ ہاشم بن عتبہ عرف "مرقال" ذی کلاع کو سامنے دیکھ کر اس پر جھپٹے تو ان پر ذی کلاع کے پرچم بردار نے آگے بڑھ کر تیزی سے حملہ کر دیا، وہ شخص بنی عُذرہ کا کوئی آدمی تھا۔ پہلے ان دونوں میں تلخ کلامی ہوئی جس کے بعد ہاشم مرقال نے اس کے حملے سے بچاؤ کے بعد اسے قتل کر دیا اور آگے بڑھ کر ذوکلاع پر حملہ آور ہوئے۔

اس روز ہاشم مرقال اور ان کے ساتھیوں نے قسم کھائی تھی کہ یا تو فتح حاصل کریں گے یا قتل ہو جائیں گے۔ مرقال پر دشمن کی ایک جماعت نے مل کر حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا لیکن وہ اس وقت تک ذوکلاع اور اس کے جملہ ساتھیوں کو قتل کر چکے تھے۔ مرقال کا بیٹا اپنے باپ کے قتل کے بعد اس کا پرچم بلند کر کے دشمنوں پر اسی کی سی برق رفتاری سے جا پڑا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے کچھ ساتھیوں نے جب مرقال کی لاش دیکھی تو حضرت علیؓ نے اللہ تعالیٰ سے ان پہ نزول رحمت کے لیے دعا فرمائی۔

حذیفہ بن یمان اور اس کے بیٹے

اس روز کی جنگ میں حذیفہ بن یمان کے بیٹوں سعد وصفوان نے حصہ لیا ۳۶ھ ہجری میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا اس وقت حذیفہ کوفے میں بیمار پڑے تھے۔ جب انہیں عثمانؓ کے قتل اور اہل مدینہ کی طرف سے حضرت علیؓ کی بیعت کی خبر ملی تو انہوں نے چلا کر کہا "مجھے مکان سے باہر لے چلو، لوگوں کو بلاؤ کہ وہ مل کر شکرانے کی نماز ادا کریں، جب انہیں مسجد میں لے جایا گیا تو انہوں نے منبر پہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حمد و ثنا کے بعد آل رسول پہ درود بھیجا اور پھر حسب ذیل خطبہ دیا۔

"لوگو! دوسرے لوگوں نے علی (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کر لی ہے، تم پہ بھی لازم ہے کہ تقوےٰ اختیار کر کے ان کی بیعت کے بعد ان کی مدد بھی کرو، علی (رضی اللہ عنہ) اوّل و آخر حق پہ ہیں، وہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد اب تک ہر شخص سے افضل ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔"

اس کے بعد انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ پہ داہنا ہاتھ رکھ کر کہا "اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ میں نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کر لی ہے" پھر بولے "یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے آج تک زندہ رکھا۔" اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں سعد و صفوان سے کہا: "اب تم مجھے اٹھا کر گھر لے چلو اور دیکھو! تم علی (رضی اللہ عنہ) کا ہمیشہ ساتھ دینا کیونکہ انہیں متعدد لڑائیاں پیش آئیں گی جن میں بے شمار لوگ قتل ہوں گے، تم ان کا (حضرت علیؓ کا) ساتھ دینے سے کبھی نہ چوکنا کیونکہ وہی درحقیقت حق پہ ہیں اور جو ان کے مخالف ہیں وہ باطل کی پیروی کر رہے ہیں۔"

اس گفتگو کے سات دن اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ چالیس دن بعد حذیفہ بن یمان نے کوفے میں وفات پائی۔ جن لوگوں نے ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی ان میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے دونوں بیٹے عبد اللہ و عبد الرحمٰن اور بنی خزاعہ کے بہت سے دوسرے لوگ شامل تھے۔

عبد اللہ اور ان کے بھائی عبد الرحمٰن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے میسرہ میں تھے اور وہ دونوں یکے بعد دیگرے جنگ صفین کے اسی روز جس کا ہم ابھی ذکر کر رہے ہیں قتل

کر دیے گئے۔

اس روز معاویہ بنے یہ دیکھ کر کہ اہل شام مسلسل پسپا ہو رہے ہیں اور اہل عراق برابر بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ نعمان بن جبلہ تنوخی کو بُلایا جو اپنے قبیلے تنُوخ اور بہرا کا پرچم اُٹھائے دونوں کی کمان کر رہے تھے اور ان سے بولے: "میں نے تم لوگوں میں سے تمہیں بہترین سمجھ کر ان کی کمان تمہیں دی ہے، پھر تم انہیں آگے کیوں نہیں بڑھاتے؟ کیا تم اپنے قول و قرار سے پھر گئے ہو؟" معاویہ کی زبان سے یہ سُن کر نعمان بن جبلہ تنوخی نے جواب دیا: "میرا قول و قرار میری ذات تک محدود ہے، میں حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہوں پھر بھی اپنا قول نبھانے کے لیے مُلک و امارت کے حصول تک آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوں لیکن اپنی قوم کو اس آگ میں نہیں جھونک سکتا جہاں عراقی اپنی چمکدار تلواروں سے کُشتوں کے پشتے لگاتے چلے جارہے ہیں اور باقی ماندہ لوگوں کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہیں ہے اور مجھے خبر ہے کہ میں نے صرف آپ کے لیے اس رُشد و ہدایت سے مُنہ موڑ لیا ہے جس کے لیے آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی جنگ پر مجبور ہو گئے ہیں لیکن ہم نے شام کے اثمار و زیتون کی خاطر جنت کی نہروں اور اس کے پھلوں کو بھُلا دیا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ مُڑا اور جنگ میں شامل ہو گیا۔

مقتل عبیداللہ بن عمرؓ

جب عبیداللہ بن عمرؓ میدان جنگ میں جانے کے لیے اُٹھے تو ان کی بیویاں ان کے جسم پر ہتھیار سجانے لگیں لیکن ان کی بیوی شیبانیہ بنت ہانی بن قبیصہ ان کے خیمے میں نہیں آئیں یہ دیکھ کر وہ خود ان کے خیمے میں گئے اور ان سے بولے: "تم یہاں کیا کر رہی ہو جب کہ میں میدانِ جنگ میں جانے کی تیاری کر رہا ہوں، بہر کیف اگر میں لڑائی میں کام آجاؤں تو تم اپنے خیمے کی طنابوں کو مضبوط و مربوط رکھنا، میں نے اسی لیے اب تک تمہیں اپنی سب بیویوں پر ترجیح دی ہے۔" یہ سُن کر وہ بولیں: "آپ میدانِ جنگ میں جارہے ہیں لیکن مجھے یہ بتائیے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ آپ نے زمانہ اسلام یا اس سے قبل زمانہُ جاہلیت میں کتنی لڑائیوں میں حصّہ لیا ہے؟ کیا آج کی لڑائی میں آپ اپنے سب مخالفین کو قتل کر سکیں گے؟ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ آپ اس لڑائی میں صرف اس لیے شریک ہو رہے ہیں کہ جو شخص حق پر ہے وہ ویسے بھی قتل ہرمزان کے قصاص میں آپ کو قتل کر دیتا اور۔۔۔۔"

ابھی شیبانیہ کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ عبید اللہ نے اسے کمان مار کر زخمی کر دیا پھر بھی وہ کہنے سے نہ رُک سکی کہ "میری آخری آرزو یہ ہے کہ اگر آپ اس جنگ میں قتل ہو جائیں تو آپ کی لاش میرے پاس ضرور بھجوا دی جائے۔" شیبانیہ کی زبان سے یہ کلمات سُن کر عبید اللہ طیش میں بھرے ہوئے اس کے خیمے سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس کا رُخ میدانِ جنگ کی طرف موڑ دیا جب وہ میدان جنگ میں پہنچے تو حریث بن جابر جعفی نے پہلے ان پر آوازے کسے اور پھر دست بدست لڑائی میں انہیں قتل کر دیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ انہیں اُشتر نخعی نے قتل کیا تھا اور کچھ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے ہاتھوں قتل ہرمزان کے بعد سے انہیں گرفتار کرنے کی فکر میں تھے۔ آج جب ان پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے ان کے سر پر ایسی بھرپور تلوار ماری کہ وہ ان کا خود کاٹتی ہوئی ان کے بالائی جسم سے گزر کر ان کے پیٹ تک جا پہنچی اور اس طرح آپ نے انہیں قتل کر کے کہا "میں آج قتل ہرمزان کے قصاص سے سبکدوش ہوا ہوں۔"

عبید اللہ کی بیویوں نے معاویہ سے ان کی لاش بھیجنے کی درخواست کی تو انہوں نے اس کے بدلے میں ان سے دس ہزار دینار طلب کیے جو انہوں نے بھجوا دیے۔ یہ واقعہ سُن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"کسی مُردہ شخص کی لاش مُردار ہوتی ہے اور اس کی فروخت حرام ہے، جس طرح کُتا حرام ہوتا ہے لیکن اب چونکہ معاویہ کو اس کی قیمت مل گئی ہے لہٰذا تم لوگ اس سے اس کی لاش منگوا کر ان کی بیوی شیبانیہ کو بھجوا دو۔"

جب جنگ کے آخری دن لڑائی نے زور پکڑا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ لشکر شام کی صفوں کو چیرتے ہوئے معاویہ کے خیمے تک جا پہنچے اور انہیں آواز دے کر کہا "معاویہ! تم ہزاروں مسلمانوں کا خون کیوں گرا رہے ہو؟ نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ میرا اور تمہارا قضیہ ہے، بہتر ہے کہ تم باہر آ کر میرا مقابلہ کرو تاکہ اس کا فیصلہ ہو جائے۔"

حضرت علی رضؓ کی یہ باتیں عمرو بن عاص نے بھی سُنیں جو اس وقت معاویہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے معاویہ سے کہا: علی رضی اللہ عنہ ٹھیک تو کہہ رہے ہیں، آپ جا کر ان کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟"

معاویہ بولے: "تمہارا مقصد میں سمجھتا ہوں، پہلے تم نے مجھ سے مصر کی گورنری مانگی جو تمہیں مل گئی ہے۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟ یہی نا کہ میرے قتل ہونے کے بعد تم میرے جُملہ

مقبوضات پر قابض ہو جاؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ اب تک میدانِ جنگ میں علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کر کے کوئی زندہ واپس نہیں لوٹا۔ یا اگر بفرضِ محال زندہ رہا تو بحالت اسیری۔"

معاویہ کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراقی اور اپنی دوسری فوجی صفوں کو شامیوں پر ایک بار اور بھرپور حملے کا حکم دیا۔ اس وقت تک عمرو بن عاص دوبارہ شامی افواج میں جا پہنچا تھا مگر یہ وہ وقت تھا جب اہلِ عراق شامیوں پر ہر حملے میں غالب آتے جا رہے تھے اور آخر الذکر میں ہر طرف بھگدڑ پڑی ہوئی تھی۔ عمرو بن عاص نے دیکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ اب اس کے قریب پہنچنے ہی والے ہیں تو وہ گھوڑے سے کودا، نیزہ اور تلوار پھینک کر کپڑے تک اُتار ڈالے اور مادرزاد برہنہ ہو کر کھڑا ہو گیا، حضرت علی رضؓ جب اسے قتل کرنے کے ارادے سے اس کی طرف بڑھے اور تلوار بلند کی تو اسے اس حالت میں دیکھ کر استغفر اللہ کہا اور منہ پھیر لیا۔ عمرو بن عاص نے یہ موقع غنیمت جانا اور بھاگتا ہوا معاویہ کے خیمے میں جا پہنچا اور گھبرا کر ان سے بولا: "کیا آپ کو جنگ کا اندازہ نہیں ہے؟ باہر نکل کر دیکھیے ہماری فوج کے لاتعداد سپاہی قتل ہو چکے ہیں، عراقیوں نے ہمیں ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا ہے، تھوڑی دیر میں شام کا ہر شخص ہتھیار ڈال دے گا، علی رضی اللہ عنہ کی فتح یقینی ہے۔"

معاویہ بولے: "پھر کیا کیا جائے؟" عمرو بن عاص نے کہا: "آپ باہر نکل کر اپنی بچی کھچی فوج کو حکم دیجیے کہ وہ ہر طرف نیزوں پہ قرآن بلند کر لیں اور آپ اعلان کرائیے کہ اب ہمارے اور علی (رضی اللہ عنہ) کے مابین تلوار کی جگہ کلام الٰہی فیصلہ کرے گا۔"

معاویہ کو عمرو بن عاص کا یہ مشورہ پسند آیا اور دیکھتے دیکھتے شامی فوج کے کم سے کم پانچ سو افراد نے تلواریں پھینک کر نیزوں پر قرآن بلند کر لیے اور ہر طرف وہی اعلان ہونے لگا جس کا مشورہ عمرو بن عاص نے معاویہ کو دیا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے قلب لشکر کے علاوہ میسرہ اور میمنہ دونوں میں برق رفتاری سے پہنچ کر بلند آواز سے فرمایا: "یہ سراسر دھوکا ہے، جو لوگ احکام شریعت کے منکر ہیں ان کے نزدیک قرآن کی کیا حیثیت ہے، بے جھجک آگے بڑھو، خدا کے فضل سے کچھ دیر میں ہماری فتح یقینی ہے۔"

اگرچہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ صداقت پر مبنی تھا لیکن کچھ سادہ لوح اہلِ عراق آپ کی دُور اندیشی اور معاویہ کے پُرفریب اعلان اور ان کی موقع پرستی کو نہ سمجھ سکے اور وہ قرآن کے احترام میں جہاں تھے وہیں رُک گئے، ویسے بھی اب رات ہو

چکی تھی اور اہل شام کے لاتعداد افراد کے علاوہ بے شمار اہل عراق بھی لڑائی میں کام آچکے تھے ، اُشترحضرت علی رضؓ کے میمنہ میں تھے اور اہل عراق کو حضرت علی رضؓ کے قول کی صداقت سے آگاہ کر رہے تھے لیکن اشعث اور اس کے ساتھ بہت سے دُوسرے لوگ جو لبعد میں خوارج کے نام سے مشہور ہوئے اپنی جگہ سے نہ ہلے اور یہی کہتے رہے کہ قرآن کا فیصلہ ہمارے لیے حرفِ آخر ہے۔ اُشتر نے چلاّ چلاّ کر انہیں لاکھ سمجھایا کہ معاویہ، عمرو بن عاص ، ابن ابی معیط ، حبیب بن مسلمہ اور ابن نابغہ وغیرہ اصحاب دین و قرآن نہیں ہیں تو احکام قرآن پر کیا عمل کریں گے۔ اسی طرح اُشتر اور اشعث میں دیر تک بحث ہوتی رہی۔ اُدھر معاویہ نے اعلان کیا کہ "ہم قرآن کے سوا کسی کی بات نہیں مانیں گے ، اب فیصلہ قرآن کے مطابق ہوگا۔"

جب ہر طرف سے یہی آوازیں آنے لگیں تو اشعث نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا:-

"آپ تو قرآن کے ہر حکم پر عامل ہیں ، قرآن کا فیصلہ ظاہر ہے آپ کو بھی قبول کر لینا چاہیے۔" اس کے بعد اشعث بولا " معاویہ عمرو بن عاص کو قرآن کے مطابق اپنی طرف سے ثالث بنانے کے لیے تیار ہیں آپ ابو موسےٰ اشعریؓ کو مقرر کر دیجیے۔"

حضرت علی رضؓ نے فرمایا: "مجھے ابو موسےٰ اشعریؓ کا بخوبی تجربہ ہے ، وہ اپنے گزشتہ اعمال کے پیش نظر میری طرف سے ثالثی کا حق ادا کرنے کے اہل نہیں ہیں ، بہتر ہے کہ عبداللہؓ بن عباسؓ کو مقرر کیا جائے۔"

اشعث نے کہا: اگر ابو موسےٰ اشعریؓ آپ کے نزدیک غیر جانب دار نہیں ہو سکتے تو پھر عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں بھی لوگ یہی کہیں گے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : تو پھر ہماری طرف سے اُشتر کو ثالث بنا دیا جائے۔"

اشعث نے کہا: " وہ بھی آپ کے خاص حمایتی سمجھے جاتے ہیں ، لہٰذا ان کی ثالثی بھی عام مسلمانوں کی رائے میں مشکوک ہی رہے گی۔"

یہ سُن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " پھر تم اپنی طرف سے جسے چاہو ثالث بنا دو۔" اس پر اکثر لوگ بولے : " ابو موسیٰ ہی بہتر ہیں ، ان کا فیصلہ یقیناً خیر پر مبنی ہوگا۔" چنانچہ ادھر سے انہیں ثالث بنا دیا گیا۔

تحکیم (ثالثی) کا آغاز

ابوموسےٰ اشعریؓ جنگ صفین سے قبل کہا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کے دو گروہوں کو اس وقت تک چین نہ ملا جب تک انہوں نے ثالثی کے لیے دو ثالث مقرر نہیں کر دیے تھے لیکن اس کے بعد بھی فتنہ ختم نہ ہوا تھا کیونکہ ان دونوں گروہوں کے پیروکاروں نے ان کے فیصلے پر اتفاق نہیں کیا۔

جب ابوموسےٰ اشعریؓ حاکمین میں سے ایک مقرر ہو گئے تو ان سے سوید بن غفلہ نے کہا پہلے تو آپ بنی اسرائیل کے زمانے کی بات کیا کرتے تھے لیکن اب تو دو ثالثوں میں سے آپ خود ایک حکم بن گئے ہیں، آپ اس کے بارے میں اچھی طرح سوچ لیجیے۔"

یہ سُن کر ابوموسےٰ اشعریؓ نے کہا، کیا مجھے حکم بنایا گیا ہے؟" سوید بن غفلہ بولے:

"جی ہاں آپ کو۔" یہ سُن کر ابوموسےٰ اشعریؓ نے اپنا کرتہ اُتار پھینکا، پھر بولے:-

"کیا مجھے آسمان کے دو طبقات کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے جب کہ میں آسمان تو کیا زمین کے بارے میں کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے سے قاصر ہوں۔"

جب تحکیم کے بعد سوید بن غفلہ نے ان سے کہا:-

"اے ابوموسےٰ کیا آپ کو اپنا پہلا قول یاد ہے" تو انہوں نے جواب دیا:-

"اللہ کی مرضی۔"

تحکیم کی شرائط اور اجتماعِ مسلمین کی دعوت

مؤرخین کے مطابق اس بات پر اتفاق ہو گیا تھا کہ قرآن سے رجوع کے بعد

اس کے اوامر و نواہی پر پورا پورا عمل کیا جائے اور اپنی ذاتی رائے کو حاکمین میں سے کوئی دخل نہ دے، پھر ان کے فیصلے پر جملہ مسلمان عمل کریں۔ بہر کیف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"میں قرآن کے ایک ایک لفظ پر عمل کرنے کا پابند ہوں لیکن ثالثوں میں سے کسی نے بھی احکام قرآنی کے برعکس فیصلہ کیا تو اس کی پابندی مجھ پر لازم نہیں ہوگی۔"

ثالثوں (حکمین) کی ملاقات کے لیے ماہ رمضان مقرر کیا گیا اور اس میں جو معاہدہ تیار کیا گیا اس میں یہ تحریر کیا گیا کہ ثالثی ماہ صفر کے اواخر ۳۷ھ ہجری میں ہوگی اور یہ کہ جہاں ثالث فیصلے کے لیے دوبارہ ملاقات کریں گے وہ جگہ کوفے اور شام کے درمیانی علاقے میں ہوگی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تاریخ ماہ صفر کے ایک ماہ بعد رکھی گئی تھی۔

اشعث مذکورہ بالا معاہدے کی ایک تصدیق شدہ نقل لے کر خوشی خوشی لوگوں کو دکھاتے پھرتے تھے۔ وہ ایک روز بنی تمیم میں پہنچے جہاں اس قبیلے کے لوگ اور ان کے زعماء جمع تھے، اشعث نے وہ معاہدہ انہیں بھی پڑھ کر سنایا تو ان لوگوں اور اشعث میں دیر تک بحث ہوتی رہی، ان لوگوں میں عروہ بن اذیہ تمیمی بھی موجود تھا، وہ بلال خارجی کا بھائی تھا، اشعث لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ "جب تک ثالث کوئی فیصلہ نہ کریں اس وقت تک فریقین یا ان کا کوئی شخص ایک دوسرے کے خلاف تلوار نہ اٹھائے کیونکہ فیصلہ احکام قرآنی کے مطابق ہوگا۔ جس کی پابندی ہر شخص کو کرنی چاہیے۔" اس پر عروہ بن اذیہ بولا "لیکن تم ثالث مقرر کرنے والے اور ان کا فیصلہ لوگوں پر مسلط کرنے والے کون ہو؟ ہم خدا کی حاکمیت کے سوا کسی کا فیصلہ نہیں مانیں گے۔" اس بات پر اشعث اور عروہ کے درمیان جھگڑا ہونے لگا۔ عروہ نے تلوار نکال کر اشعث پر حملہ کر دیا جس میں اشعث کا گھوڑا مارا گیا لیکن وہ بال بال بچ گئے۔ قریب تھا کہ تحکیم کے بارے میں اختلاف پر یمنی اور نزاریوں میں بھی تلواریں نکل آئیں لیکن کچھ لوگوں نے درمیان میں پڑ کر انہیں اس سے باز رکھا۔ اشعث پر حملے کی وجہ سے بنی تمیم کے ایک شخص نے عروہ بن اذیہ کی مذمت میں کچھ اشعار بھی کہے ہیں۔

جنگ صفین کے ایام کی تعداد کا تعین

جنگ صفین کے مقتولین کی تعداد کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔

احمد بن دورقی نے یحییٰ بن معین کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جنگ صفین میں ایک سو بیس دن کے اندر اندر جو لوگ قتل ہوئے ان کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار تھی جن میں سے

۹۰ ہزار شامی اور بیس ہزار عراقی تھے لیکن حقیقت وہ ہے جو ہشیم بن عدی طائی اور شرقی بن قطامی اور ابی مخنف لوط بن یحییٰ نے بیان کی ہے جسے ہم نے مختلف طریقوں سے تحقیق کرنے پر صحیح پا کر یہاں درج کیا ہے۔

مذکورہ بالا حضرات لکھتے ہیں :-

" ایک لاکھ پچاس ہزار وہ لوگ تھے جنہوں نے باقاعدہ جنگ میں شرکت کی، ان کے علاوہ ان کے خدام تھے جن کی تعداد پندرہ ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ تھی۔ جو لوگ قتل ہوئے ان کی مجموعی تعداد ستر ہزار بتائی جاتی ہے جن میں سے اہل شام ۴۵ ہزار اور اہل عراق ۲۵ ہزار تھے، یہ تعداد جنگ کے جملہ ایام کے واقعات پر مشتمل ہے، اہل عراق کے ساتھ قتل ہونے والوں میں پچیس بدری صحابہ بھی شامل تھے لیکن یہ تعداد جانے پہچانے لوگوں کی ہے غیر معروف لوگ یا وہ لوگ جو فرار ہوتے ہوئے بڑی علاقے میں قتل ہوئے یا دریا میں غرق ہو گئے ان کے علاوہ ہیں نیز اگر ان لوگوں کو بھی شامل کر لیا جائے جن کی لاشوں کی گنتی سے قبل انہیں جنگلی درندے میدان سے اٹھا لے گئے تو صرف مقتولین کی مذکورہ بالا تعداد کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے۔"

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے جنگِ صفین کے مقتولین کی صحیح تعداد کا کس قدر اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہزاروں والدین اپنے جوان بیٹوں سے محروم ہو گئے ہوں گے۔ ہزاروں بچے یتیم ہو گئے ہوں گے۔ مذکورہ بالا واقعہ نگاروں نے اپنا چشم دید ایک واقعہ لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے جنگِ صفین کے بعد ایک عورت کو روتے اور بین کرتے ہوئے دیکھا تھا جس کے تین بیٹے اس جنگ میں مارے گئے تھے۔

اعلانِ تحکیم کے بعد

اعلانِ تحکیم کے بعد ساری قوم بھڑک اٹھی، بھائی بھائی سے ناراض اور بیٹا باپ سے ناراض نظر آتا تھا۔ جب یہ معلوم ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوچ کا حکم دیا تا کہ اصل حقیقت کا پتہ چلایا جا سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ ان کے نظم و ضبط کے سلسلے میں اختلافات کیوں پیدا ہو گئے ہیں۔ اعلان تحکیم کا سب سے زیادہ اثر عراقی لشکر میں تھا، انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف نیزے اور تلواریں نکال لیں تھیں اور اس معاملے میں اختلاف رائے کی وجہ سے ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔

یہ حالات تھے جب حضرت علی رضؓ کوفے اور معاویہ دمشق پہنچے اور معاویہ کا لشکر بھی ان کے ساتھ شام چلا گیا۔

حروری خوارج

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے پہنچے تو تقریباً بارہ ہزار افراد جن میں کچھ قاری وغیرہ بھی شامل تھے ان سے الگ ہو کر حروراء چلے گئے جو کوفے کے قریب ایک دیہاتی بستی تھی۔ ان کی سربراہی شبیب بن ربعی تمیمی کر رہے تھے اور وہاں پہنچ کر انہیں نماز عبد اللہ بن کواء لشکری نے پڑھائی تھی۔ ان کا تعلق قبیلہ بکر بن وائل سے تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے سے وہاں گئے اور کافی بحث و تمحیص کے بعد انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ کوفے چل کر وہاں کے عوام کو اپنے خیالات سے آگاہ کریں اور انہیں بتائیں کہ انہیں کوفہ چھوڑ کر حروراء جانے کی کیا ضرورت پیش آئی۔

یحییٰ بن معین وہب بن جابر بن حازم اور صلت بن بہرام کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب صلت بن بہرام کوفے میں داخل ہوئے تو انہوں نے حروراء سے آئے ہوئے لوگوں کو مسجد میں چیخ چیخ کر یہ کہتے سنا کہ " دنیا کی بدترین بات ہمیں قبول کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے جسے ہم کسی حادثے یا بلا سے کم نہیں سمجھتے، بس ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ حکم دینے والا اللہ ہے۔"

صلت بن بہرام کے مطابق حضرت علی رضؓ منبر سے اعلان فرما رہے تھے: " اللہ کا حکم تو تمہارے پاس موجود ہے لیکن غور سے پڑھنے اور سمجھنے کے لیے تمہارا منتظر ہے۔" یہ سن کر مجمعے سے کچھ لوگوں نے یک زبان ہو کر یہ آیت تلاوت کی: " ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین"

تو حضرت علی رضؓ نے یہ آیت قرآنی انہیں سنائی: " فاصبر ان وعد اللہ حق، ولا یستخفنک الذین لا یوقنون"

ثالثوں کی ملاقات

ثالثوں یعنی ابو موسے اشعریؓ اور عمرو بن عاص معاہدۂ تحکیم پر عمل کرنے کے لیے دومۃ الجندل میں ایک دوسرے سے ملے۔ یہ ۳۸ سنہ ہجری تھا۔ کچھ لوگ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس سال کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ بہر کیف حضرت علی رضؓ نے ابو موسے اشعریؓ کے ساتھ عبد اللہ بن عباسؓ اور شریح ابن ہانی ہمدانی کو بھیجا تھا اور ان کے ساتھ چار سو دوسرے آدمی اور کر دیے

تھے۔ اُدھر معاویہ نے عمرو بن عاص کے ساتھ شرجیل بن سمط کو چار سو آدمی دے کر بھیجا تھا۔ جب لوگ دومۃ الجندل میں جوق در جوق ثالثوں کا فیصلہ سننے کے لیے جمع ہونے لگے تو عبداللہؓ بن عباس نے ابو موسےٰ اشعریؓ سے کہا "حضرت علیؓ آپ کو ثالث کی حیثیت سے اس لیے قبول کرنے پر راضی نہیں ہوئے ہیں کہ آپ کو دُوسروں پر کسی طور سے فضیلت حاصل ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دوسرے بہت سے لوگ اس سلسلے میں آپ پر فضیلت رکھتے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہل عرب آپ کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے، یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ حضرت علیؓ نے لوگوں کے حد درجہ اصرار سے مجبور ہو کر آپ کو اس حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ چند اور باتیں بھی آپ کے سمجھ لینے اور یاد رکھنے کی ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اہل عراق کے علاوہ مدینے کے ان تمام لوگوں نے جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی پہلے بیعت کی تھی اب حضرت علیؓ کی بیعت کر چکے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خلافت کی اہلیت کے لیے جن باتوں کا کسی شخص میں ہونا ضروری ہے وہ سب حضرت علیؓ میں پائی جاتی ہیں جب کہ معاویہ میں ان باتوں کا فقدان ہے، پھر دوسری بات یہ بھی یاد رکھیے کہ عمرو بن عاص بہت چالاک شخص ہے اس کی باتوں میں نہ آجائیے گا، وہ آپ سے وہی باتیں کہے گا جو معاویہ نے اس کے کانوں میں ڈالی ہوں گی۔ وہ باتیں یہ ہوسکتی ہیں کہ وہ تم سے کہے "امیر معاویہ نے آپ کو ثالث کی حیثیت سے ہنسی خوشی قبول کیا ہے جس میں جملہ اہل شام شامل ہیں جب کہ علی (رضی اللہ عنہ) نے آپ کو طوعاً و کرہاً قبول کیا ہے کیونکہ جملہ اہل عراق اس کی مخالفت کر رہے تھے اور اُنھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے مان جانے پر آپ کو قبول کیا ہے وہ بھی دل سے نہیں۔" وہ آپ سے یہ بھی کہے گا کہ "آپ کی برائی معاویہ ایک طویل اللسان، قصیر الرائے اور صوت حمار رکھنے والے شخص کی زبان سے سُن چکے ہیں اور یہ بھی کہ سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن عوف زہری اور مغیرہ بن شعبہ ثقفی وغیرہ جیسے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی بلکہ دُوسرے بہت سے لوگوں کو اس کی مخالفت کرتے ہوئے اس سے روکا ہے۔" لہٰذا آپ کو یہ سب باتیں ذہن میں رکھ کر عمرو بن عاص کے ساتھ بحیثیت اس ثالث کے جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے بیٹھنا ہوگا۔

مذکورہ بالا دونوں ثالثوں کی ملاقات ۳۸ھ ہجری کے ماہِ رمضان میں ہوئی، اس سے قبل

عبداللہ بن عباس ابوموسیٰ اشعریؓ کو مندرجہ بالا ساری باتیں سمجھا چکے تھے۔

جب ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن عاص تحکیم کی غرض سے ایک جگہ بیٹھے تو عمرو بن عاص نے کہا:۔

"آپ کچھ فرمائیے جو کلامِ خیر ہو۔"

ابوموسیٰ بولے: "آپ پہلے کچھ ارشاد فرمائیں۔"

عمرو بن عاص: "بھلا میں آپ جیسی بزرگ شخصیت کے سامنے ابتدائے کلام کیسے کر سکتا ہوں۔ آپ کو نہ صرف سن و سال کی بزرگی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جلیل القدر صحابی ہونے کی حیثیت سے جو فضیلت آپ کو حاصل ہے وہ مجھے کب حاصل ہے؟ اس کے علاوہ آپ مہمان بھی تو ہیں۔"

ابوموسیٰ اشعریؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ان کا پاس لحاظ رکھنے پر عمرو بن عاص کا شکریہ ادا کیا، پھر کچھ ایسی باتوں کا ذکر کیا جو اہلِ اسلام میں متنازعہ ہیں لیکن اسلام ان کا صحیح حل پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد بولے: "اے عمرو! مجھے کوئی ایسی بات بتاؤ جو مؤلف القلوب ہو اور لوگوں میں باہمی رشتۂ محبت و اخوت استوار کر دے۔"

عمرو بن عاص نے کہا: "کلامِ الٰہی ہر بات کے لیے حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اگر ہم اس کی تفسیر کا آغاز غلطی سے کریں گے تو آخر تک غلطیاں کرتے چلے جائیں گے، آپ کلامِ الٰہی سے کوئی ایسی آیت بتائیے جس کی تفسیر میں ہم غلطی نہ کر سکیں بلکہ ہمارے درمیان اس وقت جو تنازعہ ہے وہ اسے حل کر دے۔"

ابوموسیٰ اشعری بولے: "لکھیے!"

عمرو بن عاص نے کاغذ منگایا اور کاتب کو بلایا۔ واضح رہے کہ وہ کاتب عمرو بن عاص کا غلام تھا اسے عمرو بن عاص نے پہلے سے سکھا پڑھا رکھا تھا کہ ابوموسیٰ اشعری کی بتائی ہوئی کوئی بات براہِ راست ہرگز نہ لکھنا لیکن حاضرینِ مجلس کے سامنے اس نے کاتب سے کہا:۔

"لکھو!"

جب کاتب نے ثالثوں کے نام لکھنے کے لیے پہلے عمرو بن عاص کا نام لکھنا چاہا تو وہ اسے جھڑک کر بولا:۔ "تیری ماں مرے! کیا تو جناب ابوموسیٰ اشعری اور بحیثیت بزرگ ان کے حق سے واقف نہیں ہے؟ جب تو ثالثوں کے نام لکھے تو پہلے عبداللہ بن قیس لکھنا لیکن سب سے

پہلے اس بات کا خیال رکھ کہ تو ہم میں سے کسی کی بات اس وقت تک نہ لکھنا جب تک ہم اس پر متفق الرائے نہ ہو جائیں۔ پہلے لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس کے بعد لکھو کہ اس تحریر کی ابتدا خدا کے نام سے کرنے کے لیے تجھے ہم دونوں نے حکم دیا ہے۔" چنانچہ کاتب نے پہلے وہی لکھا جو عمرو بن عاص نے اسے لکھنے کے لیے کہا تھا۔ اس کے بعد عمرو بن عاص نے کاتب سے یہ لکھایا:۔

"ہم دونوں گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں، محمدؐ اس کے نبی ہیں اور انہیں خدا نے دنیا میں اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا۔"

اس کے بعد عمرو بن عاص نے کاتب سے کہا: "لکھو! ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ———— کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے آخری وقت تک عمل کرتے رہے اور انہوں نے اس ذمہ داری کا حق جو ان پر خدا اور اس کے رسول کی طرف سے عائد کی گئی بحسن وخوبی ادا کیا۔"

عمرو بن عاص کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر کاتب نے ابو موسےٰ اشعری کی طرف دیکھا تو وہ بولے: "ٹھیک ہے، جو یہ کہتے ہیں وہی لکھ لو۔"

اس کے بعد عمرو بن عاص نے کاتب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہی کچھ لکھنے کے لیے کہا جو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا چکا تھا اور کاتب نے ابو موسےٰ اشعری کے اشارے پر وہ بھی لکھ لیا۔

اس کے بعد عمرو بن عاص نے کاتب سے یہ لکھنے کے لیے کہا:۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شوریٰ اور اُمت مسلمہ کی متفقہ رائے سے امورِ خلافت سرانجام دینے کے لیے منتخب ہوئے اور تمام مسلمانوں نے فرداً فرداً ان کی بیعت کی، وہ بھی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرح مومن تھے ...."

عمرو بن عاص کی زبان سے یہ کلمات سُن کر ابو موسےٰ اشعریؓ اس کا قطع کلام کرتے ہوئے بولے:۔

"یہ سب غیر متعلقہ باتیں ہیں جن پر گفتگو کرنے کے لیے ہم یہاں جمع نہیں ہوئے ہیں

خصوصاً حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں۔"

یہ سُن کر عمروبن عاص نے کہا: "ارے بھئی! وہ مومن تھے یا کافر، چلو یہ بحث چھوڑو اور صرف اتنا بتاؤ کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) بحیثیت مظلوم قتل کیے گئے تھے یا نہیں؟"

ابوموسےٰ نے جواب دیا: "ہاں وہ بحیثیت مظلوم قتل کیے گئے تھے۔"

عمروبن عاص نے کہا: اچھا اب بتائیے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینے کے لیے ان کا کوئی ولی تقاضا کرے تو وہ حق پہ ہوگا یا نہیں؟"

ابوموسےٰ اشعری بولے: "یقیناً حق پہ ہوگا۔"

یہ سُن کر عمروبن عاص نے کہا: "تو آپ کاتب سے کہیے کہ وہ لکھے جو آپ تسلیم کرتے ہیں" پھر خود ہی کاتب سے یہ لکھنے کے لیے کہا۔

"ابوموسےٰ اشعری تسلیم کرتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ بحیثیت مظلوم قتل کیے گئے اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے والی کو ان کے حقوق کا قصاص طلب کرنے کا حق ہے۔"

جب ابوموسےٰ اشعری کا اشارہ پا کر کاتب یہ لکھ چکا تو عمروبن عاص نے کہا:۔

"میرے نزدیک عثمان رضی اللہ عنہ کا بہترین ولی اور ان کے خون کے قصاص کا طالب معاویہ سے بہتر اور کون ہوسکتا ہے؟"

یہ کہہ کر اس نے ابوموسےٰ اشعریؓ سے پوچھا:۔

"یہ بتائیے کہ کوئی شخص کسی کو قتل کردے اور کوئی اور شخص اسے قتل کرنے کی کوشش کرے لیکن قتل نہ کر پائے تو دونوں کو قاتل سمجھا جائے گا یا نہیں؟"

ابوموسےٰ بولے: "یقیناً سمجھا جائے گا۔"

یہ سُن کر عمروبن عاص نے کاتب سے یہ لکھنے کے لیے کہا:۔

"ہم دونوں کے خیال میں مبیّنہ طور پہ علی رضی اللہ عنہ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے اور معاویہ ان کے خون کا قصاص علی رضی اللہ عنہ سے لینے میں حق بجانب ہیں۔"

کاتب، عمروبن عاص نے جو کچھ اسے لکھنے کے لیے کہا تھا وہ لکھنے لگا تھا کہ ابوموسےٰ اشعری اسے روک کر عمروبن عاص سے بولے:

اسلام میں مبیّنہ باتوں پہ فیصلہ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہم یہاں اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ مسلمانوں میں امن و سلامتی قائم کرنے کا باعث بنیں اور امر خلافت کے

بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کریں، یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ اہل عراق معاویہ کو پسند نہیں کرتے، اس لیے وہ بحیثیت امیر المومنین انہیں قبول نہیں کریں گے۔ اسی طرح اہل شام علی رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں کرتے، اس لیے وہ بھی انہیں بحیثیت خلیفہ قبول نہیں کریں گے۔"

عمرو بن عاص نے پوچھا "پھر اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

ابو موسےٰ اشعری بولے: "میری رائے یہ ہے کہ علی و معاویہ دونوں کے حق خلافت کے دعوے کو ناقابل قبول قرار دیتے ہوئے امور خلافت کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جائے۔"

عمرو بن عاص نے کہا: "آپ کے خیال میں ایسا کوئی شخص ہو سکتا ہے؟"

ابو موسےٰ بولے: "عبداللہ بن عمر رضؓ، وہ اور اس کا باپ دونوں صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میرے نزدیک ان سے بہتر کوئی دوسرا شخص خلافت کے لیے موزوں نہیں ہے۔" واضح رہے کہ عبداللہ بن عمر رضؓ ابو موسےٰ کے داماد تھے۔

اس کے بعد عمرو بن عاص نے کہا: "سعد کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ابو موسیٰ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد عمرو بن عاص نے کئی اور نام لیے لیکن ابو موسیٰ ہر نام پر نہیں کہتے اور عبداللہ بن عمر رضؓ کے نام پر اصرار کرتے رہے۔ یہ دیکھ کر عمرو بن عاص نے کاغذ اٹھا کر تہ کیا اور اسے اپنے پاؤں کے نیچے دبا لیا، مہریں وہ پہلے ہی لگوا چکا تھا۔ پھر ابو موسےٰ اشعری سے بولا: "اب آپ کی جو رائے ہے اس کے بارے میں حاضرین مجلس کے سامنے کھڑے ہو کر اعلان کر دیجیے۔"

ابو موسےٰ اشعری بولے: "بہتر ہے کہ آپ ہی اعلان کر دیں۔" یہ سن کر عمرو بن عاص نے حاضرین کو یوں مخاطب کیا:۔

"مسلمانو! اہل اسلام میں امن و سکون کی خاطر علی (رضی اللہ عنہ) کو خلافت کے لیے ناقابل قبول قرار دیا ہے، وہ عبداللہ بن عمر رضؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں لیکن اہل شام انہیں بھی قبول نہیں کریں گے۔" عمرو بن عاص نے کسی قدر ٹھہر کر ابو موسےٰ سے پوچھا: "کیا آپ اہل شام سے لڑیں گے؟" ابو موسےٰ بولے: "نہیں۔"

یہ سن کر عمرو بن عاص حاضرین سے دوبارہ یوں مخاطب ہوئے:۔

"میرے خیال میں معاویہ عبداللہ بن عمر رضؓ سے بہتر ہیں، لہٰذا انہیں کو کیوں نہ خلیفہ بنایا جائے جب کہ ابو موسےٰ پہلے ہی علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے نا اہل قرار دے چکے ہیں۔

مجمع کے ایک گوشے سے بار بار آوازیں آئیں "معاویہ بہتر ہیں، معاویہ بہتر ہیں۔" یہ شاید اہل شام کا گروہ تھا۔

یہ سُن کر ابو موسےٰ اپنی جگہ سے اُٹھ کر بولے:

"میں نے علی و معاویہ دونوں کو ناقابل قبول قرار دیا ہے اس لیے میرے خیال میں ...."

ابھی ابو موسےٰ اپنی بات پوری نہیں کرنے پائے تھے کہ عمرو بن عاص نے ان کے پہلو میں ایک مُکّہ مارا جس سے وہ گر پڑے۔ یہ دیکھ کر شریح بن ہانی نے عمرو بن عاص کے ایک کوڑا رسید کیا اور مجلس درہم برہم ہوگئی۔ شریح بن ہانی نے ابو موسےٰ اشعریؓ کو مکے پہنچایا جہاں وہ اپنی آل اولاد کے ساتھ عمر بھر وہیں رہے اور انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھنے کی سعادت کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابو موسےٰ اور عمرو نے علی و معاویہ دونوں کو اہل اسلام میں امن و سکون کی خاطر اور انہیں آئندہ جنگ و جدل سے بچانے کے لیے ناقابل قبول قرار دے کر فیصلہ مجلس شوریٰ پر چھوڑ دیا تھا۔

عمرو بن عاص اور معاویہ

لوگوں کے اس آخری بیان کی خبر جب معاویہ کو ملی تو انہوں نے عمرو بن عاص کو بلا بھیجا لیکن انہوں نے جواب میں لکھا "جب آپ کو میری کوئی خاص ضرورت ہو تو بلا لیجیے گا۔"

یہ جواب سُن کر معاویہ خود عمرو بن عاص کے پاس جا پہنچے، ان کے سامنے فرش پر بیٹھے، بہت سی چاپلوسی کی باتیں کیں، ان کی اور ان کے اہل و عیال کی اپنی طرف سے کئی دعوتیں کیں۔ آخری دعوت کے موقع پر معاویہ نے تخلیے کا حکم دیا، پھر عمرو بن عاص سے بولے "تم میری بیعت کر کے حلف وفاداری کیوں نہیں اُٹھاتے؟ مصر کی گورنری میں تمہیں دے چکا ہوں، اس کے علاوہ اور جو کچھ تم چاہو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔"

یہ سُن کر عمرو بن عاص نے کہا "میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لوں۔"

معاویہ بولے "میں تمہیں ان سے مشورہ کرنے سے قبل قتل کر دوں گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے میان سے تلوار بھی نکال لی۔

عمرو بن عاص کے لیے جب معاویہ کی بیعت کرنے اور ان کے حق میں حلف وفاداری اُٹھانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تو انہوں نے معاویہ کی بیعت کر لی اور ان کی دیکھا دیکھی ان کے اہل خاندان اور

دُوسرے ساتھیوں نے بھی معاویہ کی بیعت کرلی جس کے بعد معاویہ بزعم خویش خلیفہ بن کر دمشق واپس ہوئے۔

علیؓ اور ان کے اصحاب

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تحکیم کے حشر اور اس سلسلے میں معاویہ اور عمرو بن عاص کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی اطلاع ملی تو آپ نے اپنے اصحاب کو جمع کر کے ان حالات پر روشنی ڈالی جن کی وجہ سے تحکیم کی تجویز ناکام رہی تھی پھر فرمایا کہ آپ نے تحکیم کی تجویز اسی لیے قبول نہیں کی تھی کہ آپ اس کے نتیجے سے واقف تھے پھر آپ نے اپنے حقِ خلافت کو دُرست ثابت کرنے کے لیے بہت سی مثالیں پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا حکم اپنی جگہ اٹل ہے لیکن اسے سمجھنے کے لیے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ آخر میں آپ نے ان سے فرمایا کہ وہ اپنی اپنی قیام گاہوں کو جائیں اور جب لڑائی کا حکم ملے تو اس کے لیے آمادہ و مستعد رہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کے بعد آپ کے شیعوں نے تو آپ کی ہر بات صدق دل سے قبول کرلی لیکن کچھ لوگوں نے اس کی سخت مخالفت کی اور خوارج میں شامل ہوگئے انہیں میں سے بعض لوگ بعد میں معتزلہ بھی کہلائے۔ قریش نے مزید جنگ کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا:۔

"ابو طالب کے بیٹے کی شجاعت میں کوئی کلام نہیں لیکن وہ جنگی داؤں پیچ کے بارے میں بہت کم واقفیت رکھتے ہیں۔"

ہم نے اب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر لوگوں کی بیعت، جنگ جمل، جنگ صفین اور تحکیم کے بارے میں یہاں مصدّقہ باتیں لکھ دی ہیں، ویسے ہم ان کی تفصیلات اپنی دوسری کتابوں "المقالات فی اصول الدیانات" اور "اخبار الزماں" میں پہلے پیش کرچکے ہیں۔ اب ہم انشاء اللہ تعالیٰ جنگ نہروان اور اس کے حالات مابعد اختصار کے ساتھ اگلے باب میں پیش کریں گے،

وَمَا توفیقنا اِلّا باللّٰہ

باب (۴۵)

جنگِ نہروان اور مقتل محمدؐ بن ابی بکر صدیق رضؓ اور اُشتر نخعی وغیرہ

نہروان میں خوارج کا اجتماع اور حضرت علیؓ کا ان کی طرف سفر

حضرت علیؓ کو جب نہروان میں خوارج کے اجتماع کا علم ہوا تو آپ نے فوراً اُدھر کا رُخ کیا۔ آپ اپنے لشکر کو پہلے ہی ایک اور جنگ کے لیے آمادہ و مستعد رہنے کا حکم دے چکے تھے۔

نہروان کو مرکز بنانے سے پہلے خوارج نے عبداللہ بن وہب راسبی کی بیعت کر لی تھی اور اسی کی سربراہی میں وہ مدائن گئے تھے جہاں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عامل عبداللہ بن حباب کو قتل کر دیا تھا، انہوں نے اسے درحقیقت ذبح کیا تھا اور اس کی حاملہ بیوی کا شکم چاک کر دیا تھا، اس کے علاوہ اُنہوں نے اور بہت سی عورتوں کو بھی قتل کیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے سے اپنے ساتھ ۳۵ ہزار افراد پر مشتمل فوج لے کر چلے تھے بصرے میں آپ کے مقرر کردہ گورنر ابن عباس بھی دس ہزار مزید فوج لے کر آپ کے ہمراہ ہو گئے تھے۔ ان کی فوج میں احنف بن قیس اور حارثہ بن قدامہ سعدی بھی شامل تھے۔ یہ واقعہ ۳۸ھ ہجری کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بصرے سے آگے بڑھ کر ابنار میں اپنی اس مجموعی فوج کو جہاد کا جوش دلا کر حسب ذیل بڑا مؤثر خطبہ دیا:۔

"جو لوگ پہلے ہی بڑی تعداد میں مہاجرین و انصار کو قتل کر چکے ہیں ان کی طرف جہاد کے لیے بڑھو! وہ لوگ ظالم ہیں اور اللہ تعالےٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے مجھے ایسے لوگوں کے قتل کا حکم دے دیا ہے، ہم انہیں لوگوں کا قلع قمع کرنے جارہے ہیں، اس سے قبل کچھ گمراہوں سے ہم پہلے ہی نمٹ چکے ہیں جس کے بعد ہمیں ان سے کچھ مطلب نہ ہوگا ماسوا اس کے کہ وہ پھر سر اُٹھائیں تو اسے کچل دیا جائے، فی الحال تم خوارج کی طرف بڑھو، یہ لوگ (گمراہی کے لحاظ سے) ان سے بھی اہم ہیں کیونکہ یہ دین اسلام ہی کے منکر ہوگئے ہیں، تم وہاں پہنچ کر ان ظالموں اور قاتلوں کو اسی طرح قتل کرو جس طرح یہ لوگ خدا کے بہت سے نیک بندوں کو قتل کرچکے ہیں۔"

مندرجہ بالا خطبے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نہروان کے قریب پہنچے، آپ نے پہلے خوارج کے پاس حارث بن مرّہ کو بطور قاصد روانہ کیا اور ان سے کہلوایا کہ وہ اپنے مذموم عقائد سے رجوع کرکے تائب ہو جائیں لیکن ان لوگوں نے حارث کی کوئی بات سُننے بغیر ہی انہیں قتل کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اُلٹا یہ کہلوایا کہ اگر وہ اپنی حکومت سے دست بردار ہوکر دین اسلام سے انکار کا اقرار کریں تو وہ ان کی بیعت کرلیں گے لیکن اگر انہوں نے ایسا نہ کیا اور خوارج پر بھی حکومت کے دعوے دار بنے رہے تو پھر وہ لوگ ان سے بری الذمہ ہوں گے جس کے نتائج کے وہ خود (حضرت علیؓ) ذمّہ دار ہوں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں پھر کہلوایا کہ "تم نے بہت سے دُوسرے مسلمانوں کے علاوہ میرے قاصد تک کو قتل کر دیا ہے جو ہمارا بھائی تھا، اس لیے اب اس وقت تک جب تک تم اپنے غلط عقائد پر قائم رہے اور سرکشی سے باز نہ آئے میں تمہارا اسی طرح صفایا کر دوں گا جس طرح اہل مغرب کا کرچکا ہوں۔" اس کے جواب میں خوارج نے آپ سے کہلوایا کہ "ہم نے آپ کے قاصد اور اس سے قبل آپ کے دُوسرے ساتھیوں کا قتل جائز سمجھا تھا اور اگر آپ نے جو کچھ ہم نے کہا ہے اس پر عمل نہ کیا تو ہم آپ کے باقی جملہ ساتھیوں بلکہ خود آپ کو بھی قتل کرکے دم لیں گے۔" اس بات چیت کے درمیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ خوارج نے نہر طبرستان عبور کرلی ہے اور اس کا پل بھی توڑ دیا ہے، یہ خبر لانے والا قرب وجوار کا کوئی یہودی تھا، اس لیے آپ نے فرمایا: "میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے نہر عبور کی ہوگی نہ اس کا پُل توڑا ہوگا۔" نہروان کی یہ نہر نہر طبرستان کہلاتی تھی اور نہروان کے قریب اس پر جو پُل تھا وہ بھی طبرستان کا پُل کہلاتا تھا کیونکہ یہ جگہ حلوان و بغداد کے درمیان خراسان کے طبرستانی علاقے میں واقع تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے یہ بھی فرمایا کہ "خوارج کا قصد سامنے سے نہر عبور کر کے ہم پر حملہ کرنے کے بجائے کسی اور طرف سے حملہ کرنے کا ہوگا، اس لیے اُنہوں نے پُل کو قطعی طور پر نہیں توڑا ہوگا، لہٰذا تم لوگ ان کے پُل کے عقب سے کسی اور طرف جانے سے قبل ان پر جا پڑو، یقین مانو کہ اس طرح ان کے دس آدمیوں کے سوا ان میں سے ایک بھی نہ بچے گا جب کہ تمہارے دس آدمیوں سے زیادہ اس مقابلے میں کام نہیں آئیں گے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق خوارج رمیلہ کی طرف بڑھتے رہے اور آپ کا اور آپ کے اصحاب کا ان سے وہیں آمنا سامنا ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کو وہاں دیکھ کر فرمایا:۔

"اللہ اکبر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ مجھے ایسے منکرین حق سے لڑنا پڑے گا اور مجھے ان کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا تھا۔" ان کلمات کے بعد آپ نے ان کے پاس آخری بار اپنا ایک آدمی بھیجا اور اس کے ذریعے آپ نے انہیں ان کے کافرانہ عقائد سے توبہ کرنے اور اسلام کی طرف رجوع کرنے کی تلقین فرمائی لیکن ان لوگوں نے آپ کے اس قاصد کو بھی قتل کر دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قاصد کی خون میں نہائی ہوئی لاش آپ کے سامنے لائی گئی تو آپ نے فرمایا:۔

"خدا کی قسم اب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ان سے اس وقت تک لڑوں گا جب تک ان سے ایک ایک بے گناہ مسلمان کے قتل کا بدلہ نہ لے لوں۔" یہ کہہ کر آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اپنے اصحاب کو خوارج پر بے دریغ حملے کا حکم دیا۔

پہلے خوارج کا ایک شخص اصحاب علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف بڑھا اور ان کے ہاتھوں زخمی ہوگیا لیکن گرتے گرتے بھی یہ شعر اس کی زبان پر تھا:

"ان سب کو قتل کر ڈالو، کاش تم علیؓ کو دیکھ لو، وہ سفید عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود اس کے سامنے جا کر زبان شعر میں یہ جواب دیا:۔

"اے علیؓ کو گمراہ سمجھ کر اس کی شناخت بتانے والے میں نے تجھے انتہائی جاہل اور شقی پایا ہے
اگر تو ان گمراہوں سے الگ ہو جاتا تو اب بھی میری آغوش تیرے لیے وا ہو سکتی تھی"

یہ کہہ کر آپ نے اسے قتل کر دیا۔

اس کے بعد خوارج کی صفوں میں سے ایک اور شخص نکل کر اصحاب علیؓ پر حملہ کرنے کے

لیے آگے بڑھا، وہ انہیں غصّے اور نفرت سے دیکھ کر درج ذیل شعر پڑھ رہا تھا:۔

"ان سب کو قتل کر ڈالو، کاش تم علیؓ کو دیکھ لو، وہ غبن کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں"

حضرت علی رضؓ نے آگے بڑھ کر اسے بھی زبان شعر ہی میں یہ جواب دیا:۔

"اے گمراہ! دیکھ علی رضؓ تیرے سامنے ہے کیا تجھے اس کے کپڑے غبن کے نظر آتے ہیں"

یہ کہہ کر آپ نے نیزہ مار کر اس کا سینہ چاک کر دیا اور اسے قتل کر کے نیزہ وہیں چھوڑتے ہوئے فرمایا:۔

"تو نے ابوالحسن کا چہرہ دیکھ لیا اور اس نے بھی تیرا مکروہ چہرہ دیکھ لیا"

ابو ایوب انصاری نے زید بن حصن پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، عبداللہ ابن وہب راسبی بھی قتل کر دیا گیا، اسے ہانی بن حاطب ازدی نے قتل کیا، ادھر سے زیاد بن حفصہ اور حرقوص بن زہیر سعدی قتل ہوئے تاہم اصحاب علی رضؓ میں سے اس جنگ کے آخر تک صرف نو آدمی کام آئے تھے جب کہ خوارج کے چار ہزار افراد میں سے حضرت علی رضؓ کی پیشگوئی کے مطابق واقعی دس افراد کے سوا کوئی بھی نہ بچا تھا۔

خوارج کے مقتولین میں مخرج ذوثدیہ نامی بھی ایک شخص تھا، حضرت علی رضؓ نے یہ سمجھ کر کہ ان کے ماباقی لوگوں میں جن کی تعداد دس تھی شاید وہ بھی ہو، اسے بلا بھیجا لیکن تلاش بسیار کے باوجود جب اس کا کہیں پتہ نہ چلا تو آپ کو بہت رنج ہوا، آپ نے مقتولین کے انباروں میں اسے تلاش کرایا اور ایک ایک لاش خوارج کے میسرہ سے لے کر میمنہ تک ادھر اُدھر ہٹا کر دیکھی گئی تو اس کی لاش مل گئی۔ جب اسے شناخت کر کے حضرت علی رضؓ کے سامنے لایا گیا تو آپ نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اس شخص کے بارے میں (نعوذ باللہ) غلط نقل نہیں کیا تھا، تم لوگ اس کی لاش غور سے دیکھو!"

جب مخرج ذوثدیہ کی لاش کو غور سے دیکھا گیا تو اس کے ہاتھوں کی نرمی کا عورتوں کی طرح یہ حال تھا جیسے اس میں ہڈیاں ہی نہ ہوں۔ اس کے علاوہ اس کے بال بھی عورتوں کی طرح تھے اور اس کی پسلیاں بھی انہیں کی طرح حد درجہ نرم و نازک تھیں، واقعی اس کے جسم میں ہڈیوں کا نام و نشان تک نہ تھا، اس کی لاش گوشت کا ایک لوتھڑا نظر آتی تھی اسے اس وجہ سے ذوثدیہ کہا جاتا تھا یعنی بے ہڈی کے گوشت کا ٹکڑا۔ حضرت علی رضؓ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ ان

کے مخالفین میں ایک شخص مخوج ذو ثدیا بھی ہوگا ۔ آپ نے اس کی شناخت کی نشان دہی فرما دی جو اس روز حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ قولِ رسولؐ کی صداقت کا یہ مجسمہ سامنے دیکھ کر آب دیدہ ہو گئے اور گھوڑے سے اُتر کر بارگاہِ خداوندی میں خاک پہ پیشانی رکھ کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ سجدے سے سر اُٹھا کر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انہیں (خوارج) کو بھکایا اور سرکشی پہ آمادہ کیا گیا تھا جس کا انجام انہوں نے دیکھ لیا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ " انہیں کس نے بھکایا اور سرکشی پہ آمادہ کیا تھا" تو آپ نے فرمایا: " شیطان اور ان کے نفس امّارہ نے "

خوارج کے لشکر کا سامان جمع کیا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کا اسلحہ اور جانوروں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا لیکن ان کا دوسرا سامان ان کے اہل و عیال کو بھجوا دیا گیا۔

جنگ نہروان کے بعد اصحاب علی منتشر ہو کر عموماً اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے لیکن ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے آپ کی مخالفت کا کھلم کھلا اظہار کیا۔

اصحاب علیؓ کا ارتداد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہو کر مُرتد ہو جانے والوں میں سرِفہرست حارث بن راشد ناجی اور اس کے تین سو ساتھی تھے انہوں نے مُرتد ہو کر عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ حارث سامہ بن لوئی بن غالب کی اولاد میں سے تھا جو خود حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے تھا۔

بعد میں ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے دلائل پیش کرتے ہوئے جو کچھ کہا اور حضرت علی رضؓ نے ان کا جو جواب دیا ہم اس کا ذکر اپنی کتاب " اخبار الزمان " میں کر چکے ہیں نیز حضرت علی رضؓ سے اولاد سامہ کے انحراف کی وجوہ پر اپنی کتاب " کتاب الاوسط " میں کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔

مصر میں عمرو بن عاص اور محمد بن ابوبکر کی آمد

عمرو بن عاص معاویہ کی طرف سے مصر کے گورنر مقرر ہو کر جب وہاں پہنچے تو محمد بن ابوبکر رضؓ اس سے قبل حضرت علی رضؓ کی طرف سے وہاں کی گورنری کا تقرر نامہ لے کر وہاں پہنچ چکے تھے ۔ عمرو بن عاص کے ساتھ معاویہ نے جو تیرہ ہزار آدمی بھیجے تھے ان میں معاویہ بن خدیج اور ابو اعور سلمی بھی شامل تھے ۔ عمرو بن عاص معاویہ کے سامنے

مصر روانہ ہونے سے قبل خود اپنے سر کی قسم کھا کر ان کے وفادار رہنے کی قسم کھا چکے تھے۔
جب عمرو بن عاص مصر میں وارد ہوئے تو ان دنوں محمد بن ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اس جگہ قیام پذیر تھے جو مُسنّات کے نام سے مشہور ہے۔ جب عمرو بن عاص نے محمد بن ابوبکر رضؓ سے جنگ کی ٹھانی تو اپنے ساتھیوں کی جان کی سلامتی کی خاطر میدان سے فرار ہو کر مصر ہی میں کسی جگہ پوشیدہ طور پر ایک گھر میں محصور ہو کر بیٹھ گئے لیکن عمرو بن عاص انہیں تلاش کرتے ہوئے وہاں بھی جا پہنچے اور اس مکان کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ محمد بن ابوبکر رضؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مجبوراً مکان سے نکل کر باہر آئے اور عمرو بن عاص اور ان کے ساتھیوں سے نبرد آزما ہوئے لیکن آخر کار قتل کر دیے گئے۔ عمرو بن عاص نے ان کی لاش گدھے کی کھال میں سلوا کر اسے نذرِ آتش کر دیا۔ کہتے ہیں جب انہیں گدھے کی کھال میں سلوایا گیا تو ان میں زندگی کی کسی قدر رمق باقی تھی۔ یہ واقعہ مصر میں جس جگہ پیش آیا وہ "کوم شریک" کہلاتی ہے۔

معاویہ کو جب محمد بن ابوبکر رضؓ کے قتل کی خبر پہنچی تو ان کے سرور و مسرّت کا کچھ ٹھکانہ نہ رہا اور انہوں نے اس کا اظہار بھی کیا لیکن جب حضرت علی رضؓ کو مصر میں ان کے قتل کی خبر ملی اور اس کے ساتھ اس پر معاویہ کے اظہار و سرور و مسرّت کا حال بھی سُنا تو آپ نے فرمایا: "معاویہ کو اس کے قتل پر جتنی خوشی ہے ہمیں اس پر اتنا ہی صدمہ ہے۔ اس صدمے کی کئی وجوہ ہیں سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ وہ ابوبکر جیسے باپ کا بیٹا تھا۔ دوسرے یہ کہ میں بھی اسے اپنا بیٹا سمجھتا تھا کیونکہ وہ میرے بھائی ابوبکر رضؓ کا بیٹا تھا۔ اس کے علاوہ وہ وقت بے وقت ہر موقع پر ہمارا ساتھ دینے کے لیے آمادہ و مستعد رہتا تھا۔ بہرکیف ہم اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں۔"

عریش میں اُشتر کی زہر خورانی اور وفات

محمد بن ابوبکر رضؓ کے قتل کے بعد اُشتر حضرت علی رضؓ کی طرف سے ایک پورا لشکر اور مصر کی گورنری کا تقرر نامہ لے کر ابھی عریش تک ہی پہنچے تھے کہ معاویہ کو اس کی خبر مل گئی، انہوں نے اس خبر کے ملتے ہی عریش میں اپنے جان پہچان کے ایک دہقان کے پاس اپنا آدمی دوڑا اور اسے انعام و اکرام کے علاوہ یہ لالچ دے کر کہ اس کی زمین کا لگان دس سال کے لیے معاف کر دیا جائے گا اس بات پر راضی کر لیا کہ

وہ اُشتر کو کسی طرح کھانے یا کسی اور چیز میں زہر دے دے۔ چنانچہ اُس کسان نے اُشتر کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ از راہ کرم و بندہ نوازی اس کے مکان پہ قیام فرمائیں۔ اُشتر اس کا اس قدر عجز و انکسار اور اصرار دیکھ کر اس کے ہاں ٹھہر گئے۔ وہ اُس روز روزے سے تھے۔ جب افطار کا وقت ہوا تو اس دہقان نے ان سے کہا: "حکم دیجیے، آپ کے کھانے پینے کے لیے کیا حاضر کیا جائے؟" اُشتر بولے: "افطار کے لیے تھوڑا سا شہد ملا ہوا پانی کافی ہوگا۔" اس دہقان نے اُشتر کی سادگی منکسر المزاجی اور اخلاق کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے کے علاوہ اس شہد کی بھی حد سے زیادہ تعریف کی جو وہ فوراً ہی پانی میں ملا کر لایا تھا لیکن اسے پیتے ہی ان کے پیٹ میں اینٹھن ہونے لگی۔ دہقان ان کے چہرے پہ کرب کے آثار دیکھ کر بولا: "یہ علاقہ قلزم کا شہد ہے، شاید اس میں اس علاقے کے نمکین پانی کا کچھ اثر ہو۔" دہقان کا جملہ ابھی پورا ہوا ہی تھا کہ اُشتر مالک ایک ابکائی کے بعد مالک حقیقی سے جا ملے۔

جب اُشتر کے اس طرح قتل کی خبر حضرت علیؓ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: "للیدین والفم" یعنی کوئی کوئی انسان اپنے ہاتھوں اور منہ کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا۔ اس عربی محاورے سے آپ کا اشارہ اس لالچی دہقان کی طرف تھا۔

معاویہ کو جب اُشتر کی ہلاکت اور اس سلسلے میں اپنی کامیابی کی اطلاع ملی تو وہ بولے:-

"ایسے لوگ ہمارے لیے شہد کی مکھیوں کی طرح خطرناک ہیں۔" یعنی چمٹ جائیں تو پھر پیچھا نہیں چھوڑتے۔

اُشتر کے قتل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسلامی مقبوضات میں سے اس سال ان کے تین عاملوں نے معاویہ کے خوف سے ان کی خدمت میں مال و زر کے ڈھیر لگا دیے اور ان کے پاس اصفہان سے بھی کافی مال پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر معاویہ نے لوگوں کو جمع کیا اور انہیں اس کی اطلاع دیتے ہوئے کہا:-

"جب تم کل صبح سو کر اُٹھو گے تو علی رضی اللہ عنہ کے چوتھے عامل کی طرف سے بھی تمہیں ہدایا (تحائف) موصول ہو جائیں گے۔ خدا کی قسم میں تمہارا خازن نہیں ہوں۔" اس آخری جملے سے معاویہ کو یہ بتانا مقصود تھا کہ وہ عوام ہی کے ایک فرد ہیں اور اپنے آپ کو ان سے کسی طرح بڑھ چڑھ کر نہیں سمجھتے۔

جنگ صفین کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاویہ سے کوئی جنگ تو نہیں ہوئی لیکن

حضرت علی رضؓ کی باقی زندگی تک یہ ضرور ہوتا رہا کہ جب معاویہ ان کے کسی علاقے میں لُوٹ مار کے لیے اپنے آدمی بھیجتے تو حضرت علی رضؓ اس کی مدافعت کے لیے اپنے آدمی روانہ کر دیتے۔ معاویہ کی طرف سے اس قبیل کی لوٹ مار اور قتل و غارت کے تفصیلی واقعات ہم اپنی پچھلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔

جنگِ صفین اور جنگِ جمل کا فرق

جیسا کہ متعدد مدبرین اور اہل الرائے نے بیان کیا ہے جنگِ صفین اور جنگِ جمل میں فرق یہ تھا کہ جنگِ جمل کے اختتام پر حضرت علی رضؓ نے فریقِ مخالف کے زخمیوں کی طرح اپنے زخمیوں کو بھی کفن نہیں دیا تھا، انھوں نے ہتھیار ڈالنے والوں اور ایسے ہر شخص کو جو اپنے گھر میں خاموش ہو کر بیٹھ جائے جاں بخشی کی خبر پہنچا دی تھی، آپ نے اس جنگ کے اختتام پر اپنے ہر شخص کو اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت دے دی تھی اور اس سے یہ کہا تھا کہ جب ضرورت ہوگی اسے بُلا لیا جائے گا جب کہ اس کے برعکس جنگِ صفین میں آپ نے جنگ بندی کو خوارج کے حد درجہ اصرار پر منظور کیا تھا لیکن اس کے بعد بھی آپ نے اپنے ساتھیوں کو جنگ کے لیے ہمہ وقت مستعد رہنے کا حکم دیا تھا اور جنگ نہروان بھی اس کے بعد ہی وقوع پذیر ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ جنگ جمل میں نہ تحکیم کا معاملہ اُٹھا تھا نہ موافقین و مخالفین میں وہ امتیاز تھا جو جنگِ صفین میں پیدا ہو گیا تھا۔ جنگِ صفین کے بعد فریقین دو مختلف گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک اپنے سربراہ کو مستحق خلافت سمجھ کر اپنا امام ماننے لگا تھا اور اس کے ہر حکم کو فرض سمجھ کر بجا لاتا تھا اسی طرح دوسرا گروہ اپنے سربراہ کو اپنا امام مان کر اس کے ہر حکم کی اتباع اپنا فرض سمجھنے لگا تھا جس کے اسباب کی تشریح یہاں طول عمل ہوگی، دوسرے ہم نے ان پر اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیلی گفتگو کی ہے، اس لیے یہاں اس کا اعادہ تحصیل لاحاصل ہوگا۔

باب (۴۶)

ذکرِ مقتل امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قتل پر مامور کیے جانے والے لوگ

۴۰ھ ہجری میں خوارج کی ایک جماعت مکے میں جمع ہوئی۔ لوگوں سے تو انہوں نے یہ کہا کہ وہ فتنہ و فساد یا جنگ وجدل کے لیے وہاں جمع نہیں ہوئے ہیں لیکن خفیہ طور پر انہوں نے تین افراد کو حضرت علی رضؓ، معاویہ اور عمرو بن عاص کے قتل کی ذمہ داری سونپی۔ ان تینوں نے قسم کھا کر عہد کیا کہ وہ لامحالہ اس شخص تک ضرور پہنچیں گے جس کے قتل پر انہیں مامور کیا گیا ہے، اسے قتل کر دیں گے یا خود قتل ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل پر عبدالرحمٰن بن ملجم کو مامور کیا گیا، معاویہ کے قتل کا حکم حجاج بن عبداللہ صریمی کو دیا گیا جو "جرک" کے لقب سے مشہور تھا اور عمرو بن عاص کے قتل کی ذمہ داری بنی عنبر کے غلام زادویہ کو سونپی گئی۔ مذکورہ بالا تینوں اشخاص کے قتل کے لیے ان تینوں نے خود ہی علی الترتیب اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور عہد کیا تھا کہ وہ انہیں قتل کیے بغیر نہیں رہیں گے۔ اس کے بعد یہ طے پایا کہ مذکورہ تینوں اشخاص کو ماہ رمضان کی سترھویں شب کو قتل کیا جائے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس قابل مذمت کام کے لیے ماہِ رمضان کی گیارہویں شب طے پائی تھی لیکن ان تینوں میں سے کسی کو سترھویں شب تک موقع نہیں ملا تھا۔

ابن ملجم و قطام

جب عبدالرحمٰن ابن ملجم اپنے موعودہ کام یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کا دل میں ارادہ لے کر مکے سے کوفے پہنچا تو پہلے اپنے چچا کی بیٹی قطام کے پاس گیا۔ اس کے باپ اور بھائی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ نہروان

میں قتل کر دیا تھا۔ وہ اپنے بے مثال حسن و جمال کی وجہ سے سارے عرب میں مشہور تھی۔ ابن مُلجم نے اسے نکاح کا پیغام دیا تو وہ بولی: "میں اس شخص سے نکاح کروں گی جو میرے تین سوال پورے کرے گا۔" ابن ملجم نے کہا: آج تک میں نے تیرا کوئی سوال رد کیا ہے؟ تو اپنے سوال بتا۔" قُطّام بولی:۔ پہلا سوال یہ ہے کہ نکاح سے قبل میں تین ہزار دینار لوں گی، دوسرا سوال یہ ہے کہ مجھ سے نکاح کے خواہش مند کو مجھے ایک غلام خرید کر دینا پڑے گا اور میرے اور اس کے شایان شان گزارے کے لیے ایک معتدبہ رقم بھی دینا ہوگی۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ نکاح سے قبل وہ علی بن ابی طالب کو قتل کر دے، بس یہ میرا مہر ہے۔"

قُطّام کے مندرجہ بالا سوالات سُن کر ابن مُلجم بولا:۔

تیرے پہلے دو سوال تو ایسے نہیں جنہیں میں پورا نہ کر سکوں لیکن تیسرا سوال ایسا ہے کہ اس کے بجائے اگر تو مجھ سے ایک لاکھ دینار بھی مانگتی تو اس کی ادائیگی میرے لیے آسان ترین بات ہوتی۔"

قُطّام ابن ملجم پر اپنے جان لیوا تبسم کی بجلیاں گراتی ہوئی بولی:۔

"میرا یہ تیسرا سوال ہی سب سے زیادہ اہم ہے جس کے پورا ہوئے بغیر میں کسی کو بھی اپنے ساتھ جسمانی قربت کی اجازت نہیں دے سکتی یعنی اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ اگر تمہیں اس سے انکار ہے تو مفت کی شیخیاں بگھارنا چھوڑ دو۔ ویسے بھی اگر تم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس سے بہتر تمہارے لیے دنیا میں کوئی اور کارخیر کیا ہوگا۔"

ابن ملجم بولا:۔

"میں تو تجھے آزما رہا تھا ورنہ میں مکّے سے چل کر کوفے تک (نعوذ باللہ) اسی کارخیر کے لیے آیا ہوں۔"

یہ کہہ کر ابن ملجم قطّام کے پاس سے درج ذیل اشعار پڑھتا ہوا اُٹھا۔

"تین ہزار دینار، ایک غلام، دوسرا سامان اور مسموم تلوار سے علی (رضی اللہ عنہ) کا قتل
علی رضؓ کے قتل سے زیادہ مہر اور کیا ہوگا اور ہوتا بھی تو ابن ملجم کے لیے کوئی بات نہ تھی"

راستے میں ابن ملجم کو خوارج میں سے ایک بہت ہی بہادر شخص شبیب بن نجدہ ملا۔ اس نے کوفے میں ابن ملجم کی آمد کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: "دین و دنیا کی بھلائی سمیٹنے۔"

شبیب نے دریافت کیا: "وہ کیا ہے؟"

ابن ملجم نے جواب دیا: "علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کا قتل۔"

یہ سُن کر شبیب حیرت سے بولا: اس شخص کا قتل جو دنیا میں سب سے زیادہ لاتعلق اور بے نیاز ہے، اس کے علاوہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تربیت وصحبت یافتہ بھی ہے۔"

ابن ملجم نے کہا: "یہ سب کچھ سہی لیکن دنیا میں وہی ایک شخص ہے جس نے خدا کے حکم پر عوام الناس کی رائے کو ترجیح دی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ہمارے بھائیوں کو نماز پڑھتے ہوئے قتل کیا ہے، ہم تو اپنے سینکڑوں بھائیوں کے بدلے میں صرف اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔"

جب ابن ملجم مسجد اعظم میں پہنچا تو قُطّام بھی وہاں موجود تھی۔ وہ ماہ رمضان کی تیرھویں شب سے اعتکاف کے بہانے سے مسجد کے ایک گوشے میں پردہ ڈالے بیٹھی تھی۔ ابن ملجم نے ہلکی سی دستک دے کر اُسے اپنی مسجد میں آمد کا اشارہ کیا۔ اس نے آہستہ سے پردے میں جھانک کر قُطّام کو یہ بھی بتایا کہ مجاشع بن وردان بن علقمہ بھی ان دونوں کا شریک کار ہوگیا ہے۔ قُطّام نے انہیں پردے کے اندر بلا کر ان کی تعریف اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل پر اور اُبھارا اور وہ خوش ہوتے ہوئے اپنی اپنی تلوار اُٹھا کر اسی طرح آہستہ سے پردے سے باہر آگئے اور باب سدّہ پر جا کھڑے ہوئے جہاں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ اشعث نے ان سے کہا کہ کیا وہ صبح کا مذاق اُڑانے آئے ہیں۔ جب انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو حُجر بن عدی اسے سُن کر بولے: "تم انھیں قتل کرو گے خدا تمہیں غارت کرے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ حسب دستور لوگوں کو بیدار کرنے اور انہیں مسجد میں بلانے کے لیے ان کے دروازوں پر دستک دیتے ہوئے مسجد کی طرف بڑھے۔ جب آپ حسب معمول باب سدّہ سے مسجد میں داخل ہونے لگے تو اس وقت مؤذن اذان دے رہا تھا۔ ابن ملجم نے موقع پا کر آپ کے سر پر تلوار کا بھرپور وار کیا اور مجاشع بن وردان نے آپ کے سینے پر تلوار ماری۔ یہ دیکھ کر ہر طرف سے لوگوں کی بھیڑ لگ گئی اور کچھ لوگ آگے بڑھ کر قاتلوں کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ مجاشع بن وردان لوگوں کی بھیڑ میں گھس کر چھپتا چھپاتا کسی

طرف بھاگ کر غائب ہو گیا۔ ابن ملجم نے بھی تلوار گھما کر بھاگ نکلنے کی کوشش کی لیکن کچھ لوگوں نے اپنی جان پہ کھیل کر اسے پکڑ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر پہ مہلک زخم آیا تھا۔ آپ کے بڑے فرزند حضرت حسن نے ابن ملجم کو قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی لیکن آپ نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ اس کا فیصلہ شرعی عدالت کرے گی لیکن مجاشع بن وردان کو گھیر گھار کر پکڑ لائے اور اس سے سوالات کرنے لگے۔ شبیب نے اس کے پہلو سے عبا اٹھائی تو وہاں تلوار چھپی نکلی، عبداللہ بن نجدہ اس کے بھائیوں میں سے تھا۔ اس نے مجاشع سے اس طرح تلوار چھپانے کا سبب پوچھا لیکن وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ یہ دیکھ کر خود عبداللہ نے اسے قتل کر دیا۔

کہتے ہیں کہ اس روز یعنی شب گزشتہ کو رات بھر نیند نہیں آئی تھی اور آپ اپنی خوابگاہ میں صبح تک ٹہلتے رہے تھے۔ آپ کی خواب گاہ کے نزدیک ترین کمرے میں موجود کچھ خواتین نے جو آپ کا یہ اضطراب محسوس کر رہی تھیں آپ کو یہ کہتے سنا تھا "میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، ہرگز جھوٹ نہیں بولا، یہ وہی رات ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔"

اپنی وفات سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دو بیٹوں حسن و حسین کو بلا کر وصیت کی تھی۔ آپ کے یہ دونوں بیٹے بھی جیسا کہ اکثر ثقہ اور اہل الرائے کا اس پہ اتفاق ہے آیۂ تطہیر میں اللہ تعالے کے مخاطب تھے۔

حضرت علی رضؓ کی اپنی اولاد کو وصیت

ضربت کے تیسرے روز جو آپ کی وفات کا دن تھا لوگ حضرت علی رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ آپ نے دنیا کا مال و زر تو نہ کے ہیں چھوڑنے کے لیے کبھی جمع نہیں کیا، لہٰذا لوگوں کو یہی حکم دے دیں کہ وہ آپ کے بعد خلافت کے لیے آپ کے بیٹے حسن کی بیعت کر لیں۔" لوگوں کی اس درخواست کا جواب آپ نے یہ دیا:۔

"نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں، میں حضور حق اس طرح جانا چاہتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے یعنی خلافت کے لیے کسی کو نامزد کیے بغیر۔" اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹوں حسن و حسین اور محمد حنفیہ کو بلایا اور حسن و حسین کو قریب بلا کر درج ذیل وصیت فرمائی:۔

"خدا کی وحدانیت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہمیشہ تقوے و طہارت پہ قائم رہنا، دنیا تم سے

کھینچے تو تم بھی اس سے کھینچے رہنا، دنیا کی کوئی شے تمہیں نہ ملے تو اس کی پرواہ نہ کرنا، ہمیشہ حق بات کہنا، یتیموں پر رحم کرنا، کمزوروں کی مدد کرنا، ظالموں کے دشمن اور مظلوموں کے مددگار رہنا اور دنیا کی طرف سے ملامت کی پرواہ نہ کرنا۔"

اس کے بعد وہ محمد حنفیہ کی طرف نگاہ اٹھا کر بولے:-

"تم نے حسن و حسین کے حق میں میری وصیت سُنی؟ پھر فرمایا: "تمہارے لیے بھی میری یہی وصیت ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ اپنے بھائیوں کی عزت و حرمت کا ہمیشہ خیال رکھنا، ان کا ہر حکم ماننا، ان کے حکم کے خلاف کوئی کام نہ کرنا۔" پھر حسنؓ و حسینؓ سے فرمایا:-

"تمہارے لیے بھی میری اس بھائی کے حق میں یہی وصیت ہے کہ اس کا ہمیشہ خیال رکھنا یہ تمہاری تلوار اور تمہارے باپ کا بیٹا ہے، اس کا ہمہ وقت خیال رہے۔"

اس کے بعد لوگوں نے آپ سے دوبارہ پوچھا:-

"اور ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

آپ نے فرمایا: "وہی جو میں پہلے کہہ چکا ہوں یعنی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے معاملے میں آپ کو بغیر کسی خاص حکم کے چھوڑا تھا، میں بھی تمہیں اسی طرح چھوڑ جاؤں گا۔"

آپ سے پوچھا گیا: "خدا کے سامنے حاضر ہو کر آپ کیا کہیں گے؟"

اس کا جواب آپ نے یہ دیا: "میں اس سے یہ عرض کروں گا کہ جب تک تو نے مجھے اُمت محمدی میں زندہ رکھا میں زندہ رہا اور جب تو نے مجھے اپنے پاس بُلایا میں حاضر ہو گیا، میرے بعد تو چاہے تو اسے فتنہ و فساد میں مبتلا رکھے یا اس کی اصلاح کر دے یہ تیری مرضی پر موقوف ہے۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا: "بخدا یہ ویسی ہی رات ہے جیسی رات میں یوشع بن نون کو تلوار سے زخمی کیا گیا تھا، انہیں بھی سترھویں تاریخ کو زخمی کیا گیا تھا اور اکیسویں کو انہوں نے وفات پائی تھی۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ جمعہ اور سنیچر کو زندہ رہے اور اتوار کے روز آپ نے وفات پائی۔ آپ کو مسجد کوفہ کے قریب رحبہ میں دفن کیا گیا۔ آپ کے مدفن کے بارے میں لوگوں کی اختلافی آراء ہم زیر نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں پیش کر چکے ہیں۔

آپ کا سال وفات اور آپ کے اوصاف

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۶۲ سال تھی لیکن بعض لوگ ۶۲ سال بتاتے ہیں۔ جہاں تک آپ کے اوصاف کا تعلق ہے حضرت حسن نے آپ کی وفات کے بعد ارشاد فرمایا:۔

جس شخص نے آج رات وفات پائی ہے اس سے پہلے بنی آدم میں کوئی آدمی فضیلت نبوّت کے سوا سبقت نہ لے جا سکا اور نہ اس کی مرتبت و منزلت کو اس کے بعد کوئی پاسکے گا، جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہیں کسی موقع پر جنگ کا حکم دیتے تھے تو جبریلؑ ان کے داہنی جانب چلتے تھے اور اس وقت تک ان کے ساتھ رہتے تھے جب تک انہیں اس جنگ میں فتح حاصل نہ ہو جاتی۔

حضرت حسنؓ نے اپنے والد علی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ سات تکبیروں سے پڑھائی کچھ لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

آپ کا ترکہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت سوائے سات سو درہم کے سونے یا چاندی کا کوئی سکہ نہیں چھوڑا تھا، یہ معمولی رقم بھی آپ نے عطیات میں سے اپنے اہل خانہ کے لیے ایک غلام یا خادم خریدنے کے لیے بچا رکھی تھی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے اہل خانہ کے لیے ترکے میں دو سو پچاس درہم قرآن پاک کی ایک جلد اور اپنی تلوار چھوڑی تھی۔

ابن ملجم سے لوگوں کا سلوک

جب لوگوں نے ابن ملجم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو عبد اللہ ابن جعفر نے ان سے کہا:۔

"اسے میرے سپرد کر دو، میں اس کے ساتھ اپنے حسب منشا برتاؤ کروں گا۔"

لوگوں نے عبد اللہ ابن جعفر کی یہ درخواست منظور کر لی تو انہوں نے پہلے ابن ملجم کے ہاتھ کاٹے، پھر ٹخنوں سے اس کے پاؤں کاٹ دیے، پھر اس کے جسم کے اس طرح ٹکڑے کیے کہ وہ گوشت کا ایک لوتھڑا رہ گیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر عبد اللہ بن جعفر نے کہا:۔

"اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے، اس نے انسان کی تخلیق تجسیم ایک لوتھڑے سے کی، اب دیکھو اس کے حکم سے (ابن ملجم کے جسم کی طرف اشارہ کر کے) ایک انسان پھر از سر نو ایک لوتھڑے ہی میں تبدیل ہو گیا ہے۔" پھر انہوں نے اس لوتھڑے کی طرف منہ کر کے کہا:۔

اب اپنے چچا سے کہہ کہ تیری آنتیں اُٹھا کر گھر لے جائے۔" تاہم لوگوں نے اس لوتھڑے کو اُٹھا کر تیل میں ڈال دیا اور تیل کو آگ لگا دی۔ اس طرح وہ لوتھڑا جل کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ بہرکیف عمران بن حطّان رقاشی نے ابن ملجم کی ضرب کاری کی تعریف میں کچھ شعر کہے جن کا جواب زبان شعر ہی میں قاضی ابوطیب طاہر شافعی نے دیا۔ قاضی ابوطیب کے اشعار کی تضمین بھی بہت سے عرب شعراء نے کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات پر متعدد عرب شعراء نے مرثیے کہے جو آج تک زبان زدِ خاص و عام ہیں۔

خارجیوں کو سرزمین عرب میں کبھی کسی نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا یہاں تک کہ مصر میں بھی عمرو بن عاص نے زادویہ خارجی کو جو وہاں پہنچ کر عمرو بن بکر تمیمی کے نام سے عمرو کی بارگاہ میں رسائی حاصل کر کے مصر کا قاضی بن بیٹھا تھا، اس کی مسند پر بیٹھا کرتا تھا اور اس کی طرف سے اسے خوش کرنے کو لوگوں میں کھانا تقسیم کیا کرتا تھا یہ معلوم ہونے کے بعد کہ اسے خوارج نے عمرو بن عاص کے قتل پر مامور کیا تھا اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا تھا۔ عمرو بن عاص نے اس کے علاوہ اور کئی دوسرے خوشامدی اور مکار خارجیوں کو قتل کرا دیا تھا لیکن معاویہ نے یہ جاننے کے باوجود کہ خوارج نے ایک مشہور خارجی حجاج بن عبداللہ صریمی کو جو عام طور سے "برک" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا خود اس کے (معاویہ کے) قتل پر مامور کیا تھا، جب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ زندہ رہے کسی نہ کسی خارجی کو اس لیے کوفے بھیجتا رہا کہ وہ وہاں جا کر ان خارجیوں کا ماتم کرے جنہیں حضرت علی رضؓ نے جنگِ نہروان میں قتل کر دیا تھا۔

حضرت علی رضؓ ان کے مکر و فریب سے واقف تھے اور جب لوگوں نے آپ کو اس طرف توجہ دلائی تو آپ نے یہی فرمایا تھا کہ "وہ لوگ جھوٹ نہیں کہتے۔" لیکن آپ نے صبر و تحمل کا ثبوت دیتے ہوئے ان خارجیوں سے درگزر کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ ہم آپ کے اس صبر و تحمل پر نیز آپ کے زہد و تقوٰے اور سادہ زندگی پر اگلے باب میں گفتگو کریں گے۔

وما توفقنا الا باللہ۔

حضرت علی کی سادہ زندگی، زہد و تقویٰ کا ذکر اور آپ کے کچھ اقوال

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سادہ زندگی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے دَورِ خلافت میں بھی کبھی کوئی نیا کپڑا زیب تن نہیں فرمایا، صرف بے جا سے اجتناب کا یہ حال تھا کہ موٹے سے موٹا اور سستے سے سستا کپڑا بھی آپ نے ضرورت سے زیادہ کبھی نہیں خریدا بلکہ اس میں اس قدر احتیاط تھی کہ ہر لباس آپ کے جسم پہ تنگ نظر آتا تھا اور دین داری کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کوئی چیز خریدنے سے قبل دکان دار کی دیانت داری کی تصدیق فرما لینا ضروری سمجھتے تھے۔

آپ کے ان خطبات کی تعداد جو لوگوں کو یاد رہ گئے ہیں کم سے کم چار سو ہے، ان میں اسّی [۸۰] سے زیادہ خطبات ایسے ہیں جو آپ نے فی البدیہہ ارشاد فرمائے تھے، آپ نے جو بھی ارشاد فرمایا اس پہ خود بھی ہمیشہ عامل رہے۔

ممتاز ترین شخصیت لوگ آپ کو خیار العباد یعنی مخیّر حضرات میں ممتاز ترین شخصیت کہہ کر یاد کرتے تھے۔ آپ کا قول ہے، جب تم سے کوئی نیکی سرزد ہو تو اسے خدا کی دین سمجھو، کوئی بُرائی سرزد ہو جائے تو اس کے آگے استغفار کرو جب کسی کو کچھ دو تو خدا کا شکر ادا کرو، جب کوئی مصیبت آئے تو اسے معاف کر دو۔

دُنیا کا حال آپ کے بقول دنیا حقائق اور صد افتوں کا گھر ہے لیکن صرف اسی شخص کے لیے جو اس کی دریافت اور تصدیق پہ قادر ہو، یہ اس شخص کے لیے بھتات کی جگہ ہے جو اس سے کم سے کم حصول کا خواہش مند ہو، یہ خدا کو محبوب رکھنے

والوں کی مسجد اور ملائکہ باری تعالیٰ کا مصلّٰی ہے، یہ وحی الٰہی کا مہبط اور اس کے اولیاء کے لیے نفع بخش ہے، اس میں رحمت الٰہی کے حصول کی کوشش کرو، جنت کی خوشیاں اسی میں تلاش کرو جس نے دنیا کو بُرا کہا وہ جیتے جی اذیّت میں مبتلا اور اسے چھوڑتے وقت گریہ و زاری کا شکار رہا۔

جو لوگ دنیا کی مدح کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنی اور دُوسرے اہلِ دُنیا کی تعریف و توصیف کرتے ہیں۔" یہ لوگ دنیا حاصل کرنے کے بعد اس پر مغرور ہو جاتے ہیں اور اس کا خیال نہیں کرتے کہ دُنیا نے ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیا ہے، وہ انجام کار اس کی لائی ہوئی بلاؤں سے واقف نہیں ہوتے یا واقف ہونا نہیں چاہتے، دنیا نے تمہارے آبا کو بلاؤں سے کبھی محفوظ رکھا ہے یا تمہاری ماؤں کو تہہ خاک جانے سے روکا ہے؟ جن برائیوں اور امراض کی دوا تم طبیبوں سے لینا چاہتے ہو ان کا علاج خود تمہارے ہاتھ میں ہے، میں کہتا ہوں دُنیا کی برائیاں اور بھلائیاں تمہارے قبضۂ قدرت میں ہیں یعنی ان کا سبب تم خود ہو آج ان تمام باتوں پر غور کر لو، کل پچھتانے اور نالہ و فریاد سے کچھ حاصل نہ ہوگا، میں نے تمہیں دنیا کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس سے بہتر اب شاید ہی کوئی بتا سکے۔

دنیا کے بارے میں آپ کی اس پُر مغز گفتگو کے علاوہ آپ نے اس سلسلے میں اپنے مخاطب لوگوں سے جو کچھ فرمایا وہ یہ ہے:۔

"چونکہ دُنیا بھلائیوں اور بُرائیوں کے امتزاج کا نام ہے اور اس کا تعلق خود تمہارے اعمال سے ہے اس لیے وہ کام کرو جو آخرت میں تمہارے لیے جزائے خیر کا سبب بن سکیں، تم ابنائے دنیا نہ بنو بلکہ دنیا میں زہد و تقویٰ اختیار کر کے آخرت کے لیے طالب خیر بنو، زاہد دنیا میں اپنے لیے جو بساط پسند کرتے ہیں وہ فرشِ خاک ہوتی ہے، جو لوگ جنت کی تمنّا رکھتے ہیں وہ شہوات سے دُور رہتے ہیں اور جو لوگ آتشِ دوزخ سے بچنا چاہتے ہیں وہ محرّمات سے گریز کرتے ہیں، تم بھی ایسا ہی کرو۔"

آپ نے اپنے بیٹے حسن سے فرمایا:۔

"بیٹے! اگر تم دُنیا سے مستغنی رہنا چاہو تو دوسروں کے لیے اس استغنا کی تصویر بن جاؤ، دنیا کی خواہش کم سے کم کر، جو کچھ دُوسروں کو دو اس میں دریا دلی کا مظاہرہ کرو کہ امانت اسی کا نام ہے۔"

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا احوال دریافت کیا

تو آپ نے فرمایا :۔
جو کچھ خدا دیتا ہے کھا لیتا ہوں اور موت کا منتظر رہتا ہوں ۔"
اس نے پوچھا : "دُنیا کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟"
آپ نے جواب دیا : " اس کے بارے میں کیا پوچھتے ہو جس کی ابتدا غم اور جس کی انتہا موت ہے ، جو شخص اس سے مستغنی رہنا چاہے وہ فتنوں کا شکار ہو جاتا ہے ، جو طالب فقر ہو اس کے نصیب میں غم ہی غم ہے ، دنیا کے حلال کا بھی حساب ہو گا اور حرام کا نتیجہ عقوبت ہے ۔" اس نے پوچھا : سب سے بہتر کون اشخاص ہیں ؟"
آپ نے فرمایا : " مدفون لوگ کہ دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد اور ثواب آخرت کے منتظر ہیں ۔"

معاویہ کے سامنے حضرت علیؓ کے اوصاف کا بیان

ضرار بن ضمرہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص لوگوں میں سے تھا ایک دفعہ وفد لے کر معاویہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس سے کہا :۔
"علی (رضی اللہ عنہ) کے اوصاف بیان کرو ۔"
ضرار بولے : " یا امیر المؤمنین ! مجھے اس سے معاف رکھیں ۔"
معاویہ نے کہا : " تمہارے لیے یہ بات ناگزیر ہے ۔"
ضرار بولے : " اگر ناگزیر ہے تو سُنیئے کہ وہ لشہٗ امارت سے دُور اور قوت میں بہت زیادہ ہیں ۔"
باتیں بہت کم کرتے ہیں اور ہمیشہ عدل و انصاف کا حکم دیتے ہیں ، ان کے دونوں پہلوؤں سے علم طلوع ہوتا ہے اور ان کے اطراف حکمت مصروف گفتگو رہتی ہے ، بہت معمولی کھانا انہیں پسند ہے اور وہ لباس کے لیے کم سے کم کپڑا استعمال کرتے ہیں ، جب ہم ان سے کچھ کہتے ہیں تو ہماری بات سنتے ہیں اور جو کچھ ان سے مانگتے ہیں وہ ضرور دیتے ہیں ، ان کی ہر تقریب ہمارے لیے ہوتی ہے اور ان کی قربت ہم سے رہے ، ہم بات کرنے میں ان سے خائف نہیں ہوتے نہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ خود کو ہم سے بڑا سمجھ رہے ہیں ، جب وہ مسکراتے ہیں تو ان کے دندان مبارک سلک مروارید نظر آتے ہیں ، وہ دین داروں کا احترام کرتے ہیں اور مسکینوں پر رحم کرتے ہیں ، یتیموں اور مسکینوں میں بیٹھ کر کھانا کھانے سے انہیں

عار نہیں ہے ، ننگوں اور غریبوں کے لیے لباس مہیا کرتے ہیں ، دنیا اور دنیا کی چمک دمک سے انہیں وحشت ہوتی ہے ، وہ رات کو اور اس کے اندھیرے کو پسند کرتے ہیں ، میں نے تو انہیں نصف شب سے لے کر غروب نجوم تک اکثر محراب مسجد میں ایستادہ یا سربسجود دیکھا ہے اور رو رو کر یہ کہتے سُنا ہے : اے دُنیا ! کسی دنیا دار کے سامنے جا کر غرور کا اظہار کر ، تو میرے پاس آ کر کیا لے گی ، تیری چمک دمک کی بساط ہی کیا ہے اور تجھے قرار ہی کب ہے ؟ ابنائے دنیا تین ہوتے ہیں اور میں ان میں سے ایک بھی نہیں ہوں ، تیرا عیش و آرام حقیر اور تیری عمر کم ہے ، وہ شخص قابلِ افسوس ہے جس کا زادِ سفر کم ، سفر طویل اور راستہ پُر آشوب ہو ۔"

حضرت علیؓ کا مزید کلام

معاویہ نے ضرار سے کہا : ان کی کچھ اور باتیں مجھے سنائیے ۔"
ضرار نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا : انہوں نے ایک خطبے کے دوران فرمایا :۔

" مجھے یہ سوچ کر تعجب ہوتا ہے کہ انسان کے جسم میں دل کا حجم کیا ہے اور اس کے دماغ میں حکمت کی مقدار کتنی ہے اور انسان کے نقائص و فضائل میں توازن کی صورت کیا ہے ! جب وہ اُمید کا دامن تھامتا ہے تو اس کا جھکاؤ حرص کی طرف ہو جاتا ہے جو اسے ہلاکت میں ڈال دیتا ہے جب وہ قنوطیت کا شکار ہوتا ہے تو افسوس کرتے کرتے نہیں تھکتا ۔ وہ غصّے کی حالت میں حد سے گزر جاتا ہے اور جب راضی برضا ہوتا ہے تو تحفظ کا خیال تک چھوڑ دیتا ہے ۔ جب وہ خائف ہوتا ہے تو جزع و فزع میں مبتلا ہو جاتا ہے ، جب خرچ کرنے پہ آتا ہے تو ہاتھ نہیں روکتا اور آخر کار نقصان میں رہتا ہے ، بھوک کی کش مکش اسے کمزور سے کمزور تر کر دیتی ہے ، اظہار شجاعت میں اس کی بھوک اور اس کا پیٹ حائل ہو جاتا ہے ، الغرض تفریط اس کے لیے ہمیشہ نقصان دہ اور افراط فساد انگیز ثابت ہوتی ہے ۔"

معاویہ نے اس کے بعد کہا :۔

ان کے کچھ اور اقوال بیان کرو ؟

ضرار بولے : " معاف کیجیے ، جو کچھ میں نے بذات خود ان سے سُنا وہ آپ کو سُنا چکا ہوں البتہ ایک روز انہوں نے کمیل بن زیاد کو میری موجودگی میں جو نصیحت فرمائی وہ عرض کیے دیتا ہوں ۔"

معاویہ بولے : "چلو وہی سناؤ ۔"

ضرار نے کہا: "انہوں نے ایک روز کمیل بن زیاد سے فرمایا کہ" اس شخص کی حمایت کرو جو صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکے اور اس کا رحم و کرم اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اس پر ظلم کرنے والا اللہ کا دشمن ہوتا ہے، میں تمہیں ایسے شخص سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں جس کا خدا کے سوا کوئی مددگار نہ ہو۔"

اس کے بعد ضرار چند لمحے خاموش رہ کر بولے: اور ہاں میں نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا ہے کہ "یہ دُنیا جس قوم پر مہربان ہوتی ہے اسے کچھ عرصے کے لیے کسی دوسری قوم کی اچھی خوبیاں بخش دیتی ہے اور جب کسی قوم سے رُخ پھیرتی ہے تو اس کی اپنی خوبیاں سلب کر لیتی ہے۔" پھر بولے: آپ نے ایک روز یہ بھی فرمایا:۔

"مجھے اس مالدار آدمی پر افسوس ہے جو صبر کرنے والوں کا احترام نہیں کرتا۔" اور ایک اور موقع پر یہ بھی فرمایا کہ "مومن کے لیے یہی غنیمت ہے کہ اس کی نگاہ عبرت آموز، اس کا سلوک فکر انگیز اور اس کا کلام پُر حکمت ہو۔"

جعفر بن ابی طالب طیّار کو جب شام کے قریب موتہ میں قتل کر دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بوجوہ وہاں نہیں بھیجا، بس درج ذیل آیۂ کریمہ پڑھ کر خاموش ہو گئے۔

(رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ)

جنگ اُحد میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مشرکین کے ایک جتھے کو منتشر اور تلوار کے گھاٹ اُتار کر اپنی صفوں کی طرف پلٹے تو جبریل علیہ السلام نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "یا محمدؐ! آپؐ کو ان سے کتنی قربت ہے؟" آپؐ نے جواب دیا: "جبریلؑ! یہ مجھ ہی سے ہے۔" جبریل علیہ السلام نے عرض کیا:۔ "اور میں آپ ہی سے ہوں۔" یہ روایت اسحاق نے ابن اسرائیل کے حوالے سے بیان کی ہے۔

ایک دفعہ کوئی سائل حضرت علیؓ کے سامنے آ کر کھڑا ہوا اور آپ سے کچھ مانگا، آپ نے اپنے بیٹے حسن سے فرمایا: "جاؤ اپنی والدہ سے کہو کہ اس سائل کو ایک درہم دے دیں۔" جناب حسن نے عرض کیا: "اس وقت گھر میں مشکل سے چھ درہم ہوں گے۔" آپ نے ان سے کہا "مومن مومن نہیں ہو سکتا اگر وہ خدا کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں دینے سے دریغ کرے۔"

یہ فرما کر آپ نے جناب حسن سے کہا: "جاؤ چھ کے چھ درہم سائل کو دے دو۔"

ایک روز ایک اونٹ والا اپنا اونٹ فروخت کرنے کی آواز لگاتا ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گزرا۔ آپ نے اس سے پوچھا: "کتنے کا ہے؟" وہ بولا: "ایک سو چالیس درہم کا۔" آپ نے اس سے اسی قیمت پر وہ اونٹ خرید لیا لیکن وہ آٹھ دن میں مرگیا۔ اس کے ایک آدھ دن ہی بعد ایک اور اونٹ والا اپنا اونٹ بیچتا ہوا آیا۔ آپ نے جب اس سے اس کی قیمت پوچھی تو وہ بولا: "سو درہم" وہ اونٹ نہایت تندرست اور موٹا تازہ تھا اس لیے آپ نے سوچا تھا کہ اس کی قیمت پہلے اونٹ سے کم کیا ہوگی اس لیے اسے ایک سو چالیس درہم دینا چاہیے تھے لیکن جب اس نے اپنی زبان سے سو درہم مانگے تو آپ نے اسے وہی دے کر اونٹ خرید لیا اور باقی بچے ہوئے چالیس درہم گھر میں جاکر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیے۔ انہوں نے پوچھا: "یہ کہاں سے آئے؟" آپ نے جواب دیا: "اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کی راہ میں جتنا کوئی دے گا اس کا دس گنا وہ اسے اس دنیا ہی میں دے دے گا۔" یہ کہہ آپ نے انہیں قرآن کی درج ذیل آیت پڑھ کر سنائی:۔

(مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا)

ایک روز ابن عباس کا ایک قبیلے کی طرف سے گزر ہوا جو رو رو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (نعوذ باللہ) گالیاں دے رہا تھا۔ ابن عباسؓ نے ان کے سربراہ کو بلا کر کہا: "تم لوگ خدا کو گالیاں دے رہے ہو۔" وہ بولا: "نعوذ باللہ ہم خدا کو گالیاں کیوں دینے لگے۔" ابن عباس نے کہا: "تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو گالیاں دے رہے ہو۔" وہ بولا ہم بھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ گالیاں دے سکتے ہیں؟" یہ سن کر ابن عباسؓ نے کہا: "مگر تم علی (رضی اللہ عنہ) کو تو ابھی گالیاں دے رہے تھے۔" وہ بولا: "ہاں ہم انہیں ضرور برا بھلا کہہ رہے تھے اور گالیاں بھی دے رہے تھے۔" یہ سن کر ابن عباس جھٹ بولے: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے جس نے مجھے گالی دی اس نے گویا خدا کو گالی دی اور جس نے علیؓ کو گالی دی اس نے گویا مجھے گالی دی۔" یہ سن کر وہ بہت شرمندہ ہوا اور اپنے قبیلے سے توبہ کرا کر بولا: "کچھ اور ارشاد فرمائیے۔" ابن عباس نے کہا: "اس وقت اتنا ہی کافی ہے"

ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل، آپ کے مراتب و مناقب اور آپ کے زہد و تقوے کے بارے میں اکثر و بیشتر باتیں زیر نظر کتاب میں درج کر دی ہیں لیکن اہل

تجسس و تحقیق کے لیے ہم نے انہیں تفصیل وار آپ کے خطبات و اقوال کے حوالے سے اپنی دوسری کتابوں "حدائق الاذہان فی اخبار آل محمد علیہ السلام"، "مزاہر الاخبار" اور "طرائف الآثار للصفوۃ النوریہ والذاریۃ الزکیہ" کے ابواب الرحمت و ینابیع الحکمت میں درج کیا ہے۔

حضرت علیؓ کے کچھ خصوصی فضائل

جن خاص باتوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پہ روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہیں: ایمان میں سبقت و ہجرت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت اور آپؐ کی نصرت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دینا، کمال قناعت، کتاب اللہ کا سب سے زیادہ علم، جہاد فی سبیل اللہ، زہد و ورع، احکام الٰہی کے مطابق فیصلے اور عدل و انصاف حکمت اور علم فقہ پہ عبور۔ ان جملہ باتوں میں آپ نے حصۂ وافر پایا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے ہجرت کے بعد مدینے پہنچ کر مہاجرین و انصار کو فرداً فرداً ایک دوسرے کا بھائی بنایا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: "تم میرے بھائی ہو۔" جس کے خلاف یا تردید میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کبھی کوئی آواز نہیں اٹھی۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے اور ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا:-

(۱) "تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون موسےؑ کے لیے تھے، فرق صرف اس قدر ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔"

(۲) "جس کا میں آقا ہوں علیؓ بھی اس کے آقا ہیں۔"

(۳) "یا اللہ جو اس سے (علیؓ سے) محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جو اس سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر۔"

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے آپؐ نے حضرت علیؓ سے اور ان کے بارے میں یہ کلمات فرما کر ان کے حق میں اللہ تعالے سے دعائے خیر و برکت فرمائی۔

ایک روز جناب انسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بریاں پرندہ پیش کیا تو آپ نے یہ دعا فرمائی۔

"یا اللہ تو اس وقت اس شخص کو بھیج دے جسے میں تیرے بندوں میں سب سے زیادہ چاہتا ہوں تاکہ وہ یہ مرغ بریاں کھانے میں میرے ساتھ شریک ہو جائے۔" ابھی اس دعا کا آخری لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوا ہی تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کو دروازے میں

داخل ہوتے ہوئے آپ کو نظر آ گئے۔

جتنے فضائل اور خصائل حسنہ اللہ تعالیٰ کے بعض نیک بندوں کو تقدیم و تاخیر سے ملے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ شخصیت میں ایک جگہ جمع ہو گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کے وقت تک اپنے صحابہ اور دیگر پیروان اسلام کے ظاہر و باطن کی خبر تھی اور آپ نے اس کا اظہار بھی فرمایا تھا، اس وقت تک آپؐ کے جملہ پیرو کلام الٰہی کی صداقت پہ متفق اور باہم رشتۂ اخوت و محبت میں منسلک اور بہر نوع مربوط تھے لیکن آپؐ کی وفات کے بعد جب سلسلۂ وحی منقطع ہو گیا تو چند مخصوص افراد کے علاوہ جن میں پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی قریب ترین شخصیت یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اکثر و بیشتر لوگوں کا وہ یقین جو انہیں قرآن پاک پہ آپ کی وفات تک حاصل تھا متزلزل ہوتا چلا گیا اور وہ قابل افسوس حادثات رونما ہوئے جو تاریخ کے اوراق پہ ثبت ہو کر اہل اسلام کے لیے آج تک باعثِ ندامت بنے ہوئے ہیں۔

ہم نے ان تاریخی واقعات کو پوری تحقیق و تدقیق اور چھان بین کے بعد پچھلے صفحات میں جگہ دی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

باب (۴۷)

ذکر خلافتِ حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما

کوفے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے دو روز بعد ماہ رمضان ۴۰ھ ہجری میں ان کے فرزند اکبر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی ۔ عبد الرحمٰن ابن ملجم کو جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جناب حسن رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا تھا اور اپنے عامل مختلف اسلامی مقبوضات کو جن میں کوہستانی علاقے بھی شامل تھے روانہ کر دیے تھے ۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح ہو جانے کے بعد ۴۱ھ ہجری میں جب کہ ماہ رمضان کے اختتام میں پانچ روز باقی تھے معاویہ کوفے میں داخل ہوئے ۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات اس وقت ہوئی جب آپ کی عمر پچپن سال تھی ، آپ کو زہر دیا گیا تھا ۔ آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی قبر کے برابر بقیع میں دفن کیا گیا ۔

حضرت حسنؓ کی سیرت اور کچھ حالات وکوائف

جعفر بن محمد نے اپنے والد اور دادا علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جناب حسن رضی اللہ عنہ جب انہیں زہر دیا گیا تو ان کے چچا کے پاس آئے کچھ دیر کھڑے رہے ، پھر رفع حاجت کے لیے چلے گئے ، اس کے بعد واپس آکر بولے : مجھے پہلے بھی کئی بار زہر دیا گیا ہے ، لیکن ایسا کبھی نہیں دیا گیا ، اب کے تو جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر میرے ہاتھوں میں آ رہے ہیں ۔ یہ سن کر حسینؓ نے جو اس وقت وہاں موجود تھے پوچھا : بھائی

آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟" جناب حسن نے ان سے پوچھا: "تمہارا اس سوال سے مقصد کیا ہے؟"
جناب حسین رضؓ نے کہا:-

"جس پر میرا شک ہے اگر یہ اسی کا کام ہے تو پھر اسے میرے ہاتھ سے خدا ہی بچا سکتا ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور ہے تو بھی میں اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

تین دن اسی ردّو قدح میں گزر گئے لیکن جناب حسن رضؓ کسی کا پتہ بتائے یا نام لیے بغیر وفات پا گئے۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی نے زہر دیا تھا اور اسے معاویہ نے اس کام پر اکسایا تھا، معاویہ نے اس سے کہا تھا کہ اگر اس نے یہ کام کر دیا تو وہ اسے ایک لاکھ درہم دینے کے علاوہ اپنے بیٹے یزید سے اس کی شادی کر دیں گے جب جعدہ نے معاویہ کے حسب منشا جناب حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر مار ڈالا تو معاویہ نے اسے حسب وعدہ ایک لاکھ درہم تو بھیج دیے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہلوایا:

"ہمیں یزید کی زندگی عزیز ہے، اگر اس کے ساتھ تیری شادی کر دی گئی تیرے ہاتھوں اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے رحلت سے کچھ دیر قبل فرمایا تھا کہ انہیں شربت میں زہر دیا گیا تھا اور انہوں نے اسے بے جھجک پی لیا تھا کیونکہ انہیں اپنی بیوی کی وفا پر شک نہیں تھا۔ بہرکیف اگر اس نے کسی کے کچھ وعدہ کرنے پر یہ کام کیا ہے تو بخدا وہ شخص اپنا وعدہ پورا نہیں کرے گا اور وہ پچھتائے گی۔"

جعدہ کے اس فعل قبیح کے بارے میں شاعر نجاشی نے جو شیعان علی رضؓ میں سے تھا ایک طویل نظم کہی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور عرب شاعر نے بھی جعدہ کے اس فعل کے متعلق بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں اس فعل مذموم کی مذمت کی گئی ہے۔

میں نے ابوالحسن علی بن محمد بن سلیمان نوفلی کی کتاب "الاخبار" میں مندرجہ ذیل باتیں پڑھی ہیں جو اس نے صالح بن علی بن عطیہ العصم کی زبانی سُن کر لکھی ہیں، وہ لکھتا ہے:-

"ہم سے عبدالرحمٰن بن عباس ہاشمی نے جو کچھ بیان کیا وہ انہوں نے ابی عون صاحب الدولہ سے سُنا تھا، ابی عون صاحب الدولہ نے بیان کیا کہ ان سے یہ باتیں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے کہیں تھیں اور بتایا تھا کہ انہوں نے اپنے والد سے اور ان کے والد نے ان کے دادا سے

سنا کہ ایک روز وہ یعنی عباس بن عبد المطلب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ علی بن ابی طالب بھی وہاں آ گئے تو آپ ان کا چہرہ بڑے غور سے دیکھنے لگے۔ عباس بن عبد المطلب نے بیان کیا ہے:۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "آپ اس نوجوان کا چہرہ اس قدر غور سے کیوں دیکھ رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا "چچا جان! میں اس نوجوان کو بہت زیادہ چاہتا ہوں، یہ میرے بعد نبی تو نہیں ہو سکتا لیکن اس کے صلب سے جو اولاد ہو گی وہ درحقیقت میری اولاد ہو گی۔ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ کے تمام بندوں کو فرداً فرداً ان کی ماؤں کے ناموں سے پکارا جائے لیکن اس کی ذرّیات کو ایک ایک کر کے ان کے باپوں کے نام سے آواز دی جائے گی جس کی وجہ ان کی صلبی صحت ہو گی۔"

جناب حسن کی وفات پر محمدؐ حنفیہ کا مرثیہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد آپ کے بھائی محمد حنفیہ نے ان کی قبر پر کھڑے ہو کر بطور مرثیہ یہ کہا: آپ کی زندگی اور موت دونوں باوقار رہیں، آپ کے کفن سے آپ کی پاک روح کی خوشبو آ رہی تھی اس لیے کہ وہ آپ کے طاہر جسم پر تھا، ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ باہدایت اور ایک متقی باپ کے بیٹے تھے، آپ اہل کسا کے پانچویں فرد تھے آپ نے ہمیشہ اکل حلال پر گزر بسر کی بلکہ آپ کی رضاعت بھی ایمان ہی کا ایک جزو تھی ۔ درحقیقت آپ کی حیات کی طرح آپ کی موت بھی طیب و پاکیزہ ہوئی (یعنی جس طرح آپ زندگی کے ہر دور میں مسکراتے رہے اسی طرح مسکراتے ہوئے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے) لیکن اے ابا محمد ہمیں آپ کی جدائی ہمیشہ تڑپاتی رہے گی) اللہ آپ پر رحم فرمائے۔"

اس کے بعد المسعودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

"ابو الحسن علی بن محمد بن سلیمان نوفلی کی کتاب "الاخبار" کے مطالعے کے بعد اہل بیت کے بارے میں جو روایات میری نظر سے گزری ہیں ان کے مطابق محمد حنفیہ نے جناب حسن بن علی بن ابی طالب کی قبر پر کھڑے ہو کر جو الفاظ فرمائے تھے وہ درج ذیل ہیں:۔

"اے ابا محمد! آپ کی زندگی پاکیزہ اور مسکراتے گزری لیکن آپ کی رحلت پر لوگ گریہ کناں ہیں کیونکہ آپ خامس اہل کسا، ابن محمد مصطفیٰؐ، ابن علی مرتضیٰ رضؓ، ابن فاطمہ زہرا اور ابن شجر طوبیٰ تھے۔"

"اس کے بعد محمد حنفیہ نے جناب حسن رضی اللہ عنہ کی قبر پر کھڑے ہی کھڑے فی البدیہہ کچھ اشعار بھی پڑھے جن میں اُنھوں نے اپنے بھائی جناب حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنے کے بعد ان کی وفات کو ایک بہت بڑا حادثہ اور اہل اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیا تھا۔"

"خلافتِ جناب حسن رضی اللہ عنہ اور صلح حسن و معاویہ کے سلسلے میں جو مصدقہ روایات میری نظر سے گزری ہیں ان سے دورِ خلافت راشدہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کی بھی تصدیق ہوتی ہے، آپ نے فرمایا تھا:" میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد گرامی کی روشنی میں حساب لگایا جائے تو خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آغاز خلافت سے لے کر جناب حسن رضی اللہ عنہ کے اختتام خلافت تک کل تیس سال بنتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱۔ خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ	دو سال، تین مہینے، آٹھ دن
۲۔ خلافت عمر رضی اللہ عنہ	دس سال، چھ مہینے، چار راتیں
۳۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ	گیارہ سال، گیارہ مہینے، تیرہ دن
۴۔ خلافت علی رضی اللہ عنہ	چار سال، سات مہینے، ایک دن
۵۔ خلافت حسن رضی اللہ عنہ	آٹھ مہینے، دس دن
	میزان کل ...... تیس سال

"محمد بن جریر طبری، محمد بن حمید رازی، علی بن مجاہد، محمد بن اسحٰق اور فضل بن عباس بن ربیعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"عبد اللہ بن عباس جب معاویہ کے پاس وفد لے کر گئے تو پہلے مسجد میں تشریف لے گئے وہاں انھوں نے معاویہ کو اہل خضراء میں نعرۂ تکبیر بلند کرتے سُنا، ان کے ساتھ اہل خضراء نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا، جب ان لوگوں نے جو اس وقت مسجد میں موجود تھے اہل خضراء کو نعرۂ تکبیر بلند کرتے سُنا تو ان کی تقلید میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے لگے۔ ابن عباس نے دیکھا کہ یہ نعرے سُن کر فاختہ بنت قرظہ بن عمرو بن نوفل بن عبد مناف گھر سے باہر آئی اور اس نے معاویہ سے پوچھا:" یا امیر المومنین اللہ آپ کو خوش رکھے، آج ایسی کیا خبر آئی ہے جو آپ

اس قدر خوشی سے نعرے لگا رہے ہیں ؟ فاختہ کے جواب میں معاویہ بولے : "حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر آئی ہے ۔" فاختہ نے جب یہ سُنا تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر رونے لگی، پھر بولی : "آہ سید المسلمین ، ابن بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے !"

معاویہ نے کہا : "ہاں ، یہ درست ہے لیکن تو اس طرح کیوں رو رہی ہے جیسے تیرا کوئی رشتے دار مر گیا ہو ؟

جب ابن عباس کی آمد کی خبر معاویہ کو ملی تو وہ اور زیادہ خوش ہوئے اور جس وقت اول الذکر ان کے پاس پہنچے تو وہ ان سے بولے : "ابن عباس ! میں نے سُنا ہے کہ حسن رض وفات پا گئے ۔"

ابن عباس نے کہا : "جی ہاں لیکن کیا آپ ان کی وفات کی خبر سُن کر خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کر رہے تھے ؟"

معاویہ نے جواب دیا : "ہاں ۔"

ابن عباس یہ سُن کر بولے : "ان کی موت سے آپ کی موت مؤخر نہیں ہو سکتی نہ ان کے زیر زمین جانے سے آپ کے زیر زمین جانے میں تاخیر ہو سکتی ہے ۔ ہم پر ایک مصیبت اُس وقت آئی تھی جب سید المرسلین ، امام المتقین ، رسول رب العالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تھی ، اس کے بعد سید الاوصیا رخصت ہوئے ، ہم نے یہ سب مصائب رضائے الٰہی سمجھ کر جھیلے ہیں ۔"

ابن عباس رض کی زبان سے یہ سُن کر معاویہ بولے :۔

"ابن عباس ! تمہارا بُرا ہو ، میں نے کچھ ایسی بات تو نہیں کہی جس پر تم اتنا بگڑ رہے ہو ۔"

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ جب حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے صلح نامے کی منظوری کی خبر معاویہ کو پہنچی تو انہوں نے خوشی سے اُچھل کر نعرۂ تکبیر بلند کیا ، ان کی دیکھا دیکھی اہل خضراء نے بھی وہی نعرہ لگایا تو اس وقت مسجد میں موجود نمازیوں نے بھی نعرے لگانے شروع کر دیے ، ان نعروں کی آواز سُن کر فاختہ بنت قرظہ حیران ہوتی ہوئی گھر سے نکلی اور معاویہ سے کہا : "یا امیر المومنین ! خدا آپ کو خوش رکھے ایسی کیا خبر آئی ہے جس پر آپ اس قدر مسرت کا اظہار فرما رہے ہیں ؟" فاختہ کے سوال کا جواب معاویہ نے یہ دیا :۔

"حسن (رضی اللہ عنہ) نے ہم سے صلح کر لی ہے اور ہماری اطاعت پر راضی ہو

گئے ہیں، یہ بہت بڑی خوش خبری ہے۔"
یہ سُن کر فاختہ بنت قرظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پڑھی کہ "میرا یہ بیٹا جو اہل جنت کا سردار ہے اللہ کے حکم سے دو حریفوں میں صلح کرائے گا" پھر بولی "الحمدللہ کہ اللہ تعالےٰ نے دو حریفوں میں سے ایک حریف کے ذریعے دو مخالف گروہوں میں صلح کرادی ہے۔"
"ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب جناب حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ سے صلح کی تو معاویہ خود بھی کوفے میں موجود تھے، عمرو بن عاص نے ان سے کہا: "آپ حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایئے کہ وہ لوگوں کو خطبہ دیں۔"
معاویہ بگڑ کر بولے: "کیا تم چاہتے ہو کہ میں آج بھی لوگوں کو مخاطب کرنے میں انہیں اولیت دوں؟"
عمرو بن عاص نے کہا: "میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ آپ سے پہلے لوگوں کو مخاطب کرکے صلح کی وضاحت کریں اور انہیں بتائیں کہ انہوں نے (حسنؓ نے) آپ کی بیعت کرکے آپ کی اطاعت پر آمادگی کا اظہار کر دیا ہے۔"
معاویہ یہ سُن کر لوگوں سے مخاطب ہوئے جس کے بعد جناب حسن رضی اللہ عنہ کو آدمی بھیج کر بلوایا گیا، اس کے بعد معاویہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے لوگوں کو مخاطب کرنے کی درخواست کی۔
جناب حسن رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ سے جو صلح کی وجہ سے آپ سے کشیدہ تھے حمد وثنا کے بعد یوں فی البدیہہ خطاب فرمایا:۔
"لوگو! ہم میں سے پہلے فرد نے تمہارے لیے سامان ہدایت فراہم کیا اور آخری شخص نے تمہارے خون کا تحفظ کیا، حکومت عارضی ہوتی ہے اور دنیا آنی جانی ہے، اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے (قُل اِن اَدرِی اقریب ام بعید ما توعدون انہ یعلم الجھر من القول ویعلم ما تکتمون، وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین) قرآن کی یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد آپ نے اہل کوفہ سے فرمایا: "اے اہل کوفہ! میں تم سے کبھی دست بردار نہ ہوتا لیکن تمہاری تین باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے مجھے تم سے دست بردار ہونا پڑا ہے۔ ایک تو یہ کہ تم میرے والد کے قتل کا سبب بنے ہو، دوسری بات یہ ہے کہ تم مجھے بھی بوجھ سمجھ رہے ہو، تیسری اور

آخری بات یہ ہے کہ تم میرے پیچھے مجھے اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرتے، لہٰذا میں نے معاویہ کی بیعت کر لی ہے۔ اب تم انہیں کی بات سُنو اور انہیں کی اطاعت کرو۔"

"جب اہلِ کوفہ کو جناب حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے معاویہ کے ساتھ صلح کا یقین ہو گیا تو کچھ لوگوں نے آپ کے خیمے میں شگاف کیا، اس میں سے گزر کر آپ کے بستر تک پہنچے اور ان میں سے ایک شخص نے آپ کے شکم میں خنجر گھونپ دیا (ہر چند کہ یہ زخم مہلک ثابت نہ ہوا لیکن فطرتِ اہلِ کوفہ کی قلعی کھُل گئی۔"

"جب حضرت علی رضی اللہ عنہ زخمی ہونے کی وجہ سے بستر سے اُٹھنے سے معذور تھے تو آپ نے جناب حسن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ وہ مسجد تشریف لے گئے تھے اور منبر پر تشریف فرما ہو کر حمد و ثنا کے بعد نمازیوں سے یوں مخاطب ہوئے تھے: اللہ تعالےٰ نے کبھی کسی کو اپنا نبی نہیں بنایا جب تک اس کا کوئی نقیب، اس کے اپنے کچھ لوگ اور اس کا گھر منتخب نہ کر لیا۔ پس جب اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت نبی مبعوث فرمایا تو وہ ہمیں جو آپؐ کے اہل بیت تھے ہمارے حق سے کس طرح محروم رکھتا الّا یہ ہم (نعوذ باللہ) اس کے کسی حکم سے سرتابی کرتے، ہمارے حصّے میں دُنیا کی دولت و حکومت نہیں آئی بلکہ اجر آخرت آیا ہے، لہٰذا ہمارے بارے میں آپ لوگ خود سوچ سمجھ سکتے ہیں۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے مختصر دورِ خلافت میں جب بھی کہیں کوئی خطبہ دیا تو لوگوں سے اس کے دوران میں یہ ضرور فرمایا:۔

"ہم حزب اللہ ہیں اور اس کی طرف سے انسانوں کی فلاح پر مامور ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت ہیں، آپؐ کے قریب ترین عزیز یعنی آپ کے طاہر و طیب اہل بیت ہیں، ہم ثقلین میں سے ایک ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت وفات چھوڑا ہے، دُوسری چیز ثقلین میں کتاب اللہ ہے جس میں وہ سب تفصیلات موجود ہیں جنہیں آپ کی دنیاوی زندگی میں کوئی باطل ٹھہرا سکا نہ آپ کی وفات کے بعد قیامت تک کوئی باطل ٹھہرا سکے گا۔ جو کچھ کتاب اللہ میں ہے ہم نے اسے سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کی بلکہ اس کے تیقن کی دوسروں کو بھی اسی طرح ہدایت کی ہے جس طرح خود اس کا یقین کامل کیا ہے، پس تمہارے لیے ہماری اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح تم پر حکم الٰہی کے تحت اللہ اور اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اولوالامر کی اطاعت فرض ہے، واضح رہے کہ ہم اولوالامر مفروضہ میں ہیں۔ قرآن کی اس آیت پر غور کرو۔

(فَإِن تنازعتم فِي شيءٍ فَرُدُّوهُ الی اللهِ وَالرَّسُوْلِ ... ولو ردّوه الی الرّسُوْل، والی الامر منهم لَعَلِمَهُ الذین یستنبطونه منهم) شیطان کے دھوکے سے بچو کہ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے دوست بن جاؤ جن کے متعلق آپؐ نے فرمایا ہے (لا غالب لکم الیوم من النّاس وانی جاء لکم۔ ترجمہ) لیکن جب آپؐ نے اپنے بعد دو گروہوں کے باہمی تنازعات پر غور فرمایا تو ان سے ارشاد فرمایا (میں اس وقت کے لیے تم سے بری الذمہ ہوتا ہوں جو میرے آج بھی پیش نظر ہے لیکن تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو۔ ترجمہ) آپؐ کا اشارہ اسی وقت کی طرف تھا جب نیزے بلند ہوں، تلواریں چمک رہی ہوں، عزائم نیک نہ ہوں بلکہ صرف تیر اندازی سے غرض ہو۔ یاد رکھو اس وقت کسی کا خالی خولی ایمان کام نہیں آئے گا جب تک ایمان پر کامل بھروسہ نہ ہوگا اور اسے صرف اکتساب خیر کے لیے کام میں نہ لایا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

(ختم شد ترجمہ جلد دوم)

کوکب شادانی عفی عنہ
۱۵/۸۶۳، دستگیر کالونی، فیڈرل ایریا، کراچی ۳۸

اشاریہ (شخصیات)

مروج الذہب ومعاون الجوہر

حصّہ اوّل

مرتبہ: مشرف احمد

(آ)

آدم، حضرت ۴۰، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۶۰، ۹۲، ۹۴، ۱۸۳، ۲۵۲، ۲۷۸

آذر (دیکھئے تارح بن ناخور) ۶۱

آذر بن بنیہ بن مہاجر ۱۷۰

آراش بن ناوان ۲۳۹

آرد ۲۵۴

آرمینوس، بادشاہ ۴۱

آرمینیا ۷۹

آرمیا، حضرت ۷۸

آغابزرگ الطہرانی ۱۸

آزور ۱۷۶

آک ۱۸۶

آگسٹس ۲۵۱

آہریمون ۱۷۶

آہوز ۷۱

(ا)

ابراہیم بن زیاد ۳۱۴

ابراہیم بن ماہویہ ۳۷

ابراہیم بن موسیٰ الواسطی ۳۷

ابراہیم ابوالیمن، خطاط ۳۰

ابراہیم، حضرت ۴۰، ۶۰، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۷۹، ۸۹، ۱۹۲، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۳۹، ۲۵۰

ابطنجنس، بادشاہ ۲۴۷

ابطونیس ۲۵۶

ابلح ۷۱

ابلیس ۴۹، ۵۰، ۵۵، ۸۰، ۱۷۷، ۱۸۵

ابن آدم ۱۸۳

ابن ابی ساج ۱۶۰

ابن اثیر ۱۶، ۲۸

ابن اخت عیسیٰ بن فرحان شاہ ۳۶

ابن اسحاق ۷۹

ابن اسوار ۱۷۲

ابن اغلب تمیمی ۱۴۶

ابن الخاشطہ ۳۷

ابن بطوطہ ۲۵، ۲۹

ابن جزری ۲۷۵، ۲۷۶
ابن حجر عسقلانی ۱۸
ابن خلدون ۳، ۱۵، ۲۴، ۲۸
ابن داب ۸۷
ابن شاکر کتبی ۱۸
ابن عباس ۴۸، ۱۲۱
ابن عبدالملک المروزی ۱۰۱
ابن غفیر ۱۶۲، ۱۶۳
ابن مقتع ۹۵، ۱۶۶، ۱۸۸
ابن ندیم ۱۸
ابن یافث بن نوح ۲۳۹
ابواسحاق ابراہیم ۲۷۴، ۲۷۶
ابواسحاق الفرازی ۲۷۱
ابوالعباس عبداللہ بن محمد الناشی ۲۴۰
ابوالعتاہیہ ۲۷۰
ابوالفرج قدامہ ۴، ۳۷، ۳۸
ابوالقاسم جعفر بن محمد بن حمدان موصلی ۳۷
ابوالمحاسن بن تغری بردی ۱۸، ۲۷
ابوالمنذر عمر بن عبداللہ ۱۴۷
ابوبکر صدیق، حضرت ۴۴، ۸۶، ۹۰، ۱۱۱، ۲۶۸، ۲۶۹
ابوبکر محمد بن حسین بن ولید ۲۷۳
ابوحنظلہ ۹۰
ابوزید بن عمر بن زید بن محمد بن مزد بن سیا سار سیرانی ۱۳۲، ۱۳۳
ابوزید حسن بن یزید سیرانی ۱۳۲
ابوسعید بن ذکریا ۱۷۵
ابوعامر اوسی ۹۰
ابوعبداللہ المحتسب مدنی ۱۴۶
ابوعبیدہ بن جراحؓ ۲۶۹
ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ ۱۸۵، ۱۹۶، ۲۱۴
ابوعلی ۱۸
ابوعمیر عدی بن احمد ۲۶۲، ۲۷۱
ابوعینا ۲۷۳
ابوقاسم بلخی ۹۴
ابوقیس حربہ بن ابی انس ۸۹
ابوکندہ (دیکھئے حارث بن معاویہ بن ثور الکندی) ۱۶۲
ابومروان بشر بن اسحاق ۳۱۳
ابومعشر المنجم ۱۳۵
ابونواس ۱۸۶
ابیابن ارخم ۷۶
ابیارخ ۷۱
ابی اسحاق المتقی بن المقتدر خلیفہ ۲۷۸
ابی الفیض ذی النون بن ابراہیم المصری ۲۹۲
ابی بشر دولابی، قاضی ۳۶
ابی بکر محمد بن ذکریا رازی (دیکھئے رازی) ۳۶
ابی بکر محمد بن خلف بن القازی ۳۶
ابی جعفر منصور ۴۵
ابی ذکرہ موصلی ۳۸
ابی زید فہری ۱۶۲، ۱۶۳
ابی طالب ۹۰، ۹۱
ابی عبداللہ ابراہیم بن محمد بن عرفہ واسطی نحوی ۳۷
ابی عبداللہ، جعفر بن محمد ۵۲
ابی عبدالرحمٰن ۳۶
ابی عمیر بن عبدالباقی زیادات ۲۷۳

ابی نصر زیادۃ اللہ بن عبداللہ ۱۴۶
اتریب بن مصر ۲۹۰
اجاب ۷۶
اجام ۷۶، ۷۷
اجباری ۷۰
احرست، بادشاہ ۱۸۱
احمدؐ (دیکھیے حضرت محمدؐ) ۸۵
احمد المقری ۱۶
احمد بن طولون، سلطان ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۹۶، ۲۹۷
احمد بن طیب سرخسی ۱۱۸، ۱۲۴، ۲۵۷
احمد بن ہلال بن افنث امیر عمان ۱۱۴، ۱۶۸
احمد بن یعقوب المصری ۳۸
احول ۲۳۰
اخشنواز ۲۲۵
اخنوخ بن لود ۵۷
اخمیم ۲۹۲
ادریس بن ادریس بن عبداللہ ۱۴۵
ادریس علیہ السلام، حضرت ۵۷، ۵۸
ادھم بن محرز ۱۶۲
اربل ۷۹
ارخجم، ملک ۷۶
اردبار بن حبان ۷۴
اردشیر ۹۴، ۹۵، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۳۶، ۲۳۷
اردشیر ابن ہرمز ۲۱۹
اردشیر بن بہمن ۲۰۸
اردشیر بابک شاہ ۱۵۴، ۱۹۱، ۱۹۶، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۰۷
اردوان بن بلاس ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۰۴، ۲۰۷
ارزمی دخت ۲۳۶، ۲۳۷
ارستجانس ۱۶۱، ۱۶۲
ارسطاطالیس بن نقوماخس ۳۱۵
ارسطو ۳۸، ۱۹۶، ۲۴۶، ۳۰۰، ۳۱۵
ارمیس ۱۶۸، ۱۶۹
ارعو ۱۲۷
ارغیم بن سلیمان بن داؤدؑ، ملک ۴۰
ارفخشذ بن سام بن نوح ۵۹، ۶۰، ۶۱
ارم بن سام ۵۹
ارم فخشذ بن سام بن نوح ۱۹۸
ارمنوس، بطریق ۱۵۶، ۲۷۷، ۲۷۸
اریس (ارنوس) ۲۳۴
اریش ۲۷۰
ازریق ۲۶۴
ازوق ملک ۱۶۳
اسباسیانوس ۲۵۵
استراق بن یعفور ۲۷۷
اسپرنگر، لوئیس ۲۹
اسحٰق بن اسماعیل حضرت ۱۷۰
اسحاق بن سوید العدوی ۱۹۹
اسحٰق، حضرت ۶۴، ۶۵، ۷۹، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۳۹
اسطاغر (اسطامور) ۳۱۵
اسطفتوس ۲۷۵
اسعد ابو کرب الحمیری ۸۵
اسفندیار بن استاسف بن لہراسپ ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۸۸

اسکالیجر ۲۹
اسکندر ذوالقرنین ۸۲
اسکندروس ۲۴۷، ۲۷۷
اسماعیل، حضرت ۶۰، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۷۹، ۸۲، ۲۰۱
اسما ۷۷
اشار ۶۵
اشباع بنت عمران ۷۹، ۸۰
اشبان ۲۶۴
اشترم ۲۸۲
اشعیا ۷۹
اشک بن اشک ۱۹۶
اشمعون بن مصر ۲۹۰
اصغر بن یفر ۲۵۰
اطحت، بادشاہ ۱۸۱
اطریطش ۲۹۹
اطوج ۱۸۷
اطروس، بادشاہ ۱۸۱
اعلون ملک ہواب ۷۱
اغطس قیصر ۲۵۲، ۲۵۳
افراسیاب بن پشنگ ۱۲۸، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۳، ۱۹۴
افرائیم ۷۱
افروس، بادشاہ ۱۸۱
افریدون بن اثفابان ۱۸۶، ۱۸۷، ۲۰۰، ۲۰۱
افریقریس، بادشاہ ۱۸۱
افسطس (آگسٹس) ۲۴۸
افسطس، قیصر ۲۵۱
افلاطون ۳۸، ۲۰۷، ۲۲۸
افلاوس، بادشاہ ۱۸۱
اقبال سلیم گاہندری ۳، ۲۱
اقلیمار بنت آدم ۵۳
اکبر ۱۸۳
الاعرج، فرعون ۷۸
الاعرج بلونا، فرعون ۲۹۳
الخارج، فرعون ۷۸
الاسکندر ماپیاس ۲۵۷
الامین، خلیفہ محمد ۲۷۷
البغدادی ۱۸
البطونیس ثانی ۲۵۷
الحلوس، بادشاہ ۱۸۱
الراضی باللہ، خلیفہ ۳۷، ۴۶، ۲۷۸
الزرکلی ۱۸
السفاح، ابی العباس ۲۷۰
العداس، بادشاہ ۱۸۱
القاہر، خلیفہ ۴۶، ۲۷۸
الکندی، یعقوب بن اسحاق ۱۲۴، ۲۴۰، ۲۵۷
المامقانی ۱۸
المامون، خلیفہ ۲۰، ۴۵، ۹۵، ۱۰۱، ۲۷۷
المتقی، خلیفہ ۴۶، ۲۷۸
المتکفی، خلیفہ ۴۶
المتوکل، خلیفہ ۴۵
المستعین ۴۶
المسعودی، ابوالحسن علی بن حسین علی ۳، ۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۱، ۳۴، ۳۸

۳۹، ۴۶، ۵۱، ۵۴، ۷۰، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۹۱، ۹۸، ۱۰۱، ۱۲۴، ۲۳۷، ۲۴۷۔

المطیع ۴۶
المعتذر باللہ، خلیفہ ۳۶
المعتصم، خلیفہ ۲۷۷
المعتمد، خلیفہ ۴۶
المعتضد باللہ، خلیفہ ۴۶، ۱۲۴
المقتدر، خلیفہ ۴۶، ۲۷۸
المکتفی، خلیفہ ۴۶
المنتصر، خلیفہ ۴۵
المنذر، خلیفہ ۳۰۹
المنصور، جعفر، خلیفہ ۲۷۰، ۳۰۹
الواثق، خلیفہ ۴۵
المہدی، خلیفہ ۴۶
الیاخر ۶۵
الیاس ۷۹
الیون راصفر، بادشاہ ۲۶۵، ۲۶۶
الیون اکبر ۲۶۶
الیون بن بسیل ۲۷۷
الیون بن قسطنطین ۲۷۰
ام حبیبہ، حضرت ۹۰
امنوطوس، بادشاہ ۱۸۱
امور بن مشیا ۷۸
امیم بن لاذ بن آدم ۵۹، ۱۸۳
امیۃ بن ابی سلط ثقفی ۸۶، ۸۷، ۸۸
انمار بن نزار بن سعد ۱۷۰، ۱۹۶
انطونیوس (انتونیو) ۲۴۸
انوش بن شیث حضرت ۵۶، ۵۷

اوالس ۲۶۳
اوران بن یادان بن یافث ۲۳۹
(دیکھئے ابن یافث)
اوریانس ۲۵۶
اوشہنج بن فروال بن سیامک ۱۸۵
اومرنوس، بادشاہ ۱۸۱
اہریمون ۱۷۳
ایاد بن نزار ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۹
ایران بن افریدون ۱۹۹
ایرج بن افریدون ۱۸۷، ۱۹۹، ۲۰۰
ایرک ۲۰۰
ایلیا ۱۹۷، ۲۴۷، ۲۵۲
اینوس، بادشاہ ۱۸۱
ایوبؑ، حضرت ۶۶

(ب)

باربیادی مینیار ۲۵
باقدما ۷۹
باہود ۹۵
باہور ۹۴
بتوایل بن ناحور ۶۳، ۶۴
بجارملی ۲۵۷
بحیرا راہب ۸۵، ۹۰، ۹۱
بخاری، امام ۲۸
بخت نصر الجبار، بادشاہ ۷۴، ۷۸، ۷۹، ۸۲، ۱۸۱، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۲، ۲۴۱، ۲۹۳، ۳۰۷
برزبان سلم ۱۶۴
برسونا ۷۱
برمودہ بن شابہ ۲۳

بروکلمان ۱۸
برہمن، بادشاہ ۹۴
بریر بن شوشان ۱۷۳
بریۃ بن سرحون ۲۵۰
بزرجمہر ابن سرحو ۲۲۲
بزرجمہر بن بختگان ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۳، ۲۳۴
بسطام ۲۳۲، ۲۳۳
بسوس ابن بالوس ۱۷۸
بسیل صقلبی ۲۷۷
بشار بن برو ۲۰۰
بطاریس ۲۵۳
بطلیموس (فیلبس) ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۹۰، ۲۴۱، ۲۴۶
بطلیموس الاسکندرانی ۲۴۸
بطلیموس الجدید ۲۴۸
بطلیموس الجوّال ۲۴۸
بطلیموس الحریث ۲۴۸
بطلیموس الصانع ۲۴۷
بطلیموس المخلص ۲۴۸
بطلیموس ثانی (بیفلسوس) ۲۴۷
بطلیموس محب الاب، بادشاہ ۲۴۷
بطور ۷۹
بقر بن عیص ۲۵۰
بکر بن وائل ۲۱۹، ۲۳۴
بلاس بن فیروز ۲۲۱، ۲۲۲
بلالؓ، حضرت ۹۰
بلخاریہ ۲۶۵
بلعم بن باعور ۶۹
بلوطس ابن میناکیل بن بلوطس ۲۹۳

بلونا ۲۹۳
بلہرا ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰
بلہری ۹۷
بلہیت، بادشاہ ۹۵، ۹۶
بندویہ ۲۳۲
بنطسفر، بادشاہ ۱۸۱
بین سلیمان ۷۹
بنو اصفر بن نفر ۲۵۰
بنو عبیل بن عوص ۵۹
بنیامن ۶۵
بنیط بن یاسور ۱۹۸
بوان بن ایران ۱۹۸
بورک ۲۰۰
بوزانیاس ۲۹
بوسمیس، بادشاہ ۱۸۱
بولاق ۱۶
بولس (بولص) ۸۱، ۸۳، ۲۵۳، ۲۵۵
بوبوس، بادشاہ ۱۸۰
بہاء ابو اللباب المنبر بن اسد قریشی ۱۴۷
بہراسب ۱۸۶
بہراسف ۱۸۹، ۱۹۰، ۲۰۳، ۲۰۴
بہرام بن چوبین ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۶۷
بہرام بن سابور ۲۱۹
بہرام بن ہرمز ۲۱۰
بہرام بن بہرام ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴
بہرام بن یزدگرد (بہرام گور) ۱۵۵، ۱۶۴، ۱۶۵، ۲۰۶، ۲۲۰
بہرام گور بن مرزبان (دیکھیے بہرام چوبین)

بہماسف بن کنجہر ۱۹۳

بہمن بن اسفندیار ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۳

بیرنوس ۲۵۶

بیصر بن حام بن نوح ۲۸۹

بیوراسب ۱۸۶

(پ)

پرویز کسریٰ ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷

پطرس ۸۳، ۲۵۳، ۲۵۵

پوران، ملکہ ۲۳۷

پورس، راجہ ۲۴۴

(ت)

تدوسیس (الاصغر) ۲۶۴، ۲۶۵

تدوسیس (الاکبر) ۲۶۴

تفتان ۶۵

توتال ۱۳۰

تویس ۲۵۱

توما ۸۳

توما (شاگرد عیسیٰ) ۲۵۴، ۲۵۵

تیادلیوس، بادشاہ ۱۸۱

تیزون، شاہ ۲۵۵

تیطوس شاہ ابن اسفاینڈس ۱۹۷

تینیگ ۱۲۰

(ث)

ثابت بن قرہ الحرانی ۴، ۳۸

ثغور شامی ۱۲۰

ثمود بن سام ۵۹

(ج)

جاحظ، عمرو بن بحر ۱۴۷، ۱۶۸، ۳۰۵، ۳۰۹

جالوت بن بالول، سلطان ۷۲

جالوت ملک البربر ۷۰، ۷۳، ۷۴

جالینوس، بادشاہ روم ۲۵۸

جالینوس، حکیم ۹۷، ۱۶۲، ۲۵۷، ۲۸۸

جالینوس الاصغر بن دم بن ساجلین ۲۵۱

جاماسپ ۲۲۲

جبریل، حضرت ۵۰، ۵۸، ۶۲، ۸۰

جُرجان ۱۶۱

جُرجس ۲۷۰

جُرجی زیدان ۱۸، ۱۹

جُرجی کنعان ۱۸

جُرجیس ۸۲

جریر بن خطفی تمیمی ۲۰۰

جریر بن عبداللہ البجلی ۱۴۰

جلد بالیتر، مسٹر ۲۹

جمشید ۱۸۵، ۱۸۶

جودرز بن اشک ۱۹۷

جودرز بن بیزر ۱۹۷

جوکرینب ۱۲۱

جوہر بن احمد ۱۱۴

جیرون بن لادن ۲۶۹

(ح)

حاجی خلیفہ ۱۸

حادر (حاذر) ۲۲۲

حارث بن اعزا لابادی ۲۱۴

حارث بن معاویہ بن ثور الکندی ۱۶۲

حام ۵۸، ۵۹

حبیب نجار ۸۳

حجاج بن یوسف ۴۴، ۴۵

حدّاد ۷۹
حراتان ۱۳۰
حرایابن مالیق ۲۹۰
حربیوس بن یونان ۲۴۱
حزقیل بن اجام ۷۱، ۷۷
حزقیل ۷۹
حسن بن علیؓ، حضرت ۴۴
حسن بن موسیٰ نوبختی ۹۴
حسین المنعم ۱۰۱
حسین بن علیؓ، حضرت ۴۴
حطان بن معلی الفارسی ۱۹۸
حکم بن ہشام ۱۴۴
حمایہ بنت بہمن ۱۹۳
حمزہ، سید ۱۴۸
خشنشدہ ۲۳۷
حنظلہ بن جبّہ طائی ۲۳۲
حنظلہ بن صفوان، حضرت ۸۲
حنّہ ۷۹
حوّا، حضرت ۵۳، ۵۵، ۵۶
حوّاتان ۱۲۹
حوریا بنت طوس بن مالس ۲۹۰، ۲۹۱
حیم ۷۹

(خ)

خاقان ۲۲۰
خالد بن ولید ۱۱۱، ۲۶۹
خالد بن سنان عیسی ۸۴، ۸۵
خالد بن ہشام اموی ۳۶
خاناس ۱۹۲
خداد ۷۹
خدیجہ، ام المومنین حضرت ۸۸، ۹۱
خراسان شاہ ۱۵۵
خضر (دیکھئے خضرون بن عمائیل) ۶۶
خضر بن ملکان ۶۶
خشخاش ۱۱۷
خلیخاس ۱۷۶
خوالنساری ۱۸

(د)

دادتوس، بادشاہ ۱۸۱
دارا ابن دارا ۱۳۲، ۱۸۱، ۱۹۱، ۲۴۱
دارا بن بہمن ۱۹۳
دارا بن دارا بن بہمن ۱۹۳
دارا ۱۹۵، ۲۴۳
دارع ۷۱
دارم بن ریان ۲۹۱
داریوس بن دارا، بادشاہ ۱۷۲، ۱۸۱، ۱۹۳
دان ۶۵
دانیال اصغر ۱۹۲
دانیال اکبر ۱۹۲
دانیال، حضرت ۷۸، ۷۹، ۱۸۶
داؤد الجلیبی، ڈاکٹر ۱۸، ۳۱
داؤد بن جراح ۳۶
داؤد، حضرت ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۷، ۷۹
دبشلیم ۹۵
دبورا ۷۱
دجّال ۱۴۰
دربطیاس شاہ (ذو نطاس) ۲۵۶
درکوس بن بلوطس ۲۹۳
دستان ۱۹۲

دغار ١٦١
دقیوس، بادشاہ ٢٥٧، ٢٥٨
دلوکہ العجوز، ملکہ ٢٩١، ٢٩٢، ٢٩٣، ٣٠٢
دیباسی موسیو ٢٨
دنیا بن نورس ٢٩٣
دنیا زد ١٩٠
دوام ٧٩
دوما ٧٩
دیفریمری ٢١
دیموقریطس ١٥٣
دیوجانس کلبی ١٥٣
دی گوجے ١٦، ١٧، ٢٥، ٣١

(ذ)

ذکریا علیہ السلام حضرت ٧٩، ٨٠
ذوالکفل ٧٩
ذوالقرنین ٢٥٨
ذوثعلبان ٨٤
ذوالغنایتہ ١٤٥، ٢٣٩
ذہبی ١٨
ذی نواس ٨٤، ٣١٤

(ر)

رابکہ، مستشرق ٢٨
راضی باللہ ٩٨
راوسیئس، بادشاہ ١٨١
ربیب ٧١
ربیعہ ایادی ٢١٩
ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان ١٩٦، ٣١٣، ٣١٨
رحمت زوجہ حضرت ایوبؑ ٦٦
رستم ١١١
رستم بن دشان ١٨٨، ١٨٩، ١٩٢
رستم حاکم سجستان ١٩٢
رسول اللہ صلعم حضرت محمد ٣١٧
رعو بن فالغ ٦١
رعوئیل بن عبعد ٢٥١
رعوی بن لوط ١٩٨
رفقا، زوجہ حضرت اسحاقؑ ٦٤
روبیل ٦٥
روشنک بنت دارا ٢٤١، ٢٤٢
روم بن سماعلین ٢٥٠
رومی بن بسطن ٢٥٠
رومیہ بن مربط ٢٥٠
رئاب الشنیّ ٨٥
ریاحا ١٤٧
ریان بن ولید العملاقی (فرعون یوسف) ٢٩١
رینان، فرانسیسی ٢٨، ٢٩
رینو، موسیو ٢٩، ٣٠

(ز)

زادان شاہ ١٥٥
زامان ٩٥
زبویون ٦٥
زرتشت بن ابیمان ١٩٠، ١٩١، ١٩٢، ٢١١، ٢٣٧
زریایل ٧٨
زنبیل، بادشاہ ١٧٥
زو بن بہامت بن مجھود ١٨٨
زہی بن لوط ١٩٨
زید بن اسلم ٢٨١
زید بن عمرو بن نفیل ٨٦

زینو ۲۶۶

(س)

سابا بن بردینا ۲۰۷
سابق بن مالک یمنی ۱۷۸
سابور بن اردشیر ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۶۲،
سابور بن اشک ۱۹۷
سابور بن سابور ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۶، ۲۳۷، ۲۶۳
سابور بن ہرمز (ذو الاکتاف) ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶
ساروغ بن رعو ۶۱
سارہ حضرت ۶۳، ۶۴
ساسان بن بابک ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۷
ساطوخاس ۲۵۱
سام بن نوح ۵۸، ۵۹، ۶۰
سامہ بن لوی بن غالب ۱۰۸، ۱۴۷
ساؤساس، بادشاہ ۱۸۱
سائب کلبی ۸۷
سبحر ۱۲۷
سبکی ۱۸
سرج بن ابراہہ ۶۴
سرجس (دیکھئے بحیرا راہب) ۹۰
سرحون بن رومیہ ۲۵۰
سرکلیس ۱۸
سعد العشیرہ۔یمنی ۱۸۶
سعدی بن شمر ۱۸۸، ۱۸۹
سعید بن عبیس بن ہاشم بن خدیجہ ۱۶۲
سفاح ۴۵
سفیروس، بادشاہ ۱۸۱
سقراط ۳۸، ۱۵۳، ۲۰۷
سکندر اعظم، یونانی ۴۱، ۹۵، ۱۰۹، ۱۳۲، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۳۷، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۵۲، ۲۹۴، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۱۵
سکندر ذو القرنین ۲۴۳
(نیز دیکھئے ذو القرنین)
سلفان ۱۶۴
سلمان بن بابکر ۲۰۲
سلم ۱۸۷
سلیمان بین ۷۹
سلیمان بن زبیعہ باہلیؓ ۱۵۵
سلیمان بن عبد الملک ۴۵، ۲۶۹
سلیمان، حضرت ۷۴، ۱۲۲، ۲۳۷
سمایبر بن آوت ۱۷۳
سماعلین بن ہربان ۲۵۰
سمعا ۸۴
سمعان (دیکھئے شمعون و پطرس) ۸۳، ۲۵۳
سمیدع بن ہوبر ۶۹
(دیکھئے یوشع بن نون)
سمیرم ۱۷۸
سنان ۹۴
سنجاریب، بادشاہ ۱۸۱، ۱۹۰
سندباد ۹۶
سنیان بن ثابت بن قرہ حرانی ۳۸
سورین ۱۴۴
سوسا اور رنیوس، بادشاہ ۱۸۱

سوسوس، بادشاہ ۱۸۱
سویرس ۲۵۶
سیاوخس ۱۸۸
سیاوخش ۱۸۹، ۲۳۰
سیما ساحر ۲۵۳
سہل بن ہرون ۹۵
سہم بن آبان بن اثقبان ۱۸۷

(ش)

شابہ بن شاب ۱۸۴، ۲۳۱
شادانی، پروفیسر کوکب ۴، ۱۷، ۲۲، ۲۷، ۲۷۹، ۲۸۱، ۳۰۷، ۳۱۰
شاعان بن آہوز ۷۱
شالخ بن ارفخشد ۶۰، ۶۱
شابہ بن شیب ۲۳۰
شبرمہ ۲۲۰
شبل ترجمان ۲۷۳، ۲۷۹
شداد بن عاد بن شداد بن عاد ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۲
شریونو، موسیو ۳۱
شروان شاہ ۱۵۵
شعرباس ۱۸۱
شعیبؑ، حضرت ۶۷، ۷۶، ۷۷
شمر بن فریقس، بادشاہ ۱۸۸
شمس (مدبر اعظم) ۹۲، ۹۳
شمعون ۶۵، ۸۱، ۸۳، ۲۵۳
شمویل بن بردہان ۷۰، ۷۲
شموئل نبی، حضرت ۷۲، ۷۳
شنسول ۷۱
شوسان، بادشاہ ۱۷۳
شہرزاد ۱۹۳
شہریار ۲۳۶
شیثؑ، حضرت ۵۵، ۵۶، ۵۷
شیرویہ (دیکھئے قباد بن کسریٰ پرویز) ۲۳۶

(ص)

صالحؑ، حضرت ۴۲، ۵۹
صلنا ۷۱

(ط)

طارق اقبال گاہندری ۲۲
طارق بن زیاد ۱۱۸، ۱۴۳
طاطایوس، بادشاہ ۱۸۱
طالوت (ساود بن بشر بن انیال) ۷۰، ۷۲، ۷۳، ۱۹۲
طاؤس یمانی ۹۸
طیاریس غانس ۲۵۳، ۲۶۶، ۲۶۷
طبری، ابی جعفر محمد ابن جریر ۴، ۳۶، ۳۸
طبیعی ۱۶۹
طریانوس ۲۵۶
طسم ۵۹
طوس بن مالیا ۲۹۰
طہورس بن نوب جہاں ۱۸۵
طیباریوس ۲۵۳
طیطش ۲۵۵

(ع)

عابور بن مویل بن یافث ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۱
عاذ بن عوص ۵۹
عامر بن شالخ ۶۱، ۲۳۹
عباسؓ، حضرت ۴۴، ۲۰۲
عباس قمی ۱۸
عبدالحمید، محمد محی الدین ۱۶

عبدالرحمٰن بن عبدالرزاق ۳۷
عبدالرحمٰن بن محمد ۱۴۴
عبدالرحمٰن بن معاویہ ۱۴۴
عبدالرحیم بن جعفر سیرانی ۱۱۴
عبداللہ ۲۶۴
عبداللہ بن المعتز ۲۰۱
عبداللہ بن جحش اسدی ۹۰
عبداللہ بن زبیر ۴۴
عبداللہ بن سعد الکاتب ۳۸
عبداللہؓ بن سعد حضرت ۳۱۶
عبداللہؓ بن مسعود ۲۳
عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری ۳۶
عبداللہ بن مقنع ۳۸
عبداللہ بن ہشام ۱۵۵
عبداللہ حضرت ۵۶
عبدالصمد ۱۱۴
عبدالعزیز بن مروان ۲۹۵، ۲۹۶
عبدالمسیح بن عمرو بن بقیلہ غسانی ۱۱۱، ۲۳۵
عبدالمطلب، حضرت ۴۲، ۵۶، ۲۰۲
عبدالملک بن مروان ۴۴، ۱۴۵، ۱۵۵، ۲۶۹، ۲۹۵، ۳۲۰، ۳۲۱۔
عبدالوہاب عومد ۱۸
عبیداللہ بن خردازبہ ۲۶۴
عتبہ بن ربیعہ ۸۹
عثمانؓ، حضرت ۲۰، ۴۴، ۱۶۵، ۲۳۷، ۲۶۹
عثینان بن اثینان ۱۲۹
عجران ۷۱
عدی بن زیاد العبادی ۲۲۶، ۲۵۰
عریب ۷۱
عزرائیل، حضرت ۵۰
عزیز، حضرت ۷۹
عزیزِ مصر ۲۸۲
عشیدون ۱۲۹
عفلا بن عیص ۲۵۰
علیج ۲۷۶
علی ابراہیم الحسن ۱۸
علی ادھم ۱۸
علی الہزمہ ۱۷۵
علیؓ ابن ابی طالب، حضرت ۴۴، ۵۱، ۵۲، ۱۴۸، ۲۱۵، ۲۴۳، ۲۶۹
علی بن الجہم ۵۳
علی بن حسین ۵۲
علی بن رباحا ۱۴۷
علی بن ہشیم ۱۴۰، ۱۴۱
علی مبارک ۱۸
عمر الافوہ ۲۳۰
عمران بن جابر ۱۲۲
عمران عاتان بن لیایم ۷۹
عمرؓ بن الخطاب، حضرت (عمر فاروق) ۴۴، ۶۵، ۸۶، ۲۴۳، ۲۴۸، ۲۶۹، ۲۸۱، ۲۹۴، ۳۱۶
عمر بن عبدالعزیز حضرت ۴۵، ۱۴۸، ۲۷۰
عمر بن علی ۱۴۸
عمر رضا کحالہ ۱۸
عمر شیخ تمیمی ۲۱۶
عمر کسریٰ ۱۹۶

عمرو بن العاص ۲۹۴، ۳۱۶
عمرو بن بحر (دیکھئے جاحظ)
عمرو بن تمیم ۲۱۵
عیائیل بن قابیل ۷۰
عنقود بن العنب ۱۲۲
عوف بن سعد جرہمی ۶۹
عوون ۱۲۸، ۱۲۹
عیسیٰ اسکندر المعلوف ۱۸
عیسیٰؑ، حضرت ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۵، ۱۰۶، ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۵
عیص ۶۴، ۶۵
عیص بن اسحاق ۲۵۰، ۲۵۱
عیلام ۱۹۹
عیلان الکاہن ۷۱، ۷۲
عیلان ۷۶
عینائیل بن یوقنا ۷۰

(غ)

غراطہاس ۲۶۳، ۲۶۴
غرنادس ۲۵۷

(ف)

فارس ابن فورس ۲۵۸
فارس بن یاسور ابن سام بن نوح ۱۹۸
فاروق بن بیصر ۲۸۹
فارنبوس، بادشاہ ۱۸۱
فازیلیف، مورخ ۱۵
فاقم (زوجہ نوشیرواں) ۲۲۹
فالغ بن عامر ۶۰، ۶۱
فان کریمر ۱۵، ۲۴، ۱۲۷
فائث ۷۹
فخاص بن العازر ۷۰
فرحاد خسرو ۲۳۷
فرسطیس ۲۶۶
فرعون، ولید بن مصعب ۶۷
فرعون ۲۸۱، ۲۸۲
فرعون یوسف ۲۹۱
فرمسو دروج، بادشاہ ۱۸۱
فرمودش ۲۵۶
فریدون ۱۴۲
فریطس ۱۲۰
فسطاس، بادشاہ ۲۶۶
فسوس، بادشاہ ۱۸۱
فسیطانس، بادشاہ ۲۵۹
فسینان، بادشاہ ۱۶۲
ففاس بن بورس ۲۹۳
فلعیص ۷۷
فناق رومی ۲۶۹
فنحت بادشاہ ۱۸۱
فور (پورس) ۹۵، ۲۴۱، ۲۵۸
فوقاس ۲۶۷
فولاسنما، بادشاہ ۱۸۱
فیثاغورث ۱۵۳
فیروز بن کبک ۱۴۱
فیروز بن ہرمز ۲۲۱، ۲۲۵
فیلان شاہ ۱۶۴
فیلقوس ۲۴۱
فینیا ۱۶، ۲۰، ۲۴

فیومنوس، بادشاہ ۱۸۰

(ق)

قابیل (دیکھئے قاین)
قاردون ۲۱۰
قاین بن آدم ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۷
قباب الرصاص ۱۴۵
قباد بن فیروز ۲۲۲
قباد بن کسریٰ پرویز ۲۳۶
قبط بن مصر ۲۹۰
قحطان بن اسحاق ۶۰، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۳۹، ۲۴۰
قسطنطین بادشاہ، شاہ روم ۷۷، ۱۹۲، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۷۸، ۲۶۰
قسطنطین بن الہون ۲۷۰
قسطنطین بن قسطنطین ۲۶۲
قسطنطین بن فلفظ ۲۷۷
قسطنطین بن لاذی ۲۷۸
قسطنطین بن ہلانی ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۷۸
قطورا ۷۹
قطور ۶۰
قلفظ بن مورق ۲۶۹
قلوپطرہ ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۲
قلودیس ۲۵۳
قلیطانس ۲۵۸
قنطورا (زوجہ حضرت ابراہیمؑ) ۶۴
قومیس بن نقاس ۲۹۳
قیدار ۷۹
قیس بن ساعدہ الایادی ۸۶
قیصر بن قیصر ۲۶۸، ۲۶۹
قیصر بن مورق ۲۶۸
قیصر روم ۲۰۹، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۳۲، ۲۳۳
قین ابن جسر ۷۵
قینان ۵۷

(ک)

کابیل ۲۹۳
کارادوان مستشرق ۱۷
کارٹیل ۱۶
کامس بن معدان عملاقی ۲۹۱
کالب یوقنا بن بارض بن یہودا ۷۰
کان ۶۵
کدمون ۷۱
کرخ حدان ۲۵۴
کرشاسف ابن بمیاد ۱۹۳
کرکزاج ۱۶۵
کرمان ۲۰۱
کرویہ ۲۳۳
کسرجوس، بادشاہ ۱۸۱
کسریٰ عمر (دیکھئے عمر المعروف کسریٰ) ۱۸۵، ۱۸۶، ۲۱۴
کسریٰ بن اردوان ۱۹۷
کسریٰ بن قباد بن فیروز ۱۷۱، ۲۳۶، ۲۳۷
کسریٰ پرویز بن ہرمز ۲۳۱، ۲۱۸
کسریٰ نوشیروان ۲۰۶
کلکی بن حرایا ۲۹۰
کلوس، بادشاہ ۱۸۱
کنعان ۷۰
کورائریر، ڈاکٹر جے۔اے ۱۸
کورش، بادشاہ ۹۶، ۱۸۱

کورش فارسی ۱۹۲
کورک ۱۹۹
کوشان الاثیم، ملک الجزیرہ ۷۰
کوشان الکفری ۷۰
کیخسرو ۱۸۹، ۱۹۴
کیکاؤس ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۴
کیورث ۵۹
کیومرث شاہ ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۳۷

(ل)

لادی بن ایلون ۶۵، ۲۷۷
لاون بن قلفط ۲۶۹
لاوذ بن آدم ۵۹
لحم شامی ۲۹۱
لرزیق ۲۶۴
لسیتاسف ۱۹۰، ۱۹۲، ۲۳۰
لسطین بن یونان ۲۵۰
لسیع ۷۹
لقمان، حکیم ۴۸، ۷۵
لقیط ۲۱۴
للیانس بزطاط ۲۶۲، ۲۶۳
لملک بن سام بن نوح ۶۰
لملک بن متوشلخ ۵۸
لود ۵۷
لورس بن دوکوس ۲۹۳
لوریعم ۷۶
لوط بن نجی ۸۷
لوط بن بار ۶۳
لوطؑ، حضرت ۶۳، ۱۹۸
لوط ماش بن نبط ۱۷۳
لوقا ۸۱، ۲۵۵
لینز ۳۱
لہراسپ بن قنوج ۱۸۹
لہراسپ بن گشتاسپ ۱۹۰
لیطن بن یونان ۲۵۰
لیم ۷۹

(م)

ماجوج ۱۲۱، ۲۵۸
ماح ۲۸۹
مادبا تردی می نارد ۱۶
مارقس (مرقس) ۲۵۴
ماروب ۱۷۶
ماروت ۱۸۷
مارنوس، بادشاہ ۱۸۱
ماری ۲۵۴
ماش بن آدم بن سام ۶۰
مالیا بن حرایا ۲۹۰
مالیق بن دارس ۲۹۰
مامون الرشید، خلیفہ ۳۱۷
مانطش ۱۲۷
مانی ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۱
مانی بن یزید ۲۱۰
متوشلخ بن ادریس ۵۸
متوکل، خلیفہ ۱۷۰
متی ۲۵۵
محبسطی ۹۲
محسن الامین المعالی ۱۸
محمد بن احمد البندری ۳۰

محمد بن جابر نسائی ۱۱۷
محمد بن خالد ہاشمی ۳۶
محمد بن داؤد بن جراح ۳۷
محمد بن رباحا ۱۴۷
محمد بن طفج ۲۸۲، ۳۲۱
محمد بن طیب فرغانی المنجم ۲۵۸
محمد بن علی حسینی علوی دینوری ۲۶
محمد بن علی ۵۲، ۱۴۸
محمد بن موسیٰ المنجم ۲۵۷
محمد بن ہشام کلبی ۱۹۵، ۱۹۶
محمد بن یحییٰ بن ابوبکر مالکی مفتی ۱۹
محمد بن یحییٰ التولی ۳۷
محمد بن بریدوم سرانی ۱۱۴
محمد بن یزید ۱۵۵، ۱۷۱
محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ۳۳، ۴۰، ۴۳، ۵۱، ۵۲، ۵۶، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۹، ۹۱، ۹۲، ۱۳۳، ۲۳۴، ۲۶۷، ۲۶۸
محمود الحسن، شیخ الہند مولانا ۱۳۸
مختار بن ابی عبید ۴۴
مخلد بن حسین ۲۷۱، ۲۷۴، ۲۷۶
مدین ۶۴
مربط بن ردمین ۲۵۰
مرجد، بادشاہ ۱۸۱
مردوح، بادشاہ ۱۸۱
مرطابیہ، بادشاہ ۱۸۱
مرق ۶۴
مرقس (مارقس) ۲۵۵
مرقیانوس ۲۶۵
مرس، بادشاہ ۲۵۶
مروان بن حکم ۴۴، ۴۵، ۲۰۲، ۲۶۹، ۳۲۰
مروان بن محمد بن مروان بن حکم ۴۵
مرینوس ۲۹۳
مریم، حضرت ۷۹، ۸۰، ۸۱
مزدک ۲۲۲
مسروس، بادشاہ ۱۸۱
مسعود ۲۷
مسلمہ بن عبدالملک بن مروان ۱۵۵، ۱۶۶، ۲۶۲، ۲۷۰
مسیح ۷۹
مسیح، حضرت عیسیٰ ۸۱، ۸۳، ۹۰، ۲۵۲، ۲۹۴، ۳۱۵
مشتجر بن فرنقبس ۱۹۹
مشمع ۷۹
مصر بن بیصر بن حام بن نوح ۲۸۴، ۲۸۹، ۲۹۱
مضر بن نزار بن سعد ۱۹۶، ۳۱۳، ۳۱۸
معاویہؓ بن ابی سفیان، حضرت ۴۴، ۲۱۵، ۲۶۹
معاویہ بن یزید ۴۴، ۲۶۹
معتز، خلیفہ ۲۷۷
معتصم، خلیفہ ۴۵
معتضد باللہ، خلیفہ ۳۸، ۲۵۸، ۲۷۷
معتمد، خلیفہ ۲۱۴، ۲۷۷
معوسا، بادشاہ ۱۸۱
مقتدر باللہ، خلیفہ ۳۷، ۹۸، ۱۴۶، ۱۵۸، ۱۶۸، ۲۷۷
مقسس، بادشاہ ۲۵۷

مقوقس قبطی ۲۹۴
مکتفی، خلیفہ ۲۷۷
ملک ابنِ ملک ۳۱۲
ملک النبط ۶۰
ملک فارس ۷۸
ملیصا ۷۶
منشابہ ۱۸۴
منصور بن جمہور ۱۴۸
منصور، خلیفہ ۱۴۶
منطوروس، بادشاہ ۱۸۱
منوچہر ۱۸۸، ۱۹۳، ۲۰۰، ۲۰۴، ۲۳۷
منوچہر بن ایران ۱۸۷
منوچہر بن ایرج ۱۹۹
منیار نخاس ۱۲۱
مورق بن مورق ۲۶۹
مورق بن ہرقل ۲۶۸، ۲۶۹
مورقیس ۲۳۳، ۲۶۷
موسیٰ بن اسحاق ضدانوری ۱۷۵
موسیٰ بن عمران حضرت ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۲، ۷۷، ۷۸، ۱۸۷، ۲۹۱
موسیٰ بن نصیر ۱۱۸، ۱۴۳، ۱۴۵
موسیٰ بن نیشاہ ۶۶
مہدی عباسی، خلیفہ ۴۵، ۱۶۲، ۱۶۸، ۲۷۰، ۲۷۷
مہراج ۱۴۰
مہلائیل ۵۷
میادخش ۱۹۴
میر وحنا ۸۱
میشا ۷۷، ۷۸، ۷۹
میرزا محمد ۱۸
میکائیل ۵۰
میمون بن عبدالوہاب ۱۴۵

(ن)

نابت ۷۹
ناحور بن ساروغ ۶۱
نافش ۷۹
نبی کریم، حضرت محمد مصطفیٰؐ ۲۷۱، ۲۹۴
نجاشی، بادشاہ ۱۸، ۸۴، ۹۰، ۳۱۳، ۳۱۴
نخشون ۷۱
نرس بن نیزر ۱۹۷
نرسی بن بہرام ۲۱۴
نزار بن معد ۱۷۰، ۱۹۹
نستر، بادشاہ ۱۷۹
نسطر طاس بن باعور ۱۲۸
نشوہ منوشا، بادشاہ ۱۸۱
نعمان ۲۳۱
نفار بن عیصو ۲۵۱
نفتالی ۷۱
نفس ۶۴
نفاس بن مرینوس ۲۹۳
نکلسن ۱۸
نماریس بن مرینا ۲۹۳
نمرود الجبار ۶۱، ۶۲، ۱۸۰
نوحؑ، حضرت ۵۸، ۵۹، ۱۷۷، ۱۸۳، ۱۹۲، ۲۸۹، ۳۰۴
نوسطیس ۲۶۶

نوشیرواں ۸۴، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۶۲، ۲۰۶، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۹۳

نوفا بن عدل ۷۶، ۷۷

نوفیل بن فلفط ۲۷۷

نوفیل بن میخائیل بن نوفیل ۲۷۷

نوفین ۷۸

نیزر بن سابون ۱۸۷

(و)

واثق باللہ، خلیفہ ۲۵۷

واقدی ۲۶۴

ورقہ بن نوفل ۸۸، ۲۳۳

وسطایم، بادشاہ ۱۸۱

وصاب بن معر ۲۹۰

دعبل بن علی خزاعی ۱۴۲

وقلیمی ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۱

ولید بن دومغ ۲۹۱

ولید بن عبد الملک بن مروان ۲۶۹، ۳۰۲، ۳۰۳

ولید بن مصعب (فرعون) ۶۶، ۲۹۱

ولید بن یزید بن عبد الملک ۴۵

ونیطش ۱۲۷

وہب بن منبّہ ۸۳

ویرک بن ایرک ۲۰۰

(ھ)

ہابیل ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۷

ہاجرہ، حضرت ۶۳

ہادی، خلیفہ ۴۵، ۲۷۰

ہاروت ۱۸۷

ہارون الرشید، خلیفہ ۴۵، ۱۴۶، ۱۵۶، ۱۶۲، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵

ہارونؑ، حضرت ۶۷، ۶۸

ہبار بن اسود ۱۰۸

ہباطلہ اخشنواز ۲۲۱

ہبۃ اللہ بن محمد بن علی بن حسن ۳۰

ہلانی (ہالانی) ۲۵۹، ۲۶۰

ہام ۴۲

ہربان بن عقلا ۲۵۰

ہرقل الجبار ۱۱۷، ۲۶۷

ہرقل بن قیصر ۲۶۹

ہرقل بن یوسطینوس ۲۶۸

ہرقلہ ۲۷۲

ہرمزان ۲۳۴

ہرمز بن سابور ۲۱۰

ہرمز بن نرسی بن بہرام ۲۱۴

ہرمز بن نوشیرواں ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۶

ہرمز بن نیزر ۱۹۷

ہرمز بن یزدگرد ۲۲۱

ہرون بن عمران ۷۷

ہشام بن عبد الملک بن مروان ۴۵، ۲۲۵

ہشام بن محمد ۱۹۸

ہنقلس، بادشاہ ۱۸۱

ہود علیہ السلام، حضرت ۵۹

ہوریا ۱۶۷

ہشیم بن عدی ۸۷

ہیرودوس (ہوریڈس) ۲۵۲
ہیروڈوٹس ۱۵، ۲۴
ہیفلوس ۲۴۶، ۲۴۷

(ی)

یاجوج ۱۲۱، ۲۵۸
یارح ۲۸۹
یافث بن بریّہ ۲۵۰
یافث بن نوح ۵۸، ۵۹، ۱۱۸، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۵۳، ۲۶۴، ۳۱۹، ۳۲۱
یاقوت ۱۸
یام بن نوح ۵۹
یامین ۷۱
یانشو ۱۳۲
یحییٰ المعدانی ۸۱
یحییٰ برمکی ۲۱۸، ۲۱۹
یحییٰ بن ابوبکر مالکی، مفتی محمد ۲۱
یحییٰ بن کبیر ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷
یحییٰ بن ذکریا، حضرت ۸۱
یحییٰؑ، حضرت ۸۰
یدفوس، بادشاہ ۲۵۸
یزدگرد ۱۶۴، ۱۶۵
یزدگرد بن بہرام ۲۲۰، ۲۲۱
یزدگرد بن سابور ۲۱۹، ۲۲۰
یزدگرد بن شہریار بن کسریٰ پرویز ۲۳۷
یزید بن ابی سفیان ۲۶۹
یزید بن عبدالملک ۴۵
یزید بن معاویہ ۲۴۴، ۲۶۹
یسوع ناصری (مسیح ناصری) ۲۶۶

یعرب ابن قحطان ۶۰
یعفوز بن اسراق ۲۷۰، ۲۷۶، ۲۷۷
یعقوب برادعی ۲۶۶
یعقوب بن اسحاق الکندی ۱۱۸
یعقوب بن لیث الصفّار ۲۱۴
یعقوبؑ، حضرت ۶۵، ۷۷
یعقوبی، بطریق ۲۶۵، ۲۶۶
یقطن ابن عامر بن شالخ ۶۰
یوحنا ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۶۵
یوراب ۷۶
یوسطانیاس ۲۶۶
یوسطاناس، بادشاہ ۲۶۶
یوسطینوس اوّل ۲۶۸
یوسطینوس ثانی ۲۶۸
یوسف اسعد داغر، ڈاکٹر ۱۹، ۲۰، ۲۵، ۳۲، ۶۵
یوسفؑ، حضرت ۶۶، ۶۸، ۱۰۹، ۱۹۸، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۶، ۲۹۱
یوسف زاید، ڈاکٹر محمد ۲۰
یوسف نجار ۸۱
یوشع بن نون، حضرت ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۱۸۷
یونان بن یافث ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۵۰
یونذا بن حوّا ۵۳
یونس بن متی ۶۵، ۷۹
یونس حضرت ۱۶۸
یونیاس ۶۳
یہودا ۶۵، ۷۱، ۷۹

اشاریہ (شخصیات)

مروج الذہب ومعاون الجواہر

مرتبہ: مشرف احمد

حصّہ دوم

(آ)

آبان ۲۶۷

آدمؑ، حضرت ۱۰۷، ۱۱۳، ۱۳۸، ۱۵۴، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۸، ۲۰۸

آذر ۱۷۵

آزد ۴۸

آمنہ بنت وہب بن عبدمناف ۲۰۵

(الف)

ابانجزی ۱۱۰

ابراہیم بن حضرت محمدؐ ۲۲۲، ۲۲۳

ابراہیمؑ، حضرت ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۴۵، ۴۶، ۵۸، ۷۶، ۱۰۲، ۱۷۵، ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۰۳

ابرہہ اشرم ابویکسوم ۵۳، ۵۴

ابرہہ بن رائش (ابرہہ ذوالنار) ۵۶، ۸۶، ۸۷، ۲۰۵

ابرہہ بن صباح بن ولیعہ بن مرثد ۵۲، ۵۷

ابلق ازدی ۱۱۵

ابلیس ۲۰۴

ابی جعفر محمد بن علی شلمغانی ۸۹

ابن ابی معیط ۳۲۷

ابن اختنا ۵۶

ابن اسحاق ۱۰۷، ۱۹۸، ۲۱۳، ۲۱۴

ابن اسرائیل ۳۵۸

ابن اوررع ۴۵

ابنِ جون سکسکی ۳۲۱

ابنِ حارثہ شیبانی ۲۵۱

ابنِ خلدون ۹

ابن درید ۱۵۴

ابنِ قلس ۱۴۴

ابنِ زبیر ۴۰

ابنِ سلمہ ۲۳۸

ابنِ صفیہ ۳۰۳

ابن عارفہ بن عوص ۹۹

ابن عائشہ ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹

ابن عباس ۴۵، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۲۱۰، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۵۹، ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۰۸، ۳۱۹، ۳۳۹، ۳۵۹، ۳۶۶

ابنِ عربی ۱۹۸

ابن عفیر ۱۵۱، ۱۵۲

ابنِ عمر ۲۶۰

ابن عیشون ۱۷۵

ابنِ قتیبہ ۱۴۷

ابن ماسویہ ۱۶۱

ابن مصعب بن شکران ۱۱۸
ابن ملجم (عبدالرحمٰن) ۳۴۸ ، ۳۵۰، ۳۵۲، ۳۵۳
ابن نابغہ ۳۲۷
ابن نزار بن معد ۱۱۴
ابن نفلیہ غسّانی ۲۵۶
ابن ہشام ۱۹۸ ، ۲۱۵
ابن یاسر ۲۹۷
ابن یاقوس ۸۹
ابن یوسف ۲۰۵
ابوابرہہ بن رائش ۵۰
ابواسحاق زجاجی نحوی ۲۳۰
ابوالاعور سلمی ۲۱۵، ۲۱۷ ، ۳۴۳
ابوالحارث اسد بن سعید بن کثیر ۱۵۳
ابوالحسن (حضرت علیؓ) ۲۸۸ ، ۳۴۲
ابوالحسن علی بن محمد بن سلیمان نوفلی ۳۶۳، ۳۶۴
ابوالعاص ابن ربیع ۲۲۴
ابوالعادیہ عاملی ۳۲۱
ابوالفضل ۲۸۰
ابوالقاسم ۱۹۹
ابوالقاسم، محمد بن طلحہ ۳۰۵
ابوالقلمس حذیفہ بن عبد ۳۲
ابوایوب انصاری ۲۱۱، ۲۱۲ ، ۲۸۵، ۲۹۷، ۳۴۲
ابوبکر صدیقؓ، حضرت ۵ ، ۱۰، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۲۲ ، ۲۲۶، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۵۰، ۲۵۸، ۳۰۴، ۳۳۲، ۳۳۴، ۳۴۴، ۳۶۵
ابوبکر محمد بن حسن ۱۱۱
ابوثمامہ ۳۲
ابوجعد ۱۱۰
ابوجہم بن حذیفہ ۲۸۵
ابوحفص ۲۴۱
ابوحنیفہ دینوری ۱۴۷
ابوخلیفہ فضل بن حباب جمحی ۲۹۷
ابودلف قاسم بن عیسیٰ عجلی ۳۹ ، ۴۰
ابودوا دایادی ۷۶
ابودوار جاریہ بن حجاج ایادی ۱۸۴
ابوذر غفّاری، حضرت ۲۷۶ ، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۳
ابوزمعہ ۵۶
ابوزینب بن عوف ازدی ۲۷۱
ابوسعید خدری ۲۹۰
ابوسفیان بن حرب ۲۱۳، ۲۲۲
ابوسفیان صخر بن حرب ۲۸۱ ، ۳۰۴
ابوسلیمان ۳۰۴
ابوصلت امیّہ (ربیعہ) ۱۹۷
ابوطالب بن عبدالمطلب ۹۰ ، ۲۰۶، ۲۱۴، ۲۱۸، ۲۸۸، ۳۳۸
ابوطیّب طاہر شافعی، قاضی ۳۵۳
ابوعبداللہ ۲۴۳، ۲۶۷
ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ مروزی ۱۵۳
ابوعبداللہ نفطویہ ۲۳۰
ابوعبیدہ بن جراح حضرت ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۵۰
ابوعبیدہ معمر بن مثنّی ۱۰۹
ابوعمرو (حضرت عثمانؓ) ۲۶۷

ابوقتادہ بن ربعی ۲۹۷
ابوقحافہ بن عامر ۲۳۲
ابوکرب ۷۶
ابولولوہ فیروز ۲۴۰، ۲۵۶، ۳۱۸
ابولہب ۲۱۸
ابومالک عمرو بن سبا ۴۹
ابومحجن ثقفی ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴
ابومحمد بن حسن بن درید ۲۳۰
ابومخنف لوط بن یحییٰ ۲۶۳، ۲۹۱، ۳۳۰
ابومسعود بدری ۲۳۰، ۳۱۵
ابومسکین بن جعفر ۱۱۰
ابومعشر منجم ۱۰۶، ۱۴۷، ۱۸۸
ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت ۲۴۱، ۲۷۵، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷
ابووہب ہبیرہ بن عمرو ۲۸۸
ابوہریرہؓ، حضرت ۱۱۰، ۲۱۵، ۲۲۰
ابویقظان (ابن سمیہ) ۲۸۹
ابی اسحاق المتقی باللہ ۲۳۱
ابی بیر جہنی ۳۱۱
ابی حاتم سجستانی ۱۱۱
ابی حساد ۱۰۰
ابی حمزہ ۲۱۵
ابی رغال ۵۳، ۵۴
ابی رغال ۵۴
ابی سفیانؓ، حضرت ۲۲۳
ابی سلمہ ۲۱۶
ابی صالح ۴۵

ابی عبید ۲۵۰
ابی عبیدہ معمر بن مثنیٰ ۱۱۱
ابی عون صاحب الدولہ ۳۶۳
ابی غسان خزاعی ۳۳
ابی لہب ۲۲۴
ابی معیط ۲۷۱
ابی منذر ہشام کلبی ۱۱۰
اجلح دہری ۱۱۵
احقاف ۳۰
احمد بن طیب ۱۴۷
احمدؐ (حضرت محمد مصطفیٰؐ) ۱۹۹، ۲۲۳
احمد بن اسحاق ۱۵
احمد بن حائط ۸۹
احمد بن ذواتی ۳۲۹
احنف بن قیس ۳۲۹
اخیضر علوی ۳۰
اربیل ۲۷
ادریس فاطمی ۱۹۰
اذبوشن ۱۶
اذینہ بن سمیدع ۹۲
ارباط بن اصحمہ ۵۳
اربل ۲۷
اردون ۱۶
اردی بنت کریز ۲۶۷
اردشیر بن بابک، ملک ۶۰، ۱۸۳، ۱۹۴
ارسطو ۱۵۰
ارمیا کاتب ۱۹۹
اردی ۲۱۸
ازد بن غوث (مازن) ۷۲

ازدی ۹۶
ازمیر ۱۶
اساف ۲۸
اسحاق ۲۳۴، ۳۵۸
اسحاق بن حسنین ۱۷۴
اسحاق بن محمد ۸۸
اسطولا ۱۶۱
اسعد بن سعید کثیر ۱۵۱
اسعد بن ملک کرب ۵۷
اسعد بن یعفر ۱۶۶
اسکندر افرودیسی (افرودیس) ۱۷۴، ۱۸۱
اسما بنت عمیس خثیمہ ۲۳۴
اسما ذات النطاقین حضرت ۲۳۶،
اسماعیلؑ، حضرت ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۴۶، ۴۷، ۷۶، ۲۰۳، ۳۴۳
اسماعیل ۲۳۴
اسود بن غفّار ۹۲، ۹۳، ۹۴
اسود بن نعمان ۶۵
اشتر بن مالک نخعی ۵، ۲۹۷، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۲، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۳۹، ۳۴۴، ۳۴۵
اشرم بن یکسوم ۵۴
اشعث بن قیس ۲۳۶، ۲۶۰، ۲۶۲، ۳۱۱، ۳۲۷، ۳۲۹، ۳۴۹
اصحاب ابی یعقوب مزاکی ۸۹
اعشی ۹۲
اعور بن قطبہ ۲۵۰، ۲۵۵

افریقیس بن ابرہہ ۵۰، ۵۶، ۷۵
افعی بن افعی جرہمی ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹
افلاطون ۱۱۸، ۱۵۰، ۱۷۵، ۱۷۶
اقبال سلیم گاہندری ۱۰
اکناف ۳۰
الدہاد بن شرجیل ۵۰
العبد بن ابرہہ ۵۰، ۵۷،
الکندی ابن منجّم ۱۴۷
المتوکل عبّاسی، خلیفہ ۱۵۱
المسعودی ۷، ۹، ۱۰، ۳۶۴
اُمّ ابان ۲۶۷
اُمّ ایمن، حضرت ۲۰۶، ۲۱۸
اُمّ حبیبہ بنت ابوسفیان ۲۲۱، ۲۹۰
ام سعید ۲۶۷
اُمّ سلمہ بنت ابی اُمیّہ ۲۲۱
اُمّ صادر ۲۳۸
اُمّ عمرو ۲۶۷
اُمّ فروہ ۲۳۴
اُمّ فضل ۲۳۴
اُمّ کلثوم حضرت ۲۲۳، ۲۳۰
امرؤ القیس ۵۸، ۶۵
امیم بن لاوذ بن آدم ۹۶، ۹۷، ۹۸
امیمہ ۲۱۸
امیّہ بن ابی صلّت ثقفی ۲۸، ۵۶، ۱۶۶
امیّہ بن عبد شمس ۵۶
انسؓ حضرت ۳۶۰
انطیخش ۱۳۱
انمار ۷۶
اہبان بن صیفی ۲۹۰

ایاد بن نزار بن معد ۲۸، ۲۹، ۳۱، ۷۶، ۷۷
ایاد بن عمرو (ابو المنذر) ۴۸، ۶۵
ایاس بن قبیصہ طائی ۶۹
ایلیا ۱۳۰
ایوب بن زراح ۷۱

(ب)

باجک ۱۱
باروخ بن ناریا ۱۹۸
باشق ۹۳
بجلی جبلہ ۲۴۷، ۲۴۸
بجیلہ ۷۶
بحیرا راہب ۸۵، ۲۱۸
بختیشوع ۱۶۱
بخت نصر ۱۰۲، ۱۲۷
بدھ، مہاتما ۱۶۳
بدیل بن ورقا خزاعی ۳۲۳
بربر ۹۷
برخیا بن اخنیا ۱۰۱
برہ ۲۱۸
بشیر بن سعد ۲۳۸
بطرونی ۲۷۵
بطلیموس ۱۰۶، ۱۲۷، ۱۴۷
بطور ۲۷
بقراط ۴۰، ۱۴۳، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹
بکر بن وائل ۸۴، ۲۲۶
بلال بن حمامہ حضرت ۲۰۹
بلال خارجی ۳۲۹
بلقیس العدہار ۵۰، ۵۱، ۵۷
بلینوس، حکیم ۱۸۹
بنت بن حضرت اسماعیل ۲۷، ۴۵
بنت غطفان ۲۳۷
بوداسف (بدھ) ۱۶۳، ۱۶۴
بوداسف (بادشاہ) ۱۶۶
بوران بنت کسریٰ پرویز ۱۸۶
بولس ۱۱۴، ۱۳۱
بہراسف ۱۸۱
بہمن بن اسفندیار ۱۸۰
بہمن بن جادویہ (ذی حاجب) ۲۵۰
بیتین ۱۶
بیضاء ۲۱۸
بیوراسف ۷۹

(ت)

تاسطیس، حکیم ۱۷۴
تبریزی ۱۴۷
تبع الاقرن بن عمر ۵۷
تبع اول ۵۰
تبع بن حسان بن ملیکرب ۵۱، ۵۲، ۵۷
تبع بن ملیکرب بن تبع ۵۷
تنقع ۲۸
تنوخ النعمان بن عمرو بن مالک ۷۱
تنوخ بن مالک ۷۱، ۱۸۴
تمیم داری ۱۵۴، ۱۵۶
تہائم ۹۱
تیم بن مرہ ۳۳

(ث)

ثابت بن قرہ ۱۴۷، ۱۶۹
ثعلبہ بن عمرو ۶۵

ثقیف ۵۴
ثمامہ بن اشرس ۳۰
ثمود بن عابر ۲۱، ۳۰، ۹۰، ۹۱، ۹۵
تیما ۲۷

(ج)

جالوت ۸۰
جالینوس ۱۴۳، ۱۴۴، ۲۴۴،
جبار بن غالب ۵۰
جبار بن عامر ۴۵
جبریل، حضرت ۱۵۳، ۲۰۷، ۲۵۲، ۳۵۸
جبلہ بن ایہم ۷۳، ۷۴
جبیر بن مطعم ۲۸۵
جداً بنت سعد عملاقی ۲۴، ۲۵
جدیس بن عابر ۳۰، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵
جرہم بن عامر بن سبا ۴۷
جرہم بن قحطان ۲۹، ۹۰، ۹۶
جری ۱۶۱
جریر بن عبداللہ بجلی ۲۴۷، ۲۴۸، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳
جریر بن عطفی ۵۳
جذام ۴۸
جذیمہ ابرش ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۹۲
جذیمہ وضاح ۶۰
جُسمی ۲۸۲
جعدہ بنت اشعث ۳۶۳
جعفر القاضی ۸۹
جعفر بن ابی طالب ۲۲۲، ۲۳۴، ۲۸۸، ۳۵۸
جعفر بن حمدان موصلی ۲۳۰
جعفر بن محمد ۲۱۵، ۳۶۲
جفنہ بن عمرو ۶۰
جمانہ بنت ابوطالب ۲۸۸
جمح ۳۳
جمرۃ الکاہنہ ۱۱۸
جمشید ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۸۱
جندب بن زہیر ازدی ۲۷۱
جندب بن کعب ازدی ۲۷۶
جندع ۲۲
جندع بن عمرو ۲۱، ۲۲
جوذر بن سابور ۷۶
جوہری ۲۰۰
جویریہ بنت حارث ۲۲۱
جیروم بن سعد بن عباد ۹۱
جیرون بن سعد العادی ۱۸۶
جیہلہ ۱۸۴

(ح)

حابس بن سعد طائی ۳۱۷
حاتم طائی ۱۰۴، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱
حارث ۲۱۸
حارث بن ابی شمر ۷۳
حارث بن ثعلبہ ۷۲
حارث بن راشد ناجی ۳۴۳
حارث بن سنباط ۱۷۵
حارث بن شداد ۵۶
حارث بن عمرو ۲۹، ۳۱، ۷۲
حارث بن فہر ۳۳
حارث بن کعب ۲۶۴

حارث بن کلاہ ۲۳۵
حارث بن مالک ۵۰، ۲۳۵
حارث بن مرّہ ۳۴۰
حارث بن مضاض ۲۵، ۲۷، ۲۸
حارثہ بن قدامہ سعدی ۲۹۴، ۳۳۹
حارثہ بنت کاہن ۱۰۱
حاشر (حضرت محمد مصطفیٰؐ) ۱۹۹
حاطب بن ابی بلتعہ ۲۲۲
حام بن نوح ۷۹، ۹۸
حاملہ ۴۸
حباب بن عمر ۲۲
حبش کوکب (حلّہ) ۲۸۵
حبیب بن مسلمہ عنبری ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۲۷
حجاج بن عبداللہ صریحی ۳۴۷، ۳۵۳
حجاج بن عُزیہ انصاری ۳۲۲
حُجر بن عدی ۳۴۹
حجل ۲۱۸
حدّاد ۲۷
حرب بن امیّہ ۱۰۹
حرب بن جعفر جعفی ۳۲۵
حرقوص بن زہیر سعدی ۳۴۲
حری بن دہما عبسی ۱۸۵
حریقہ بنت نعمان ۶۸، ۶۹
حذیفہ بن یمان ۲۶۰، ۳۲۳
حسّان بن اذینہ ۹۲
حسّان بن تبع حمیری ۵۱، ۹۴، ۹۵،
حسّان بن ثابت انصاری ۷۲، ۷۳، ۲۸۶، ۲۹۰
۲۹۱
حسّان بن منذر ۲۴۸
حسن بن ابراہیم شعبی القاضی ۱۵۱، ۱۵۳
حسن بن علیؓ، حضرت ۵، ۱۰، ۳۰، ۲۲۰، ۲۷۱
۲۷۹، ۲۸۴، ۲۹۷، ۲۹۹
۳۰۸، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲
۳۵۵، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۲
۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶
۳۶۷، ۳۶۸
حسین بن علیؓ، حضرت امام ۲۲۱، ۲۳۴، ۲۷۹، ۲۸۴
۲۹۹، ۳۰۸، ۳۵۰، ۳۵۱
۳۶۲، ۳۶۳
حسین بن منصور حلّاج ۸۹
حُطّی ۱۰۰
حُطیّہ ۲۷۱
حفصہ بنت عمرؓ بن خطاب حضرت ۲۳۰، ۲۵۸
حکم بن ابی العاص ۲۷۰
حکم عباس، خلیفہ ۱۶
حکیم بن جبلہ عبدی ۲۸۲، ۲۹۶
حکیم بن حزام ۲۸۵
حکیم بن عبدالرحمٰن ۱۶
حلیمہ بنت حارث ۶۵
حلیمہ سعدیہ بنت عبداللہ ۲۰۵، ۲۱۷
حماد بن سلمہ ۲۱۵
حمایہ بنت بہمن بن اسفندیار ۱۸۱
حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۳۴
حمیرا ۳۰۶
حمیر بن عبد شمس ۴۶
حمیر بن قحطان ۴۶، ۴۸
حمیر بن سبا (منوّج) ۴۹، ۵۱، ۱۲۱
حُمّی ۳۱۶

حنتمہ بنت ہشام ۲۴۱
حنظلہ بن صفوان عبسی ۲۹
حنین بن اسحاق ۱۵۱، ۱۶۱
حوّا، حضرت بی بی ۱۰۷
حواری بن نعمان ۷۱
حبّی بنت روق ۴۶

(خ)

خالد بن برمک ۱۶۵
خالد بن جعفر کلابی ۶۶
خالد بن سنان عبسی ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳
خالد بن صفوان ۱۲۱
خالد بن عثمان ۲۶۷
خالد بن کلیب ابن ثعلبہ ۲۱۱
خالدؓ بن ولید، حضرت ۲۳۸، ۲۵۰
خثعم (انماری) ۴۸، ۷۶
خدیجۃ الکبریٰؓ حضرت ۲۰۲، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۵، ۲۱۴، ۲۱۹، ۲۲۳، ۲۲۴
خرخسرو ۵۸
خرزاد ۵۸
خزرجی ۱۲۱
خزیمہ بن ثابت ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۶
خضرؑ، حضرت ۴۶
خلجان بن الدہم ۹۸، ۹۹
خلیل (متولی) ۳۲
خوارزمی ۱۴۷
خویلد بن اسد ۵۶
خیزران، ملکہ ۲۰۵
خیزن بن جہلہ ۱۸۴
خیزن بن معاویہ ۱۸۴، ۱۸۵

(د)

دارا بن دارا ۱۸۲
داؤدؑ، حضرت ۸۰، ۱۷۰، ۱۹۴
درّق ۲۸
دُرید بن صمّہ ۲۲۲
دعبل بن علی خزاعی ۷۵
دخفل ۲۲۶
دفشرت ۱۶
دوام ۲۷
دُویار ۹۰
دُوما ۲۷
دنیازاد ۱۸۷
دہرب ۹۴
دہرزشاہ فارسی ۵۸

(ذ)

ذوالقرنین ۱۹۴
ذوالکلاح ۲۳۲
ذوالدرایہ ۳۵
ذوشنائر ۵۲، ۵۷
ذی خشب ۲۸۲
ذی کلاع ۳۱۹، ۳۲۲

(ر)

راحیلہ ۶۴
رازی، ابی بکر بن زکریا ۱۷۶
رافع بن خدیج ۲۹۰
رائش بن شداد بن ملفاظ ۵۰
رباح بن عجلہ ۱۱۵
رباح بن مرّہ طسمی ۹۴، ۹۵
ربیع ابن ربیعہ ۱۱۸

ربیعہ بن نزار بن معد ۴۸، ۷۷، ۸۳

ربیعہ بن مکدم ۲۶۶، ۳۰۹

رئاب الشنی ۸۵

رجم بن سلیمان ۵۷

رحیم بن سلیمان ۵۷

رستم ۶۸، ۲۴۸، ۲۵۵، ۲۵۶

رسول اللہؐ ۳۰
(دیکھئے حضرت محمد مصطفیٰؐ)

رشید ۱۹۰

رقہ ۳۱۵

رقیہ، حضرت ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۶۷

رماح ۲۸

رمل عالج ۹۵

روم نخاس (بادشاہ) ۱۸۹

(ز)

زادویہ خارجی ۳۴۷، ۳۵۳

زبّا بنت عمرو ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۹۲

زہیر ۱۱

زبیر بن بکار ۲۸۸، ۳۰۴

زبیر بن عبدالمطلب ۲۰۱

زبیر بن عوام ۲۰۹، ۲۱۸، ۲۴۰، ۲۴۶، ۲۶۰، ۲۶۸، ۲۷۴، ۲۸۴، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۹، ۳۱۳،

زرتشت (زردشت) ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۸۰، ۱۸۱،

بن ایجان ۱۹۳

زوبعہ ۱۱۸

زہرہ ۳۳

زیاد بن حفصہ ۳۴۲

زید بن ثابت ۲۶۹

زید بن حارثہ، حضرت ۲۰۹، ۲۲۲

زید بن حصن ۳۴۲

زید بن صوحان عبدی ۳۰۹

زید بن عدی ۶۶، ۶۷

زید بن عمرؓ، حضرت ۲۵۸

زینبؓ، حضرت ۲۲۰، ۲۲۲

زینب بنت جحش ۲۲۱

زینب بنت حضرت خدیجہؓ ۲۲۴

(س)

سابور الجنود بن اردشیر ۶۰، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵

سارا ۴۴

سارہ اُمّ اسحاق حضرت ۲۴، ۲۶

ساعدہ بن کعب ۲۳۱

ساطرون بن استیطرون ۱۸۴

سالم بن زارہ غطفانی ۱۱۱

سالم بن نوح، حضرت ۳۰، ۴۳، ۴۴، ۹۰

سامہ بنت مہلہل ۲۵، ۲۶

سامہ بن لوی بن غالب ۳۴۳

سبا ۴۸

سبا بن یشجب ۴۹، ۵۶، ۱۲۱

سجاح بنت حارث ۲۳۷، ۲۳۸

سحبان ۵۸

سطیح غسانی ۱۲۴

سعد بن ابی وقاص، حضرت ۶۸، ۶۹، ۲۰۹، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳

۲۵۴، ۲۵۶، ۲۶۳، ۲۶۴
۲۶۹، ۲۷۰، ۲۹۰، ۳۱۷
۳۳۲۔

سعد بن حمران تجیبی ۲۸۲
سعد بن حمران مرادی ۲۸۵
سعد بن سود القاضی ۳۰۵
سعد بن عبادہ ۲۳۵، ۲۳۸
سعد بن مالک ۲۴۹
سعد ۲۸۴، ۳۲۳، ۳۳۶
سعفص ۱۰۰
سعید بن العاص ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۹۱
سعید بن زید ۳۰۳
سعید بن عامر ۲۴۱، ۲۴۲
سعید بن عثمان ۲۶۷
سعید بن قیس ہمدانی ۳۱۸، ۳۲۲
سعید بن مسیّب ۲۱۵، ۲۶۹
سعید بن وقاص ۲۷۴
سعید بن ہوبر ۲۸
سکندر مقدونی ۱۲۷، ۱۳۱، ۱۹۳، ۲۱۰
سفاح، خلیفہ ۷۰، ۱۲۱
سفیان بن حارث بن حضرت عبدالمطلب ۲۸۸
سقلابیوس (یونانی) ۱۶۹
سلاح ۲۶۳
سلمانؓ فارسی ۲۴۲، ۲۴۳
سلمیٰ ام الخیر ۲۳۳، ۲۳۴
سلمیٰ بنت خفصہ مثنیٰ بن حارثہ ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۵۴

سلمیٰ بنت وائل ۶۵
سلیمانؑ، حضرت ۵۱، ۵۷، ۱۵۴، ۱۷۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۹۳
سلیح بن صفوان بن عمران ۷۲
سلیط بن قیس ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۵۰
سملقہ ۱۱۸
سمیح الدرع بن ہوبر ۲۳، ۱۹۲
سوید بن ابی کاہل الشکیری ۶۰
سوید بن غفلہ ۳۲۸
سودہؓ بنت زمعہ ۲۱۴
سہل بن حنیف ۲۸۵، ۲۹۵، ۲۹۶
سہم ۳۳
سیاوخش، بادشاہ ۱۸۱
سیف بن ذی یزن ۵۵، ۵۶، ۱۶۷

(ش)

شادانی، کوکب ۲۲۷، ۳۶۹
شافعیؒ، امام ۲۱۱
شاہ پور ۱۸۲
شبیب بن ربعی تمیمی ۳۳۱
شبیب بن بجذہ ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰
شحنہ بن خلف ۳۲
شداد بن عاد ۲۰
شدید بن عاد ۲۰
شرجیل بن سمط ۳۳۲
شرقی بن قطامی ۴۳، ۴۵، ۳۳۰
شریح بن ہانی ہمدانی ۳۳۱، ۳۳۷
شعبی ۱۵۴
شعیب بن مہدم ۱۰۱
شعیب بن ذیل ۱۰۰، ۱۰۱

شعیب علیہ السلام، حضرت ۱۰۱
شقران ۲۱۶
شمطاء ۷۶
شہرزاد ۱۸۷
شیبان ۲۱۶
شیبانیہ بنت ہانی ۳۲۴، ۳۲۵
شیثؑ، حضرت ۱۱۳، ۱۹۸
شیرزاد بوران ۲۴۸

(ص)

صالح بن علی بن عطیہ العصم ۳۶۳
صالحؑ حضرت ۳، ۲۱، ۲۲، ۵۴، ۹۱
صخر بن عمرو بن کعب ۲۳۳، ۳۰۴
صداء ۹۸
صدوف بنت الجبا ۲۲
صعبہ ۳۰۴
صفوان ۳۲۳
صفیہ بنت حارث بن طلحہ عبدی ۳۰۶
صفیہ بنت حیی بن اخطب ۲۱۸، ۲۲۱
صفیہ بنت عبدالمطلب ۲۳۹
صفلائح ۱۱
صلت بن بہرام ۳۳۱
صمود ۹۸
صنبی ۳۰۵

(ض)

ضحاک، بادشاہ ۷۹، ۸۲، ۸۳، ۱۹۶، ۱۷۰
ضرار بن حمزہ ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸
ضرار بن خطاب ۲۱۸، ۲۵۶
ضرار بن عمرو ۳۰

(ط)

طارق اقبال گاہندری ۸، ۱۰
طالب بن ابوطالب ۲۸۸
طاہر (عبداللہ) ۲۲۴
طریفہ، کاہنہ ۴۸
طریفۃ الخیر، کاہنہ ۱۲۲، ۱۲۳
طسم بن لاوذ ۹۰، ۹۲، ۹۵
طسم بن لود ۳۰
طلحہ بن خویلد اسدی ۲۴۹
طلحہ بن عبیداللہ، حضرت ۲۰۹، ۲۴۰، ۲۴۹، ۲۶۹، ۲۷۴، ۲۸۴، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۹، ۳۱۳
طلحہ طلیحات ۳۰۶
طلیحہ ۲۳۷
طہورث ۱۹۳
طیب (عبداللہ) ۲۲۴

(ظ)

ظعینہ ۳۰۹

(ع)

عابر بن ارم بن ثمود ۲۱، ۳۰
عابر بن شالخ ۴۶
عاتکہ بنت زید بن عمرو ۲۱۸، ۳۰۳
عاد اول یوثر (عاد بن عوص) ۱۹، ۳۰، ۹۱، ۹۵، ۹۹
عاد بن ارم ۹۰
عامر بن فہیرہ ۲۱۰
عاص بن وائل ۲۰۱
عاصم بن عمر ۲۲۹، ۲۵۸

عامر بن الیاس ۲۰۰
عامر بن لوئیؑ ۳۳
عاملہ ۶۱
عامور ابن سویل ۱۶۷
عائشہ بنت حضرت عثمانؓ ۲۶۷
عائشہؓ حضرت ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۳۱، ۲۳۶، ۲۹۴، ۲۹۵، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۹
عباد اللہ ۲۷۷
عباس بن عبدالمطلب ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۳۴، ۲۳۶، ۳۶۲
عبدالدار ۳۳
عبدالرحمٰن اصغر بن عمر ۲۵۸
عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ ۲۳۳، ۲۳۴، ۳۰۹
عبدالرحمٰن بن اندلسی ۱۶۰
عبدالرحمٰن بن بدیل ۳۲۳
عبدالرحمٰن بن عباس ہاشمی ۳۶۳
عبدالرحمٰن بن عدیس بلوی ۲۸۲
عبدالرحمٰن بن عقاب ۳۱۰
عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت ۲۰۹، ۲۴۰، ۲۴۶، ۲۶۹، ۲۷۷، ۲۸۱، ۳۳۲
عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام ۱۷
عبدالرحمٰن بن ملجم ۳۴۷، ۳۶۲
عبدالرحمٰن بن یحییٰ منذری ۱۱۰
عبدالرحمٰن صاحب اندلس، خلیفہ ۱۴، ۱۵، ۱۶
عبدالعزیٰ بن قصی ۳۳
عبدالقیس ۸۵، ۳۰۹
عبداللہ (طیب وطاہر) ۲۲۴

عبداللہ اصغر ۲۶۷، ۲۶۸،
عبداللہ اکبر ۲۶۷
عبداللہ ۲۷۵
عبداللہ بن ابوبکرؓ ۲۳۴
عبداللہ بن ابی سرح ۲۷۰
عبداللہ بن اریقط دیلی ۲۱۰
عبداللہ بن بدیل ۳۰۰، ۳۲۳
عبداللہ بن جدعان تیمی ۲۰۲، ۲۱۸
عبداللہ بن جعفر ۲۳۴، ۲۷۹، ۲۹۹، ۳۰۶، ۳۵۲
عبداللہ بن حباب ۳۳۹
عبداللہ بن رواحہ ۲۲۲
عبداللہؓ بن زبیر، حضرت ۲۳۶، ۳۰۲، ۳۰۶، ۳۰۸
عبداللہ بن زید ۲۲۰
عبداللہ بن سعد ۲۷۳
عبداللہ بن سعید ابن کثیر ۱۵۱
عبداللہ بن سلام ۲۹۰
عبداللہ بن عامر ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۳۰۸
عبداللہ بن عباس ۷۵، ۲۲۱، ۲۵۸، ۲۹۳، ۲۹۸، ۳۰۷، ۳۱۱، ۳۱۸، ۳۲۷، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۶۵
عبداللہ بن عبدالعزیز ۴۲
عبداللہ بن حضرت عبدالمطلب ۸۶، ۲۰۵، ۲۱۸
عبداللہ بن عتبہ ۲۶۸
عبداللہ بن عثمان ۲۳۱
عبداللہ بن عمر ۲۵۸، ۲۹۰، ۳۶۶
عبداللہ بن عمرو بن عاص ۳۲۱، ۳۳۲
عبداللہ بن کوا یشکری ۳۳۱

عبداللہ بن قیس ۳۳۳

عبداللہ بن مسعود ۲۷۰، ۲۸۳

عبداللہ بن وہب راسبی ۳۳۹، ۳۴۲

عبداللہ بن نجدہ ۳۵۰

عبدالمطلب، حضرت ۴، ۵۶، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۵، ۸۹، ۹۰، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۱۸

عبدالملک بن عثمان ۲۶۷، ۲۶۸

عبدالملک بن مروان ۱۸۹، ۲۹۰، ۳۰۴

عبد شمس سبا بن یشجب ۴۶

عبد ضخم بن ارم ۹۶

عبد مناف بن حضرت عبدالمطلب ۳۳، ۲۱۴، ۳۱۰

عبید الراعی ۱۱۴

عبیداللہ بن عباس ۲۹۸

عبیداللہ بن عمرؓ ۲۵۸، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۴، ۳۲۵

عبید بن شریہ جرہمی ۵۶، ۹۲، ۱۸۷

عبیل بن عوص ۹۰، ۹۹

عتاب بن عیلان ثقفی ۲۷۱

عتبیٰ ۱۱۴

عتبہ بن غزوان ۲۲۴، ۲۵۶

عتیبہ ۲۲۴

عتیق ۲۳۲

عثمان بن حنیف انصاری ۲۷۰، ۲۹۴، ۲۹۵

عثمانؓ بن عفان، حضرت ۵، ۸۳، ۱۱۶، ۲۰۹، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۴۰، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۶، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۸، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۵، ۳۲۰، ۳۲۳، ۳۳۲، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۸، ۳۶۵

عدی بن حاتم طائیؓ ۳۳، ۱۱۱، ۲۳۵، ۲۴۱، ۳۲۲

عدی بن نصر ۹۱

عرماز اسقف ۱۴

عروہ بن اذیہ تمیمی ۳۲۹

عروہ بن زبیر ۲۱۶

عروہ بن زید ازدی ۱۱۵، ۱۱۶

عزانہ ۱۱

عُزّیٰ ۲۰۴

عسان بن ازد بن غوث ۷۲

عضیر ۱۵۳

عضیرہ ۹۴

عقبہ بن عامر انصاری ۱۳۷، ۳۱۵

عقیل بن ابوطالب ۲۷۱، ۲۷۹، ۲۸۸، ۲۹۹، ۳۰۵

عکرمہ ۱۵۲، ۱۵۳

علی ۲۳۴

علیؓ بن ابی طالب، حضرت ۵، ۸۳، ۹۰، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۶

۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷
۲۴۰، ۲۴۶، ۲۷۱، ۲۷۹
۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳
۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۷، ۲۸۹
۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳
۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷
۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲
۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶
۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱
۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵
۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹
۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳
۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۹
۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۵
۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹
۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳
۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷
۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۲
۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۶، ۳۵۸
۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲
۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۸

علی بن حرب ۱۰۹
علی بن حسین بن علی ۲۱۵، ۳۶۳
علی بن زید ۲۱۵
علی بن عیسٰی بن جرّاح ۱۶۶
علی بن مجاہد ۳۶۵
علقمہ بن صفوان ۱۰۸، ۱۰۹
عِلّہ بن جلو ۲۶۳
عمّار بن یاسر ۲۷۰، ۲۷۵، ۲۷۹، ۲۸۱

۲۸۳، ۲۸۹، ۲۹۸، ۳۰۰،
۳۰۱، ۳۰۹، ۳۱۸، ۳۲۰
۳۲۱، ۳۲۲

عمرؓ بن خطاب، حضرت ۳۵، ۳۹، ۱۰۵، ۱۵۹
۱۹۰، ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۴۰
۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۵
۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۰، ۲۵۶،
۲۵۹، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۵
۲۶۶، ۲۷۰، ۲۷۵، ۲۹۳
۳۱۸، ۳۳۲، ۳۳۴، ۳۶۵،

عمران بن حطّان رقاشی ۳۵۳
عمران کاہن ۴۸، ۱۲۲
عمرو بن الیاس ۲۰۰
عمرو بن امرالقیس ۶۵
عمرو بن بحر جاحظ ۳۰
عمرو بن برہ ۳۰۹
عمرو بن تبع ۵۱، ۵۲
عمرو بن جرموز ۳۰۲، ۳۰۳
عمرو بن حمق خزاعی ۲۸۲، ۲۸۵
عمرو بن ذی قیفان ۵۲
عمرو بن طرب ۹۲
عمروؓ بن عاص، حضرت ۱۹۰، ۲۷۳، ۲۷۷، ۲۸۹
۲۹۱، ۳۱۲، ۳۱۵، ۳۱۶
۳۱۸، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷
۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴
۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸
۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۷، ۳۵۳
۳۶۷
عمرو بن عامر مزیقیا ۳۱، ۴۸، ۷۲، ۱۲۲، ۱۲۳،

عمرو بن الجن قنونی ۶۳
عمرو بن عبسہ، حضرت ۲۰۹
عمرو بن عدی ۶۱، ۶۳، ۶۴، ۶۵،
۶۸۔
عمرو بن عمر مزیقیا ۱۱۹
عمرو بن قابوس ۶۵
عمرو بکر تیمی ۳۵۳
عمرو بن لحی ۳۱، ۳۲، ۱۶۴، ۲۳۸
عمرو بن معدی کرب ۶۹، ۲۶۰، ۲۶۳، ۲۶۵
۲۶۶
عمرو بن مفاض ۲۹
عمرو بن منذر ۶۵
عمرو بن نعمان بن عمرو ۷۱
عملوق بن جدلیس ۹۲
عملوق الظالم ۹۳، ۹۴
عملاق بن لاوذ ۹۰، ۹۱
عملیق بن لود ۳۰
عمیر بن الیاس ۲۰۰
عمیر بن ضابی برجمی تمیمی ۲۸۵
عوص بن ارم ۳۰
عوف بن ابی شمر ۷۳
عون ۲۳۴
عیسٰی بن لہیعہ مصری ۱۵۴
عیسیٰؑ، حضرت ۱۰۱، ۱۳۱، ۱۵۱، ۱۸۲
عیص بن اسحاق ۹۱
عیصوص بن اسحاق ۲۹
عیلام بن سام بن نوح ۳۰
عیہلا ۲۳۷

(غ)

غالب بن عبداللہ اسدی ۲۴۹
غالب بن فہر ۳۳
غرطلہ ۱۶
غسان ۴۸
غمر ۲۰
غنیزہ بنت غنم ۲۲

(ف)

فاختہ بنت ابی طالب، ام ہانی ۲۸۸
فاختہ بنت قرظہ بن عمرو ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷
فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ۲۸۸
فاطمہ بنت عمرؓ ۲۵۸
فاطمہ بنت قیس ۱۵۴
فاطمہؓ، حضرت ۲۱۴، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۳
۲۲۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۹
۲۸۷، ۳۵۹، ۳۶۲
فالغ بن یعفور ۴۶، ۷۱
فراسیہ بنت مالک المنذر ۶۵
فرزدق (شاعر) ۵۳
فرعون ۹۱
فرفوریس، حکیم ۱۴، ۱۵۰
فریدون ۱۷۹، ۱۸۰، ۲۴۵
فضالہ بن عبید ۲۹۰
فضل ۲۱۶
فضل بن عباس ربیعہ ۳۶۵
فیاض بن علی ۸۸
فیروز بن کبک ۱۶۳
فیلقوس یونانی ۱۲۷

(ق)
قابوس بن منذر ۶۵
قارلہ بن بیتین ۱۴
قارلہ بن تقویرہ ۱۵
قارلہ بن قرطان ۱۴
قارلہ بن لرزیق ۱۴-۱۵
قاسم بن محمدؒ، حضرت ۲۲۳، ۲۳۴
قباد ۷۶
قباد بن فیروز ساسانی ۷۶
قباذ شاہ فارس ۵۳
قتادہ ۲۱۵
قثم بن عباس ۲۹۸
قحطان (یقطن) ۴۵، ۴۷، ۷۵، ۱۱۹
قحطان بن ہمیع ۴۵
قحطان بن عابر ۴۶
قدار بن سالف ۴۲
قدامہ بن مظعون ۲۹۰
قدیم بن ادس ۸۸
قرشت ۱۰۰
قرطان بن دقشرت ۱۴
قرظہ بن کعب انصاری ۲۹۶
قرقیسیا ۳۱۳
قس بن ساعدہ اعادی ۸۵
قسطنطین اعظم ۱۶۹
قصب الیمانی ۵۱
قصی بن کلاب ۳۲، ۳۳، ۲۰۰، ۲۰۳
قضاعہ بن مالک بن حمیر ۷۱
قضاعہ بن معد ۷۲
قطام ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹
قعقاع بن حکیم ۱۲۱
قعقاع بن عمرو ۲۵۰، ۲۵۵، ۲۵۶
قلودیہ ۱۴
قنبر ۲۸۴
قیدار ۲۷
قیس بن سعد عبادہ ۲۹۸، ۳۲۲
قیصر روم ۵۵، ۶۱، ۶۳، ۶۴،
۲۳۱، ۲۴۳
قینان بن ارفخشد ۴۶

(ک)
کابل شاہ ۱۶۰
کاؤس ۱۶۷
کربلا ۲۳۴
کرز بن جابر ۲۱۳
کروس الکرادیس ۶۵
کسریٰ پرویز ۶۶، ۶۷، ۶۹، ۲۰۸،
۲۱۰، ۲۲۱، ۲۴۳
کسریٰ قباذ بادشاہ ۸۶
کسریٰ نوشیرواں عادل ۵۳، ۸۱، ۸۲،
کعب احبار ۳۹، ۱۸۷، ۲۴۰، ۲۷۷،
۲۷۶، ۲۷۸
کعب بن عجرہ ۲۹۰
کعب بن مالک ۲۹۰، ۲۹۱
کلال بن شوب ۵۷
کلبی ۴۳
کلمن ۱۰۰، ۱۰۱
کلیکرب بن تبع ۵۱
کمیل بن زیاد ۳۵۷، ۳۵۸
کنانہ بن بشر تجیبی ۴۸، ۲۸۵

کنانہ بن خزیمہ بن بدر ۲۰۰
کنعان بن حام ۹۷
کورش، بادشاہ ۱۸۲، ۱۸۳
کوکب شادانی، پروفیسر ۱۰۷
کوش بن کنعان ۹۷
کہلان بن عبدشمس سبا ۴۶، ۴۹، ۵۰، ۱۲۱
کہلان بن قحطان ۴۶
کیخسرو ۱۸۰، ۱۸۱
کیومرث بن امیم بن لاوذ ۹۷

(ل)

لات ۲۰۴
لجیلہ اشعری ۴۸
لخم ۴۸
لخیف المعروف ذی شائر ۵۷
لرزیق بن دقشرت ۱۶
لرزیق بن صارقہ ۱۶
لرزیق بن قارلہ ۱۵
لرزیق بن قلودیہ ۱۶
لقمان اکبر العادی ۱۱۹
لوہرز ۵۷-۵۸
لیلیٰ بنت حلوان ۲۰۰

(م)

ماحیٔ، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۹۹
مار بن یافث بن نوح ۱۱
ماریہ البریہ ۶۵
ماریہ بنت ظالم ۷۳
ماریہ ذات القرطین بنت ارقم ۷۲
ماریہ قبطیہ ۲۲۷
مازیار ۱۸۸
ماشاء اللہ ۱۴۷
ماش بن ارم ۳۰
مالک اشتر بن حارث نخعی ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۸۲
مالک الدیر ۱۲
مالک بن عوف نصری ۲۲۲
مالک بن عقنون ۱۷۶، ۱۷۷
مالک بن فہم ۶۰
مالک بن کنانہ ۳۲
مالک بن نویرہ ۲۵۰
مامون جارثی ۲۳۸
ماء السما بنت عوف ۶۵
متقی باللہ، خلیفہ ۱۹۴، ۲۸۸
مثنیٰ بن حارثہ شیبانی ۲۴۷، ۲۴۸
مجاشع بن دروان ۳۴۹، ۳۵۰
محرز بن نفلہ ۲۱۳
محفل بن جندل ۱۰۰
محمد بن ابوبکر صدیقؓ ۵، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۳۰۶، ۳۳۹، ۳۴۳، ۳۴۴
محمد بن ابی ہریرہ ۱۱۰
محمد بن اسحاق ۳۶۵
محمد بن جابر تباقی ۱۴۷
محمد بن حمید الرازی ۳۶۵
محمد بن حنفیہ ۲۹۹، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۱۸، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۶۴، ۳۶۵
محمد بن زبیر ۲۸۴
محمد بن عبدالرحمٰن، خلیفہ ۱۵
محمد بن عبداللہ مروزی ۱۵۱

محمد بن عبد الملک الزیات ۱۲۸
محمد بن علی ماذرانی ۱۹۰
محمد بن علی ۲۱۵
محمد بن علی بن عبد اللہ ۳۶۳
محمد بن طلحہ ۲۸۴، ۳۰۴
محمد بن کثیر فرغانی ۱۴۷
محمد بن مسلمہ انصاری ۲۷۰، ۲۹۰
محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ۵، ۴۵، ۴۷، ۴۸، ۵۹، ۶۶، ۷۳، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۱۴، ۱۲۷، ۱۳۷، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۶۴، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۴۶، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۷۸، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۳، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۸، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۴، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹
مخرج ذو ثرّیا ۳۴۲، ۳۴۳
مخزوم ۳۳
مذحج ۴۸
مرثد بن عبد کلال ۵۲، ۵۷
مرثد بن سعد ۹۸
مرداس بن ابو عامر سلمی ۱۰۹
مرزبان ۵۸
مرقال ۳۲۲، ۳۲۳
مروان بن حکم ۱۰۸، ۲۷۰، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۹۱، ۲۹۴، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۸
مریم، حضرت ۱۸۳
مزدلفہ ۱۳۷
مسا ۲۷
مبشّم ۲۷
مسروق بن ابرہہ ۵۴
مسلم ۲۹۹، ۳۰۰
مسلمہ بن اسلم بن حریش ۲۴۴، ۲۴۵
مسلمہ بن خالد ۲۹۰
میسرہ ۲۰۲، ۲۰۶
مسیم ۲۷
مسی بن نیعہ ۵۴
مسیح، حضرت ۵۳، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۳۰، ۱۸۳، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۷، ۲۱۸

مسلیمہ کذاب ۲۳۸
مشجر ۴۶
مشمج ۲۷
مثنی ۲۷
مصدع بن مفرج ۲۲
مصر بن حام ۹۷
مضاض بن عمر بن سعد ۲۹
مضاض بن عمرو اصغر ۲۹
مضاض بن عمرو جرہمی ۹۶
مضر بن نزار ۲۹، ۳۱، ۳۲، ۴۸، ۶۰، ۷۶، ۷۷، ۸۳
مضیبہ بن اتیم ۵۸
معاذ بن مسلم ۱۲۱
معاویہ ۲۳۴
معاویہ بن بکر ۹۸
معاویہ بن خدیج ۳۴۳
معاویہؓ، حضرت امیر ۹۲، ۱۸۷، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۳۴، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۷۷، ۲۸۷، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۵، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۲، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۵۳، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸
معبد بن عباس ۲۹۸

معتصم باللہ خلیفہ ۱۶۷
معتضد باللہ خلیفہ ۷۰، ۱۶۹،
معد بن ربیعہ ۷۶
معد بن عدنان ۷۵، ۱۹۸، ۱۹۹
معدی کرب ۵۶، ۵۷، ۱۶۷
معن بن عیسٰی ۲۹۷
معنس ۵۳
مغیرہ بن شعبہ، حضرت ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۵۶، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۹۰، ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۸، ۳۳۲
مغیرہ بن عثمانؓ ۲۹۷
مقبل ۲۸۲
مقداد بن عمرو ۲۶۹، ۲۸۱، ۲۸۲
مقلل ۲۸۹
مقوقس، شاہ ۲۲۲
مقوم ۲۱۸
مکتفی باللہ علی بن معتضد ۲۸۸
ملکان ۴۶
ملیکرب بن تبع ۵۷
منات ۲۰۴
منبوش ۱۵۳
منذر ابو شمر بن حارث ۷۳
منذر بن حباب ۲۳۸
منذر بن جارود ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹
منذر بن عمرو بن منذر ۹۵
منذر بن نعمان ۹۵
منصور بن یزید طائی ۱۰۹
منصور، خلیفہ ۷۰

منقری ۱۱۴
منوچہر ۱۶۵
موسیٰ علیہ السلام، حضرت ۹۶، ۱۰۱، ۱۵۲، ۱۹۳، ۳۶۰
مہران ۲۴۸
میخائیل ۱۶۱
ملیح ۲۳۸
میمونہ بنت حارثہ ہلالیہ ۲۲۱، ۲۳۴

(ن)

نابت ۲۷
نابغہ ۶۶، ۷۴
ناشر النعم ۵۱، ۵۷
نافش ۲۷
نالبر ۲۷
نائلہ زوجہ حضرت عثمانؓ ۲۸، ۱۶۴، ۲۰۴، ۲۸۶
نائلہ بنت فرافصہ ۲۸۵
نبیطین ماش ۳۰
نجاشی، شاہ ۵۳
نجاشی، شاعر ۳۶۳
نجران ۲۸۸
نزار اربعہ ۷۹
نزار بن معد ۳۱، ۴۷، ۴۸، ۷۶، ۷۸، ۱۲۱
نسطور راہب ۱۹۸، ۲۰۲
نسور ۱۲۱
نفیرہ بنت خیزن ۱۸۴، ۱۸۵
نعمان (نعمان بن منذر) ۶۵، ۶۷، ۶۸، ۷۳، ۱۸۴
نعمان بن بشیر انصاری ۲۹۰، ۲۹۱
نعمان بن جبلہ تنوخی ۳۲۴
نعمان بن حارث ۷۳
نعمان بن مقرن ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳
نفیل بن حبیب خثعمی ۸۷
نمرود بن کنعان ۷۹، ۹۰،
نوحؑ، حضرت ۱۹، ۹۸، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۸،
نوسہ ۱۵
نوشجان ۵۸
نوشیرواں کسریٰ ۵۸، ۲۰۵
نوفیر بن نوط ۹۷، ۹۸
نہکینی ۸۸

(و)

واثق باللہ، خلیفہ ۱۶۱
واسم ۹۵
واقدی ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۴۳، ۲۵۶، ۲۸۳، ۳۰۴
وافصہ ۲۷۵
وبار بن امیم ۹۵، ۹۶
ولید بن عبدالملک بن مروان ۱۳۱، ۱۸۸
ولید بن عثمانؓ ۲۶۷، ۲۶۸
ولید بن عقبہ ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۹۱، ۳۰۸، ۳۱۸
ولیعہ بن مرثد ۵۲
وہب بن جابر بن حاز ۳۳۱
وہب بن منبہ ۱۰۷

(ہ)

ہاجرہ، حضرت ۲۳، ۲۴، ۲۶، ۴۶

نام	صفحات
ہادی بن مسعود	۶۸
ہادی، خلیفہ	۲۰۵
ہارون الرشید، خلیفہ	۷۰، ۲۰۵
ہارونؑ، حضرت	۱۵۲، ۳۶۰
ہاشم بن عتبہ بن وقاص	۲۵۰، ۳۱۷، ۳۲۲
ہانی بن حاطب ازدی	۳۴۲
ہباء	۹۸
ہُبل	۱۶۴
ہدہاد بن شرجیل	۵۷
ہرقل، بادشاہ	۲۱۰
ہُرمز	۲۴۹
ہُرمزان	۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۴، ۳۲۵
ہزیلہ بنت مازن	۹۳
ہشام بن کلبی	۴۵، ۴۸، ۱۹۸
ہلال بن علقمہ	۲۵۶
ہند بنت حارث	۶۵
ہند بنت زید مناۃ	۶۵
ہند بنت ہیجانہ	۶۵
ہودؑ، حضرت	۱۹، ۷۰، ۹۱، ۹۸، ۹۹
ہُوّز	۱۰۰
ہیثم بن عدی طائی	۴۵، ۴۶، ۴۷، ۳۳۰
ہیجانہ بنت سلول بن مراد	۶۵

(ی)

نام	صفحات
یاسر بن عبد بن یعفر	۵۱
یافث بن نوح	۱۳، ۱۷، ۹۰، ۹۸، ۱۰۱
یثرب بن قامیہ	۹۹
یحیٰی بن ابی کثیر	۲۱۶
یحیٰی بن خالد	۱۹۰
یحیٰی بن سعید	۲۱۵
یحیٰی بن عقاب جوہری	۱۰۹، ۱۱۰
یحیٰی بن معین	۳۲۹، ۳۳۱
یزدجرد بن شہریار	۱۲۷
یزید	۳۶۳
یزید بن ابی سفیان	۲۳۷
یزید بن ثابت	۲۹۰
یساسف، بادشاہ	۱۶۵، ۱۸۱
یشجب بن یعرب	۴۶
یطور	۴۷
یعرب بن قحطان	۴۶، ۴۷، ۹۰
یعلیٰ بن منیّہ	۲۹۴، ۲۶۹
یکسوم	۵۵
یمامہ	۹۴، ۹۵
یوتاب	۷۱
یوسف بن مہران	۲۱۵
یوسفؑ، حضرت	۲۲۷
یوسف ذونواس	۵۲، ۵۳
یوسع بن نون	۹۱، ۱۵۲، ۳۵۱
یونسؑ، حضرت	۱۱۳
یہودا ابن اسرائیل	۱۰۱

اشاریہ (بلاد و امصار)

حصہ اوّل

(آ)

آب سکون ۱۶۰، ۱۶۱
آبلہ ۱۱۲
آجام ۱۸۵
احمد آباد ۱۱۱، ۱۹۶
ادنہ ۱۱۶
آذر ۵۷، ۵۸
آذربائیجان ۳۴، ۶۹، ۱۱۲، ۱۶۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۸، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳،
اذنہ، ساحل ۱۲۰
اذنہ، شہر ۲۸۰
آرمینیا ۲۳، ۳۴، ۶۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۶۱، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۹۳، ۲۶۶
آمہ، بلاد ۱۱۲
آمل، شہر ۱۵۵، ۱۶۰، ۱۶۱

(اِ)

ابی قبیس، کوہ ۵۶
اتریب ۲۹۰
اخیم ۲۸۵
اربونہ ۱۴۴
اربیل ۷۹
اردبیل ۱۶۹
اردن ۶۳، ۶۵، ۶۸، ۷۲، ۷۴، ۷۷، ۸۰،
ارزن ۱۱۲
ارض روم ۱۳۶، ۲۵۲، ۲۵۷
ارض سعید ۲۹۰
ارم ذات العماد ۱۶۷
اریحا، شہر ۶۸
اسکندریہ ۶۱، ۱۰۹، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۰، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۸، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۶۵، ۲۸۴، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۲۰
اسفرائین ۱۰۹
اسوان ۲۸۵، ۲۹۰، ۳۱۲، ۳۱۷، ۳۱۸
اشبیلیہ ۱۴۴
اشمعون ۲۹۰
اشینا، شہر ۲۴۰
اصفہان ۵۳، ۱۴۶
اعوان ۱۰۸
اغادیہ ۱۵۳
افروحس ۱۱۰
افریقہ (شرقی) ۲۳
افریقہ ۱۰۱، ۱۰۹، ۱۴۳، ۱۴۹،

۱۵۳، ۱۶۱، ۲۹۹، ۳۰۴
۳۰۵، ۳۰۸، ۳۰۹
افریقہ (مغربی) ۳۱۶
افریقہ (شمالی) ۳۱۶
افسوس ۲۶۰
افیسس ۲۶۳، ۲۶۴
افغانستان ۲۴۱، ۲۴۴
اقریطش، جزیرہ ۱۱۸
الابلہ، بلاد ۱۱۵
البواری ۱۴۷
البنیہ ۶۷
الجزائر ۹۷، ۳۱۱
الجزیرہ ۱۰۹
السن، شہر ۱۱۲
الصعید ۱۰۹
الفرس ۱۹۶
الم ۱۶۱
المانیہ (جرمنی) ۴۲
الواحات، بلاد ۳۲۰
الونشکفر ۱۴۳
انبار ۱۱۱
انجاز، بلاد ۱۶۹، ۱۷۱
اندلس ۱۰۱، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹،
۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۸، ۱۵۹
۱۶۳، ۱۶۸، ۲۶۱، ۲۶۲
۲۶۴، ۲۸۳، ۳۰۳، ۳۱۹
انڈومان (انڈمان) ۱۳۸
انطاکیہ ۲۳، ۲۷، ۸۳، ۸۴،
۱۰۹، ۱۱۶، ۱۲۰، ۱۲۳،

۲۲۳، ۲۳۶، ۲۴۷، ۲۵۲
۲۵۳، ۲۶۵، ۲۶۶
انگلستان ۳۱۹
انوا ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۹۴
انوش (رام) ۲۳۰
اورشلیم (یروشلم) ۲۵۲
(دیکھئے یروشلم)
اہواز، قلعہ ۱۴۶، ۲۱۰، ۲۱۸
ایران ۳۱، ۱۵۵، ۱۹۵، ۲۱۹
ایشیا ۲۳
ایلہ ۴۹، ۷۵، ۱۱۵، ۱۳۵
۲۹۰
ایلول ۵۸، ۶۰، ۲۵۹

(ب)

باب، شہر ۱۵۵
باب ولابواب ۱۲۳
بابک خرمی، بلاد ۱۷۱
بابل ۶۰، ۶۱، ۱۰۱، ۱۲۹،
۱۴۳، ۱۸۰، ۱۸۶، ۱۸۷
۱۸۸، ۱۹۳، ۲۴۱، ۲۸۹
بازبری ۱۱۲
باسورین ۱۱۲
باکہ (باکو) ۱۶۱
بالس ۱۱۱
باہیرا ۱۱۲
بجّہ، ارض ۱۱۵، ۳۱۸
بحرین ۱۱۵، ۱۳۱، ۱۳۶، ۲۱۵
بحیرم ۱۱۵
بخارا ۱۴۳، ۲۲۱

بخیر ۱۵۸
بدعین ۲۳۰
بدیہ ۱۲۷
بربر ۱۰۱، ۱۱۳
برجان ۱۵۸
برزعہ، بلاد ۱۷۱
برسخانیہ ۱۲۷
برطاس ۱۹۰
برطانیہ ۱۰۰
برغز ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۹۰
برفز ۱۵۸
برقتہ الشامیہ ۱۱۱
برقہ ۱۰۹، ۱۲۰، ۲۹۰
برداج ۱۷۱
برہوت، وادی ۱۶۱
بسط ۱۴۷، ۱۶۳
بشریٰ ۱۱۱
بصرہ ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۸۵، ۲۸۱، ۳۰۳، ۳۱۱
بطیسبون ۲۱۸
بطیحہ ۱۱۱
بطیحۃ البصرہ ۱۱۲
بعارہ، قریہ ۷۷
بغداد ۲۰، ۲۳، ۲۷، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۸۰، ۲۵۴، ۲۷۸
بلاق، جزیرہ ۳۱۸
بلخ ۱۱۰، ۱۲۱، ۱۴۳، ۱۸۲، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۲

۲۲۵، ۲۳۰
بلدۂ علی بن عیسیٰ ۲۵۴
بلغر، بلاد ۱۵۵، ۱۵۸
بلغراد ۵۸، ۱۲۳، ۱۲۷
بلقاء ۶۹، ۷۰
بلقان ۳۴، ۱۴۳
بنارس ۳۱
بندرگاہ سعید ۲۹۲
بوزنطیہ ۲۵۹
بیت المقدس (ایلیا) ۶۴، ۶۵، ۷۵، ۷۷، ۷۸، ۸۰، ۱۸۱، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۴۷، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۷، ۲۹۳
بیروت ۲۰، ۲۵
بیسان ۵۳، ۷۴
بیصر ۲۹۰
(پ)
پیرس ۱۴، ۲۵، ۲۹، ۳۰
(ت)
تایہ ۱۳۵
تانہ ۱۴۹
تاتار ۱۴۷
تبت ۹۷، ۱۲۸، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۲۲۵، ۲۴۲
ترک، بلاد ۱۵۵
ترکستان ۱۱۰، ۱۲۸، ۱۸۹
ترکی ۱۰۱، ۱۹۳
ترغیہ ۱۴۶

ترمذ ۱۰۹
تستر ۲۱۸
تفریس، بلاد ۱۷۱
تفلیس ۱۶۶، ۱۶۹، ۱۷۰
تکریت ۱۱۲، ۲۶۵
تل فخار ۱۹۶
تیونس ۱۰۹

(ث)

ثغور ۱۰۹
ثمانین (مدینہ) ۵۸، ۲۸۹
ثلاثین ۲۸۹

(ج)

جامعین ۱۱۱، ۱۹۶
جبل ۱۲۰، ۱۲۷
جبل ابی موسیٰ ۱۷۱
جبل برکان ۱۶۱
جبل تیتل ۱۷۸
جبل جودی ۵۸
جبل قبق ۱۶۸، ۱۶۹، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۳۰
جبل لکام، وادی ۱۲۰
جدیس ۵۹
جدّہ ۵۳، ۱۱۵
جدید، شہر ۱۱۰
جرارہ ۱۱۲
جُرجان ۱۲۰، ۱۲۳
جُرجانیہ ۱۰۹
جرجرایا، بلاد ۱۱۲
جریانہ ۱۷۲
جرمنی ۳۱۹
جزائر ۱۵۳
جزیرہ ۱۰۱، ۲۲۳
جزیرہ ابن عمر ۵۸
جزیرہ، ارض ۲۸۹
جفریہ ۱۲۷
جلالتہ ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۸، ۳۱۹
جودی، جزیرہ ۱۷۸
جہلم ۲۴۴
جیحان ۲۸۰
جیدان ۱۵۵
جیل ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۷۲
جیلان ۱۴۳

(چ)

چین ۲۳، ۲۷، ۹۷، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۲۷، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۴۲، ۳۱۸، ۳۱۹
چینی ترکستان ۱۱۰

(ح)

حابیہ ۶۶
حبش (افریقہ) ارض ۱۰۰، ۳۱۸، ۳۲۰
حبشہ ۱۱۳، ۱۱۵، ۲۴۹، ۲۹۲، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴
حجاز ۴۲، ۵۹، ۹۳، ۱۰۱، ۱۱۵، ۲۴۸، ۲۸۵، ۲۹۰، ۳۱۸

حجرلاہون ۱۰۹، ۲۸۷
حدیثہ ۱۹۳
حرم ۵۹
حرملی ۳۱۴
حسان، شہر ۱۱۵
حضرموت ۵۹، ۷۱، ۱۶۱
حلب ۲۲۳، ۲۶۵
حمدان ۱۳۲
حرج ۱۶۴
حمص ۲۲۳، ۲۴۷، ۲۵۹
حوران ۶۶
حیدرآباد دکن ۲۱
حیرہ ۱۱۱، ۲۶۵

(خ)

خانقو ۱۳۱
ختلانہ ۲۲۵
خراسان ۳۱، ۳۴، ۹۷، ۱۰۴
۱۰۹، ۱۲۷، ۱۳۱، ۱۴۲
۱۴۳، ۱۴۷، ۱۵۸، ۲۱۹
۲۲۱، ۲۳۰، ۲۳۵، ۲۴۱
۲۴۴، ۲۵۴
خربہ ۳۱۸، ۳۲۰
خزران ۱۶۹، ۱۷۰
خزر، بلاد ۱۰۱، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۱
۱۹۵، ۱۹۸
خزرسرزمین ۲۳۰
ختن ۱۶۴
خشیات ۱۱۵
خضر (دیکھئے آرمینیا)
خلدونیہ ۲۶۰، ۲۶۵
خوارزم ۱۰۹، ۱۲۰، ۱۵۶، ۱۵۸
خوزستان ۲۱۴

(د)

دبار ۵۹
دروق الغرس ۱۱۵
دمشق ۲۳، ۵۴، ۶۶، ۶۸
۲۳۲، ۳۰۲
دمیار، جزیرہ ۳۱۱
دمیاط ۱۰۹، ۱۲۰
دنقلہ ۳۱۲، ۳۱۳
دوسات ۱۴۸
دیاربکر ۱۱۲
دیبل ۲۷، ۱۰۱، ۱۰۸، ۱۱۵
۱۴۸
دیرقنی ۲۵۴
دیلم ۱۰۱، ۱۲۰، ۱۲۷، ۱۶۰
۱۶۱، ۱۶۲
دینور ۱۹۵

(ڈ)

ڈی مینار ۱۶

(ر)

راس الجیمہ ۱۳۶
راسی، جزیرہ ۱۴۰
راسین ۱۳۸
ران ۱۴۱
رامہرمز ۱۴۶
راہون ۵۳
رباط ۱۱۰

ربیعہ ۴۳، ۱۰۱
رحبہ ۱۱۱
رشکند ۳۱۹
رشید ۱۲۰
رشیدیہ ۱۰۹، ۱۲۰
رفادہ ۱۲۰
رفح ۱۴۷، ۲۹۰
رقّہ ۱۱۱
رمل، وادی ۵۹، ۱۴۵
رملہ ۷۷
رودس (روڈس) ۱۱۸، ۲۹۹
روس ۵۸، ۱۲۳، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۵۹، ۲۶۲، ۳۱۹
رومانیہ ۱۵۹
روم ۱۰۱، ۱۱۴، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۹۸، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۴۶، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۹۹، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۱۵، ۳۲۰
رومیہ (ادرس) ۸۳، ۱۱۷، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰
رہا، شہر ۲۶۶
رہمی، مملکت ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲
رہوط، بلاد ۱۴۷
رے ۳۴، ۱۴۳، ۱۸۶، ۲۲۰، ۳۱۱

(ز)

زابلستان ۱۴۱
زابج، مملکت ۹۷
زانج، جزیرہ ۱۴۰
زبطرہ ۲۷۷
زراقہ ۱۶۲
زرعون ۱۴۷
زریحران، مملکت ۱۶۴
زغر، شہر ۶۸
زنج، ارض ۱۱۳، ۱۱۵
زنجبار ۲۳، ۳۴، ۹۷
زوزان، بلاد ۱۷۸

(س)

سابور ۱۸۵
سبا، ارض ۴۲، ۱۹۱
سبتہ ۱۱۷، ۱۱۸
سجستان ۱۴۷، ۱۷۳، ۱۸۹، ۱۹۲
سدوم ۶۳
سراندیپ ۲۷، ۵۳، ۹۸، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۵۳
سرجد، بلاد ۱۴۳
سرسیر، مملکت ۱۶۴، ۱۶۵
سرسیرہ، بلاد ۱۱۵
سریہ، شہر ۳۱۲، ۳۱۳
سعید (صبید) ۳۱۲
سعید، بندرگاہ ۲۸۴، ۲۸۵
سفالہ، بلاد ۱۱۳
سقطرہ، جزیرہ ۳۱۴، ۳۱۵
سلوقیہ، بلاد ۱۲۰، ۲۲۳

سمرقند ۲۲۱
سیماط ۱۴۳
سمیور ۲۷
سنجار ۱۱۳، ۱۳۶
سندان ۱۳۵
سندھ ۳۴، ۹۷، ۹۹، ۱۰۱، ۱۲۹، ۱۳۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۶۸، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۹۴، ۳۰۷، ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۸، ۳۱۹
سوبارہ ۱۳۵، ۱۴۹
سوڑان ۴۱، ۱۰۱، ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۴۵، ۱۵۳، ۲۸۶، ۳۰۴، ۳۱۶
سورا ۱۹۶
سوری، بلاد ۱۱۱
سوس، بلاد ۱۱۱، ۱۲۰، ۲۱۸
سوس ادنیٰ ۱۴۵
سوس اقصیٰ ۱۴۵
سوفانیہ ۱۷۱
سہنی ۲۸۶
سیاوردیہ، بلاد ۱۷۱
سیب ۱۱۲
سیراف، بلاد ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۳۲

(ش)

شاش ۱۲۸
شاکرہ ۱۴۸
شام ۲۰، ۲۳، ۲۴، ۲۷، ۴۲، ۵۴، ۵۹، ۶۳، ۶۹، ۸۳، ۸۶، ۱۰۱، ۱۱۱، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۵۹، ۱۸۹، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۳، ۲۳۲، ۲۴۱، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۲، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۴، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۸۰، ۲۸۳، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۳، ۲۹۴، ۳۰۳، ۳۱۱
شجرہ، بستی ۲۹۰
شحرہ، بلاد ۱۶۱
شروان ۱۴۳، ۱۵۵
شکین، مملکت ۱۷۰
شیت ۱۲۴

(ص)

صا ۲۹۰
صابورا ۶۳
صاعورا ۶۳
صافیہ ۲۵۴
صفین ۱۱۱
صرو، جزیرہ ۱۳۹
صعید (دیکھئے سعید) ۳۱۳، ۳۱۸، ۳۲۰
صفد ۳۰، ۲۲۰
صفر ۴۲
صقالیہ ۱۵۶
صمصنی، مملکت ۱۷۰
صمیور ۱۴۹
صنارہ ۱۷۱
صنباریہ ۱۷۰

صنعد ۱۴۱
صور، بلاد ۱۱۶، ۱۲۴
صیدا ۱۱۹
صعید ۳۲۰
صقلیہ (سسلی) ۴۱، ۵۸، ۱۰۱، ۱۱۸، ۱۴۳، ۱۶۱، ۲۴۱، ۲۹۹

(ط)

طافن، مملکت ۱۵۰
طائف ۸۹، ۱۰۱
طبائع ۱۸۵
طراندنده ۱۵۴
طبرستان ۱۲۰، ۱۲۳، ۱۴۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۶۰، ۱۸۶، ۱۹۳، ۳۱۱
طبریہ ۷۲، ۷۷، ۸۰
طرابلس (غرب) ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۴
طراندنده، بلاد ۱۶۶، ۱۷۱
طرخان ۱۴۳
طرطوس ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۴، ۱۵۹، ۲۸۰
طغرغز ۱۱۰
طفوف ۱۱۱
طلبیرہ ۱۴۳
طلیطلہ ۱۴۳، ۱۴۴
طلیمون، جبل ۱۰۹
طنجہ ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۱
طوابریرہ ۱۲۷
طیّب ۱۵۳
طیلسان ۱۲۷

(ع)

عالج ۵۹
عبادان ۱۱۵
عدن ۳۱۴، ۳۱۹
عراق ۲۰، ۳۴، ۴۲، ۵۴، ۱۰۴، ۱۱۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۹، ۲۰۷، ۲۱۴، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۴۱، ۲۵۴، ۲۶۳، ۲۹۵، ۳۰۳، ۳۱۲
عرب ۱۷۶، ۲۳۴، ۲۴۰، ۲۴۶
عُرفہ ۵۳
عریش ۱۱۷، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۹۰
عقاب، شہر ۲۸۵
عُقل، جزیرہ ۳۱۴
علاقی ۳۱۳
علوہ ۲۸۵
عمات ۱۲۸
عمآرہ، بلادابن ۱۱۵
عمان ۲۳، ۲۷، ۵۹، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۹۱
عنیق، مملکت ۱۶۴
عمورا، شہر ۶۳
عموریہ ۲۷۷
عیذاب ۳۱۳

(غ)

غزنی ۱۴۷

غزنین ۱۷۳

غلافقہ، شہر (علاقہ) ۳۱۴

غور، ارض ۶۸، ۷۴

(ف)

فاراب ۱۱۰

فارس ۲۳، ۲۷، ۴۱، ۵۹
۱۳۳، ۱۳۵، ۱۴۱، ۱۴۴
۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۶
۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲
۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۸، ۱۹۹
۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۰۵
۲۰۹، ۲۱۱، ۲۱۴، ۲۱۵
۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹
۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۹، ۲۳۰
۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴
۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۴۱
۲۴۲، ۲۴۹، ۲۶۴، ۲۸۳
۲۹۴، ۳۰۵، ۳۰۷، ۳۰۹

فازیلف ۲۴

فاسن ۱۴۵

فارک، بلاد ۱۳۵

فامیہ ۲۲۳

فاہیہ ۲۴۷

فترہ ۸۲

فرانس ۲۵، ۲۹، ۳۱۹

فرس ۱۱۱

فرغانہ ۱۲۷، ۱۲۸

فسطاس ۲۹۴

فسطاط (مصر) ۲۳، ۲۷، ۱۰۸، ۱۰۹،
۱۱۵، ۳۱۲، ۳۱۷

فلسطین ۲۳، ۲۷، ۶۳، ۶۵،
۷۲، ۷۷، ۸۰، ۱۹۷
۲۴۱، ۲۴۷، ۲۵۲، ۲۶۱
۲۹۰

فندیہ ۱۵۹

فیوم ۲۸۶

(ق)

قالیقلا ۱۱۰

قاہرہ ۱۶، ۱۷

قاف ۲۳

قبج، جبل ۴۱

قبرسابور ۱۱۲

قبرص ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۳۶
۲۸۲، ۲۸۳

قبط ۲۹۰

قراسیا ۱۲۰

قرطبہ ۱۱۷، ۱۴۴

قردی ۱۶۸

قریہ بصارا ۷۷

قسطنطنیہ ۳۰، ۳۱، ۱۱۸، ۱۱۹،
۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۲، ۱۶۹
۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۲، ۲۶۴
۲۶۵

قصر ۳۱۸

قصر ابن ہبیرہ ۱۱۱، ۱۹۶، ۲۰۷

قصر الاسود ۱۴۵

قصر شمع ٢٩٤

قطر ١٣٥

قُطرُبل ١١١

قفط ٣١٨، ٣٢٠

قلزم ١١٤

قلمسان ١٤٥

قلمیہ، شہر ١٢٠، ١٢٤

قنبلو ١١٣، ١١٤

قنخب ١٥٣

قندھار ١٩٤

قنسرین ٢٢٣، ٢٦٥

قنصور، بلاد ١٣٨

قنطرۃ السیف ١٤٣

قنوج ٩٧، ٩٩، ١٤٦، ١٤٧

قوص ٣٢٠

قوتا دخاینجار، بلاد ٢٥٤

قیروان ١٢٠

قیساریہ ٢٥٢

قیلہ، مملکت ١٧١

(ک)

کابل، بلاد ١٤٧

کاشان (کوشان) ١٢٧

کائنہ، جزائر ٣١٨

کراچی ٢١

کر، شہر ١٧١

کرسکوس ١٧٠

کرمان ٢٧، ١١٥

کشک (مملکت) ١٦٦

کشمیر ٩٧، ٩٩، ١٩٤

کعبیر (کعبی) ٣١٣

کفربیا (کفریاد) ٢٨٠

کلفاً ١٣٥

کلّہ، بلاد ١١٥

کمبا ٢٧

کمبالو ٢٧

کنسایہ ١٣٥

کنکور ١٩٤

کوفہ ١١١، ١٨٠، ٣١١

کوکب، گاؤں ٧٣

کہف ٥٦

کیماکیہ ١٢٧

(ل)

لاذقہ، بلاد ١١٨

لاذقیہ ١١٦، ١٢٤

لان، مملکت ١٦٦، ١٦٨، ١٦٩، ١٧٠

لبسیطہ ١١٧

لبنان ٢٠، ٢٥

لعس ١٧٣

لقردی ١١٢

لمطیہ، بلاد ١١٠

لندن ٢٩

لوشنج ٢٣٠

لیڈن ١٧، ٢٠، ٣١

(م)

مارب ١٧٠

مازندی ١٧٨

مافرہ ٣١٢

مالکیر ٩٧

مقام	صفحات
ماند	۱۵۲
ماوراالنہر	۲۲۵
ماہربان	۱۱۵
ماہرت	۱۴۵
متابعہ	۳۱۹
مثینہ	۶۶
مدائن	۷۸، ۲۱۸، ۲۲۴، ۲۳۳، ۲۶۰
مدین	۶۹، ۷۵
مدینہ	۵۹، ۱۰۱
(مدینۃ السلام)	۱۱۱، ۱۱۲، ۲۶۷
مڈغاسکر	۲۳، ۲۷
مراغہ (مراکش)	۶۹
مربوط	۱۰۹
مرزبان، مملکت	۱۶۴
مرعاہ	۷۷
مرو	۲۲۷
مزون (فرس)	۱۳۶
مسقط (شروان)	۱۳۶، ۱۷۱
مصر	۱۹، ۲۰، ۲۳، ۲۴، ۲۷، ۳۱، ۸۰، ۱۰۱، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۷، ۱۴۵، ۲۴۱، ۲۴۳، ۲۴۸، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۵۹، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۲، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۰
مصر القنطرہ	۱۱۷
مصیصہ	۱۱۹، ۱۲۰، ۲۸۰
مضیق	۱۲۰
مکران	۱۱۵
مکۂ مکرمہ	۴۲، ۴۳، ۹۰، ۹۳، ۱۰۱، ۲۶۷، ۳۱۹
مقدونس	۲۶۰
مقدونیہ	۲۴۸، ۲۵۲، ۲۹۸
مقرا	۲۸۵
ملتان	۲۷، ۱۰۸، ۱۴۱، ۱۴۷، ۱۴۸
ملیشیا	۲۷
ممار	۵۷
منیا	۱۹۶
مندروفین، بلاد	۱۵۳
منصورہ	۲۷، ۱۰۸، ۱۴۱، ۱۴۸، ۳۲۰
منف	۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۴
منیٰ	۵۶
موتا	۶۳
موصل	۴۱، ۵۸، ۷۵، ۱۱۲، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۹۳، ۲۶۵، ۲۸۹
موقان، مملکت	۱۷۱
موقانیہ	۱۵۵
مہراج	۹۷، ۱۵۳، ۱۶۱
مہران (الذہب)	۱۰۸، ۱۴۸
میافارقین	۱۱۲
میکان	۱۱۴

میلانو (اطالیہ) ۳۱
میسور ۱۳۵

(ن)

نابلس ۷۷
نجار ۱۱۵
نجب ۳۱۳
نجران ۸۴
نجف ۱۱۱
نجمانوس (جانوس) جزائر ۱۳۸
نحاس ۱۴۵
نحوم ۱۲۸
نعمانیہ ۱۱۲
نفاطہ ۱۶۰
نقلہ ۳۱۲
نوبہ ۲۸۵، ۲۸۶، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۱۳، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۰
نوی شہر ۹۶
نہاوند ۱۹۵
نہروان ۲۲۲، ۲۳۳
نیران، جزائر ۱۶۱
نیسان ۶۱
نیشاپور ۲۱۹
نیس، جزیرہ ۳۱۱
نیقیہ ۲۶۱
نینوا ۴۱، ۷۵، ۱۷۸، ۱۷۹

(و)

واسط ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۸۵، ۲۵۴
واق ۱۱۳
واق واق بلاد ۳۰۶
ورشان، بلاد ۱۷۱
وصیر، جزیرہ ۲۸۵
ولندر ۱۶۹

(ہ)

ہدنہ ۲۶۶
ہرات ۲۳۰، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۶
ہرمز، بلاد ۱۱۵، ۲۱۰
ہند (ہندوستان) ۲۳، ۲۷، ۳۱، ۴۰، ۵۳، ۵۷، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۶۸، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۸۵، ۱۹۴، ۲۰۹، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۴۱، ۲۴۴، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۵، ۳۱۸، ۳۱۹
ہیئت ۱۱۱

(ی)

یروشلم ۷۴
یسابور (چھاؤنی) ۲۱۴
یمن ۴۲، ۹۰، ۸۲، ۸۴، ۱۰۱، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۳۶، ۱۶۱، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۶، ۲۴۰، ۲۴۹، ۲۸۵، ۳۱۴، ۳۱۹

یورپ	۲۴۹، ۲۹۹
یونان	۲۹، ۱۶۹، ۲۴۲، ۲۴۶

ی	۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۲، ۲۶۲
	۲۸۴، ۲۸۵، ۳۰۳، ۳۱۵، ۳۲۰

اشاریہ (بلاد و امصار)
حصّہ دوم

(آ)

آب کدر	۲۱۳
آذربائیجان	۸۳، ۱۸۶، ۲۵۹، ۲۶۰
	۳۱۱
آرمینیا	۳۱۱

(ا)

ابلہ	۲۴۷
ابینہ	۱۹۰
ابی قبیس، جبل	۲۰۱
اجیاد	۲۸
احقاف، بلاد	۱۹، ۴۶، ۹۰، ۹۱، ۱۸۹
ارجان، شہر	۱۴، ۱۸۱
اردن	۷۴، ۲۷۱
ارض ذہب	۱۸۹
ارض صعید	۱۸۹
ارض عماد	۱۸۹
ارم ذات العماد	۲۰
اریوجان	۱۴
استاق	۱۸۴
استینیا	۱۸۶
اسک	۱۴
اسکندریہ	۱۳، ۱۳۰، ۲۶۸، ۲۶۹
اصطخر	۱۸۱
اصفہان	۱۶۵، ۲۵۹، ۲۶۰، ۳۴۵
اصنم	۲۸
افرنگ	۱۲
افریقہ	۷۵، ۹۷
اقریطش، جزیرہ	۱۳
انبار	۹۱، ۳۱۵، ۳۳۹
انجاد	۴۶
اندلس	۱۸، ۲۰، ۱۸۹
انطاکیہ	۱۳۰، ۱۳۱، ۱۶۹، ۱۸۸
انمار	۷۷
اوبلس	۱۷
اودیہ	۸۰
اہواز، بلاد	۱۴، ۳۰
ایاس، بلاد	۸۰
ایران	۵۵، ۱۳۴
ایکہ	۱۰۱
ایلہ	۹۲

(ب)

بابل	۲۲، ۳۰، ۳۴، ۳۹، ۴۰،
	۴۳، ۴۸، ۷۹، ۹۰، ۹۱،
	۹۲،
بارسان	۸۳
باری، شہر	۱۷
بجّہ	۱۶۰

بجیلہ	۲۴۹
بحرین	۳۰، ۹۲، ۲۶۸
بخارا	۱۸۰
بدر	۲۱۳
براری	۸۰
بربر، ارض	۸۰
برجان	۱۶۰
برزخ	۴۳
برقہ، ارض	۸۰
برکان، جزیرہ	۱۳
برہوت، وادی	۱۴
بست	۸۳
بسطاط مدائن	۶۷
بسطام	۸۳
بصرہ	۸۳، ۲۵۶، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۷۸، ۲۸۲، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۳، ۲۹۵، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۴، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۳، ۳۳۹
بطحا	۱۲۳
بعلبک	۱۸۲، ۱۸۶
بغلان	۵۴
بغداد	۱۶۰، ۳۴۰
بقّہ	۹۱
بقیعقان	۲۷
بلخ	۱۶۵
بلقا، سرزمین	۷۴، ۲۲۲
بلقاد	۱۶۴
بلوبیہ	۸۰
بلوچ	۸۳
بوزنطینا	۱۳۰
بویرہ	۱۳
بیت المقدس	۱۲۹، ۱۳۰، ۱۵۲، ۱۷۰، ۱۹۳، ۲۱۲، ۲۱۹، ۲۲۰
(ت)	
تبت	۵۱، ۷۵، ۱۶۰
تبوک	۸۸
تبہ	۱۵۲، ۱۹۳
ترکستان	۱۶۰، ۱۸۱
ترکی	۱۲، ۱۵۰
تغزغز	۱۶۰
تہامہ	۲۳، ۳۱
تہائم	۳۷، ۳۸، ۴۶، ۱۰۶
تیونس	۱۷۱، ۱۹۰
ث	
ثبینہ، بلاد	۹۵
ثعیلہ	۵۴
ثغور شام	۹۲
ثور، غار	۱۱۴
(ج)	
جارباقیہ	۸۳
جاوانیہ	۸۳
جبال	۳۷
جدّہ	۱۶۰
جدّی	۱۳
جرف	۲۶۹
جردم	۳۹
جزیرہ، بلاد	۳۸، ۶۱، ۶۳، ۷۲، ۹۲، ۱۳۳، ۱۸۳

جسر بابل ۲۷۵
جبیر ۵۴
جند قنسرین، بلاد ۱۰۲
جُوّ، بلاد ۳۰، ۹۵
جوتل باسح ۱۰۲
جودی، جبل ۸۳
جُور، شہر ۱۸۳
جولان، شہر ۷۴، ۸۱
جوی ۱۱
جہینہ ۲۸

(چ)

چین ۳۹، ۵۱، ۷۵، ۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۷، ۱۷۷، ۱۸۱، ۱۸۶،

(ح)

حب المخصب ۸۶
حبشہ ۳۳، ۳۴، ۴۰، ۵۲، ۵۳، ۵۵، ۵۶، ۸۰، ۸۷، ۱۲۱، ۲۲۲
حَت ۸۳
حجاز ۳، ۲۱، ۳۰، ۳۷، ۳۹، ۴۳، ۵۱، ۵۶، ۷۶، ۸۱، ۹۱، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۵۲، ۲۱۳، ۲۳۴، ۲۴۳، ۲۷۹
حجر ۹۱
جحفہ ۹۹
حدیبیہ ۲۱۳
حرّان، شہر ۱۷۵، ۱۷۶
حرم ۹۱
حرود (حرور) ۳۹، ۴۰
حرورا ۳۳۱
حش کوکب ۲۶۷
حصن حضر ۱۸۳
حضر موت ۱۴، ۱۹، ۳۰، ۴۶، ۷۵، ۹۱، ۱۸۹
حلب ۱۰۲
حلوان ۳۴۰
حمص ۳۶، ۱۸۲، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۵۸، ۲۷۰
حمیر ۲۳۲
حنین ۲۶۸
حوّاب ۲۹۵
حوران، بلاد ۹۵
حیرہ ۶۰، ۶۱، ۶۴، ۶۹، ۷۰

(خ)

خابل ۱۰۹
خالیہ ۸۳
خانوتہ، بلاد ۶۰، ۶۱، ۶۳،
خراسان ۳۸، ۵۱، ۱۵۹، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۶، ۱۸۹، ۳۴۰
خربیہ ۳۰۷
خزر ۱۲
خزولان ۱۶۰
خوارزم ۱۸۱
خوزستان ۳۸
خیبر ۲۱۲

(د)

دبابلہ ۸۳
درابجرد، شہر ۱۸۱
درام ۱۶۰
دمشق ۷۴، ۹۱، ۹۵، ۱۳۱، ۱۸۲، ۱۸۶، ۱۸۸، ۲۲۲، ۲۵۰، ۲۶۳، ۲۸۹، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۸، ۳۳۱، ۳۳۸
دمیاط ۱۹۰
دنب تماح ۱۹۰
دوّان ۲۱۲
دومۃ الجندل ۳۳۱، ۳۳۲
دویاس ۸۰
دھنا ورمل ۹۶

(ذ)

ذی الجناحین ۲۶۰، ۲۶۲
ذی قار ۲۹۶، ۲۹۷
ذی قصہ ۲۳۶

(ر)

ران ۱۸۶
رانونا، وادی ۲۱۱
ربذہ ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۹۶
رحبہ ۳۱۳، ۳۵۱
رضوی ۲۱۲
رقہ ۱۹۴
رمّال ۸۰
رمیلہ ۳۴۱
روڈس، جزیرہ ۱۳
روم (رومیہ) ۱۲، ۱۳، ۴۰، ۵۵، ۶۰، ۷۱، ۷۲، ۹۲، ۱۱۵، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۶۰، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۹، ۱۹۷، ۳۱۶

(ز)

زابلستان ۱۶۳
زاویہ ۲۹۷، ۲۹۹
زابج، بلاد ۱۴
زبالہ ۲۴۸
زُبہ ۸۳
زبید، ساحل ۵۲
زرارہ ۲۷۵
زنانہ ۸۰
زنجبار ۱۶۰
زیلع ۵۲

(س)

سابور ۱۸۲
سبا، بلاد ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۶۶
سباع، وادی ۳۰۲، ۳۰۴
سجستان، بلاد ۵۱، ۸۳، ۱۶۳، ۱۸۰، ۱۸۶، ۲۵۰
سج ۲۳۴
سحلمانہ، ساحل ۱۶۰
سند ۱۱۹، ۱۲۰
سدوم ۷۴
سراۃ ۸۳
سلجماسہ ۱۸۹
سلیح ۶۱
سماوہ، ارض ۹۵، ۱۰۲

سمرقند ۷۵

سندھ ۹۸، ۱۶۳، ۱۸۶، ۱۸۹

سوڈان ۵۵، ۵۸، ۱۵۰، ۱۸۹

سوریہ، بلاد ۱۰۲

سیراف ۲۴۸

(ش)

شادی خان ۸۳

شام ۳، ۲۱، ۳۳، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۹، ۴۳، ۴۴، ۴۸، ۶۰، ۶۱، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۶، ۸۰، ۸۱، ۸۳، ۹۱، ۹۲، ۹۵، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۳۰، ۱۶۴، ۱۸۲، ۱۸۹، ۱۹۹، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۱۸، ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۴۳، ۲۵۰، ۱۶۱، ۲۶۶، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۹، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۸، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۲۹، ۳۳۱

شبرامہ، شہر ۱۷

شحر ۲۳، ۷۵

شجیرہ ارض ۱۴، ۲۱

شنترین، شہر ۱۵

شیراز ۱۸۲

شیروان ۱۴

شیزران (شیراز) ۱۸۰

(ص)

صحاری، بلاد ۱۹

صعید مصر ۱۹۰

صفوریہ ۲۷۱

صفّین ۲۸۹، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۹، ۳۲۱

صقالبہ ۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۳

صقالیہ ۸۰

صُمّان ۹۶

صنعا (مدائن) ۵۷، ۵۸، ۱۶۶، ۲۳۷

صیقلیہ، جزیرہ ۱۳، ۱۴، ۵۵، ۸۰

(ض)

ضریعہ ۸۰

(ط)

طارنیو، شہر ۱۷

طانج ۲۸

طائف ۵۳، ۹۶، ۱۰۰، ۲۱۹، ۲۳۳، ۳۰۶

طبرستان ۱۸۶

طبریہ ۹۵

طرابلس ۸۰

طرطوشہ ۱۴

طفّ ۲۹۷، ۲۹۹

طنجہ ۹۷، ۱۵۹

طوس ۱۸۰

طے، وادی ۲۸۷

(ظ)

ظفّار، شہر ۵۸

(ع)

عتیق ۲۶۹

عجم ۴، ۸۲، ۱۲۵، ۲۲۴

عراق ۳، ۲۹، ۳۰، ۳۳، ۳۵، ۳۷، ۳۹، ۴۰، ۴۳، ۵۵، ۶۰، ۷۰، ۷۶، ۸۳، ۹۰، ۱۰۲، ۱۲۹، ۱۳۳، ۱۴۷، ۱۵۴، ۱۵۹، ۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۶، ۲۲۳، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۶۱، ۲۶۶، ۲۶۹، ۲۷۹، ۲۸۳، ۲۸۹، ۲۹۶، ۳۱۵

عرب ۶، ۵۶، ۸۱، ۸۲، ۱۱۲، ۱۲۵، ۱۳۵، ۳۴۸

عرض دینور ۸۳

عرم ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳

عریش ۳۴۴

عذیب ۲۴۸، ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۹

عقاب، شہر ۱۸۹

عمالیق ۶۱

عمان، بلاد ۱۹، ۴۶، ۹۱

(غ)

غابہ ۸۰

غانہ ۱۶۰

غرش، بلاد ۸۳

غمدان، معبد ۱۶۶، ۱۶۷

(ف)

فارس ۱۴، ۳۰، ۳۸، ۵۵، ۵۸، ۶۸، ۸۲، ۸۳، ۸۶، ۹۲، ۹۶، ۹۷، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۷، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۶۶، ۳۱۸۔

فاصخا ۲۸

فتح ناقہ ۲۱

فرغانہ ۱۵۹، ۱۶۷

فسطاط ۱۶۹

فسطانو ۱۴

فلسطین ۲۲، ۷۴، ۸۰، ۸۱، ۱۲۴، ۱۳۰۔

(ق)

قادسیہ ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۹

قبا (قبائے علی سعد بن خثیمہ) ۲۱۱

قبر رغال ۵۴

قبر عباری ۵۴

قبط ۱۹۷

قبہ ۶۱، ۶۲

قرطاجنہ ۱۷۱

قرطبہ ۱۸

قرقرہ کدر ۲۱۳

قرقیسیا ۶۰
قریٰ وادی ۲۱، ۹۱، ۹۶، ۲۱۲، ۲۶۸
قسطنطنیہ ۱۳۰، ۱۶۰، ۱۸۳
قفار ۸۰
قفص، ارض ۸۳
قلزم ۳۴۵
قنج، جبل ۱۲
قنطرہ ۳۰۴
قومس ۱۸۰
قیروان، بلاد ۸۰، ۱۷۱
قیس عیلان، بلاد ۱۵۲
قیقعان ۲۸

(ک)

کاریان ۱۸۱
کاظمہ ۲۴۸
کحلان ۱۶۶
کردستان ۸۳
کرمان ۱۶۳، ۱۸۶
کنکور ۸۳
کوار، شہر ۱۸۲
کورہ ۱۳۰
کوفہ ۷۰، ۸۳، ۲۱۱، ۲۴۸، ۲۵۶، ۲۶۳، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۸۲، ۲۸۷، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۱۱، ۳۱۳، ۳۱۵، ۳۲۳، ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۳۹، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۵۳، ۳۶۲، ۳۶۷
کوم شریک ۳۴۴

(ل)

لبنان ۱۸۶

(م)

مارب ۳۱، ۷۲، ۷۴، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۸۸
مازن، بلاد ۱۱۹
ماسبدان، بلاد ۱۴
مادنجان ۸۳
مار النار، شہر ۱۸۲
مدائن (مدین) ۶۷، ۱۰۰، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۵۶، ۲۵۹، ۳۳۹
مدورہ ۱۳۱
مدینہ ۹۹، ۱۲۷، ۱۵۶، ۲۰۷، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۴، ۲۹۹، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۸، ۳۳۲، ۳۶۰
مراقیہ ۸۰
مزدکنان ۸۳
مزدلفہ ۳۲
متات ۳۴۴

مستکان ۸۳

مشارق ۱۳۷

مصر ۱۴، ۳۵، ۳۶، ۸۰، ۹۱، ۹۶، ۱۰۰، ۱۰۶، ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۵۸، ۱۹۰، ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۶۶، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۹۱، ۳۱۲، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۴۴، ۳۵۳

مضیق ۶۰

مقدونیہ ۱۷۱

مکہ ۳، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۴۶، ۵۲، ۵۴، ۵۹، ۷۹، ۸۶، ۸۷، ۹۶، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۸، ۱۲۷، ۱۳۷، ۱۶۰، ۱۶۴، ۱۶۵، ۲۰۱، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۶۷، ۲۷۵، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۲، ۲۹۴، ۲۹۵، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۶۰

ملتان ۱۸۹

مندوستان (سندرساب) ۱۶۵

منصورہ، بلاد ۹۸

منیٰ ۳۲، ۱۳۷

موتہ ۲۲۲، ۳۵۸

موصل، بلاد ۸۳، ۱۸۴

(ن)

ناصح ۵۲

نجد ۳۸، ۱۵۲، ۲۱۳

نجران ۷۸،

نخلہ ۱۶۰

نسار البیضاء ۱۸۱

نعمان ۱۹۰

نمل ۱۸۹

نوح، حضرت ۱۳

نوی، ارض ۹۵

نہاوند ۲۵۶، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳

نہروان ۲۹۰، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰،

نیشاپور ۱۸۱

(و)

واح ۱۶۰

واصقر ۲۴۸

وانج علاف ۱۱

وبار، ارض ۹۵

وتج، بلاد ۱۰۰

ولنیانا ۱۲

(ہ)

ہبائیہ ۸۳

ہمدان ۸۳، ۳۱۱

ہندوستان (ہند) ۱۲، ۲۰، ۳۹، ۹۷، ۹۸، ۱۰۶، ۱۵۰، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۸۶، ۱۸۹،

ہوارہ ۸۰

ھی یت ۱۷

(ی)

یرموک ۷۳، ۳۱۷

یمامہ (حجر) ۹۱، ۹۲، ۹۹، ۱۱۵

یمن ۳، ۱۹، ۲۳، ۳۳، ۳۶، ۳۷، ۴۳، ۴۵، ۴۶، ۴۸، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۷۱، ۷۲، ۸۱، ۹۱، ۱۰۶، ۱۱۴، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۸۹، ۲۰۱، ۲۲۳، ۲۳۲، ۲۳۷، ۲۵۰، ۲۹۴

ینبع ۲۱۳

یورپ ۱۷۱

یونان ۱۴، ۱۱۵